تبیان الحق

بجواب جاء الحق

تالیف

مولانا مفتی محمد نسیم رحمانی (فاضل دیوبند)

پیش کش

المعهد العالی الاسلامی دهلی

2017-03-12 02:01

تفصیلات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : تبیان الحق بجواب جاء الحق

نام مؤلف : مولانا مفتی محمد نسیم رحمانی (فاضل دیوبند)

زیر نگرانی : حضرت مولانا سمیع احمد صاحب مظاہری

بانی جامعۃ المعارف مڑگاؤں گوا

آل انڈیا رحمانی فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

کمپوزنگ سمیع احمد

الصعید العالمی الاسلامی دہلی

ناشر

دارالاشاعت

DARULISHA-AT

DEOBAND 247554(INDIA)

ملنے کا پتہ

KUTUB KHANAHUSAINIA

DEOBAND 247554(INDIA)

Kutub Khana Naimia

DEOBAND 247554(INDIA)

Phone: (O)01336-223266

Mob: 09359210244

انتساب

مصلح اعظم حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

محمد نسیم رحمانی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
انتساب	۳
کلمات عالیہ	۱۱
کلمات معتبرہ	۱۳
کلمات حسنہ	۱۴
تعارف	۱۶
چند باتیں	۱۷
دیباچہ کا جواب	۱۹
خلاصہ کلام	۲۲
نفی علم غیب	۲۷
مقدمہ، پہلی فصل	۲۷
دوسری فصل	۲۹
تیسری فصل	۳۰
چوتھی فصل / پہلا باب	۳۴
(پہلی فصل) کے جوابات	۳۴
دوسری دلیل کے جوابات	۳۹
تیسری دلیل کے جوابات	۴۳
چوتھی دلیل کے جوابات	۴۵
پانچویں دلیل کے جوابات	۴۶
چھٹی دلیل کے جوابات	۴۹
ساتویں دلیل کے جوابات	۵۳
آٹھویں دلیل کے جوابات	۵۵
نویں دلیل کے جوابات	۵۸
گیارہویں دلیل کے جوابات	۵۹
بارہویں دلیل کے جوابات	۶۲
تیرہویں دلیل کے جوابات	۶۶
چودھویں دلیل کے جوابات	۶۷
پندرہویں دلیل کے جوابات	۶۹
سولہویں دلیل کے جوابات	۷۲
سترہویں دلیل کے جوابات	۷۴
اٹھارہویں دلیل کے جوابات	۷۶
انیسویں دلیل کے جوابات	۷۷
بیسویں دلیل کے جوابات	۷۹
تتمہ کے جوابات ﴿صفی ۵۹ تا ۶۲﴾	۸۰
دوسری فصل اور پہلی دلیل کے جوابات	۸۳
پہلی دلیل کے جوابات	۸۳
دوسری دلیل کے جوابات	۸۵
تیسری دلیل کے جوابات	۸۶
چوتھی دلیل کے جوابات	۸۸
پانچویں دلیل کے جوابات	۸۹
چھٹی دلیل کے جوابات	۹۰
ساتویں دلیل اور اس کے جوابات	۹۲
آٹھویں دلیل کے جوابات	۹۳
نویں دلیل کے جوابات	۹۵
دسویں دلیل کے جوابات	۹۶
گیارہویں دلیل کے جوابات	۹۷
بارہویں دلیل کے جوابات	۹۸
پہلی آیت	۹۹
دوسری آیت	۱۰۰
تیسری آیت، چوتھی آیت	۱۰۱
پانچویں آیت، چھٹی آیت	۱۰۲
ساتویں، آٹھویں، نویں آیت	۱۰۳
دسویں، گیارہویں، بارہویں آیت	۱۰۴
تیرہویں، چودہویں، پندرہویں آیت	۱۰۵
سولہویں آیت، سترہویں آیت	۱۰۶
اٹھارہویں، انیسویں، بیسویں آیت	۱۰۷
اکیسویں، بائیسویں، تیئیسویں آیت	۱۰۸
چوبیسویں، پچیسویں، چھبیسویں آیت	۱۰۹
ستائیسویں اور اٹھائیسویں آیتیں	۱۱۰
انتیسویں اور تیسویں آیت	۱۱۰
اکتیسویں اور بتیسویں آیتیں	۱۱۱
تینتیسویں اور پینتیسویں آیتیں	۱۱۲
پینتیسویں اور چھتیسویں آیتیں	۱۱۳

2017-03-12 02

عنوان	صفحہ نمبر
سینتیسویں آیت، اڑتیسویں آیت	۱۱۳
انتالیسویں آیت، چالیسویں آیت	۱۱۴
پہلی حدیث: نفی علم غیب	
احادیث کے آئینے میں	۱۱۵
دوسری حدیث	۱۱۶
تیسری حدیث	۱۱۷
چوتھی حدیث	۱۱۸
پانچویں حدیث	۱۱۹
چھٹی حدیث	۱۲۰
ساتویں حدیث	۱۲۱
آٹھویں حدیث	۱۲۳
نویں حدیث	۱۲۳
دسویں آیت، گیارہویں حدیث	۱۲۵
بارہویں حدیث	۱۲۶
تیرہویں حدیث	۱۲۷
چودہویں حدیث، پندرہویں حدیث	۱۲۸
سولہویں حدیث	۱۲۹
سترہویں حدیث	۱۳۰
اٹھارہویں حدیث	۱۳۱
انیسویں حدیث	۱۳۲
بیسویں اور اکیسویں حدیث	۱۳۳
بائیسویں اور تیئیسویں حدیث	۱۳۴
چوبیسویں اور پچیسویں حدیثیں	۱۳۵
چھبیسویں اور ستائیسویں حدیثیں	۱۳۶
اٹھائیسویں اور انیسویں حدیثیں	۱۳۷
تیسویں اور اکتیسویں حدیثیں	۱۳۷
بتیسویں اور تینتیسویں حدیثیں	۱۳۸
چونتیسویں اور پینتیسویں حدیثیں	۱۳۹
چھتیسویں اور سینتیسویں حدیثیں	۱۳۹
اڑتیسویں اور انتالیسویں حدیثیں	۱۴۰
چالیسویں حدیث	۱۴۰
بحث حاضر و ناظر	۱۴۱
پہلی فصل، اور پہلی حدیث کے جوابات	۱۴۱
چوتھی آیت کا جواب	۱۴۷
پانچویں آیت کے جوابات	۱۴۸
چھٹی آیت کے جوابات	۱۴۹
ساتویں آیت کے جوابات	۱۵۱
آٹھویں آیت کے جوابات	۱۵۲
نویں اور دسویں آیات کے جوابات	۱۵۳
گیارہویں آیت کے جوابات	۱۵۵
بارہویں آیت کے جوابات	۱۵۵
دوسری فصل اور پہلی حدیث کے جوابات	۱۵۶
دوسری حدیث کے جوابات	۱۵۹
تیسری اور چوتھی حدیث کے جوابات	۱۶۰
پانچویں حدیث کے جوابات	۱۶۱
چھٹی حدیث کے جوابات	۱۶۲
ساتویں حدیث کے جوابات	۱۶۳
آٹھویں حدیث کے جوابات	۱۶۴
نویں حدیث کے جوابات	۱۶۴
تیسری فصل	۱۶۵
حاضر و ناظر کا ثبوت فقہا اور	
علماء امت کے اقوال سے	۱۶۵
دوسری عبارت کے جوابات	۱۶۷
تیسری عبارت کے جوابات	۱۶۸
چوتھی عبارت کے جوابات	۱۶۸
پانچویں عبارت کے جوابات	۱۶۹
چھٹی عبارت کے جوابات	۱۷۰
ساتویں عبارت کے جوابات	۱۷۱
چند عبارتوں کا جواب	۱۷۱
دسویں اور گیارہویں عبارت کا جواب	۱۷۲
بارہویں اور تیرہویں عبارت کا جواب	۱۷۳
چوتھی فصل: حاضر و ناظر کا ثبوت	۱۷۳
مخالفین کی کتابوں سے	۱۷۴
دوسری عبارت کا صحیح مفہوم	۱۷۶
تیسری عبارت خان صاحب	۱۷۷
دوسرا باب	
مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراض کے	

عنوان	صفحہ
جوابات اور اس کا رد	۱۷۸
دوسری اور تیسری دلیل کا	۱۷۹
جواب اور اس کا رد	۱۸۱
چوتھی دلیل کا جواب اور اسکا رد	۱۸۲
پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۱۸۳
چھٹی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۱۸۴
ساتویں دلیل کا جواب اور اسکا رد	
آٹھویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۱۸۵
نویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۱۸۵
حاضر و ناظر کی نفی بآیات القرآن الکریم	۱۸۵
پہلی دلیل	۱۸۶
دوسری دلیل	۱۹۰
تیسری حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ	۱۹۴
چوتھی دلیل حضرت یعقوبؑ کا واقعہ	۱۹۶
پانچویں دلیل حضرت موسیٰؑ کا واقعہ	۱۹۹
چھٹی دلیل حضرت سلیمانؑ کا قصہ	۲۰۶
ساتویں دلیل	۲۰۹
پہلا باب	۲۰۹
اس بیان میں کہ نبی اکرمؐ کو بشر یا	
بھائی وغیرہ کہنا حرام ہے (جاء الحق)	۲۰۹
پہلی دلیل کے جوابات	۲۰۹
دوسری غلط فہمی کا ازالہ	۲۱۰
تیسری غلط تصور کا ازالہ	۲۱۲
چوتھی غلط زعمی کا ازالہ	۲۱۲
پانچویں غلط فہمی کا ازالہ	۲۱۳
دوسرا باب	۲۱۳
مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے	
تردیدات کے بیان میں	۲۱۳
دوسری اور تیسری دلیل کا جواب	
اور اس کے تردیدات	۲۱۷
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۱۸
پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۱۸

عنوان	صفحہ
چھٹی دلیل کا جواب اور اس کی تردید	۲۱۹
	۲۲۰
مقدمہ	۲۲۰
نفی بشریت بآیات القرآن الکریم	۲۲۰
پہلی دلیل	۲۲۱
ساتویں دلیل	۲۲۲
آٹھویں دلیل	۲۲۲
نویں دلیل	۲۲۳
دسویں دلیل	۲۲۳
نور کی نفی احادیث کی روشنی میں	۲۲۳
نور کی نفی آثار کے آئینے میں	۲۲۳
نور کی نفی اقوال علماء اسلام سے	۲۲۳
پہلا باب: ندا یا رسول کے ثبوت میں	۲۲۹
پہلی دلیل اور اس کے جوابات	۲۳۰
دوسری دلیل کے جوابات	۲۳۱
تیسری دلیل کے جوابات	۲۳۲
چوتھی دلیل کے جوابات	۲۳۳
دوسرا باب: ندا و رسول اللہ کے دلائل کے	
جوابات اور ان کے تردیدات	۲۳۳
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۳۵
ایک غلط فہمی کی دھجیاں اڑ گئیں	۲۳۸
	۲۴۰
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۴۱
چوتھی دلیل کا جواب اور اسکا رد	۲۴۲
بحث اولیاء اللہ اور احیاء سے مدد مانگنا؟	۲۴۳
پہلا باب: غیر اللہ سے	
مدد مانگنے کے ثبوت میں	۲۴۳
دوسری آیت کے جوابات	۲۴۳
تیسری چوتھی اور پانچویں	
آیات کے جوابات	۲۴۵
چھٹی اور ساتویں آیات کے جوابات	۲۴۶
چند آیات کریمہ کے جوابات	۲۴۷
پہلی حدیث کے جوابات	۲۴۹

عنوان	صفحہ
نور الانوار کی عبارت کے جوابات	۲۵۰
علی پوری کی عبارت کا جواب	۲۵۰
گھوٹالا	۲۵۱
الحق المعات کی عبارت کا جواب	۲۵۲
مکتوبات کے حاشیے کی عبارت	۲۵۳
تفسیر کبیر روح البیان	
وخازن کی عبارت کے جوابات	۲۵۴
درمختار کی عبارت کے جوابات	۲۵۵
چند اشعار کے جوابات	۲۵۵
چند الزامات کے جوابات	۲۵۷
اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا	
عقلی ثبوت اور اس کے جوابات	۲۶۰
پہلی اور دوسری آیت کے جوابات	۲۶۲
چند آیات کریمہ کے جوابات	۲۶۴
دوسرا باب: استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات	
کے جوابات اور ان کی تردیدات	۲۶۶
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۶۷
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۶۸
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۶۸
پانچویں اور چھٹی دلیل کا جواب اور	۲۶۹
ساتویں اور آٹھویں دلیل کا جواب	۲۷۰
نویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۷۱
دسویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۷۲
گیارہویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۷۳
غیر اللہ سے مدد مانگنا حرام ہے	۲۷۳
پہلی دلیل	۲۷۳
دوسری دلیل	۲۷۴
تیسری دلیل	۲۷۴
چوتھی دلیل	۲۷۵
پانچویں دلیل / چھٹی دلیل	۲۷۶
ساتویں دلیل	۲۷۷
آٹھویں دلیل / نویں دلیل	۲۷۹

عنوان	صفحہ
پہلے اس قصیدہ کو دیکھ لیں	۲۸۰
پہلا باب: مدعت کے معنی اور اس کے	۲۸۱
دوسری غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۲
تیسری غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۳
چوتھی غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۴
پانچویں غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۶
بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی صحیح	۲۸۷
چھٹی غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۹
بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام	۲۹۰
بدعت کی قسموں اور حلال کی	۲۹۰
دوسرا باب	۲۹۱
پہلی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۹۳
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۲۹۶
تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب اور	۲۹۶
ہدایت ضروری ہے کا جواب	۲۹۷
پہلا باب: میلاد شریف کے ثبوت میں	۲۹۹
دوسری دلیل کے جوابات	۲۹۹
تیسری دلیل اور اس کے جوابات	۳۰۱
چوتھی دلیل کے جوابات	۳۰۲
پانچویں دلیل کے جوابات	۳۰۳
چھٹی دلیل کے جوابات	۳۰۳
ساتویں دلیل کے جوابات	۳۰۵
آٹھویں دلیل کے جوابات	۳۰۶
نویں دلیل کے جوابات	۳۰۸
دسویں دلیل کے جواب	۳۰۸
گیارہویں دلیل کے جوابات	۳۰۹
دوسرا باب میلاد شریف پر اعتراض	
وجواب اور ان کے تردیدات	۳۱۰
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۰
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۱
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۲

2017-03-12

تبیان الحق بجواب جاء الحق

عنوان	صفحہ
پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۳
چھٹی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۴
ساتویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۱۵
حضور اکرم کی بعثت اکمل نمونہ ہے	۳۱۵
نبی کریم کا ذکر مبارک اور درود وسلام	۳۱۶
میلاد کیا چیز ہے	۳۱۸
مروجہ محفل میلاد کے بارے میں	۳۲۰
بحث قیام میلاد	۳۲۴
پہلا باب: قیام میلاد کے ثبوت اور	۳۲۵
دوسری دلیل کا جواب	۳۲۶
تیسری دلیل کے جوابات	۳۲۷
چوتھی دلیل کے جوابات	۳۲۸
پانچویں دلیل کا جواب	۳۳۰
چھٹی دلیل کا جواب	۳۳۰
ساتویں دلیل کا جواب	۳۳۱
آٹھویں دلیل کے جوابات	۳۳۱
دوسرا باب قیام میلاد پر اعتراض	
وجواب اور اس کے تردیدات	۳۳۲
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۳۴
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۳۵
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۳۶
مجلس میلاد میں قیام کرنا	۳۳۸
بحث فاتحہ نتیجہ، دسواں چالیسواں مقدمہ	۳۳۹
پہلا باب: فاتحہ کے ثبوت اور اس کے	۳۴۱
دوسری دلیل کے جوابات	۳۴۲
تیسری غلط فہمی کا ازالہ	۳۴۴
کھانے سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعاء	۳۴۵
چند دلائل اور ان کے جوابات	۳۴۵
چند خلجان کے جوابات	۳۴۷
دوسرا باب: فاتحہ اعتراض وجواب اور	۳۴۹
دوسری دلیل کا جواب اور اسکے	۳۵۰
تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب	۳۵۱

عنوان	صفحہ
کیا ایصال ثواب کیلئے دن متعین ہے؟	۳۵۲
پہلا باب دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت	
اور اس کے جوابات میں	۳۶۰
دوسری اور تیسری دلیل کے جوابات	۳۶۴
چوتھی دلیل کے جوابات	۳۶۵
پانچویں دلیل کا جواب	۳۶۷
چند شکوک وشبہات کا ازالہ	۳۶۸
دوسرا باب اس دعا پر اعتراضات و	۳۶۹
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۷۰
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۷۱
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۳۷۱
نماز جنازہ کے بعد دعا صحیح نہیں	۳۷۳
بحث مزارات پر عمارت، گنبد بنانا	۳۷۴
پہلا باب مزارات اولیاء اللہ پر عمارت	
کا ثبوت اور اس کے جوابات میں	۳۷۵
دوسری دلیل کے جوابات	۳۷۵
تیسری دلیل کے جوابات	۳۷۶
چوتھی دلیل کے جواب	۳۷۸
پانچویں دلیل کے جوابات	۳۷۸
چھٹی دلیل کے جوابات	۳۷۹
ساتویں دلیل کے جوابات	۳۸۰
دوسرا باب عمارت قبور پر اعتراضات	
وجوابات اور اس کے تردیدات میں	۳۸۴
دوسری دلیل کا جواب اور اسکے تردیدات	۳۸۷
نوٹ ضروری! کا جواب لازمی ہے	۳۸۸
بحث مزارات پر پھول، چادر وغیرہ.....	۳۹۱
پہلا باب: ان کے ثبوت اور ان کے.....	۳۹۳
دوسری دلیل کے جوابات	۳۹۶
تیسری دلیل کے جوابات	۳۹۷
دوسرا باب اس پر اعتراضات و	
جوابات اور اس کے تردیدات	۳۹۹
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۰۰

2017-03

عنوان	صفحہ
تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۰۱
چوتھے غلجان کا رد	۴۰۳
پانچویں غلجان کا رد	۴۰۴
جواب بحث خاتمہ	۴۰۵
مقدمہ / بحث قبر پر اذان دینا	۵۰۶
پہلا باب / اذان قبر کے ثبوت اور	۴۰۷
دوسری دلیل کے جوابات	۴۰۸
تیسری چوتھی پانچویں دلیلوں کے جوابات	۴۱۲
چھٹی دلیل کے جوابات	۴۱۳
ساتویں دلیل کے جوابات	۴۱۴
دوسرا باب / اذان قبر پر اعتراضات	۴۱۵
دوسرے غلجان کی تردید	۴۱۷
تیسری دلیل کے جوابات اور اس	۴۱۷
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۱۹
مقدمہ / بحث عرس بزرگان	۴۲۰
پہلا باب / ثبوت عرس اور اسکے	۴۲۰
جوابات کی تفصیل	۴۲۱
دوسری دلیل اور اس کے جوابات	۴۲۲
جوابات کی تفصیل	۴۲۲
چند غلجان کا ازالہ	۴۲۴
دوسرا باب / مسئلہ عرس پر اعتراضات	۴۲۵
دوسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۲۶
تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۲۷
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۲۹
عرس شریعت و دلائل کے آئینے میں	۴۳۰
بحث زیارت قبور کے لیے سفر کرنا: مقدمہ	۴۳۲
پہلا باب / سفر عرس کے ثبوت اور اس	۴۳۳
چند دلائل اور اس کے جوابات	۴۳۴
دوسرا باب / سفر عرس پر اعتراضات و	۴۳۷
جواب (۲) دوسری دلیل کا جواب	۴۳۹
تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۴۰
فتاوی علماء حق	۴۴۲

عنوان	صفحہ
مقدمہ / کفنی یا الفی لکھنے کا بیان	۴۴۴
پہلا باب / کفنی یا الفی لکھنے کا ثبوت	۴۴۴
دوسری دلیل اور اس کے جوابات	۴۴۵
چند دلائل کے جوابات	۴۴۶
دوسرا باب / کفنی لکھنے پر اعتراضات	۴۴۸
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۴۹
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۴۹
چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۵۱
پانچویں دلیل کا جواب اور اسکا رد	۴۵۱
کفنی یا الفی لکھنا بدعت ہے	۴۵۲
بحث بلند آواز سے ذکر کرنا	۴۵۳
پہلا باب / ذکر بالجہر کے ثبوت اور	۴۵۴
دوسری دلیل کے جوابات	۴۵۵
تیسری دلیل کے جوابات	۴۵۶
چوتھی دلیل کے جوابات	۴۵۷
چند دلائل کے جوابات	۴۵۷
چند عقلی دلائل کے جوابات	۴۵۹
دوسرا باب / ذکر بالجہر اعتراضات و	۴۶۰
دوسری دلیل کا جواب اور اسکا رد	۴۶۱
تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب اور اسکا رد	۴۶۲
پانچویں کا جواب اور اسکا رد	۴۶۳
چند عقلی دلائل کے جوابات اور ان کی	۴۶۴
ہمارے دلائل حقہ	۴۶۵
بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور	۴۶۷
پہلا باب / اس کے جواز کے ثبوت	۴۶۸
دوسرا باب / اس مسئلہ کے متعلق اعتراضات	
وجوابات اور ان کی تردیدات	۴۷۲
پہلی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات	۴۷۲
دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۷۴
تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۷۵
گیارہویں دلیل کا جواب اور اس کا رد	۴۷۶
مقدمہ	۴۸۰

عنوان	صفحہ
	۵۰۸
	۵۱۰
	۵۱۱
	۵۱۲
	۵۱۳
	۵۱۴
	۵۱۵
	۵۱۶
	۵۱۷
	۵۱۸
	۵۱۹
	۵۲۰
	۵۲۱
	۵۲۲
	۵۲۳
	۵۲۴
	۵۲۵
	۵۲۶
	۵۲۷
	۵۲۸

2017-03-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات عالیہ

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب
بانی و مدیر جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم بنگلور

الحمد للہ والصلاۃ علی نبیہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین ، أما بعد :

یہ بات اہل دانش سے مخفی نہیں کہ اسلام کو اپنے روز اول ہی سے مختلف طاغوتی طاقتوں اور ضال و مضل عناصر کا سامنا کرنا پڑا ہے اور ان باطل و متعین عناصر نے ہمیشہ کوشش کی ہے کہ اسلام کو ختم یا کمزور کیا جائے ، اور انھوں نے اس کام کیلئے ہر ممکن تدبیر و حربہ استعمال کیا اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنے کو انھوں نے روا نہیں رکھا ۔ اور تاریخ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتنوں کا ایک سیلاب تھا جو اسلام کے خلاف اٹھ آیا تھا ، جن میں کچھ تو خارجی فتنے تھے ، جو غیر اقوام کی جانب سے کھڑے کئے گئے تھے ، جن کی سرپرستی یہود ، نصاریٰ اور تصارتی کر رہے تھے ، اور بہت سے فتنے داخلی فتنے تھے ، جو مختلف دوروں میں صورتوں و شکلوں میں اختلاف ، طرز و انداز میں تغیر ، ناموں اور لیبلوں میں جدت ، اور اپنے اپنے خاص و مخصوص امتیازات و تشخصات کے ساتھ سامنے آتے اور نمایاں ہوتے رہے اور اپنے اس باطل مقصد و نصب العین کی تکمیل و کامیابی کے لئے ہمہ تن مصروف کار رہے ۔

انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ "جماعت" ہے جس نے باطل عقائد و نظریات اور غیر شرعی رسومات و رواجات ، مجرمانہ بدعات و محدثات کو دین کے نام سے پیش کر کے "دین محمدی" کے متوازی ایک اور دین کی داغ بیل ڈال دی ، جس میں شرکیہ اعمال کو سند جواز دی گئی ہے ، مقام نبوت کو الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا گیا ہے ، اولیاء اللہ کو خدائی صفات سے متصف سمجھا جاتا ہے ، قبر پرستی و تعظیم قبور ، قبروں پر عمارات و گنبد بنانا ، وہاں چادریں

چڑھانا، ان کا طواف کرنا، وہاں سجدے کرنا، ان سے اپنی حاجات طلب کرنا وغیرہ کو دین وایمان کا ایک لازمی حصہ بلکہ عین دین قرار دیا جاتا ہے۔

اور کمال یہ ہے کہ ان ساری ''بے دینیوں'' کو قرآن وحدیث واقوال بزرگان کے حوالے سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے، اور اس کے لئے قرآن کی من مانی تفسیر، حدیث کی من گھڑت تشریح، بے تکی تاویلات، غلو آمیز جہالت سے کام لیا جاتا ہے، بلکہ اس سے آگے من گھڑت وموضوع احادیث کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح سارے غیر اسلامی رسومات ورواجات اور بدعات وخرافات کو ''تاویلات فاسدہ وکاسدہ'' اور جہلانہ و غالیانہ استدلالات سے بزعم خود قرآن وحدیث سے ثابت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔

اس کا نمونہ تو بہت جگہ ملے گا، مگر ان غالیانہ وجاہلانہ تاویلات اور بے تکے ومن گھڑت استدلالات کا ''انسائیکلوپیڈیا'' دیکھنا ہو تو مفتی احمد یار خان گجراتی کی ''جاء الحق'' دیکھی جاسکتی ہے جس میں ہر ہر غیر اسلامی عقیدہ اور ہر ہر بدعت وغلط رواج کو اسی طرح کے ''خود ساختہ'' دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیر نظر کتاب ''تبیان الحق بجواب جاء الحق'' دراصل اسی گمراہ کن کتاب ''جاء الحق'' کا جواب ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد نسیم رحمانی صاحب نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ لکھی ہے اور جاء الحق کا ایک منصفانہ جائزہ لیکر بتایا ہے کہ اس میں قرآنی وحدیثی دلائل کے نام پر دین وشریعت سے کس طرح کھلواڑ کیا گیا ہے، نیز اس میں ذکر کردہ بدعات و خرافات کی دلائل شرعیہ سے تردید کر کے ان کا بے اصل ہونا ثابت فرمایا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت دکھائے اور مؤلف کی اس خدمت کو شرف قبول سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
۱۴ فروری ۲۰۱۴ء

محمد شعیب اللہ خان
مدیر جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

2017-03-

کلمات معتبرہ

فرید العصر حضرت مولانا فرید الدین صاحب القاسمی
استاد حدیث وتفسیر دار العلوم وقف دیوبند

آقائے رحمت تاجدار کونین، شافع محشر، ساقی کوثر، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں بہتر فرقے پیدا ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا مابقیہ جہنمی اس ارشاد عالی کے سماعت کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین گھبرا گئے، آنکھیں اشکبار ہو گئیں، زبانیں لڑکھڑا گئیں، اور تعجب سے پوچھا کہ یارسول اللہ ان گمراہ کن فرقوں میں ہمارا نام تو نہیں ہے؟ رحمۃ للعالمینؐ نے ارشاد فرمایا نہیں! (ابن ماجہ شریف)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سا راستہ سیدھا ہے جو جنت تک پہنچا دے اور کون سا راستہ ایسا ہے جو جہنم کا باعث بنے غور کیا گیا، تفتیش کی گئی، اور تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ انبیائے کرام، صحابہ عظام، تابعین، تبع تابعین، صالحین، بزرگان دین (علماء دیوبند) کے علاوہ تمام راستے غلط ہیں۔ یاد رہے کہ چند فرقے ایسے ہیں جو حق پر ہیں یعنی ان کا ٹکٹ صحیح (کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) لیکن گاڑی نمبر غلط اور بے بنیاد ہے، مثلاً آپ نے ٹکٹ لیا ہے دہلی کا اور بمبئی جانے والی گاڑی پر تشریف فرما ہو گئے۔ یہی بات مولانا احمد یار خانصاحب اور انکے رفقاء کار میں پائی جاتی ہے کہ ان کا ٹکٹ صحیح ہے وہ یقیناً انما المومنون اخوہ کے تحت ہمارے بھائی ہیں، مسلمان ہیں لیکن ان کا گاڑی نمبر غلط ہے۔ اس وقت اس بات پر میں نہایت شاداں وفرحاں ہوں کہ مولانا ومفتی محمد نسیم رحمانی نے اچھا کام کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو مزید ترقیات سے نوازے اور قوم کا سچا اور صحیح راہنما بنائے (آمین)

اس وقت ان کی تاریخ ساز پیش کش "تبیان الحق بجواب جاء الحق" سامنے ہے انہوں نے بہت ہی اچھا اور بڑا کام انجام دیا ہے۔ جو قابل تحسین اور لائق تعریف ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین

محمد فرید الدین قاسمی
خادم دار العلوم وقف دیوبند

کلمات حسنہ

حضرت مولانا سمیع احمد صاحب مظاہری
بانی جامعۃ المعارف مڑگاؤں گوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ دور کئی اعتبار سے ناگفتہ بہ صورت حال کا شکار ہے، ایک طرف جہاں باطل طاقتیں اسلام کی بیخ کنی اور اس کی اصلی صورت کو مسخ کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں اور مختلف حربوں سے اسلام کے بڑھتے قدم پر روک لگا دینا چاہتی ہیں، وہیں اپنے آپ کو اسلام کا سچا عاشق اور خود کو اسلام کی بقاء وحفاظت کا ضامن سمجھنے والی کچھ نام نہاد جماعتیں ایسی بھی ہیں جو نہ صرف یہ کہ قرآن واحادیث کی مخالفت کے سبب خود گمراہی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہیں؛ بلکہ سادہ دل عوام کو بھی اپنے جال میں پھانسنے کی ہر ممکن حد تک کوشش کر رہی ہیں اور اپنے مقصد میں کماحقہٗ کامیابی کی خاطر اس نے ہر وہ طریقہ اپنانا شروع کر دیا ہے، جن سے انہیں اپنے مقصد میں کامیابی ملنے کی کسی نہ کسی حد تک امید نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج علم کے میدان میں معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں کے لیے یہ سمجھنا ایک مشکل معاملہ ہوگیا ہے کہ حق کون اور باطل کون ہے اور کون سی [illegible]ت اپنے دعوے میں کتنی صداقت رکھتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئے دن نئے نئے فتنے جنم لینے لگتے ہیں اور عوام الناس کا ایک اچھا خاصہ طبقہ ان کی گرفت میں آچکا ہے۔

الغرض یہ وہ احوال ہیں جو وقت کے حساس اور دور اندیش لوگوں کو اس پہلو پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور ان کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے انہیں کیا اقدام کرنے ہوں گے اور آخر ان کی کونسی تحریک اور کونسی کوشش عوام الناس کے بھٹکے قدم کو روکنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ جب بھی حق کے مقابلے میں کسی باطل فرقہ نے

2017-03-13

سر ابھارنے کی کوشش کی تو علمائے حق اور دینی غیرت رکھنے والے لوگ ان کے سامنے آہنی دیوار بنکر کھڑے ہو گئے جس کے سبب کسی بھی فرقے کو آگے بڑھنے کا موقع نہ مل سکا اور آج بھی جب کہ فتنے بڑی تیزی سے پھیلتے جارہے ہیں اور ہر چہار جانب ضلالت وگمراہی کی حکمرانی ہے علماء اسلام اور اسلام کی حقانیت پر مکمل اعتماد رکھنے والے لوگوں کا ایک بڑا طبقہ مستقل ان کا تعاقب کرنے میں مشغول ہے اور ان کی گرفت میں لگا ہوا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اپنی انتھک کوششوں سے فرق باطلہ کے بڑھتے طوفان کو روکنے میں کامیاب بھی ہے، اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ کتاب "تبیان الحق" بھی دراصل اس کوشش کا ایک حصہ اور اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، جناب مولانا مفتی محمد نسیم رحمانی کی صلاحیت کا آئینہ دکھاتی اور ان کی قابلیت کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

مولانا مفتی محمد نسیم رحمانی جن کو قدرت نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور فرق باطلہ کا تعاقب کرنے کا اچھا ذوق عطا کیا ہے اور کئی کتابوں کی ترتیب کے شرف سے نوازا ہے۔ نے اپنی اس کتاب میں تمام فرق باطلہ کے ساتھ ساتھ خاص طور پر فرقہ رضاخانیہ کا جس طرح مکمل کر تعاقب کیا ہے اور قرآن واحادیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں جس انداز سے انہوں نے علمائے حق کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی ہے اس سے حق وباطل کی الگ الگ تصویریں سامنے آگئی ہیں۔ یہ کتاب طویل ہونے کے ساتھ ساتھ جس قدر جامع اور مدلل ہے اس سے یہ اندازہ لگایا جانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ انھوں نے اس کی ترتیب اور اسکو بہتر سے بہتر شکل دینے کے لیے کس قدر کوشش کی ہوگی۔

دعا ہے کہ خدا ان کو مزید ترقیات سے نوازے اور ان کی یہ عظیم کوشش ہر خاص وعام میں مقبول ہو کر ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے۔ آمین

سمیع احمد مظاہری

بانی جامعۃ المعارف گوا

و

صدر المعہد العالی الاسلامی دہلی

تعارف

تبیان الحق بجواب جاء الحق

مؤلف! مفتی محمد نسیم رحمانی فاضل دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وبہ نستعین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین اما بعد:

رد بدعت پر ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا، آیات قرآنی، احادیث نبویؐ، آثار صحابہؓ، اقوال تابعین وتبع تابعین کا بیش بہا مجموعہ، وحدانیت کا اثبات، شرک کا ازالہ، رسالت مآب ﷺ کی خوبیاں، ضلالت وگمراہی کی تردید، عبادات وعقائد میں گمراہ کن آمیزش کا "بہا منثورہ" طلبۂ مدارس، ائمہ مساجد، جانشین خانقاہ، خطباء، مبلغین ومناظرین اسلام کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ، علماء اہل سنت والجماعت (علماء دیوبند) پر کئے گئے سوالات واعتراضات کا پوسٹ مارٹم (Post Mortem)، شہنشاہ کونین ﷺ کی طرف حاضر وناضر، علم غیب، قیام میلاد، انگشت بوسی، مختار کل، قبر پرستی، قبروں پر عمارات وگنبد بنانا، وہاں چادر چڑھانا، ان کا طواف کرنا، وہاں سجدے کرنا، وغیرہ جیسے بیجا نظریات، تصورات وعقیدے کی نسبت کا تحقیقی وعلمی جائزہ۔ "تبیان الحق بجواب جاء الحق" اپنی خصوصیات حمیدہ، حقائق عالیہ، معنویت مفیدہ اور باعتبار درر معتبرہ ضرب المثل ہے، یہی وجہ ہے کہ "جاء الحق" کی اشاعت کے تقریباً پچاس سال بعد (اب تبیان الحق کی شکل میں) اس کے من وعن جوابات منظر عام پر آئے ہیں، جو ہم سب کیلئے ایک بڑا چیلنج تھا، الحمد للہ اس کے مکمل، مدلل، مفصل اور محقق جوابات دیئے گئے ہیں جو اہل حق کیلئے نیر تاباں اور دیگر حضرات کیلئے مشعل راہ ہیں۔

❁❁❁

2017-03-13

چند باتیں

بقول حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی اہل علم کے مابین یہ بات قطعی طور پر مخفی نہیں کہ جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء زمان، اتقیاء عظام، بزرگان اسلام، کی شان میں توہین، گستاخی باعث ہلاکت ہے، اسی طرح ان معتبرین بارگاہ خداوندی کے سلسلے میں غلو اور افراط باعث ضلالت و شقاوت ہے، چناں چہ آئے دن یہی ہو رہا ہے کہ انبیاء کرام، اولیاء، عظام کو ان کے منصب حقیقی سے ہٹا کر صفات باری تعالیٰ میں شریک کیا جا رہا ہے، اور ان کے لیے ایسے ایسے اوصاف و کمالات و کرامات ثابت کرتے ہیں جو درحقیقت ان کو عطا نہیں فرمائے گئے۔ قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء اللہ کے لیے جن جن چیزوں کی قرآن نے برملا نفی کی ہے اور احادیث نے نکیر کی، ان اوصاف کو بھی لوگ ثابت کرنے میں تن من دھن کی بازی لگاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی اوصاف اور کمالات کا انکار بیشک آپ کی تنقیص اور انتہاء درجہ کی گمراہی ہے، اور آپ کی اہانت بلکہ آپ کی شان اقدس میں ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔

لیکن تصریحات کتاب و سنت کے خلاف ارباب ضلالت آپ کی شان میں جو افراط اور غلو کریں اس کا رد و اس کا انکار عین ایمان اور فریضۂ اسلام ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے:

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاهلین"

(رواہ البیهقی مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۶)

ہر قرن کے عادل اور ثقہ لوگ اس علم دین کے حامل ہوں گے جو غالیوں کی تحریفات، اہل باطل کے غلط دعاوی، اور جاہلوں کی بیجا تاویلات کو اس سے رد کریں گے۔

پس اہل بدعت کے علم غیب، مختار کل، حاضر وناظر، نور وبشر، قیام میلاد، عرس بازی، مزارات پر چادریں چڑھانا، انبیاء اولیاء سے دعائیں مانگنا، صاحب قبر سے مرادیں مانگنا، جیسے عقیدے کے جوابات اس پیشین گوئی کی عملی تفسیر اور اسی ارشاد نبی کی تعمیل ہے۔ کتاب "تبیان الحق بجواب جاء الحق" لکھنے کا مقصد اور منشاء فقط یہی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صحیح تعلیمات پہنچادی جائیں اور ارباب ضلالت نے جو غلو کیا ہے اس سے بھی امت کو آگاہ کر دیا جائے۔

"جاء الحق" میں موٹے حروف کے ساتھ مولوی احمد یار خاں صاحب کی تحریر ہے کہ "جو شخص اس "جاء الحق" کا جواب لکھ دے گا اس کو انعام دیا جائے گا"۔ ہمارے لئے انعام یہی ہے کہ رضا خانی حضرات قرآن وحدیث کی صحیح تعلیمات کی طرف رجوع کریں۔

اللہ رب العزت محترم جناب سید محمد جمیل ابن سید محمد شکیل اور قابل قدر جناب سید محمد نجیب ایوب ابن سید محمد ایوب کو جزائے خیر دے کہ ان کے تعاون سے کتاب معرض وجود میں آئی۔

محمد نسیم رحمانی فاضل دیوبند
بانی ومہتمم المعہد العالی الاسلامی دہلی

2017-03-12

دیباچہ کا جواب

الحمد للہ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد.

وقال اللہ تعالی فی القرآن العظیم: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون. وقال اللہ عزوجل فی موضع آخر. وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار.

قارئین کرام! دنیا میں بہت سارے فتنے برپا ہوئے، کبھی یزید کی شکل میں فتنہ رونما ہوا، تو کبھی مسیلمہ کذاب کی صورت میں آویزاں ہوا، کبھی آریہ سماج کے لب ولہجہ میں آیا، تو کبھی بریلویت کی ہیئت میں بے نقاب نکلا، وغیرہ ذلک۔ لیکن رب کریم نے اپنے مقربین ومحبوبین کے ذریعہ تمام فتنوں کی گوشمالی کی اور ہزاروں، لاکھوں، اربوں انسانوں کو راہ راست پر لائے، پس انہی تمام فتنوں میں سے ایک فرقہ، رضاخانیت کی شکل میں آیا۔

جس نے شرک وبدعت کو ایجاد کیا۔

جس نے غیر اللہ سے مانگنے کا فتوی دیا۔

جس نے انگریزوں کی حمایت کی۔

جس نے قرآن وسنت کے اندر تحریف کی۔

جس نے اہل اللہ اور بزرگان دین پر کفر کا فتوی دیا۔

جس نے صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کے اقوال کو ٹھکرایا۔

بہر حال: مولوی احمد یار خان (نعیمی فاضل جامعہ نعیمیہ مراد آباد) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" رکھا اور ہر سچ بات کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی چناں چہ انہی باتوں کا، تحقیقی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

خاں صاحب سب سے پہلی عبارت پیش کرتے ہیں جس کے ذریعہ انہوں نے ہم اہل سنت والجماعت کو نجدی کہا ہے: جاء الحق جلد ۱ ص ۳۔ کی عبارت ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ اللھم بارک لنا فی شامنا اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت دے اللھم بارک لنا فی یمننا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے پھر حضور اکرم ﷺ نے وہی دعا فرمائی شام اور یمن کا ذکر فرمایا مگر نجد کا نام نہ لیا، اس کے بعد خانصاحب کی پیش کردہ عبارت ہے: بلکہ آخر میں فرمایا: ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطن کہ میں اس ازلی محروم خطہ کے لئے دعا کس طرح فرماؤں۔

جواب:۔ کی تفصیل! حدیث مذکور کے اندر جو نجد کا تذکرہ آیا ہے سو اس سے مراد وہ خطہ وطبقہ ہے جو فرمان الٰہی کے خلاف عمل کیا کرتے تھے اور جن نجدیوں کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے سو اس کا مسکن عرب میں ہے نہ کہ ہند میں اور ہم علماء دیوبند ہند میں ہیں نہ کہ نجد میں! تو پھر نجدی سے علماء دیوبند مراد کیسے ہوں گے؟۔

بہر حال: مذکور حدیث میں حضور ﷺ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ نجدیوں کے اندر جہالت چھا جائے گی اور وہاں زلزلے اور فتنے اور شیطان کا مرکز ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث سے قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوتا کہ زلزلے اور فتنے دیوبند میں پیدا ہوں گے بلکہ خود نبی اکرم ﷺ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کے سلسلے میں بحالت خواب تشریف فرما ہوتے ہیں۔ ع

خود سائی کو شنے رکھی مے خانے کی بنیاد یہاں

اب قارئین کرام: اگر دیوبندی نجدی ہوتے تو حضور ﷺ دارالعلوم کی بنیاد کے سلسلے میں دیوبند تشریف کیوں لائے۔ پھر آگے خاں صاحب نے ایک حدیث پیش کی

ارشاد ہے: سیماھم التحلیق لایزالون الخ۔ جو ان (دیوبندی) کی پہچان سر منڈانا ہے۔ (جاء الحق ج ۱ ص ۳)

جواب:- خاں صاحب نے کہا کہ سر منڈانا دیوبندیوں کی پہچان ہے؛ حالاں کہ یہ بے بنیاد باتیں ہیں، بلکہ علماء دیوبند بھی بڑے والے بال رکھتے ہیں لیکن بغرض سنت۔

جواب:-(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے حدیث مذکور کے اندر تحلیق کا مفہوم سمجھا ہی نہیں؛ کیوں کہ تحلیق کے صرف ایک معنی حلق کے نہیں بلکہ تحلیق کے معنی گروہ بندی کے بھی ہیں؛ لہٰذا آپ کا اس سے استدلال کرنا سراسر غلط اور خلاف شرع ہے۔

دوسری جگہ خاں صاحب کی عبارت: بقولہ الرسول لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عادٍ اگر ہم انہیں پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرما دیتے۔ آج بھی دیوبندی ہندوؤں کی طرح ہیں۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳)

جواب:- خاں صاحب کو نہ نحو وصرف سے واسطہ، اور نہ تفسیر قرآن وحدیث سے تعلق، لئن ادرکتھم الخ کے اندر جو "ھم" ضمیر ہے سو اس کا مرجع روافض ہیں۔ چناں چہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا: ھم یرجع الی الروافض۔ اس سے مراد روافض ہیں۔ اس کے بعد خاں صاحب نے یہ فرمایا کہ دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں (ص ۳) تو ہم پوچھتے ہیں کہ۔

کیا ہم غیر اللہ کو پوجتے ہیں؟

کیا ہم اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں؟

کیا ہم مزارات پر سجدے کرتے ہیں؟

کیا ہم مزارات سے مرادیں مانگتے ہیں؟

کیا ہماری بیوی، بیٹی، بہن، مزارات پر جاتی ہیں؟

ہرگز نہیں، بلکہ ان تمام امور قبیحہ کے مرتکب خانصاحب کے متبعین ہیں (مشاہدہ کرنا ہو تو کلیر اور بریلی شریف تشریف لے جائیں) تو اب خود فیصلہ کیجئے کہ کون شرک وبت پرستی میں مبتلا ہے۔

آگے خاں صاحب نے (زہق الحق ج ۱ ص ۲) پر مکمل طور سے اور پورے صفحہ کے اندر۔ محمد بن عبدالوہاب کی سوانح عمری کو بیان کیا ہے اور بریلویوں نے ہم اہل سنت والجماعت کی نسبت انہی کی طرف کرتے ہوئے وہابی کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

جواب: -تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ محمد بن عبدالوہاب وحدانیت کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے اثبات وحدانیت پر ایک جامع، مانع کتاب لکھی (التوحید) جو عندالناس مقبول اور مشہور ہے۔ مگر ان کی صرف ایک غلطی تھی کہ ان میں تشدد تھا۔ اور انہوں نے صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کی قبروں کو گرادیا پس اسی بناء پر مجرم ہیں۔

نوٹ: آگے خاں صاحب نے حضرت تھانویؒ حضرت شاہ اسمٰعیلؒ اور مولانا نانوتویؒ وغیرہ کی عبارت پیش کرنے کے بعد کافی تنقید کی ہے سو اس کا جواب اس کتاب کے آخر خاتمے کے جواب میں ملاحظہ کریں۔

خلاصۂ کلام

قارئین عظام: -خاں صاحب کے مریدین ہم اہل سنت والجماعت کو نجدی، وہابی کہا کرتے تھے۔ اور اب بھی کہا کرتے ہیں پس ماقبل کی تقریر اور جوابات سے یہ بات بیننا وبینکم کالشمس علیٰ نصف النہار ہوگئی کہ نہ ہم نجدی ہیں اور نہ وہابی بلکہ ہم اہل سنت والجماعت ہیں۔ بخلاف بریلویوں کے کہ۔

وہ لوگ قبر کے پجاری ہیں۔

وہ لوگ غیر اللہ سے دعائیں مانگتے ہیں۔

وہ لوگ اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں۔

وہ لوگ دیگر خرافات وفسادات کرتے ہیں۔

لیکن اللہ کا فضل ہے کہ ہمارے اندر شرک وبدعت کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا: ہم اہل سنت والجماعت کے اندر ہندومت کی خصلت نہیں۔

اس کے بعد خاں صاحب نے حضرت العلماء مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے سلسلے میں

2017-03-12

لکھا ہے کہ "یہ حضرت اسی تقویت الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے" (جہانِ حق ص ۵) گویا کہ خاں صاحب نے اپنی اس عبارت کے ذریعہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے شہید ہونے کا انکار کیا ہے۔

جواب:- اس سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ حقیقت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے نہ کہ پٹھانوں کے ہاتھ۔ رہا سوال کہ پھر امرتسر یا مشرقی پنجاب میں کیوں نہ شہید ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اس کے اندر کسی کا دخل نہیں۔ لہٰذا اللہ نے سکھوں کے ہاتھ سرحد کے اندر شہید کروایا۔ اس کی مثال یوں لیجئے کہ اگر کسی بریلوی کو دیوبند کے اندر کوئی غیر مسلم قتل کر دے تو کیا آپ اسے یہ کہیں گے کہ اسے کسی دیوبندی نے قتل کیا ہے؟ بلکہ یہ کہنا پڑیگا کہ دیوبند کی سرزمین پر کسی غیر مسلم نے ہی قتل کیا ہے۔ پس یہی مثال حضرت مولانا شہیدؒ کی ہے کہ آپؒ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے نکلے تھے کہ سکھوں سے مقابلہ ہوا اور آپ کو شہید کیا گیا۔

جواب: (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ بفرضِ محال تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہاں آپ پٹھانوں کے ہاتھ شہید ہوئے تو جس وقت آپؒ شہید ہوئے تھے تو اس وقت کسی نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ آپؒ پٹھانوں کے ہاتھ قتل ہوئے ہیں اور اگر کوئی دیکھتا تو یقیناً یہ بات پھیل جاتی مگر یہ بات آج تک کسی کو نہیں معلوم کہ آپؒ پٹھانوں کے ہاتھ قتل ہوئے ہیں؟ مگر یہ بات اکثر و بیشتر لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ سکھوں کے ہاتھ شہید ہوئے ہیں۔

بہر حال: اگر آپؒ پٹھانوں کے ہاتھ شہید ہوتے تو عالم کے اندر یہ بات ہوا کی طرح پھیل جاتی کہ آپؒ پٹھانوں کے ہاتھ شہید ہوئے ہیں۔ لیکن پوری دنیا شاہد ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سکھوں کے ہاتھ شہید ہوئے۔ آگے خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت کے حوالے سے حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کے خلاف شعر گڑھا ہے۔

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید کے لیے نجد تھا وہ ذبیح تیغ خیار ہے

(جہانِ حق ص ۵)

جواب:- اس شعر کا جواب احقر شعر ہی کے ذریعہ دے رہا ہے۔

ہے حضرت اسمٰعیلؑ شہید قسم اللہ کی
جیسا کہ شہادت دے رہا ہے اہل حق اسکی
اگر قتل ہوتے پٹھانوں کے ہاتھ
تو یہ فعل کالشمس ہو جاتا قسم اللہ کی

اعلیٰ حضرت کے سلسلے میں چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

اف جسے دیا قوم نے لقب حضرتِ اعلیٰ کا
وہی کیا خیانت و گھوٹا لائے عظیم قوم کا
اور دیا فروغ بدعت وشرک کو
قرآن وسنت کے خلاف وفادار بنا انگریز کا

آگے خاں صاحب کی عبارت ہے کہ، دیوبند، اردو میں دیو کہتے ہیں شیطان کو اور بند بمعنی گروہ تابعدار، تو گویا کہ اس عبارت کے ذریعہ خاں صاحب نے علماء دیوبند کو شیطان کا گروہ ہونا ثابت کیا ہے۔

جواب:- خانصاحب نے بند کا ترجمہ کیا ہے گروہ کے۔ حالاں کہ، القاموس الجدید، مصباح اللغات (ص۳۵۵) مصباح اللغات چھوٹی سائز (ص:۱۵۱) فیروز اللغات (ص۲۳۶) فیروز اللغات چھوٹی سائز (ص۲۶۳) پر بند کے معنی کیئے گئے ہیں، گڑھ کے۔ تو گویا کہ ان تمام لغات سے الگ تھلگ خاں صاحب کا لغت ہوگیا۔ (لغت مذکر ہے) کہ ان کے نزدیک بند کا ترجمہ گروہ۔ یعنی خاں صاحب یہی تصور کر رہے ہیں کہ قوم بیوقوف ہے، اندھی ہے حالانکہ ان کو معلوم ہے کہ دیوبند کے فارغین باصلاحیت ہوتے ہیں۔ ہمیں ایک قدم بھی آگے نہیں چلنے دیں گے۔ پھر بھی غلط سلط معنی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

بہر حال: اب مکمل اور متفق علیہ ترجمہ یہ ہے۔ کہ دیو کے معنی ہیں، شیطان، بھوت، پریت، اور بند کے معنی ہیں۔ گڑھ، تو اب پورا ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ دیوبند شیطانوں کو باندھنے اور گرفت کا مرکز ہے۔ کیوں؟ یہاں پر شرک وبدعت کا قلع قمع کیا جاتا ہے اور

2017-03-12

آپ جیسے بدعتیوں کے عقائد کو پاش پاش کیا جاتا ہے [illegible] جیسے
ہیں۔ ان کو معلوم تھا کہ ہندوستان میں بہت سارے فتنے رونما ہوں گے اور ان تمام فتنوں
میں ایک فتنہ بریلویت کا ہوگا لہٰذا ان تمام فتنوں کو کچلنے کے لیے علماء دیوبند کو مبعوث کیا اور
اسی بریلویت کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا قرن الشیطن یعنی بریلی
شریف سے ایک شیطان برآمد ہوگا جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہے گا اور ان کے
سربراہ کا نام اعلیٰ حضرت ہوگا۔ اور یہ لوگ شیطانی گروہ بایں معنی ہیں کہ:

اس نے قبر پوجنے اور غیر اللہ سے دعاء مانگنے پر عوام الناس کو آمادہ کیا اور اسلئے کہتے
ہیں کہ دیوبندی شیطانی گروہ ہے۔

بہر حال: مذکورہ تقریر سے معلوم ہوگیا کہ کون شیطانی گروہ ہے۔

آگے خاں صاحب نے (جاء الحق: ج ۱ ص ۶) پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پیش کی ہے۔ جس کے ذریعہ انہوں اس بات کو ثابت کیا
ہے کہ علماء دیوبند محمد بن عبدالوہاب کے حامی اور معتقدین میں سے ہیں۔

جواب:- حضرت گنگوہیؒ کی عبارت کے ذریعہ جو اشکال کیا گیا ہے سو اس سوال کے
جوابات کی ایک جھلک ماقبل میں گذر چکی ہے، مزید جواب یہ ہے کہ ہم اہل سنت
والجماعت، محمد بن عبدالوہاب کو من وجہ مانتے بھی ہیں اور من وجہ نہیں بھی مانتے ہیں۔
مانتے ہیں بایں معنی کہ وہ مؤمن ہیں۔ اور مؤمن کے سلسلے میں قرآن کریم ناطق ہے انما
المؤمنون اخوۃ، دوسری بات یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نے وحدانیت پر جم کر کام کیا
ہے۔ اور وہ کام حضرات بریلوی میں سے کوئی بھی نہ کر پایا ہے اور نہ کر سکے گا۔

بہر حال: انہی تمام وجوہات کے بناء پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا۔
جیسا کہ ماقبل میں عبارت مذکور ہے۔ (یعنی جاء الحق میں)

اور ہم اہل سنت والجماعت کا تعلق محمد بن عبدالوہاب سے بایں معنی نہیں ہے کہ
انہوں نے صحابہ کرامؓ کی قبروں کے ساتھ بے حرمتی کی۔ ان کے دماغ میں تشدد تھا۔ انہی
تمام خرابیوں کی بنیاد پر ہم اسے نہیں مانتے اور نہ ہمارا ان سے کوئی تعلق۔

مقدمہ کا جواب خاں صاحب نے مقدمہ میں سید العلماء والصلحاء، وارث انبیاء والمرسلین کے معنی کیے ہیں اصلی نبی (جاء الحق، ص ۱۳ ط ۱۹ر مطبوعہ میمن بکڈپو بمبئی) اور اس عبارت کے ذریعہ خاں صاحب نے حضرتؐ پر بہتانی کیچڑ اچھالا ہے جو کہ ناقابل برداشت ہے۔ طلبہ عزیز اس سوال کا جواب آپ کتاب کے آخر حصہ خاتمہ کے جواب پر ملاحظہ کریں۔

ZT-80-LTOZ 2017-03-12

نفی علم غیب

مقدمہ، پہلی فصل

قارئین کرام: مولانا احمد یار خاں نے اثبات علم غیب کے لیے ایک مقدمہ، دو باب اور ایک خاتمہ قائم کیا ہے اور مقدمہ کے تحت چار فصلیں قائم کی ہیں؛ چنانچہ احقر بھی نمبروار ہر ایک فصل اور ابواب کے جوابات نقل کر رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال خاں صاحب نے (جاء الحق ج ۱، ص ۳۲) پر غیب کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔ ''غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے، جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃ عقل میں آ سکے''۔

جواب کی تفصیل: آپ نے کہا کہ ''اس سے محسوس نہ کر سکے'' تو کس سے محسوس کریں گے؟ کیا حضور اکرم ﷺ اعضاء و جوارح سے مبرہ و منزہ ہیں؟ اگر آپ کہیں گے کہ حضور اکرم ﷺ اعضاء و جوارح سے پاک ہیں! تو پھر صحاح ستہ کی اکثر احادیث خواہ خبر مشہور ہوں یا خبر متواتر ہر ایک کا انکار کرنا لازم آئے گا۔ اور اگر آپ کہیں گے کہ حضور ﷺ اعضاء و جوارح کے حامل ہیں تو پھر آپ کی تعریف مذکور درست نہیں کیوں کہ جب بھی حضور اکرم ﷺ پر چھپی ہوئی خبر بذریعہ وحی عنایت کی جاتی تھی تو آپ کا جسم اطہر لرز و براندام ہو جاتا تھا اور آپ پسینہ پسینہ ہو جایا کرتے تھے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ تعریف مذکور و قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

اس کے بعد آگے خاں صاحب نے غیب کی تعریف میں اس عبارت کا اضافہ کیا کہ ''اور نہ بلا دلیل عقل میں بداہۃ آ سکے'' تو خود اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور

اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، کیوں کہ کبھی کسی امر پر دلیل قائم کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ من جانب اللہ بذریعہ وحی ہے، اور جب وہ وحی ہے تو اس کو قرآن کہا جائے گا جو ہمارے اور آپ کے سامنے موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے اپنی مذکورہ تعریف علم غیب پر ایک آیت کریمہ پیش کی ہے (جاء الحق: ۱/ص: ۳۶) یؤمنون بالغیب۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت دال ہے ان اشیاء غیوبہ پر جو انسان کی نظروں سے مخفی ہیں مثلاً حشر ونشر بعث بعد الموت جنت وجہنم وغیرہ ذالک، تو اسکی خبر خود رب کریم نے حضور ﷺ کو دی اور انہوں نے اپنی امت کے لوگوں کو دی، اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ اگر عبد المتین، عقیل کو روپے پیسے دیتا ہے تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ عقیل نے اپنے ہاتھ سے کمایا ہے ہرگز نہیں؛ بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ عبد المتین نے دیا ہے۔ بعینہٖ یہی مثال رب کریم اور حضور اکرم ﷺ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنی باتیں کو بتایا کرتے تھے اور حضور اکرم ﷺ امت کو ان سے متنبہ کیا کرتے تھے جسے ہم اور آپ حضرات قرآن کہتے ہیں۔

پھر خاں صاحب نے اسی صفحے کے اندر اثبات علم غیب پر ایک اور آیت کریمہ کا غلط مفہوم بیان کیا ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے: فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول الخ۔

جواب: قارئین عظام! صراحۃً یہ آیت اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اقوال مخفی کو کسی نبی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس کے لیے اپنی رضامندی سے کسی رسولؑ پر عیاں اور بیاں کردے، یعنی دنیا میں جتنے بھی انبیائے کرامؑ آئے ان کو کوئی کتاب نہیں دی گئی، ہاں! چند رسولوں کو جو کتابیں دی گئیں وہ بھی آخری نبی آخر الزماں ﷺ کی کتاب قرآن کے ذریعہ منسوخ کردی گئیں، اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں کسی پر بھی اپنے کلام کو ظاہر نہیں کرتا مگر میری رضامندی پر موقوف ہے۔ اور غیب سے مراد قرآن ہے چوں کہ قرآن کے اندر ایسی ایسی باتیں ہیں جو انسان پر مخفی تھیں اور اس کی خبر حضور اکرم ﷺ نے دی ہے۔ اسی لیے تو قرآن کو باری تعالیٰ نے غیب سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن

ہمارے خاں صاحب غیب کے ذریعہ فوراً یہ کہہ اٹھے کہ [illegible] علم غیب دیا گیا۔ اسی طریقے سے خاں صاحب نے تفسیر کبیر روح البیان وغیرہ کی عبارتوں کے ذریعہ بھی اپنا دعویٰ ثابت کرنیکی کوشش ہے، لیکن ماقبل کی تحریر سے یہ دعویٰ پاش پاش ہوجاتا ہے جیسا کہ میں نے غیب سے مراد قرآن لیا ہے اس کے مزید جوابات آگے آرہے ہیں۔

دوسری فصل

اس فصل کے تحت مولانا احمد یار خان اپنی کتاب (جاء الحق، ج:۱ص:۳۸) پر تو اثبات علم غیب کے بجائے آقائے رحمت کے لئے اثبات سحر کر بیٹھے ہیں نعوذ باللہ من ذلک۔ مذکورہ حوالہ کے مطابق ان کی عبارت ملاحظہ کیجئے "جادو سیکھنا فرض ہے" اور آگے خاں صاحب اسی صفحہ کے اندر لکھتے ہیں کہ واللہ یہ بہت ہی فرض ہے" تو گویا کہ خاں صاحب کے نزدیک اب بھی اس زمانے کے اندر جادو سیکھنا سکھانا فرض ہے! حالاں کہ جملہ ائمہ کرامؒ سلف صالحینؒ و بزرگان دینؒ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کا سیکھنا اور سکھانا حرام ہے، ہاں! جس جادو کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے اور شامی نے اسی کی تفسیر کی ہے اس سے مراد زمانہ ابتداء کی باتیں ہیں جواب قابل تسلیم نہیں۔

اس کے بعد خاں صاحب نے ایک عبارت پیش کی کہ "سارے انبیاء اور ساری مخلوقات کے علوم حضور ﷺ کو عطا ہوئے اس کو حجۃ الاسلام حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس میں مانا ہے"۔

جواب:- قارئین کرام! خاں صاحب کسی کو نہیں چھوڑتے کبھی تو ائمہ کرام پر کیچڑ اچھالتے ہیں، تو کبھی سلف صالحین پر اشکال کے انبار لگاتے ہیں؛ چنانچہ انہوں نے حجۃ الاسلام حضرت العلماء والصلحاء قاسم العلم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کے سلسلے میں تحذیر الناس کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کے قائل تھے؛ تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس وجہ سے یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ حضور اکرم ﷺ جملہ انبیائے کرام ومخلوقات سے ہر ایک

اعتبار سے افضل اور اہم ہیں خواہ دنیا کے علوم کے اعتبار سے ہوں یا آخرت کے علوم کے اعتبار سے ہر ایک اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کے علوم افضل ہیں۔ گویا کہ حضرت نانوتویؒ کی عبارت افضل و مفضول پر مبنی ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خداوند کریم نے جتنے بھی معجزات انبیائے کرام کو عطا کیے اور جو بھی کرامات والہامات تبع تابعین، سلف صالحین ائمہ کرام، مجتہدین عظام کو دیئے گئے وہ تمام کے تمام معجزات و کرامات والہامات حضور اکرم ﷺ کی تنہا ذات میں موجود ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ☆ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کہ جملہ مخلوقات کو جو معجزات، الہامات دیئے گئے کرامات الگ الگ دیئے گئے وہ تمام کے تمام قول و عمل کے اعتبار سے تنہا حضور اکرم ﷺ کے اندر موجود تھے۔ بہر حال حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول مذکور سے مراد حضور اکرم ﷺ کی افضلیت ہے نہ کہ علم غیب۔

نیز عالم الغیب ہونا باری تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح باری تعالیٰ کی ذات کے اندر کسی کو شریک کرنا کفر ہے اسی طرح باری تعالیٰ کی صفت کے اندر بھی کسی کو شریک کرنا کفر و حرام ہے۔

تیسری فصل

اس فصل کے تحت مولانا احمد یار خاں صاحب نے آٹھ باتوں کا تذکرہ کیا ہے چناں چہ احقر ہر ایک بات کی وضاحت اور تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہے۔

(۱) پہلی بات تو خاں صاحب نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ "اللہ عزوجل عالم بالذات ہیں اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا" خیر یہ بات تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر کوئی شخص ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔ تو پھر حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب کیوں کہتے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے وہ بشکل قرآن ہے تو کیا اس قرآن کی وجہ سے آپ کو عالم الغیب کہیں گے؟ ہرگز

-03-2017

نہیں بلکہ اس سے یہ بات حل کر سامنے آتی ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب ہوتے تو نزول قرآن کی ضرورت نہ تھی! معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

(۲) آگے خاں صاحب لکھتے ہیں "کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے بعض غیبوں کا علم دیا تھا"۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۳۹)

قارئین کرام! خاں صاحب یہ کہہ کر خود اپنی عبارت سے اپنے دعویٰ کی تردید فرما رہے ہیں؛ کیوں کہ انہوں نے کہا کہ آپ کو بعض غیبوں کا علم دیا تو اگر اسی بعض علم کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کے لیے علم غیب کا ہونا ثابت کیا جائے تو پھر آج اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا بھی عالم الغیب ہونا لازم آئے گا؛ کیوں کہ باری تعالیٰ انہیں بھی الہامات و کرامات کے ذریعہ کچھ غیبی باتوں کا علم دے دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے اپنی کتاب میں مختلف جگہوں پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو جمیع ماکان و مایکون کا علم دیا گیا تھا۔ اور بعض جگہ یہ بھی کہا کہ "آپ ﷺ کو بعض غیبوں کا علم دیا گیا" تو گویا کہ خاں صاحب کے اعتقاد کے اندر کافی تضاد ہے اور قاعدہ ہے کہ اذا تعارضا تساقطا جب تعارض ہو جائے تو دونوں کو ساقط کر دیا جاتا ہے، پس اس قاعدہ کی رو سے خاں صاحب کا اعتقاد ختم ہو جاتا ہے۔

(۳) آگے خاں صاحب نے کہا کہ "حضور ﷺ کا علم ساری مخلوقات سے زیادہ ہے" اس عبارت کے اندر دو قباحتیں ہیں پہلی قباحت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا علم کس اعتبار سے زیادہ ہے۔ کیا افضل ہونے کے اعتبار سے زیادہ ہے یا خاتم الانبیاء ہونے کے اعتبار سے یا سید الانبیاء والبشر ہونے کے اعتبار سے یا قرآن کی وجہ سے زیادہ ہے، یا بصارت و بصیرت کی وجہ سے زیادہ ہے، پھر شفاعت کے اعتبار سے زیادہ ہے، آخر کس اعتبار سے حضور اکرم ﷺ کا علم زیادہ ہے خاں صاحب نے اس کی وضاحت نہیں کی اور بیچ میں ہی لٹکتے ہوئے آگے نکل گئے بہر حال مذکورہ دو باتوں کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا علم زیادہ ہے تو صحیح ہے۔

نوٹ: آپ نے جو دلیل آگے دی ہے اس کی تردید بھی آگے آ رہی ہے کچھ دیر انتظار کریں۔

(۴) قسم دوم خاں صاحب کی عبارت ہے "اولیائے کرامؒ کو بھی بالواسطہ انبیائے کرامؑ کچھ علوم غیب ملتے ہیں" (جاء الحق، ج ۱، ص ۳۹)

جواب: مذکورہ عبارت بایں معنیٰ قابل جواب ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے انبیائے کرامؑ کے لیے علم غیب ثابت کرنے کی قبیح کوشش کی ہے، گویا اب العیاذ باللہ اولیاء اللہ کو بھی عالم الغیب بنا رہے ہیں۔ خیر پہلے احقر نے اس بات کی تردید کی تھی کہ انبیائے کرام عالم الغیب نہیں ہیں تو پھر ان کے واسطے یا بغیر واسطے سے اولیاء اللہ کیسے اور کیوں کر عالم الغیب ہو سکتے ہیں؟ کسی کے لیے علم غیب اسی وقت ثابت ہوگا، جب کہ بغیر کسی وسائل وذرائع کے حاصل ہو۔ جیسے کہ باری تعالیٰ کا علم، لیکن انبیائے کرامؑ کو جو علوم حاصل ہوئے ہیں وہ بذریعہ ملائکہ یا بذریعہ الہام وکرامات تو پھر کیوں کر انبیائے کرامؑ عالم الغیب ہوں گے۔ زید خاں صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اولیاء اللہ انبیاء کرام کے واسطہ سے عالم الغیب ہو سکتے ہیں تو خاں صاحب کا لفظ لفظ واسطہ نے خود اس بات کی تردید کر دی کہ اولیاء اللہ عالم الغیب نہ ہوئے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ (کیوں کہ علم غیب تو اس وقت ثابت ہوگا جب کہ بغیر واسطہ کے حاصل ہو) انبیائے کرامؑ کے واسطہ سے اولیاء کرام کو بھی کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔ تو گویا کہ انبیاء کرام اولیاء کرام کے حق میں خدا ٹھہرے۔ (نعوذ باللہ) کیوں کہ عطا کرنا یہ کسی نبی کا کام نہیں بلکہ خدا کا کام ہے اس کے بعد خاں صاحب نے حضور اکرم ﷺ کے علم کے تحت کہا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بعض غیبوں کا علم دیا اور اولیاء اللہ کے علم کے تحت کہا کہ کچھ علوم غیب کا علم دیا تو خاں صاحب سے سوال یہ ہے کہ بعض اور کچھ میں کیا فرق ہے؟ بہر حال ادباء نے کہا کہ بعض اور کچھ دونوں مرادف الفاظ ہیں جب دونوں ایک لفظ ہیں تو پھر جو بھی علم انبیائے کرامؑ کو دیا گیا وہی علم اولیاء اللہ کو دیا گیا۔ تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تمہارے ہی قول کے مطابق کہ جس طرح انبیائے کرام عالم الغیب ہیں اسی طرح اولیاء کرامؒ بھی عالم الغیب ہیں (نعوذ باللہ) جناب ایسا معاملہ نہیں ہے بلکہ عالم الغیب ہونا باری تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کی صفت تقسیم نہیں ہوتی اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ شرک وبدعت میں

2017-03-1

بتلاتا ہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی انسان واجب العلم الغیب نہیں ہے۔

(۵-۲) آگے خاں صاحب کی عبارت! حضور اکرم ﷺ کے سلسلے میں ہے کہ ان کو بہت سے جزئیات کا علم دیا گیا ہے" تو اس کا جواب یہ ہے کہ جزئیات کا علم تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو بھی دیا ہے یعنی جب انسان پیدا ہوتا ہے تو کھانا کھانا نہیں جانتا، پانی پینا نہیں جانتا، قرآن پڑھنا نہیں جانتا، لکھنا نہیں جانتا، بریلویوں سے مناظرہ کرنا نہیں جانتا، کپڑا پہننا نہیں جانتا ہے، پیشاب پاخانہ کرنا نہیں جانتا، تو اللہ تعالیٰ انسان کو ان تمام علوم سے نوازتا ہے تو کیا یہ لوگ بھی عالم الغیب ہو گئے؟؟ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بھی علم سے نوازا تو کیا وہ بھی عالم الغیب ہو گئے ہرگز نہیں۔ ہاں آپ ﷺ کو عالم الغیب کہنا اس وقت صحیح ہوتا جب کہ باری تعالیٰ قرآن کریم کی کسی بھی آیت میں یہ فرما دیتے کہ آپ ﷺ کو میں نے جمیع ما کان وما یکون کا علم دیا ہے۔ لیکن میرا چیلنج ہے کہ قرآن کریم یا احادیث کے کسی بھی جز، سے آپ یہ بات ثابت نہیں کر سکتے کہ آپ ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم دیا گیا تھا۔

(۶) قسم سوم: (۱) یاد رکھیں کہ بہر حال قیامت کب آئے گی اس کی خبر صرف اللہ کو ہے جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے بارے میں ہمیں نہ تو برابر خبر نہیں ہے۔ اس کی مکمل تفصیل آگے آ رہی ہے۔

(۷-۲) آگے خاں صاحب کی عبارت ہے کہ "تمام گذشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں۔ ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم آپ کو دیا گیا"۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۴۰) خاں صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک کوئی اور دوسرا لوح محفوظ ہے کہ انہوں نے لوح محفوظ سے تجاوز کر کے فرمایا کہ ان سے بھی زیادہ علم آپ ﷺ کو دیا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ ہم نے تمام علوم قرآن لوح محفوظ میں ہے۔ تو جب تمام علوم قرآن لوح محفوظ میں ہیں اور اس کا علم حضور اکرم ﷺ کو ہے تو پھر آگے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(۸-۳) آگے خاں صاحب نے حضور اکرم ﷺ کے سلسلے میں فرمایا کہ: "قرآن

کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا" بہر حال یہ مسئلہ بھی صحابہ کرام ہی کے زمانے سے مختلف فیہ ہے بعض کہتے ہیں کہ متشابہات کا علم آپ ﷺ کو دیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ متشابہات کا علم نہیں دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حروف متشابہات کے معنیٰ و تفسیر میں نہ الجھیں۔ (بخاری)

چوتھی فصل

اس فصل کے تحت مولانا احمد یار خاں صاحب نے اپنے مناظرین کو نصیحت کی ہے جیسا کہ جاء الحق، ج:۱، ص:۴۰ پر تمام کلمات نصائح موجود ہیں۔ لیکن میں بھی تمام علماء اہل حق سے درخواست کروں گا کہ آپ جب مناظرے کے میدان میں قدم رکھیں تو سنجیدگی سے علمی، تحقیقی، اصلاحی، باحوالہ گفتگو کریں۔ دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ انحراف موضوع ہرگز نہ کریں، تیسری بات یہ کہ اپنے عقائد کو پہلے قرآن پھر سنت اس کے بعد قیاس و اجماع سے ثابت کریں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ فریق مخالف کی طرف سے جو دلائل و اشکالات بیان کئے جائیں ان پر پورا پورا دھیان دیں اور غلط بیانی پر تنقیض کریں۔ اس کے علاوہ اور دیگر مفید باتوں پر دھیان دیں اور لغویات سے حتی الامکان گریز کریں۔

پہلا باب (۱)

(پہلی فصل) کے جوابات

اس باب کے تحت مولانا احمد یار خاں صاحب نے چھ فصلیں قائم کی ہیں اور ہر فصل کو قرآن، حدیث اور عقلی دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے پس احقر ہر ایک فصل کا جواب دے رہا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

پہلی فصل میں خاں صاحب نے کل ۲۰ / دلائل بیان کئے ہیں، پہلی دلیل انہوں

2017-03-11

نے بیان کی قال اللہ تعالیٰ: وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ (جاء الحق ج ۱ ص ۴۰) اور اس دلیل کی تائید میں خاں صاحب نے تفسیر مدارک، تفسیر کبیر، تفسیر خازن کی عبارتوں کو نقل کیا ہے کہ باری تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر ان تمام اشیاء کو ملائکہ پر پیش کیا اس خلجان کا سب سے پہلا۔

جواب: یہ ہے کہ علم غیب اس علم کو کہتے ہیں جو بغیر کسی وسائل وذرائع کے معلوم ہو جائے۔ لیکن یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کو جو علم حاصل ہوا ہے وہ وسائل وذرائع کے ذریعہ، نہ کے بغیر وسائل؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اس دور کے مطابق تمام چیزوں کا علم دیا تھا نہ کہ قیامت تک کے ہر ذرے کا علم، بہر حال جب صرف اس دور کے مطابق کامل علوم دیا گیا تو پھر یہ کہنا کہ حضرت آدم علیہ السلام عالم الغیب ہیں سو یہ نص کے خلاف ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے جو غیب کی تعریف کی ہے وہ قطعاً درست نہیں جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، اور اگر تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ یہ تعریف صحیح ہے، تو پھر خاں صاحب کی دلیل غیب کی تعریف پر صادق نہیں آتی کیوں کہ خاں صاحب نے کہا کہ "غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ سے محسوس کر سکتا ہے"۔ اور مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو جو علم عطا کیا سو اس علم کو آپ علیہ السلام نے کان کے ذریعہ سنا اور آنکھ کے ذریعہ دیکھا، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب کے عقائد غیر مسلم ہیں؛ کیوں کہ خاں صاحب تعریف کچھ کرتے ہیں اور دلیل کچھ پیش کرتے ہیں۔

جواب: تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ علم فعل ہے اور اس کا فاعل حضرت حق جل مجدہ ہیں اور مفعول آدم علیہ السلام ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سکھایا، علم دیا، خود سے آدم علیہ السلام نہ سیکھے اور نہ جانے پھر آپ علیہ السلام عالم الغیب کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کی مثال یوں لیجیے کہ ہمارے اساتذہ وقف دار العلوم ہیں ان سے ہم طرح طرح کے علوم وفنون حاصل کرتے ہیں اور وہ ہمیں ایسی ایسی باتیں بتاتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم جانتے نہیں تھے تو کیا ہم بھی عالم الغیب ہو گئے ہرگز نہیں ہرگز نہیں! یہی مثال آدم اور اللہ تعالیٰ کی ہے

کہ اللہ تعالیٰ استاذ اور آدم و دیگر انبیائے کرام شاگرد ہیں۔

جواب ۴: چوتھا جواب خود آیت مذکورہ کا ایک ٹکڑا "ثم عرضھم" دے رہا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا اور ان کے ذہن میں ایک بات پیدا ہوئی کہ ہم سب سے افضل مخلوق ہیں، باری تعالیٰ نے ان کے اس تصور کو پاش پاش کرنے کے لیے آدم کا وجود بخشا اور آدم کی افضلیت کو ظاہر کرنے کے لیے باری تعالیٰ نے ان کو ان تمام علوم سے زینت بخشی جو ملائکہ کے پاس نہیں تھی۔ جب سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو تمام علوم سکھا دیئے تو اب باری تعالیٰ نے فرشتوں کو خاموش کرنے کے لیے آدم کو ان پر پیش فرمایا جیسا کہ قرآن اعلان کرتا ہے "ثم عرضھم علی الملائکۃ" اور ایک قاعدہ کا "الشمس علی نصف النہار" ہے کہ جب کسی مخالف کی خاموشی کے لیے کوئی چیز انبیائے کرام کو عنایت کی جاتی ہے، تو اس شی کو معجزہ سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ یہاں پر باری تعالیٰ نے جو علوم عطا کیے تھے وہ فرشتوں کی خاموشی کے لیے تھے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں یہی کہا جائے گا کہ آدم علیہ السلام کو جو چیز سکھلائی گئی وہ منجانب اللہ معجزہ تھا اور معجزہ کو علم غیب نہیں کہہ سکتے۔

جواب ۵: فریق مخالف کا استدلال کرنا قطعاً درست نہ ہوگا اولاً اس لیے کہ عقائد کے باب میں قیاس ایک ظنی دلیل ہے جو کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ثانیاً: اگر "وعلم آدم الاسماء کلھا" سے آدم علیہ السلام کو کلی علم غیب مل چکا ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ہے، تو حضرت آدم علیہ السلام کو شیطان لعین نے دھوکہ دیکر جنت سے کیوں نکلوایا اور قسم کھا کر کیوں انکو پھسلایا؟ حالاں کہ تعلیم اسماء پہلے کا واقعہ ہے اور حضرت آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام کے ساتھ ابلیس مردود کا یہ مکر بعد کو پیش آیا تھا پھر کیسے باور کرلیا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے ہوئے خناس کے فریب میں آگئے؟

ثالثاً: الاسماء کلھا کی حضرات مفسرین کرام نے مختلف اور متعدد تفسیریں کی ہیں چنانچہ علامہ خازنؒ لکھتے ہیں کہ وعلم آدم الاسماء کلھا فقال یا آدم ھذا بعیر

2017-03-1

وهذا فرس وهذه شاة حتى اتى على آخرها و قيل علم آدم اسماء الملائكة وقيل اسماء الذرية وقيل علمة اللغات كلها (تفسیر خازن ج ۱ ص ۱۰۴)

وعلم آدم الاسماء کلها کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یوں تعلیم دی کہ اے آدم یہ اونٹ ہے اور یہ گھوڑا ہے اور یہ بکری ہے حتی کہ اخیر تک اشیاء کے نام بتلائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے نام بتلائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ذریت کے نام بھی بتلائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو سب لغات کی تعلیم دی گئی۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ الحنفی لکھتے ہیں:

ومعنى تعليمه اسماء المسميات انه تعالى اراه الاجناس التي خلقها وعلّمه ان هذا اسمه فرس وهذا اسمه بعير وهذا اسمه كذا وهذا اسمه كذا وعن ابن عباس رضي الله عنه علمه اسم كل شيء حتى القصعة والمغرفة . (مدارک، ج ۱، ص ۱۰۱)

اس میں مسمیات کی تعلیم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان جنسوں کا علم دے دیا جو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمائیں اور یہ بتادیا کہ اس کا نام گھوڑا ہے اور اس کا نام اونٹ ہے اور اس کا یہ اور اس کا یہ نام ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا نام بتادیا حتی کہ پیالہ اور چمچہ کا نام بھی بتادیا اور مفتی محمد عبدہ المصری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

اى اودع فى نفسه علم جميع الاشياء من غير تحديد ولا تعين یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فطرت اور ان کی طبیعت میں جمیع اشیاء کا بغیر تحدید وبغیر تعیین کے علم ودیعت رکھ دیا۔

ان تمام تفسیروں کو پیش نظر رکھنے کے بعد بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ الاسماء کلہا کی تفسیر میں حضرات ائمہ تفسیر کے اقوال کتنے مختلف ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ، مگر قدرے مشترک سب میں یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے نام

بتائے جن کی ان کو ضرورت اور حاجت پیش آسکتی تھی اور فرشتوں کے حال سے ان اشیاء کی مناسبت نہ تھی۔ آخر فرشتوں کو گھوڑوں اور گدھوں کی اونٹوں اور بکریوں کی، پیالوں اور رکابیوں کی، ہانڈیوں اور چمچوں کی بھلا ضرورت بھی کیا ہے؟ کہ جب وہ نہ تھکتے ہیں اور نہ بھوکے و پیاسے ہوتے ہیں تو گھوڑے اور پیالے اور رکابی و ہانڈی اور چمچے کو وہ کیا کریں گے؟ مگر ان اشیاء پر عالم اسباب میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کی زندگی موقوف تھی اس لیے ان کو ان کے ناموں کی اور ان کی ذوات وصفات اور افعال کی تشریح بتادی کہ ہر چیز اس کام کی ہے اور یہ اس کام میں آتی ہے اور پھر صاحب مدارکؒ وغیرہ کی تفسیر میں اس کی تصریح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو علم عطا کیا تو ان اشیاء کی اجناس کا علم تھا مثلاً یہ کہ یہ گھوڑا ہے اور یہ اونٹ ہے اور یہ فلاں چیز ہے اور یہ فلاں چیز ہے اور یہ انسان ہے اور یہ بکری ہے، رہا اس جنس کے تمام افراد اور افراد کے تمام جزئی حالات کا تو ان کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اگر ہر ہر انسان اور حیوان کا نام بھی بتادیا گیا ہو تو ہر ہر انسان اور حیوان وغیرہ کے تمام تفصیلی حالات پھر بھی الگ رہیں گے۔

غرض کہ اس آیت سے غیر ضروری اور غیر متعلق باتوں اور حالات کا علم حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ثابت کرنا کسی طرح بھی صحیح اور قرین قیاس نہیں ہے۔

آخر فریق مخالف کے وکیل خاں صاحب بریلوی اور علامہ عبدالعزیز کی ایک طویل عبارت میں جو علم آدم الاسماء کلہا کی تفسیر میں انہوں نے لکھی ہے کہ:

والمراد بقولہ تعالیٰ الاسماء کلہا، الاسماء التی یطیقہا آدم ویحتاج الیہا للسائر البشر ولہم بہا تعلق الخ (خالص الاعتقاد، ص ۴۱) "اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد الاسمہا کلہا سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ نام اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بتادیئے جن کی حضرت آدم کو طاقت تھی اور جن کی سب کو حاجت تھی اور جن اشیاء کے ساتھ لوگوں کا تعلق تھا"۔ اس مفہوم میں جتنی بھی وسعت پیدا کرلی جائے کم ہے مگر اتنی بات آخر میں کہنا ہی پڑے گی کہ ان اشیاء کی حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو ضرورت اور حاجت بھی ہو اور ان اشیاء کا ان سے تعلق بھی ہو غیر متعلق اور غیر ضروری

0 ZT-E0-LTOZ

چیزیں مثلاً جادو، کہانت، شعبدہ، طلسم، علم نجوم، رمل، خط، زائچہ والا اسماء کا علم وغیرہ ہرگز شامل نہیں ہو سکتی ہیں۔

پس خاں صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدم وغیرہ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم دیا گیا تھا۔ سو یہ غلط ہے۔

خاں صاحب نے اپنی دلیل کی تائید میں تفسیر ابوالسعود کی عبارت پیش کی ہے چناں چہ ارشاد ہے: وقیل اسماء کان وما یکون وقیل اسماء خلقه من المعقولات الخ (ایضاً ص:۴۱)

جواب: اس عبارت کا جواب یہ ہے کہ تفسیر ابوالسعود، خاں اور ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے اور قاعدہ اظہر من الشمس ہے کہ مختلف فیہ عبارات اور اقوال سے استدلال کرنا قطعاً درست نہیں، اس کے بعد آگے (جاء الحق، ج:۱، ص:۴۲) پر نسیم الریاض کے حوالہ سے خاں صاحب نے فرمایا: انه علیه السلام عرضت علیه الخلائق من لدن آدم الی قیام الساعة فعرفهم کلهم کما علم آدم الاسماء کلها۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔

جواب: اس اشکال کا جواب مذکورہ عبارت لفظ عرضهم نے دے دیا یعنی معنی کہ جب حضور اکرم ﷺ نے تمام اشیاء کو پہچان لیا تو پہچان کرانے والا ضرور کوئی نہ کوئی ہوگا اور یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے کہ پہچان کرانے والا خود خداوند قدوس ہے۔ تو پھر اس کو علم غیب کیوں کر کہہ سکتے ہیں، ہاں علم غیب اس وقت کہتے جب شناخت کرانے والا کوئی نہ ہوتا۔

دوسری دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے دوسری دلیل بیان کی یکون الرسول علیکم شهیداً (جاء الحق، ج:۱، ص:۴۲) نیز اس دلیل کی تائید میں تفسیر عزیزی وغیرہ کو پیش کیا ہے۔

دلیل مذکورہ میں پوری آیت کریمہ پیش نہیں کی گئی: چنانچہ مذکورہ آیت کریمہ سے قبل دوسرا جز ہے۔ "وکذلک جعلنکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی

الناس" اب آگے آیت ہے "ویکون الرسول علیکم شھیدا"۔ بہر حال اگر خاں صاحب یکون الرسول الخ سے حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں تو اس سے پہلے کی آیت امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس الخ. سے تمام امتوں کا بھی عالم الغیب ہونا لازم آئے گا۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ خود خاں صاحب کی عبارت یعنی آیت کریمہ کے تراجم سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے؛ کیوں کہ انہوں نے مذکورہ آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے "اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہوں" تو نگہبان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو بری باتوں اور برے افعال سے روکا اور بشکل شریعت یہ فرماتے رہے کہ ایسا نہ کرو؛ بلکہ ایسا کرو۔ یہ نگرانی اور نگہبانی من جانب اللہ رسول ﷺ فرما رہے تھے۔ تو کیا اس نگہبانی اور نگرانی کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے؟ ہرگز نہیں اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ہمارے اساتذہ وقف دار العلوم ہمارے نگہبان و نگراں ہیں اور ہمیں تمام فحش اقوال و افعال سے روکتے ہیں تو کیا وہ عالم الغیب ہو گئے؟ ہرگز نہیں پس اسی طرح آپ بھی عالم الغیب نہ ہوئے۔ بایں طور کہ جس طریقے سے حضور اکرم ﷺ کے سلسلے میں باری تعالیٰ نے: "یکون الرسول علیکم شھیدا" فرمایا ہے بعینہ اسی طرح امت محمدیہ کے لیے بھی "شھداء علی الناس" فرمایا، چناں چہ مفسرین کرام کا کہنا ہے کہ قیامت کے دن امت محمدیہ دیگر امتوں پر شہادت پیش کریں گی پس معلوم ہوا کہ نہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے اور نہ امت محمدیہ عالم الغیب ہیں۔

اسی طرح خاں صاحب کی عبارت کا دوسرا جز ہے "گواہ ہوں" پس اس کا جواب یوں سمجھ لیجیے کہ۔

مثال کے طور پر حضرت نوح علی نبینا علیہ السلام سے حق جل مجدہ قیامت کے دن سوال فرمائے گا "ھل بلغت رسالتک"؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب میں عرض کریں گے کہ میں نے احکام کی تبلیغ کر دی ہے؛ تو رب کائنات فرمائیں گے تمہارا کوئی

گواہ ہے تو حضرت فرمائیں گے میرے گواہ امت محمدیہ کے لوگ ہیں چنانچہ امت محمدی بلائے جائیں گے ان سے گواہی طلب کی جائے گی تو امت محمدی کہیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہدایت کی اس پر قوم نوح اعتراض کرے گی کہ ان کو کیا پتہ یہ تو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے امت جواب میں کہیں گی اخبرنا نبینا محمد ﷺ بما انزل الیہ.

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ جب بروز قیامت بحکم الٰہی رسول اکرم ﷺ مسلم غیر مسلم مؤمن غیر مؤمن کے سلسلے میں شہادت پیش کریں گے، تو غیر مسلم و غیر مؤمن کہیں گے کہ اے محمد عربی ﷺ دنیا کے اندر تو ہم سے آپ ﷺ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی تو پھر آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ جواباً ارشاد فرمائیں گے کہ ہمیں الہام والقاء و کتب سابقہ اور وحی ربانی سے معلوم ہو گیا تھا کہ تم شقی ہو تم نافرمان ہو تم عاصی، تم قادیانی ہو، تم بریلوی ہو، یعنی حضور اکرم ﷺ جو شہادت دیں گے وہ محض کتب سابقہ اور وحی ربانی کی بنیاد پر نہ کہ عالم الغیب ہونے کی بنیاد پر۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ کے اندر حضور ﷺ کے جسم و جثہ اور ان کی ہیئت کو بیان کیا گیا ہے اور ان کتب یا ان کے علاوہ کے ذریعہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سوانح عمری معلوم کرتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے۔ تو کیا ہم عالم الغیب ہو گئے؟ ہرگز نہیں، تو پھر آپ حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب کیوں کر کہتے ہو؟۔

جواب ۴: جیسا کہ حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ نے دیدیا، چنانچہ فرمایا کہ بریلویوں کا دعویٰ (علم غیب کے سلسلے میں) اتنا طویل ہے کہ ان کا احصاء کرنا دشوار ہے چنانچہ ان کا دعویٰ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو دنیا کے ذرہ ذرہ، سمندر کے، قطرہ قطرہ کا، درختوں کے پتہ پتہ کا، دریاؤں کی مچھلی، مینڈک اور زمین کے ہر ایک کیڑے مکوڑے کی حرکت و سکون کا، حتیٰ کہ پاخانہ و پیشاب وغیرہ وغیرہ کا علم تفصیلی محیط آنحضرت ﷺ کو وفات شریف سے اکیاسی روز قبل عطا فرما دیا گیا اور یہ دلیل ہے حضور سرور کائنات ﷺ کو اعمال امت کی اطلاع (اور اس پر شہادت دینا) کس طریقہ سے ہوتی ہے پھر یہ بات بھی جداگانہ ہے

کہ یہ اطلاع کیا ہوتی ہے اجمالی ہوتی ہے یا تفصیلی۔

آگے خاں صاحب نے اپنی دلیل یعنی آیت مذکورہ کی تائید میں تفسیر روح البیان کی عبارت پیش کی ہے کہ "حضور اکرم ﷺ ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچانتے ہیں پس حضور اکرم ﷺ مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص ونفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں" (جاء الحق، ج:۱، ص:۴۳)

جواب: قارئین کرام! خاں صاحب کے تصور کے مطابق روح البیان کی عبارت سے ظاہراً معلوم ہو رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے؛ لیکن خود صاحب روح البیانؒ نے آگے چل کر ان کے عقائد کی تردید میں فرمایا **نور الحق الخ** کہ حضور اکرم ﷺ مذکورہ تمام چیزوں کو اپنے نور حق کے ذریعہ جانیں گے اور نور حق سے مراد کتاب ہے اور کتاب کا نزول بذریعہ وحی ہوا اور وحی کی چند صورتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی صورت ہے کہ باری تعالیٰ بغیر جبرئیل امین کے حضور ﷺ کے قلب اطہر پر القاء کر دیتے تو باری تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتا دیا (بذریعہ القاء) کہ یہ انسان گنہگار ہے یہ بدکار ہے اور فلاں فلاں نیک صالح ہیں، اسی چیز کو حضور اکرم ﷺ اپنی زبان سے بروز قیامت ادا کریں گے۔ لہٰذا اس سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد خاں صاحب نے تفسیر خازن اور تفسیر مدارک کی عبارات پیش کی سو ان کا بھی یہی جواب ہوا۔

آگے خاں صاحب نے ایک آیت پیش کی اور اس کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے عالم الغیب ہونا ثابت کیا ہے؛ چنانچہ ارشاد باری ہے **ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً** اسی طریقے سے حضرت خضر علیہ السلام کے لئے بھی علم غیب کا ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ عبارت ہے، کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل فرمایا اس کے آئندہ کا حال معلوم کر لیا تھا۔ (جاء الحق ج:۱، ص:۴۴)

جواب: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آگے چل کر حضرت خضر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے خاندان، تمہاری نسل میں ایسا ایسا بچہ پیدا ہوگا جو ہماری

2017-03-12 T=E0-LTOZ

نافرمانی کرے گا تو کیا تمہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ ہماری نافرمانی کرے جیسا کہ ارشاد باری ہے "ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً" تو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اے رب کریم تو ہلاک کردے اور حضرت خضر علیہ السلام نے بچہ کو قتل کردیا۔ بہرحال یہ خبریں جو حضرت نوح علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کو معلوم ہوئی وہ محض القاء کی وجہ سے جو کہ علم غیب پر قطعاً دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ اس کی مثال اور تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے۔

تیسری دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے تیسری دلیل بیان کی "بقولہ تعالیٰ وجئنا بک علی ھؤلاء شھیداً" (ایضاً ص ۴۵) بلائے جائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والے۔ اس آیت کے ذریعہ خاں صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کا ہونا ثابت کیا ہے۔

جواب: آیت مذکورہ کے اندر ھؤلاء جو اسم اشارہ ہے اس کے مشارٌ الیہ کے سلسلے میں دو احتمال ہیں اور دونوں میں سے کسی کے ذریعہ بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ پہلا احتمال تو یہ ہے کہ اس کا مشارٌ الیہ انبیائے سابقین ہوں تو اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ بروز قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جب کہ ان کی امت ان کی تکذیب کرے گی اور یہ گواہی اس بناء پر نہ ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں بلکہ اس بناء پر ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری تعالیٰ نے کتب سابقہ پر مطلع فرمایا ہے۔ اور مزید انبیائے سابقین کے حالات کے سلسلے میں اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب نیم روز کی طرح اطلاع دی ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ھؤلاء کا مشارٌ الیہ کفار و مشرکین ہوں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء سابقین جس طرح اپنی اپنی امت کے کفر و فسق کی گواہی دیں گے تو اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ان سب کی بداعمالیوں پر گواہ رہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بہت بڑی ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے بروز قیامت یا اس سے پہلے تکذیب کی سو ان کی ہلاکت ہے پس آج بھی آپ کی شہادت دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ قبول ہوگی۔ اور یہ تمام گواہی محض اس بناء پر دیں گے کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تمام حالت پر مطلع کردیا ہے۔ نیز اس کو

قطعاً علم غیب نہیں کہہ سکتے۔

جواب ۲: ماقبل کا جواب (۱) قاعدہ کلیہ کے تحت تھا اب دوسرا جواب خود باری تعالیٰ کے قول سے آفتاب نیم روز کی طرح عیاں و بیاں ہیں! چنانچہ ارشاد باری ہے: "یسئلک الناس عن الساعة قل انما علمها عندالله" ۔لوگ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں سو آپ ﷺ فرما دیجئے، پس اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ نیز خود آپ بھی ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ خاں صاحب نے جو دلیل پیش کی ہے وہ تشریح و توضیح کے اعتبار سے ان کے دعوے پر بالکل مخفی ہے یا نہیں، برخلاف مذکورہ آیت کے یہ آیت بالکل تشریح و توضیح کے اعتبار سے ان کے دعوے کی مخالفت کر رہی ہے۔

نوٹ: اس اشکال کے دو جوابات وہی ہیں جو ماقبل میں گذر چکے۔

خاں صاحب نے اس آیت مذکورہ کی تفسیر کے تحت تفسیر نیشاپوری کی عبارت پیش کی "لانّ روحہٗ علیہ السلام شاھدٌ الخ" ۔اس لیے کہ حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے! کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے۔ (ایضاً ص ۴۵)

جواب: خاں صاحب نے علم غیب کی جو تعریف کی ہے سو اس پر تفسیر نیشاپوری کی عبارت صادق نہیں آتی تو پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں۔ بہر حال آپ نے جو علم غیب کی تعریف کی ہے وہ **اولاً:** ہمیں تسلیم ہی نہیں اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کرتے ہیں تو آپ کی تعریف اور دلیل میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے تفسیر نیشاپوری کی عبارت "شاہد علی جمیع الارواح" کا ترجمہ دیکھنے کے کیا ہے، یہ درست نہیں کیوں کہ اگر آپ شاہد کا ترجمہ دیکھنے کے کریں گے تو پھر "اشھد ان لاالہ الااللہ محمد الرسول اللہ" کا ترجمہ کیا کریں گے؟ بہر صورت آپ کے ترجمے کے مطابق یہی ترجمہ ہوگا۔ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ ایک اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں چناں چہ حق اور صحیح یہ ترجمہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ کی روح تمام روحوں اور قلوب کی گواہی دے رہی ہے اور اس ترجمہ کی شکل میں یقیناً آپ کی دلیل

2017-03-12

کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ کیوں کہ شاہد کے منہ میں دانت دیئے گئے اور دانت اس لیے دیئے جاتے ہیں تاکہ کوئی بھی شخص اس کی تکذیب نہ کرنے پائے اور چوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں سے وعدہ لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو اس کے جواب میں تمام ارواح نے کہا تھا بلیٰ اگر کوئی روح اس کی تکذیب کریگی تو حضور اکرم ﷺ کی روح ان کی تکذیب کو پاش پاش کردے گی۔ پس اس سے علم غیب ثابت نہیں ہوتا اور یہی جواب خاں صاحب کی پیش کردہ دیگر تفاسیر کا ہے۔

چوتھی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے علم غیب پر چوتھی دلیل بیان کی "بقولہ تعالیٰ من ذالذی یشفع عندہ الاباذنہ یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم" اور وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے، جانتا ہے جو کچھ اس کے آگے ہے اور جو کچھ اس کے پیچھے ہے۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۴۵)

جواب : قارئین کرام! خاں صاحب نے مذکورہ آیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب کا ہونا ثابت کیا ہے حالاں کہ "یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم" کا عطف ماقبل (کی آیت: "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم الخ") پر ہے لہٰذا آیت مذکورہ سے خداوند قدوس کے لیے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے۔ پس اگر خاں صاحب خدا کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں تو پھر ہمارے اور ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہیں اور اگر آپ حضور ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں تو آپ کا دعویٰ، مذکورہ جوابات سے ھباءً منثورا ہو جاتا ہے۔

جواب: اس بات کو خاں صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ قرآن کی سب سے اہم اور اولی تفسیر یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ مثلاً باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "فامہ ھاویۃ ○" اب آگے ارشاد فرمایا: "وما ادرک ماھیۃ ○ نار حامیۃ ○" چناں چہ یہاں پر سمجھانا یہ مقصود ہے کہ باری تعالیٰ نے ھاویہ کی تفسیر خود نار حامیۃ سے فرمائی تو یہ تفسیر تمام تفاسیر پر فوقیت لے جائے گی خواہ احادیث ہوں، یا اقوال صحابہ کرامؓ، یا اقوال

تبع تابعین یا اقوال مفسرین پس اسی طریقے سے مسئلہ علم غیب کے سلسلے میں خاں صاحب نے جو آیت پیش کی من ذالذی یشفع الخ اور اس کی تائید میں تفسیر نیشاپوری اور تفسیر روح البیان کی عبارت پیش کی۔ سو یہ باری تعالیٰ کے اس قول اس کا تحقیقی جائزہ "قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امداً" سے عیاں ہے گویا کہ باری تعالیٰ کا قول من ذالذی یشفع الخ منسن ہے اور اس کی تشریح وتوضیح وتفسیر آیت قل ان ادری اقریب ہے۔ جو نفی علم غیب پر دال ہے۔

پانچویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے پانچویں دلیل بیان کی: "بقوله تعالیٰ وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکنّ الله یجتبی من رُسُله من یشآء" (ایضاً، ص:۴۸)

جواب: پہلا جواب تو مذکورہ آیت کا ایک ٹکڑا "لیطلعکم" نے دیدیا، کیوں کہ یطلع فعل مضارع ہے اور اسکا فاعل خداوند قدوس ہے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو ان مخفی باتوں پر مطلع کیا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے پس اب خاں صاحب سے کہنا یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے اطلاع دینے سے قبل کیا آپ ﷺ ان باتوں کو جانتے تھے؟ جواب یقیناً یہی ملے گا کہ آپ ﷺ ان باتوں سے امی تھے؛ کیوں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ امی نہ تھے؛ تو پھر باری تعالیٰ نے لیطلعکم کیوں فرمایا۔ یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوگئی کہ آپ ﷺ قبل الوحی امی تھے اور بعد الوحی کچھ معلومات ہوئیں۔ اب ان تمام باتوں کو مثال سے سمجھیں۔ مختلف ممالک کے اندر اخبارات شائع ہوتے ہیں اور ان اخبارات کے ذریعہ عوام کو ان باتوں کی خبر ملتی ہے جن کی خبر عام وخواص کو پہلے نہ تھی جب جرائد کے ذریعہ مخفی باتوں کو جان لیا تو کیا عوام یا علماء عالم الغیب ہو گئے۔

جواب ۲: دوسرا جواب آیت مذکورہ کا ایک لفظ "غیب" نے دے دیا کیوں کہ غیب سے مراد یہاں قرآن یا احکام شریعت ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ احکام شریعت سے آپ ﷺ من قبل الاطلاع نا آشنا تھے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے خداوند قدوس نے فرمایا کہ ہم کسی پر بھی قرآن نازل نہیں کرتے مگر جس کو چن لیتے ہیں اس کی مثال یوں لیجئے

کہ اگر خاں صاحب غیب سے مراد علم غیب لیتے ہیں تو اس سے تفسیر کے اندر تحریف اور ہٹ دھرمی لازم آتی ہے پس یہی کہا جائے گا کہ جس طرح ووجدک ضالاً کے اندر ضالاً سے مراد ناواقف ہے اور ھدی سے مراد شریعت مطہرہ اسی طرح غیب سے مراد احکام شرع ہے۔

جواب ۳: اس آیت سے فریق مخالف کا جناب رسول کریم ﷺ کے کلی غیب پر استدلال کرنا بالکل مردود ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو شوال ۳ ہجری میں پیش آیا تھا اور یہ آیت سورۃ آل عمران کی ہے جس کے بعد قرآن کریم کی سولہ سورتیں نازل ہوئی ہیں دیکھئے (اتقان جلد ۱، ص: ۲۵) اگر اس سے کل علم غیب مراد ہوتا تو مناسب یہی تھا کہ اس کے بعد ایک حرف بھی قرآن کریم کا حضور اکرم ﷺ پر نازل نہ ہو، حالاں کہ دیگر احکام کے علاوہ صرف قرآن کریم کی سولہ سورتیں اس کے بعد نازل ہوئی ہیں، پھر یہ بات کس طرح مانی جاسکتی ہے کہ اس آیت سے کل علم غیب مراد ہے؟ اور اگر واقعی اس سے کل علم غیب مراد ہوتا تو اس کے بعد نفی علم غیب کی کوئی آیت نازل نہ ہوتی حالاں کہ سورۂ نساء، سورۂ نور، سورۂ منافقون اور خصوصیت سے سورۂ التوبہ (جو سب سے آخری سورت ہے) میں نفی علم غیب کی متعدد آیات موجود ہیں۔

ثانیاً: حضرات مفسرین کرام نے بھی اس آیت سے بعض علم غیب مراد لی ہے تمام علم غیب اور جمیع ما کان وما یکون کا علم اس آیت سے کسی کے نزدیک مراد نہیں۔ چنانچہ علامہ معین بن صفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء وفیخبرہ ببعض المغیبات". (جامع البیان، ص: ۶۳)

اور اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے تو ان کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتا ہے اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ صاحبؒ اسی مذکورہ آیت کے تحت فرماتے ہیں: فیطلعه علی البعض من علوم الغیب احیاناً کما اطلع نبیه صلی الله علیه وسلم علی احوال المنافقین (تفسیر مظہری ج: ۳، ص: ۱۸۵)
بعض علوم غیب پر مطلع کیا۔

جواب ۴: چوتھا جواب آیت مذکورہ کا ایک ٹکڑا "یجتبی من رسله" نے دے دیا کیوں کہ جس کو کتاب دی جاتی ہے اسے رسول کہتے ہیں اور نبی اسے کہتے ہیں جسے نہ کوئی کتاب دی جائے اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ سابق انبیاءؑ کے دین کو پھیلانے کے لیے تشریف لائے ہوں۔ بہر حال آیت کے اندر وہ تمام رسل مراد ہیں جسے کوئی کتاب اور نئی شریعت دی گئی ہو؛ چنانچہ غیب سے مراد کتاب ہے اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے بڑا معجزہ کتاب ہے۔ اور قاعدہ معلوم ہو گیا کہ معجزہ کبھی علم غیب نہیں ہوتا۔ (بقول علامہ ابن حجرؒ)

لہٰذا آیت مذکورہ کو علم غیب پر محمول کرنا نہایت ہی جہالت پر مبنی ہے۔

آگے خاں صاحب نے اپنی پانچویں دلیل کی تائید میں تفسیر بیضاوی کی عبارت پیش کی ہے؛ حالاں کہ خود یہ عبارت ان کے دعویٰ کو هباءً منثورا کر رہی ہے چنانچہ خود خاں صاحب نے بیضاوی کے حوالے سے عبارت پیش کی۔ "یجتبی لرسالته من یشاء فیوحی الله الخ"۔ کہ اللہ اپنے پیغمبر کے لیے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اس کی طرف وحی فرماتا ہے۔ لہٰذا باری تعالیٰ کا وحی فرمانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو پھر وحی کی کیا ضرورت تھی؟ (ایضاً ص: ۴۹)

جواب: قارئین کرام! غور کیجئے کہ خاں صاحب نے جو غیب کی تعریف کی ہے وہ خود اس کے خلاف دلیل ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے جو غیب کی تعریف کی کہ "غیب اس کو کہتے ہیں جو بغیر کسی وسائل و ذرائع کے حاصل ہو جائے پس اس تعریف کے بھی خلاف ہے؛ کیوں کہ یہاں وسیلہ موجود ہے نیز بیضاوی نے کہا فیوحی الله کہ اللہ

2017-03-12 02:07

اپنے رسولوں کو وحی کرتا ہے۔ تو کیا ہی خبر نہیں ان کو جب سے خبر دی ہے اب جب خبر دی ہے تو اس کو کس طرح علم غیب پر محمول کریں گے۔ اس کے بعد خاں صاحب نے تفسیر خازن، کبیر، جمل، جلالین، روح البیان، کی عبارت پیش کی سو اس کا وہی جواب ہے جو جوابات ابھی گذرے ہیں، خاں صاحب سے تفسیر عبارت پیش کرنے میں غلطی بھی ہوئی ہے: "فتعرفوا المنافق قبل التمیزہ الخ" (ایضاً ص ۴۸)۔ حالاں کہ جلالین شریف کی صحیح عبارت "فتعرفو المنافق من غیرہ قبل التمیز" انہوں نے من غیر کو حذف کر دیا جب یہاں وہ حذف کر سکتے ہیں تو بدرجہ اولی دوسرے دلائل کو ثابت کرنے کے لیے غلط عبارات پیش کی ہوں گی، ہمدان کے جال میں نہ پھنسیں۔

چھٹی دلیل کے جوابات

مولانا احمد یار خاں نے چھٹی دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما" "اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (ایضاً ص ۴۹)

جواب: علمک کی اصل عبارت ہے "علم اللہ محمدا" "کہ اللہ نے محمد ﷺ کو ایسی ایسی باتیں سکھائیں جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے۔ جب سکھانے والا اور سیکھنے والا کائنات ہے، پھر اسے علم غیب کہنا جہالت کی علامت ہے، ہاں علم غیب اس وقت ہوتا جب کوئی سکھانے والا موجود نہ ہو، یعنی بغیر کسی وسائل و ذرائع کے آپ ﷺ کو اگر علم غیب حاصل ہوتا تو میں بھی بانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیتا کہ آپ عالم الغیب نہیں ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کو جو بھی علم حاصل ہوا ہے وہ تمام کا تمام وسائل اور ذرائع کے ذریعہ ہوا ہے پس اب اگر آپ کو کوئی عالم الغیب کہتا ہے تو یہ اس کی نا سمجھی گمراہی ہے۔ نیز "علمک مالم تکن تعلم الخ" خود شاہد ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے بایں طور کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو پھر سکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ قبل الوحی امی تھے اور بعد الوحی کچھ چیزوں کا علم ہوا نہ کہ جمیع ما کان و مایکون کا۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ الہام یا بطور کرامت اولیاء اللہ، سلف صالحین، ائمہ کرام کو بھی علم عطا کرتا ہے اور خوش خبری دیتا ہے اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ جبرئیل وحی آتی ہے۔ یا القاء کیا جاتا ہے، لیکن دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسل کے علم کو قطعی الدلالت اور معجزہ کہتے ہیں۔ اور سلف صالحین کے علم کو اس کے برعکس کہتے ہیں۔ بقول خاں صاحب کے رسول ﷺ کو عالم الغیب کہیں گے تو بزرگان دین، سلف صالحین، ائمہ مجتہدین، وغیرہ کو بھی عالم الغیب کہا جائے گا۔ حالانکہ یہ کھلم کھلا شرک ہے جو عند اللہ مبغوض و مطعون ہے۔ لہٰذا یہی کہا جائیگا کہ نہ رسل وانبیاء عالم الغیب ہیں اور نہ سلف الصالحین۔

جواب ۳: تیسرا جواب! آیت کریمہ کا دوسرا ٹکڑا "وکان فضل اللہ علیک عظیما" نے دیدیا یعنی محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ اپنا احسان جتلانا چاہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو ہر احکام شرائع کا علم دیا جس سے آپ ﷺ ناواقف تھے۔ پس اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یقیناً خداوند قدوس "وکان فضل اللہ علیک عظیما" نہیں فرماتے۔

جواب ۴: خاں صاحب نے اس آیت سے علم غیب کلی ثابت کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ اولاً اس لیے کہ یہ آیت اوائل ۴ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور یہ سورۃ النساء کی آیت ہے جس کے بعد کئی سورتیں جن میں سورۂ توبہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے، نازل ہوئی۔ مذکورہ آیت حضور ﷺ کے علم غیب پر دال ہے۔ تو اس کے بعد کسی حکم اور کسی صورت کے نازل ہونے کی مطلقاً کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آنی چاہیے تھی۔ حالاں کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔

ثانیاً: یہ استدلال کلمہ عموم اور استغراق پر مبنی ہے۔ حالاں کہ متعدد دلائل اس پر گواہ ہیں کہ ہر مقام پر کلمہ ما عموم اور استغراق حقیقی کے لیے نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** (پ ۲، بقرہ، رکوع ۱۸) ترجمہ: اور تمہارے رسول ﷺ تم کو وہ باتیں سکھاتے ہیں جس کو تم نہیں جانتے۔ دیکھئے اس آیت کریمہ میں اگر ما کو عموم واستغراق حقیقی کے لیے مانا جائے تو جناب رسول اللہ ﷺ کی طرح حضرات

20-12-2017-03-20

صحابہ کرامؓ کے لیے بلاواسطہ اور تمام امت کے لیے بالواسطہ [illegible] ہونا ثابت ہے؟

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا آباؤکم" یعنی تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ حضرات مفسرین کے نزدیک اس آیت کے مخاطب یہودی ہیں اور آیت کا سیاق وسباق بھی یہی چاہتا ہے کیوں کہ اوپر سے خطاب یہودی سے چلا آرہا ہے اور اگر اس کے مخاطب مسلمان ہوں اور ما کو عموم اور استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے تو بھی اس سے فریق مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ پہلی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ عہد نبوت میں یہودی اس کے مخاطب تھے ان کو بھی علم غیب کلی حاصل تھا ورنہ تو مسلمانوں کے لیے بہر حال علم غیب کلی تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ پھر آگے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "علم الانسان مالم یعلم" یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔ انسان سے اس مقام پر بعض کے نزدیک ابو جہل اور اکثر کے نزدیک جنس انسان ہے جیسا کہ ابن کثیر (ج ۴، ص ۵۲۸) سے ظاہر ہے اور امام جلال الدینؒ نے تو تصریح کر دی ہے کہ الانسان سے مراد الجنس (جنس انسان ہے) (جلالین، ص ۵۰۳) اگر ما کا لفظ عموم اور استغراق حقیقی میں نص قطعی ہو تو لازم آئے گا کہ ہر انسان عالم الغیب ہو عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا کافر، موحد ہو یا مشرک، مرد ہو یا عورت وغیرہ وغیرہ انس کا کون قائل ہے؟ ممکن ہے فریق مخالف کرشن کنہیا کی طرح ہر ایک انسان کے لیے بھی یہ صفت مانتا ہو ولا بعد فیہ عندھم۔

ثالثاً: جملہ معتبر اور مستند حضرات مفسرین کرام: ومالم تکن تعلم کی مد میں درجہ اولیٰ میں احکام اور امور دینیہ وغیرہ کو شمار کرتے ہیں اور بعض کتاب وسنت کو جیسا کہ مولوی احمد یار خاں صاحب نے بھی جلالین، کبیر اور خازن و مدارک کے حوالے سے لکھا ہے پس مولوی احمد یار خاں صاحب کو چاہیے کہ وہ ان حضرات مفسرین سے پوچھیں کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے احکام اور امور دینیہ وغیرہ کی قید کیوں لگائی ہے؟ یعنی اگر آپ ﷺ کو جمیع ما کان ومایکون کا علم تھا تو دین واحکام کے علاوہ جمیع ما کان

ومایکون کی قید بڑھانا چاہیے تھا؟ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیت اور مفسرین کرام کی تفسیر برحق ہے مگر خاں صاحب کا عقیدہ ناحق ہے۔ اسی طریقے سے خاں صاحب نے تفسیر کبیر، خازن اور مدارک کی جو عبارت پیش کی ہے اس کا بھی وہی جواب ہے جو ابھی گذرا۔ رہی بات تفسیر خازن کی ایک عبارت: **وعلمک من احوال المنافقین** کی (ایضاً، ص:۴۹) تو اس کا

جواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی حالت پر حضور ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا تھا نہ کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے اور وحی کی بہت سی صورتیں ہیں جس میں سے ایک صورت القاء بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے براہ راست حضور اکرم ﷺ کے قلب مبارک میں باتوں کو ڈال دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سورۂ منافقون خود اس بات پر عادل وشاہد ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، جیسا کہ علمائے دیوبند کے دلائل کے ضمن میں بیان کیا جائے گا۔ نیز منافقین کے احوال پر باری تعالیٰ کا مطلع کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے کیوں کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو پھر وحی ربانی کی کیا ضرورت تھی؟

آگے خان صاحب نے چھٹی دلیل کی تائید میں تفسیر حسینی کے حوالے سے عبارت پیش کی ہے کہ "ماکان ومایکون" کا علم حق تعالیٰ نے شب معراج میں حضور اکرم ﷺ کو عطا فرمایا تھا، چناں چہ معراج کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے کہ ایک قطرہ ہمارے حلق میں ڈالا گیا پس ہم نے سارے گذشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کرلیے۔ (ایضاً، ص:۴۹)

جواب: خاں صاحب نے جو حوالہ پیش کیا ہے سو وہ قطعاً درست نہیں؛ کیوں کہ یہ سفید جھوٹ ہے نیز باب المعراج کے اندر کہیں بھی یہ حدیث موجود نہیں ہے؛ بلکہ انہوں نے شیخی بگھارنے اور صفائی پیش کرنے کی غرض سے یہ حدیث گڑھ لی ہے لہٰذا خاں صاحب لعنة الله على الكاذبين کے مصداق ہیں۔

آگے خاں صاحب نے جامع البیان کے حوالے سے عبارت پیش کی ہے قبل

2017-03-12 02:0

نزول ذلک من خفیات الامور (ایضاً ص:۴۹)

اس کا بھی وہی جواب ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبل الوحی احکام وشرائع سے ناآشنا تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ قرآن آشنا کیا۔

ساتویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے ساتویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ ما فرطنا فی الکتاب من شیء اس آیت کی تفسیر کے تحت خاں صاحب نے تفسیر خازن کی عبارت پیش کی ان القرآن مشتمل علی جمیع الاحوال کہ قرآن کریم تمام حالات پر مشتمل ہے۔ (ایضاً ص:۵۰)

جواب: یہ بات تمام اہل ایمان کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ قرآن کریم میں تمام علوم موجود ہیں خواہ علوم طب ہوں یا علوم سائنس، خواہ علوم حکمت ہوں، یا علوم ریاضیات وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ ڈاکٹری وغیرہ بھی جانتے تھے! لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب بھی تھے۔ البتہ آپ ﷺ جتنے علوم جانتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکھائے تھے، گویا کہ رب کریم استاذ اور آپ ﷺ شاگرد ٹھہرے یعنی ایسی ایسی باتیں آپ ﷺ کو بتلائی گئیں جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ عقیل احمد اپنے استاذ سے علم حاصل کرتا ہے اور استاذ ایسی ایسی باتیں بتلاتے ہیں جو عقیل نہیں، جانتا پس استاذ کے بتلانے پر عقیل نے جان لیا تو کیا عقیل عالم الغیب ہوگیا ہرگز نہیں پس ایسی ہی مثال باری تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کی ہے۔ نیز صورت مذکورہ میں بھی باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جزئیات کا علم دیا نہ کہ کلیات کا۔

جواب ۲: "ما فرطنا فی الکتاب من شیء" پارہ ۷۔ سورۃ انعام رکوع ۱۴ کی آیت کا ایک جزو ہے اور یہ سورۃ مکی ہے۔ اور اس میں فی الکتاب سے بعض حضرات مفسرین کے نزدیک لوح محفوظ مراد ہے قرآن کریم مراد نہیں ہے، جیسا کہ فریق مخالف کا دعویٰ ہے چناں چہ اگر فریق مخالف کے نزدیک اس مکی آیت سے جناب نبی کریم ﷺ کے لیے ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ کا علم ثابت ہے اور اس دلیل کی وجہ سے آپ ﷺ عالم الغیب ہیں تو اس

کے بعد آپ پر وحی نازل نہیں ہونی چاہیے تھی؟ کیوں کہ کل علم غیب تو آپ ﷺ کو اس سے عطا ہو ہی چکا تھا؟ حالاں کہ اس کے بعد دیگر احکام تو بجائے خود رہے، قرآن بھی باقاعدہ نازل ہوتا رہا۔ کیا وہ حصہ فریق مخالف کے نزدیک ما کان و ما یکون اور علم غیب میں داخل نہیں ہے؟ علاوہ بریں اس کے بعد مدنی سورتوں میں نفی علم کی صاف اور صریح آیتیں بھی نازل ہوتی ہیں تعجب تو اس بات پر ہے کہ فریق مخالف کی آیت سے جمیع ما کان و ما یکون کا علم ثابت کرتے ہیں جبکہ بے شمار امور اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آپ کو مدنی زندگی میں بتلائے اور بعض امور کی نفی کا ثبوت بھی اس کے بعد قطعی نصوص سے ثابت ہے۔

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ تفسیر کبیر (ج:۱۲، ص:۲۱۵) پر عبارت مذکور ہے:

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ تفسیر کبیر (ج:۱۲، ص:۲۱۵) پر عبارت مذکور ہے: ما فرطنا فی الکتاب من شیء یجب ان یکون مخصوصاً ببیان الاشیاء ما فرطنا فی الکتاب من شیء میں جو من شیء کا لفظ ہے یجب معرفتها. ما فرطنا فی الکتاب من شیء میں جو من شیء کا لفظ موجود ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ اس کا ان اشیاء کے ساتھ خاص کر دینا واجب ہے جن کی معرفت اور علم کا ہدی اور ضروری ہے۔ بہر حال تفسیر کبیر کی عبارت نے معاملہ ہی صاف کر دیا کہ ما عام نہیں ہے، جب ما عام نہیں ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کے لیے کیسے اور کیوں کر جمیع ما کان و ما یکون کا علم ثابت ہوگا۔

جواب ۴: اسی طریقے سے مذکورہ آیت کے تحت صاحب جلالین کی بھی عبارت شاہد و عادل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے؛ چناں چہ ارشاد ہے: ما فرطنا نزلنا فی الکتاب اللوح المحفوظ من زائدة شیء فلم نکتبه ثم الی ربهم یحشرون۔

ناظرین کرام! ملاحظہ کیجیے کہ کیا مذکورہ عبارت کے ذریعہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے؟ ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا مذکورہ عبارت پیش کرنا بہت دھوکہ دہی ہے۔

آگے خاں صاحب نے مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر انوار التنزیل وغیرہ کی

2017-03-12

عبارت بھی پیش کی (ایضاً ص ۵۰) سو اس کا جواب یہ ہے:

یہ بات جملہ اہل ایمان کے نزدیک مسلم ہے کہ قرآن کریم کے اندر تمام علوم محفوظ ہیں اور یہ علوم لوح محفوظ میں موجود ہیں اور ان علوم سے حضور اکرم ﷺ کو اللہ نے باخبر کیا کبھی تو الہام والقاء کے ذریعہ اور کبھی وحی کے ذریعہ چنانچہ ارشاد باری ہے: **ختم اللہ علی قلوبھم** کہ اے محمد عربی ﷺ آپ ﷺ ان لوگوں کے ایمان لانے یا نہ لانے پر پریشان نہ ہوں؛ کیوں کہ ان کے قلوب پر مہر لگا دی گئی ہے، پس غور کریں! کہ حضور اکرم ﷺ ان گمراہ لوگوں کے دلوں کی باتوں کو جاننے کی بناء پر پریشان ہو رہے تھے کہ وہ لوگ کس طرح ایمان لائیں گے پس اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ چنانچہ اسی لاعلمی کی بناء پر فوراً اللہ نے آپ کی بے خبری ختم کی اور فرمایا کہ وہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو بغیر وحی ربانی کے جان لیتے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

نوٹ: یہ بات واضح رہے کہ خاں صاحب کی پیش کردہ آیات کے جو جوابات دیئے جاتے ہیں وہی جواب ان عبارات کے لیے بھی کافی ہیں جس کو خاں صاحب مفسرین کرام کے حوالے سے پیش کرتے ہیں، مگر احقر ھل من مزید کے طور پر وقتاً فوقتاً بیان کر دیتا ہے۔

آٹھویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے آٹھویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ: "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین "اور نہیں ہے کوئی تر اور خشک جو روشن کتاب میں نہ لکھا ہو (ایضاً ص ۵۰) اس دلیل کے دو جوابات تو وہی ہیں جو ابھی ساتویں دلیل کے تحت گذرے ہیں۔

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ یقیناً لوح محفوظ میں جملہ علوم موجود ہیں اور لوح محفوظ سے قدر بیجا قدر بیجا آپ ﷺ پر جو علوم بذریعہ جبرئیل آئے اس کو قرآن کہتے ہیں جو کہ ہمارے اور آپ کے سامنے موجود ہے اور روایات میں آتا ہے کہ قرآن سب سے بڑا معجزہ ہے اور معجزہ علم غیب نہیں ہوتا، جیسا کہ گذر چکا ہے۔

جواب ۴: چوتھا جواب یہ ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تر اور خشک کا علم

دیا تھا لہٰذا ترے سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مچھلی کے پیٹ میں خبر دیا اور پھر ان کو خبر کیا کہ ہم نے یونس علیہ السلام کو پانی کے اندر ایک مچھلی کے پیٹ میں خبر دیا اور پھر ان کو صحیح سالم باہر نکالا۔ اسی طریقے سے ترے سے مراد آپ ﷺ کا اپنی انگلی مبارک سے پانی کا چشمہ بہانا ہے کہ اللہ نے بطور معجزہ آپ ﷺ کی انگلی سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ اسی طریقے سے روایتوں میں آتا ہے کہ آپ بحری جانوروں کی صداؤں کو سمجھ لیتے تھے۔

وھکذا ھلم جرا۔

اب رہی بات خشکی کی تو علم خشک سے مراد بہت سارے واقعات و مسائل ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں پھینکا جانا، جس کو قرآن میں: "قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی ابراھیم" کے اندر بیان کیا گیا ہے اسی طریقے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو فی سبیل اللہ ذبح کرنے جنگل کی طرف لے جاتا اس کو تعبیر کیا ہے: "یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین"۔ بہر حال آپ ﷺ کو اللہ نے جو بھی علم عطا کیا وہ بذریعہ وحی اور معجزہ کے تھا، پس ان چیزوں کو علم غیب پر محمول کرنا جہالت ہے۔ چوں کہ علم غیب اس کو کہتے ہیں جو بغیر وسائل و ذرائع کے معلوم ہو اور یہاں وسائل (بشکل جبرئیل) موجود ہے۔

خیال صاحب نے مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت روح البیان کی عبارت پیش کی ہے کہ دونوں محفوظ ہے کہ اللہ نے ان میں ساری ہونے والی چیزیں جمع فرما دیں ان فائدوں کی وجہوں سے جو بندوں کی طرف لوٹتے ہیں ان کو علمائے ربانی جانتے ہیں"۔

جواب اولاً جواب تو یہ ہے کہ یہ بات ہم علمائے دیوبند ہی نہیں بلکہ جملہ اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ کے اندر بیک وقت جملہ قرآن کریم کی سورتوں کو نازل فرمایا: قرآن کریم کے اندر تمام علوم و فنون موجود ہیں جیسا کہ خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین"۔ اور اس آیت کی تفسیر کے تحت خیال صاحب نے روح البیان کے حوالے سے مذکورہ عبارت پیش کی ہے میں خیال صاحب سے پوچھتا ہوں کہ لوح محفوظ یا قرآن کریم اتنا وسیع و عریض ہے پھر بھی

ZOTZ-03-ZTOZ

کہیں یہ نہ کہا کہ محمد عربی [illegible] جب یہ [illegible] جرات ہوگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ حضرات نے عالم الغیب بنا دیا [illegible] فی التوحید نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر یہ کہ آپ نے جو آیت اور تفسیر پیش کی ہے اس سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسب ضرورت جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوح محفوظ سے [illegible] جبرئیل مختلف علوم و فنون نازل کیا اسی وجہ سے قرآن کریم کو تبیان کل بھی کہا جاتا ہے اب جب قرآن کریم کی نسبت لوح محفوظ کی طرف کریں گے تو اس صورت میں قرآن کریم کو تبیان کل کہنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جس تفسیر سے گفتگو ہو رہی ہے اس میں صاحب [illegible] کیا ہے (نعم جمیع العلماء وبعرفہا العلماء باللہ) اس سے خود خاں صاحب کا سوال قائم ہو سکتا ہے کیوں کہ اس تفسیر کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام علوم کو لوح محفوظ پر رکھا اور ان علوم کو علمائے ربانی جانتے ہیں (یعنی تمام علمائے [illegible] سب سے پہلے جانتے اس کے بعد علماء کرام کو اس کا علم ہوا تو بقول خاں صاحب کہ جس طرح حضور اکرم [illegible] عالم الغیب ہیں اسی طریقے سے علمائے ربانی بھی عالم الغیب ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ تفسیر روح البیان کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے اگر آپ حضور اکرم [illegible] کو عالم الغیب کہتے ہیں تو علمائے کرام کو بھی عالم الغیب کہنا ہوگا؟

آگے خاں صاحب نے آٹھویں دلیل کی تائید میں تفسیر کبیر، تفسیر خازن تفسیر مدارک وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں اور ہر ممکن کوشش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب ثابت کر دیں حالاں کہ ہر ایک عبارت سے خود انہی کے عقیدے کی تردید ہوتی ہے بایں معنی کہ تمام کی تمام تفاسیر یہی بتا رہی ہیں کہ لوح محفوظ اتنا وسیع و عریض ہے کہ اس کے اندر اللہ نے تمام علوم و فنون کو محفوظ رکھا ہے اور تدریجاً تدریجاً حضور اکرم [illegible] پر نازل کیا پس یہ قرآن ہوا، تو کیا قرآن کا نزول ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ [illegible] عالم الغیب تھے ہرگز نہیں، بلکہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ آپ [illegible] عالم

الغیب نہیں تھے چوں کہ اگر آپ کو ذرہ ذرہ کا علم ہوتا تو قرآن نازل نہ ہوتا پس قرآن کا نازل ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

نویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے نویں دلیل بیان کی ہے بقولہ تعالیٰ: "ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ" "ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے (ایضا:۵۲)

جواب ۱: پہلا جواب تو یہ ہے کہ خود خاں صاحب کی عبارت سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے جیسا کہ ابھی ابھی مذکورہ آیت کا ترجمہ خاں صاحب نے کیا کہ قرآن "ہر چیز کا روشن بیان ہے، پس یہ بات جملہ اہل اسلام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کو بیان فرما دیا ہے لیکن آیت مذکورہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ذریعہ عالم الغیب ہوئے کیوں کہ علم غیب کا ثبوت اس وقت ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وسائل وذرائع کے علم حاصل کر لیتے حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی علم دیا گیا وہ قرآن والقاء والہام ومعجزہ کے ذریعہ لہٰذا علم غیب پر محمول کرنا جہالت ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ضرور بالضرور باری تعالیٰ آپ کو کسی نہ کسی آیت کریمہ کے تحت عالم الغیب کے لقب سے ملقب فرماتے جیسا کہ جب آپ بشر تھے تو باری تعالیٰ نے فرمایا: "قل انما انا بشر مثلکم یوحی" اور اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو لازماً فرماتے کہ میں عالم الغیب ہوں (انا عالم الغیب) لیکن مکمل احادیث خواہ صحاح ستہ ہوں یا دیگر مستند کتب، کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے اگر ہوتے تو مذکورہ آیت کی تفسیر کے تحت مفسرین کرام ضرور آپ ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی صراحت کرتے؛ لیکن کسی بھی آیت کے تحت مفسرین نے کہیں بھی یہ تفسیر نہیں کی کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے؛ بلکہ اس معاملہ میں مفسرین کرام کے اقوال وافعال وقلم خاموش ہیں، پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت "تبیانا" کے تحت مفسرین کرام نے فرمایا کہ

2017-03-1

اللہ تعالیٰ نے احکام شرع کے علوم آپ ﷺ کو سکھلائے اور ان تمام باتوں کو قرآن کریم کے اندر واضح طور پر بیان کر دیا، تاکہ کسی غیر مسلم کافر وغیرہ کو شک نہ ہو جائے کہ اسکا قرآن ناقص ہے" پس اس شبہ وشک کے رفع ودفع کے لیے باری تعالیٰ نے فرمایا تبیاناً لکل شیء" اور اگر اس آیت کے تحت خاں صاحب جیسا کوئی شخص ناقص العلم کہے کہ آپ عالم الغیب تھے تو یہ ان کی ناسمجھی ہے؛ کیوں کہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اس بات پر قرآن خاموش نہ رہتا۔ اس بات پر احادیث خاموش نہ رہتی۔ اس بات پر اقوال صحابہ وتبع تابعین خاموش نہ رہتے اس بات پر مفسرین عظام خاموش نہ رہتے۔ آگے خاں صاحب نے دسویں دلیل کے تحت جلالین شریف کی یہ عبارت پیش کی ہے" یبین ما کتب اللہ تعالیٰ من الاحکام وغیرھا"۔ حالاں کہ عبارت یبین نہیں ہے، بلکہ تبین ہے۔

بہر حال انہوں نے جلالین کی عبارت پیش کر کے اپنے اعتقاد کو ثابت کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے احکام شرع مراد ہے جیسا کہ صاحب جلالین کی عبارت بالصراحۃ وضاحت کر رہی ہے۔ نیز اللہ نے آپ ﷺ کو احکام شرع کا علم دیا اور آپ ﷺ اس کے محتاج بھی تھے تو اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو بغیر واسطہ کے آپ ﷺ کو علم ہو جاتا کہ احکام شرع فلاں فلاں ہیں اسی طریقے سے خاں صاحب نے روح البیان کے حوالے سے جو عبارت پیش کی انکا بھی جواب عیاں ہے اور وہ جواب یہی مذکورہ جواب ہے اب رہی بات کہ خاں صاحب نے آیت" ولا رطب ولا یابس" بھی پیش کی تو اس کا جواب بالتفصیل گذر چکا اور الرحمن وعلم القرآن کا صحیح تحقیقی جائزہ آرہا ہے۔

گیارہویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے گیارہویں دلیل بیان کی ہے بقولہ تعالیٰ" ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل کل شیء" (ایضاً ص:۵۳)

جواب ۱: قارئین کرام! اس آیت سے استدلال اور احتجاج کرنے میں فریق مخالف کی اصل غلطی لفظ" کل" کو عموم میں نص قطعی سمجھنا ہے اور اسی غلط نظریہ پر ان کے

استدلال کا مدار ہے اور یہی وجہ ہے کہ خاں صاحب زوردار الفاظ میں یوں لکھتے ہیں کہ "اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا"۔ (انبیاء المصطفیٰ، ص ۴) اب ہم قرآن کریم وغیرہ کے حوالے سے اس غلط نظریہ کی تردید پیش کرتے ہیں۔ پس اگرچہ لفظ "کل" اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے؛ لیکن استعمال کے لحاظ سے کل اور بعض اور عموم و خصوص دونوں کے لیے برابر آتا ہے اور اگر وہ عموم اور استغراق حقیقی کے لیے آتا تب بھی موقع و محل اور داخلی و خارجی کی تعیین کے لئے ہے، قرائن کا محتاج ہوتا ہے اور اگر کہیں استغراق عرفی واضافی اور بعضیت کے لیے مستعمل ہوتا ہے تب بھی قرینہ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اس تمہید پر چند دلائل ملاحظہ کریں: (۱) باری تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص موقع پر ارشاد فرمایا: "ثم اجعل علی کل جبلٍ منھن جزءاً" (پھر آپ ان ایک ایک جزو کو پہاڑ پر رکھ دیں) یہ بات بالکل آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہے کہ "علی کل جبل" کے ارشاد سے تمام روئے زمین کے چھوٹے اور بڑے قریب و بعید کے سب پہاڑ تو مراد نہیں تھے اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمالیہ اور نانگا پربت وغیرہ کی چوٹیوں پر کوفتہ چڑیوں کی بوٹیاں؛ بلکہ قیمہ رکھنے کا مکلف ٹھہرایا گیا تھا۔ اس موقع پر علی کل جبل سے لازماً بعض پہاڑ مراد ہیں جو بالکل قریب ہوں گے۔ (۲) خداوند قدوس مکہ مکرمہ اور وادی غیر ذی ذرع کی مقبولیت کا یوں تذکرہ فرماتا ہے "یُجبیٰ الیہ ثمرات کل شئ" (پارہ: ۲۰۔ قصص رکوع: ۶) "کھچے آتے ہیں اس کی طرف ہر طرح کے میوے" اس دور ترقی میں بھی جب کہ مختلف طریقے سے میوے خشک کر لیے جاتے ہیں۔ اور نقل و حرکت کے تیز رفتار اسباب فراوانی سے موجود ہیں مگر بایں ہمہ اہل مکہ بعض بعض پھلوں کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ اس مقام پر بھی کل سے بعض ہی مراد ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کفر و شرک اور دیگر معاصی و جرائم کا ارتکاب کرنے والی قوموں پر بطور تنبیہ بعض آفاقی اور انفسی تکلیفیں مسلط کیں، تاکہ وہ اپنی مذموم حرکات سے باز آجائیں لیکن جب انہوں نے اثر پذیری کا ثبوت نہ دیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا "ففتحنا علیھم ابواب کل شئ" (پارہ: ۷ رکوع: ۵)

"تو ہم نے ان پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے" یعنی ظاہری اور جسمانی امور۔ یعنی ان پر ہر قسم ظاہری نعمتوں کے دروازے کھولے ہوں گے نہ کہ نبوت و رسالت اور مقبولیت و ولایت اور رضا وغیرہ کے۔ (۴) حضرت ہود علیہ السلام کی مجرم قوم پر باری تعالیٰ نے باد صرصر اور تیز و تند ہوا کے طوفانی جھونکے بھیجے۔ "تُدمر کل شئ" (پارہ: ۲۶، احقاف، رکوع: ۳) یعنی جو ہر چیز کو ہلاک کرنے والے تھے اور یہ بالکل عیاں ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ وغیرہ بے شمار اشیاء کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بھی ہرگز تباہ نہ ہوئے تھے۔ یہاں بھی لفظ کل سے سب اشیاء مراد نہیں، بلکہ بعض شیئ مراد ہیں۔ اسی طریقے سے لفظ کل کے سلسلے میں علامہ جلال الدین لکھتے ہیں "تفصیل تبین کل شیئ یحتاج الیہ فی الدین" (جلالین، ص: ۲۰۰) کہ تفصیل کل شیئ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر وہ چیز بیان کی گئی ہے جس کی دینی لحاظ سے لوگوں کو حاجت تھی۔ اسی طرح امام رازیؒ فرماتے ہیں "و کل شیئ فصلناہ تفصیلاً ای کل شیئ یکم الیہ حاجۃ" (تفسیر کبیر، ج: ۵، ص: ۲۷۷) ہر وہ چیز جس کی تمہیں حاجت تھی ہم نے بیان کر دی ہے۔ (ازالۃ الترتیب)

جواب ۲: آیت مذکورہ کے اندر خاں صاحب کا موضعِ استشہاد کل شیئ ہے اور اسی لفظ کے ذریعہ انہوں نے استدلال کیا ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان لفظوں کے ذریعہ استدلال کرنا کم فہمی پر مبنی ہے؛ کیوں کہ لفظ کل کبھی کبھی کسی شئ کی نفی کے لیے بھی ہوتا ہے تو جس شئ کی نفی کرے اگر انسان اس کو ثابت کرے تو یہ ناجائز ہے جیسے کہ کسی سائل کے جواب میں کہا جاتا ہے "انا اکلتُ کل شیئ" کہ میں نے ہر ایک چیز کھائی تو اس کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ میں نے زہر اور حرام شئ بھی کھائی بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں نے پیٹ بھر کھانا کھالیا اب میں نہیں کھاؤں گا اسی طریقے سے آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہر چیز کا مفصل بیان ہے یعنی تمام کے تمام احکام شرع کا مفصل بیان ہے؛ لیکن حضور اکرم ﷺ کے لیے ما کان و ما یکون کا بیان نہیں اب ان احکام شرع کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنا اہل علم کا کام نہیں۔

جواب ۳: دوسرا جواب یہ ہے کہ بکر نے عمر کو کچھ تحفہ دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے

کہ بکر کی صفت عمر میں آگئی اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو قرآن معجزہ کا عنایت کیا اس سے یہ تصور ہرگز نہ کیا جائے کہ خداوند قدوس کی صفت حضور اکرم ﷺ میں آگئی اگر کسی کو ایسا گمان ہے تو وہ شرک فی الوحدانیہ ہے، پس اس سے رجوع کر لینا بہتر ہے۔

آگے خاں صاحب نے گیارہویں دلیل کی تائید میں تفسیر خازن کی عبارت پیش کی ہے، اس سے بھی ہماری دلیل اور ہمارا اعتقاد ہی ثابت ہوتا ہے؛ کیوں کہ تفسیر خازن کی عبارت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حلال وحرام اور احکام وقصے وسزائیں دینے کے علم عطا کیے جس کی آپ ﷺ کو ضرورت تھی، تو اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ان چیزوں کے محتاج نہ ہوتے کیوں کہ جو عالم الغیب ہوتا ہے وہ ہر اس چیز کا محتاج نہیں رہتا حالاں کہ آپ ﷺ دنیا کی ہر اس چیز کے محتاج تھے نبی کا علم اللہ نے آپ ﷺ کو عطا کیا تھا چنانچہ خود خاں صاحب نے تفسیر خازن کے حوالے سے عبارت پیش کی "تحتاج الیہ من الحلال والحرام والحدود والاحکام الخ"۔

بہر حال خود خاں صاحب کے اس حوالہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، اسی طریقے سے آگے خاں صاحب نے تفسیر حسینی اور کتاب الاعجاز لابن سراقہ کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کہ قرآن میں نہ ہو۔

جواب: قارئین کرام! اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاقی فیصلہ ہے کہ قرآن کے اندر وہ تمام چیزیں موجود ہیں جن کی انسان کو ضرورت تھی۔ اور اگر کسی کو اس میں شک ہو جائے تو وہ عند اللہ قابل عتاب ہے۔

بارہویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے بارہویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "الرحمن ○ علم القرآن ○ خلق الانسان علمہ البیان ○" (ایضاً ص ۵۲)

جواب: پہلا جواب تو خود آیت کریمہ کے مفہوم سے عیاں اور بیان ہو رہا ہے؛ کیوں کہ آیت کریمہ کا ایک لفظ لفظ علم اس بات پر دال ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کیوں کہ علم سکھانے والے خود باری تعالیٰ ہیں اور مزید اس بات پر نشاندہی ہو رہی ہے کہ

2017-03-12 07

آپ ﷺ امی تھے جیسا کہ یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے، جب آپ ﷺ امی تھے اور آپ ﷺ کو علم سکھانے والے باری تعالیٰ ہیں تو آپ ﷺ عالم الغیب کیسے ہو سکتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ہم نے طحاوی شریف جلد اوّل حضرت مولانا ظریف الدین صاحب سے پڑھی اور استاذ محترم نے ہمیں ایسی ایسی باتیں بتائیں جو ہمارے علم میں نہیں تھیں تو کیا ہم عالم الغیب ہو گئے، ہرگز نہیں، یہی مثال کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایسی ایسی باتوں سے آگاہ فرمایا جو آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھیں تو کیا آپ ﷺ عالم الغیب ہو گئے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

جواب ۲: دوسرا جواب آیت کریمہ کا دوسرا ٹکڑا علمہ البیان نے دے دیا، پس جس طرح علم القرآن اس بات پر دال ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو قرآن سکھلایا اور اس قرآن کے توسط سے طرح طرح کی باتوں پر آپ ﷺ کو متنبہ کیا، پس اسی طرح علمہ البیان بھی اس بات کی طرف مشیر ہے کہ اللہ نے آپ ﷺ کو نطق گویائی دی اور تبلیغ کرنے کے الفاظ اور مضامین سکھائے۔ جن جن مضامین کی آپ ﷺ کو ضرورت تھی۔

قارئین کرام! آپ خود غور کریں کہ اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب ہوتے تو علم القرآن کیوں کہا جاتا؟ میں تو یہ کہتا ہوں کہ

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو علمہ البیان نہیں کہا جاتا۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اقرء باسم ربک نہیں کہا جاتا۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو امی کے لقب سے ملقب نہیں ہوتے۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو پریشان کبھی نہ ہوتے۔

اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو دشمن آپ کو پریشان نہ کرتا۔

بہر حال! ان تمام جوابات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، کیوں کہ جو عالم الغیب ہوتا ہے اس کو علم سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ خود بخود جانتا ہے لیکن آپ ﷺ کو اللہ نے علم سکھایا اور آپ ﷺ نے سیکھا اگر اب بھی کوئی آپ ﷺ کو عالم الغیب کہتا ہے تو یہ اس کی جہالت ہے۔

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا: "خلق الانسان علمہ البیان" کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا عرض یہ کرنا ہے کہ مذکورہ آیت کے اندر لفظ انسان آیا ہے اور اس لفظ میں جس طریقے سے حضور اکرم ﷺ شامل ہیں اسی طریقے سے ہر ایک انسان شامل ہے (جلالین شریف، ص:۴۴۳) (مثلاً کافر، مشرک وغیرہ وغیرہ) کیوں کہ ہر ایک کو باری تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا اور ہوش و شعور و گویائی دی۔ تو کیا دنیا کے تمام اشخاص عالم الغیب ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اگر ہم خاں صاحب کے قول کے مطابق مذکورہ آیت کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے لیے جمیع ما کان و ما یکون کا علم ثابت کرتے ہیں تو پھر دنیا کے ہر ایک انسان مثلاً کافر، مشرک منافق، پاگل ہر ایک کے لیے علم غیب ثابت کرنا ہوگا؛ کیوں کہ تمام انسان کو باری تعالیٰ نے گویائی عطا کی۔ پس یہی کہا جائے گا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔

جواب ۴: اگر خاں صاحب اس آیت سے حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں تو آپ ﷺ کا انسان ہونا بھی ثابت ہے، پھر نور و بشر کا جھگڑا کیوں؟ پس ان کو صاف تسلیم کر لینا چاہیے کہ آپ ﷺ آدمی، بشر اور انسان ہیں۔

جواب ۵: سورۂ رحمٰن مکی ہے (دیکھئے ابن کثیر، ج:۴، ص:۲۶۹، جلالین شریف، ص:۴۴۳) اور اگر آپ ﷺ کے لیے ان آیات سے کلی علم غیب ملنا ثابت کریں تو پھر اس کے بعد قرآن کریم کے نزول کا کوئی معنی نہیں دیتا؟ حالاں کہ سورۂ بقرہ جیسی لمبی سورتیں تو اس کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں اور ان بعض سورتوں میں صاف طور پر علم غیب کی نفی بھی مذکور ہے۔

آگے خاں صاحب نے تفسیر معالم التنزیل اور حسینی کی عبارت پیش کی ہے کہ "اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی باتوں کا بیان سکھا دیا"

جواب ۱: پہلا جواب تو خود معالم التنزیل کی عبارت نے دے دیا؛ کیوں کہ خاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کو جمیع ما کان و مایکون کا علم تھا، حالاں کہ عبارت کے اندر جمیع ما کان و مایکون کا "جملہ" نہیں ہے، بلکہ "یعنی بیان ما کان و مایکون" کا لفظ

ہے جس سے جزئیات کا علم ثابت ہوتا ہے جو کہ دلیل پر دال ہے۔

جواب: دوسرا جواب جواب تسلیمی ہے کہ میں نے مانا کہ آپ کا دعویٰ جمیع ما کان وما یکون کے تحت ہے تو پھر بھی اس عبارت مذکورہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے کیوں کہ "بیان ما کان ومایکون" کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قوم سابقین مثلاً قوم عاد، قوم ثمود، وغیرہ کا مکمل علم دیا کہ ان لوگوں کے حالات کیسے رہے، اسی طرح اللہ نے آپ ﷺ کو قوم متاخرین کا بھی علم دیا مثلاً کہ دنیا کے اندر ایسی ایسی جماعت پیدا ہوگی جو فتنہ وفساد برپا کریگی جیسے کہ قادیانی، شیعہ منکرین حدیث، منکرین قرآن، وغیرہ ذلک تو یہ تمام علوم اللہ نے آپ ﷺ کو بطور معجزہ دیے تھے اور معجزہ کبھی بھی علم غیب نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا دوسری بات یہ کہ مثلاً میں نے کسی عالم سے یا کسی پرانے آدمی سے ۲۵/۳۰ سال پہلے کی خبر معلوم کرلی تو میں عالم الغیب ہوگیا ہرگز نہیں۔ پس یہی مثال حضور اکرم ﷺ کی ہے کہ انہوں نے اللہ سے معلوم کیا لہٰذا اس علم کو علم غیب پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح خاں صاحب نے تفسیر خازن کی پہلی عبارت "قیل اراد بالانسان محمداً ﷺ الخ" (ایضاً ص ۵۳) اور اسی کتاب کی دوسری عبارت پیش کی "وقیل الانسان ھھنا محمد علیہ السلام الخ" (ایضاً ص ۵۴) ان دونوں عبارتوں کا پہلا جواب تو ماقبل کا جواب ۲ ہے۔ یعنی جواب تسلیمی۔

جواب ۲: دوسرا جواب، خاں صاحب نے شاید تفسیر خازن کا صحیح طریقے سے مطالعہ نہیں فرمایا ہے، کیوں کہ مذکورہ دونوں عبارتوں کو قیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور قیل کا قائل صاحب تفسیر خازن نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے متعلقین ہیں، کیوں کہ اگر مذکورہ تفسیر کے قائل صاحب تفسیر خازن ہوتے تو بغیر قیل کے تعبیر فرماتے اب مفہوم یہ ہے کہ صاحب تفسیر صاحب خازن کو مذکورہ تفسیر پسند نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھیوں نے عرض کیا تو انہوں نے ساتھیوں کی دل جوئی کے لیے مذکورہ تفسیر اپنی کتاب میں نقل کردی، بہر حال جب صاحب تفسیر خازن اور ان کے متعلقین کے درمیان اختلاف ہوگیا اور قاعدہ اظہر من الشمس ہے کہ مختلف فیہ عبارتوں کے ذریعہ استدلال درست نہیں ہوتا، لہٰذا اس معاملے

تفسیر خازن کے حوالے سے عبارت پیش کرنا درست نہیں آگے خاں صاحب نے روح البیان کے حوالے سے عبارت پیش کی "علم نبینا علیہ السلام القرآن الخ" اسی طرح تفسیر مدارک اور تفسیر حسینی کی عبارت پیش کی (ایضاً ص ۵۴)۔

تیرہویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ: "ما انت بنعمة ربک بمجنون" (ایضاً ص ۵۴)

جواب ا: آیت مبارکہ کا سبب نزول یہ ہے کہ کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کو پاگل، مجنون، دیوانہ، ساحر کہا، اور آپ ﷺ کو ان باتوں سے تکلیف پہنچتی تھی، پس باری تعالیٰ نے فرمایا "ما انت بنعمة ربک بمجنون" کہ اے محمد ﷺ آپ ان باتوں سے گھبرائیں نہیں کیوں کہ آپ ﷺ مجنون، پاگل، دیوانہ، ساحر نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ میرے عاشق صادق ہیں۔

قارئین کرام! غور کیجئے اس آیت سے ذرہ برابر بھی علم غیب کی بو نہیں آرہی ہے؛ بلکہ اس آیت سے خود ہمارا عقیدہ مستحکم ہوتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ کفار و مشرکین کے اقوال کی بنیاد پر گھبرا اٹھے اور وحی ربانی کے منتظر تھے پس اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو وحی ربانی کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ آپ ﷺ خود بخود جان لیتے لہٰذا آپ ﷺ کو بذریعہ جبرئیل مذکورہ بات پر متنبہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ آیت کریمہ کے تحت خود صاحب جلالین نے فرمایا: "ای انتفی الجنون عنک بسبب انعام ربک علیک بالنبوة وغیرها وهذا ردلقولهم انه لمجنون" (جلالین شریف، ص ۶۶۹، ناشر: مکتبہ تھانوی دیوبند) یعنی خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جنون کی نفی کی: کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر بڑے بڑے انعامات کئے یعنی نبوت اور اسکے علاوہ رسالت سے سرفراز فرمایا اور یہ اس آیت گویا اس الزام کی تردید ہے جو لوگ آپ ﷺ پر ڈالتے تھے، صاحب جلالین نے

ZT-80-LTOZ

اس آیت کے تحت "رد لقولهم انه لم یعلم [illegible] ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کیوں کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یقیناً آگے علم غیب کا ذکر رہتا۔ آگے خاں صاحب نے تفسیر روح البیان کے حوالے سے عبارت پیش کی "بمستود عما کان فی الازل الخ" (ایضاً ص ۵۴)

جواب: اس تفسیر کی صحیح توضیح یہ ہے کہ آپ ﷺ کو جب کفار و مشرکین نے مجنون کہا تو اس کی نفی میں آیت مذکورہ نازل ہوئی تو صاحب روح البیان نے اس کی توضیح کی کہ "جن کے معنی آتے ہیں چھپی ہوئی شئ کے" اور آپ ﷺ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے۔ بلکہ ماقبل میں جو واقعات پیش آئے مثلاً عاد و ثمود و نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوان تمام باتوں کو آپ ﷺ جانتے ہیں پھر اگر آپ ﷺ کو کوئی مجنون کہتا ہے تو وہی سب سے بڑا مجنون ہے۔ بہر حال اس تفسیر کے تحت آپ ﷺ کی جنونیت کی نفی ہوئی نہ کہ علم غیب کا ثبوت۔

چودھویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے چودھویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "ولئن سالتهم ليقولن انما كنا نخوض ونلعب" (ایضاً ص ۵۴)

جواب ا: صاحب جلالین نے دے دیا، چنانچہ مذکورہ آیت کے تحت مفسر علام نے فرمایا: "ولئن لام قسم سالتهم عن استهزائهم بک والقرآن وهم صادرون معک الی تبوک یقولن متعذرین انما كنا نخوض ونلعب فی الحدیث لنقطع به الطریق ونقصد ذلک" (جلالین شریف جلد اول ص ۱۶۲)

چنانچہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ان باغیان اسلام کی منافقت پر مطلع ہو جاتے، لیکن آپ ان کی سازش کو نہ جان سکے فوراً رب کریم نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ ان سے اس سلسلے میں سوال کریں گے تو وہ لوگ آپ ﷺ سے طرح طرح کے حیلے اور بہانے کریں گے۔ بہر حال خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

آگے خاں صاحب نے چودھویں دلیل کی تائید میں تفسیر درمنثور اور مظہری کی

عبارت پیش کی "عن ابن عباس رضی الله عنهما انه قال فی قوله تعالیٰ ولئن سالتهم قال رجل من المنافقین الخ "ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کے نزول کے بارے میں "ولئن سالتهم" کہ ایک منافق نے کہا کہ محمد (ﷺ) خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے ان کو غیب کی کیا خبر" (ایضاً ص:۵۵)

جواب: آیت مذکورہ و تفسیر کے ذریعہ خاں صاحب نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ علم غیب کا انکار کرنا علامت منافق ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین کا یہ کہنا کہ "ان کو غیب کی کیا خبر" سو یہ استہزاءً، بغضاً، عناداً، حسداً تھا اور ان کا مقصد اسلام اور شریعت مطہرہ کا مذاق اڑانا تھا، تو ان لوگوں کو نہ قرآن پسند تھا اور نہ ہی اس پر عمل کرتے تھے: لیکن ہم علماء اہل سنت والجماعت کا مقصد مذکور ہرگز نہیں: کیوں کہ نہ ہم لوگ استہزاء اور بغض وعناد و حسد کرتے ہیں اور نہ شریعت مطہرہ کا مذاق اڑاتے ہیں اور ہم علمائے دیوبند کو قرآن اور حدیث وغیرہ تسلیم ہی نہیں: بلکہ انہی علماء کی بدولت ہندوستان کے اندر اسلام کثرت سے پھیلا (اس کی تفصیل زیادہ ہے: لیکن وقت اس کی اجازت نہیں دیتا) بہر حال ہم حضور اکرم ﷺ کے علم غیب کی نفی آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی رو سے کرتے ہیں جیسا کہ آگے دلائل کے انبار لگیں گے۔

جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر خاں صاحب کہتے ہیں کہ علماء دیوبند علم غیب کے انکار کرنے کی وجہ سے منافق اور کافر ہیں تو میں خاں صاحب سے باز پرس کرتا ہوں کہ:

کیا صحابہ کرامؓ کافر تھے؟

کیا تبع تابعینؒ کافر تھے؟

کیا ائمہ کرامؒ کافر تھے؟

کیا مجتہدین عظامؒ کافر تھے؟

کیا محدثین عظامؒ کافر تھے؟

کیا فقہائے کرامؒ کافر تھے؟

کیا علمائے حرمین شریفین کافر ہیں یا کافر تھے؟

2017-03-12

کیا جملہ اہل ایمان کافر تھے؟

کیوں کہ پوری دنیا حضور اکرمؐ کے لیے علم غیب کی نفی کرتی ہے لیکن صرف خانصاحب اس کے ثبوت میں لگے ہیں۔

پندرہویں دلیل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے پندرہویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "فلا یظھر علی غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رّسولٍ" تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (جاء الحق، جلد اوّل، ص:۵۵)

جوابات کی تفصیل: خاں صاحب نے مذکورہ آیت کے تحت مختلف تفاسیر کی عبارت پیش کی ہے جس کے ذریعہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "خداوند قدوس کا خاص علم غیب حتی کہ قیامت کا علم بھی حضور ﷺ کو عطا فرمایا گیا، سو یہ باتیں بے بنیاد ہیں۔

جواب ۱: یہ ہے کہ یہ سورۂ جن کی ایک آیت کا حصہ ہے۔ اگر اس کو آخری سورت تسلیم کرلیا جائے تب بھی یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ دیگر احکام حلال وحرام اور حدود وغیرہ تو رہے اپنی جگہ پورا قرآن کریم بھی مکہ مکرمہ میں نازل نہیں ہوا تھا، کیا فریق مخالف کے نزدیک قرآن کریم کا وہ حصہ علم غیب میں داخل نہیں ہے؟ اور پھر مدنی سورتوں میں علم غیب کی نفی کیوں آئی؟ جواب کے لیے تو صرف یہی ایک بات کافی وشافی ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ فریق مخالف کی اس سے کیا مراد ہے۔ کلی علم غیب یا بعض علم غیب۔ بصورت ثانی ان کا مدعی باطل ہو جائے گا اور بصورت اوّل اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ "قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدًا"۔ اے محمد ﷺ آپ اعلان کردیں کہ میں نہیں جانتا کیا قریب ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے، یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت مقرر کردے۔ ماتوعدون سے بعض حضرات مفسرین کرامؒ کے نزدیک عذاب اور بعض کے نزدیک قیامت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے یہ اعلان کرواتا ہے کہ آپ فرمادیں کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ پھر یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ بالکل متصل اور پیوستہ ہی یہ حکم ہو کہ اللہ

تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو سب غیب بتادیا ہے جس میں عذاب اور قیامت بھی داخل ہے۔ آخر فریق مخالف ہی لب کشائی کرے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں یہ اختلاف اور تضاد بیان کیوں ہے اور پھر یہ بھی ایک عجیب سی بات ہے کہ آپ کو یہ حکم ہو کہ آپ کہہ دیں کہ مجھ کو عذاب یا قیامت کا علم نہیں ہے اور یہ کہ سب کچھ ہم نے آپ کو بتادیا ہے۔ خدارا کچھ تو فریق مخالف انصاف کرے۔ اور خدا تعالیٰ کی اس کتاب پر ظلم روا نہ رکھے، لہٰذا اس سے کلی علم غیب مراد لینا قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں نہ تو تعارض و تضاد ہے اور نہ ہی اس کا امکان و احتمال ہے۔

جواب ۳: تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرات مفسرین نے اس جگہ کلی علم غیب مراد نہیں لیا ہے بلکہ بعض علم غیب مراد لیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "الا من ارتضی من رسول فانه یقتضی اطلاع الرسول علی بعض الغیب" (فتح الباری، ج:۸، ص:۳۹۵) مگر جس رسول کو اللہ پسند کرے کیوں کہ یہ آیت چاہتی ہے کہ رسول بعض غیب پر مطلع ہو۔ اسی طرح علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ "ای لٰکن الرسول المرتضیٰ یظهره جل وعلا علی بعض الغیوب المتعلقة برسالته" (روح المعانی، ج:۲۹، ص:۶۹) اور علامہ قسطلانیؒ لکھتے ہیں کہ "الا رسولا قد ارتضاه لعلم بعض الغیب لیکون اخباره عن الغیب معجزة له" (ارشاد الساری جلد:۱۰، ص:۲۹۵) اسی طرح قاضی بیضاوی کا قول ہے "فلا یظهره علی غیبه احداً ای علیٰ غیبه المخصوص به علمه الا من ارتضی لعلم بعضه حتی یکون به معجزة" (بیضاوی، ج:۶، ص:۳۷۹)

ان تمام حوالاجات کے علاوہ اور بہت سارے حوالاجات ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ آپ ﷺ کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ (رحمانی)

جواب ۴: پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت مذکورہ کو نقل کرنے میں خاں صاحب چوک کر گئے چنانچہ آیت مذکورہ سے قبل ایک ٹکڑا ہے اعلم الغیب اس کے بعد "فلا یظهر علی غیبه احداً الا من الرتضیٰ من رسول" پس آیت مذکورہ کا شروع جز (علم الغیب) اس بات پر دال ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے؛ کیوں کہ آیت مذکورہ

ZI-E0-7I0Z 2017-03-12

میں پہلا جز اس بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ صفت [illegible] اندر تخصیص نہیں ہوتی۔

جواب ۲ دوسرا جواب خود صاحب جلالین کی اس عبارت سے عیاں اور بیاں ہو رہا ہے وہ فرماتے ہیں "علم الغیب ماغاب به عن العباد فلایظهر یطلع علی غیبه احدا من الناس الا من ارتضیٰ من رسول فانه مع اطلاعه علی ماشاء منه معجزة له" (جلالین شریف، ج ۲، ص ۷۷۴) اس عبارت میں لفظ معجزہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے جیسا کہ ماقبل میں بھی بات گذر چکی ہے نیز اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ کا ہونا علم غیب پر دال ہے تو کیا ایک معجزہ کے اندر جمیع ماکان ومایکون کا علم ہو جاتا ہے اگر ہو جاتا ہے تو پھر حضور اکرم ﷺ کو دیگر معجزات کیوں دیئے گئے پس یہی کہا جائے گا کہ معجزہ کا ہونا جمیع ماکان ومایکون پر دال نہیں۔

قارئین کرام! چنانچہ خاں صاحب نے غیب کا ترجمہ غیب ہی کیا ہے حالاں کہ غیب کا ترجمہ علامہ جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشاف میں راز ونیاز کی باتوں سے کیا ہے اور فلایظهر کا ترجمہ خود صاحب جلالین نے یطلع سے کیا ہے جیسا کہ عبارت مذکور ہے بہر حال علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کی صورت میں اب آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے راز ونیاز کی باتوں پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہے مگر جن رسولوں میں سے وہ جن کو چن لے یہاں پر راز ونیاز کی باتوں سے مراد معجزہ ہے جیسا کہ صاحب جلالین کی عبارت ہے "علی ماشاء منه معجزة له" اور معجزہ کبھی بھی علم غیب نہیں ہو سکتا۔

آگے خاں صاحب نے تفسیر کبیر کے حوالے سے یہ عبارت پیش کی کہ "ای وقت وقوع القیامة من الغیب الخ" (ایضاً ص: ۵۵) اور اس عبارت کے ذریعہ علم غیب کو ثابت کیا ہے حالانکہ اس سے علم غیب کی نفی ہو رہی ہے؛ کیوں کہ تفسیر کبیر کی مذکورہ عبارت کا آخری جز ہے "لایظهره هذا الغیب لا حد قلنا بل یظهر عند قریب

القیامۃ" ۔ کہ قیامت کے قریب ظاہر فرمائے گا نیز وقت کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے اندر صراحتاً یہ نہیں کہا گیا کہ قیامت ہی میں ظاہر فرمائیگا اگر یہ جملہ رہتا تو کسی حد تک بات قابل تسلیم تھی؛ لیکن اس میں یہ بھی کہا کہ قیامت کے قریب ظاہر فرمائیگا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ یا دیگر انبیائے کرام عالم الغیب نہیں۔

اس کے بعد خاں صاحب نے تفسیر عزیزی، خازن، روح البیان، کی عبارتوں کو پیش کیا اس کا جواب ہم ماقبل میں دے چکے ہیں۔

آگے خاں صاحب نے جاء الحق جلد اوّل، ص:۵۶۔ پر لکھا ہے کہ "قیامت کا علم بھی حضور علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا"

جواب: کچھ باغیان اسلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور سوال کرنے لگے کہ قیامت کی خبر دیجئے کہ قیامت کب آئے گی آپ ﷺ وحی کے منتظر تھے تو فوراً وحی نازل ہوئی "ان اللہ عندہ علم الساعۃ" کہ قیامت کا علم ہمارے پاس نہیں بلکہ اللہ کے پاس ہے بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے ان مخالفین اسلام کا جواب دیتے لیکن آپ خاموش رہے اور اللہ تعالیٰ کے بتلانے پر فرمایا کہ اس کی خبر اللہ ہی کو ہے ہم کو نہیں۔ لیکن خاں صاحب مفسرین کی عبارتوں سے ثابت کر رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے حالاں کہ صراحت کے ساتھ نص موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو قیامت کا علم تھا نہ ہی آپ ﷺ عالم الغیب تھے۔

سولہویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے سولہویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ: "فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ" (ایضاً ص ۵۶)

جواب ا: پہلا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد باری معراج کی رات کا ہے اب اگر آپ یہ کہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اسی رات سب کچھ دیا جا چکا تھا تو سوال یہ ہے معراج تو ہجرت سے بھی پہلے واقع ہوئی تھی۔ اس کے بعد پھر اور کچھ نہ سہی تو قرآن کریم ہی کیوں نازل ہوا؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ اکثر حلال و حرام کے مسائل اور احکام اس کے بعد

2017-03-12

جبکہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے، ازاں بعد آپ کی ولادت کے بعد کون باور کر سکتا ہے کہ اس آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے علم غیب کلی ثابت ہے۔

جواب ۲: قارئین کرام! مذکورہ دلیل کی وجہ سے ایک شعر یاد آ رہا ہے ؎

نہ ہے ان کو اپنا پتہ اور نہ ہے ان کو اپنی خبر
چلے ہیں یار بحث کرنے گرے ہیں منہ کے بل

کہ خاں صاحب کو اپنے عقیدے کے سلسلے میں بھی پتہ نہیں کہ میرا عقیدہ کیا ہے کیوں کہ ان کو اثبات علم غیب پر دلیل بیان کرنا چاہیے تھا انہوں نے نفی علم غیب پر دلیل بیان کی چنانچہ ان کی دلیل ہے "فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ" حالاں کہ اس سے بالکلیہ علم غیب کی نفی ہو رہی ہے کیوں کہ اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب ہوتے تو وحی الٰہی کی کیا ضرورت تھی گویا کہ آپ ﷺ کو کوئی علم نہ تھا پس رب کریم نے آپ ﷺ کو وحی فرمائی اور بشکل قرآن علم سکھائے۔

جواب ۳: دوسرا جواب صاحب جلالین کی عبارت سے دیا جا سکتا ہے: چنانچہ ان کی عبارت ہے "فاوحیٰ تعالی الی عبدہ جبرئیل ما اوحیٰ جبرئیل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یذکر النوحی تفخیماً لشانہ" (جلالین شریف جلد ۲، ص: ۴۳۷) اسی طریقے سے جلالین کی عبارت کے علاوہ جلالین شریف کے ص: ۴۳۷ حاشیہ ۲۲ پر ملاحظہ کیجئے کہ باری تعالیٰ نے فاوحی فرمایا موحیٰ نہیں فرمایا اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ امت محمدیہ کی فضیلت جملہ امم پر فائق اور بلند ہے جیسا کہ صاحب جلالین نے "تفخیماً بشانہ فاوحی" فرما کر اس کو واضح کر دیا ہے، باری تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو اس بات سے باخبر کیا کہ آپ ﷺ کی اور آپ کی امت کی شان بہت بڑی ہے تو گویا کہ آپ اس سے ناآشنا تھے تو باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آشنا فرمایا، اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو باری تعالیٰ آشنا نہ فرماتے۔ اس کے بعد خاں صاحب نے مدارج النبوۃ جلد ۱، کے حوالے سے یہ تفسیر پیش کی ہے کہ "معراج میں رب نے حضور ﷺ پر جو سارے علوم اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں و کمالات

وحی فرمائے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور سب کو شامل ہیں الخ"

جواب: اس کا تو وہی جواب ہے جو ماقبل میں گذر چکا ہے کہ اللہ نے بذریعہ وحی القاء اور الہام آپ ﷺ کو علوم بشارتیں اشارے اور خبریں اور کرامتیں وکمالات عنایت کیے، جس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ کیوں کہ اگر معاملہ ایسا ہوتا تو وحی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

سترہویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے دلیل پیش کی بقولہ تعالیٰ وما هو على الغيب بضنين اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں (ایضاً ص:۵۷)

جواب ۱: خاں صاحب کا اس سے استدلال کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ آیت سورۂ تکویر کی ہے اور یہ سورۂ حسب تصریح امام سیوطیؒ مکہ مکرمہ میں ساتویں نمبر پر نازل ہوئی تھی۔ (دیکھئے اتقان، ج:۱،ص:۲۵۱) اور علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ (روح المعانی، ج:۳۰، ص:۴۹) کہ سورۂ تکویر بالاتفاق مکی سورۃ ہے۔ اگر فریق مخالف کے نزدیک اس آیت سے تمام علم غیب اور جمیع ما کان ومایکون کا علم مراد ہے تو پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد قرآن کریم کی ایک سو سات سورتیں کیوں نازل ہوئیں جن میں سے بعض کے اندر بصراحت علم غیب کی نفی کیوں ہے؟

جواب ۲: اس آیت سابقہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ (وما هو على الغيب بضنين) ھو کا مرجع ایک تفسیر کے مطابق قرآن کریم کو بتاتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں: "یعنی نیست ایں قرآن بہ بیان علم غیب الخ" (تفسیر عزیزی پارۂ عم:۹۰) یعنی یہ قرآن کریم علم غیب کے بیان کرنے میں بخل نہیں برتتا اور نہ کوئی کمی کرتا ہے جو کچھ کہ آدمی کو معاش ومعاد میں علم وعمل کی ضرورت پڑتی ہے قرآن کریم اس کو بیان کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ اسی طرح مولانا عبدالحق حقانیؒ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل وکمی نہیں کر رہا ہے۔ (تفسیر حقانی، ج:۸،ص:۵۴) پھر آگے حضرت قتادہؒ جو مشہور ومعروف تابعی ہیں وہ "الغیب" سے قرآن کریم مراد لیتے ہیں چنانچہ آپ یقین کے لیے

ZT-EO-ZTOZ

امام بغویؒ اور حافظ ابن کثیر کی عبارت ملاحظہ کیجئے "وما کان الله لیطلعکم علی الغیب فانزل الله علی محمد الخ" (معالم ابن کثیر، ج:۹، ص:۱۳۰، تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۴۸۰) اس لحاظ سے الغیب صرف قرآن کریم ہوا اور اس کے علاوہ جو احکام احادیث وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوئے اور خصوصیت سے وہ امور جن کا تعلق دین اور منصب رسالت سے کچھ بھی نہیں ان کا ثبوت اس آیت سے ہرگز یہ نہیں ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا دعویٰ ہے۔

جواب ۳: اور بعض حضرات مفسرین نے غیب سے وحی مراد لی ہے اور بعض نے دیگر غیوب، قصص اور انبیاء وغیرہ بھی مراد لیے ہیں۔ چنانچہ علامہ خازنؒ لکھتے ہیں "وما هو یعنی محمداً ﷺ علی الغیب ای الوحی وخبر السماء وما اطلع علیه مما کان غائبا عن علمه من القصص والانبیاء" (خازن جلد:۶، ص:۳۶۲) اور نہیں ہیں محمد عربی غیب پر بخیل یعنی وحی اور آسمان کی خبر اور ہر اس چیز پر جو قصص اور اخبار وغیرہ سے آپ کے علم سے غائب الخ۔

نوٹ: ان تفاسیر کے علاوہ آپ مدارک، جلالین، مظہری، عزیزی، معالم التنزیل کا مطالعہ کیجئے جس سے یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ غیب سے وحی، قصص، اخبار وغیرہ مراد ہیں اور یہ ایسے امور ہیں جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں باقی رہے وہ امور جن کا منصب نبوت اور تبلیغ وتعلیم سے کوئی تعلق اور لگاؤ ہی نہیں ہے تو یہ آیت ہرگز ان کو ثابت نہیں کرتی اور یہی فریق مخالف کا مدعیٰ تھا جو کہ ہبا منثورا ہوا۔

جواب ۴: اس دلیل کا چوتھا جواب یہ ہے کہ آیت کے اندر غیب سے مراد راز و نیاز کی باتیں ہیں اب آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی راز و نیاز کی باتوں کو بتانے میں بخالت نہیں کرتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے انگشت مبارک سے پانی کا چشمہ جاری فرمایا تو آپ ﷺ نے اس راز کے عمل کو عوام کے سامنے ظاہر فرما دیا اسی طریقے سے اشارے کے ذریعہ چاند کو دو ٹکڑے کر دیا اسی طریقے سے ہر وہ باتیں جو باری تعالیٰ آپ کو بذریعہ الہام وکرامات کے عنایت فرمائیں وہ تمام باتیں لوگوں پر ظاہر کرتے رہے یعنی ہر وہ قول وعمل جو منجانب اللہ تھے، اس کو نبی کریم ﷺ نہیں چھپاتے تھے، بہر حال اس سے یہ

استدلال کرنا کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے سو یہ قابل تردید ہے۔

جواب ۵: پانچواں جواب صاحب جلالین کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے "ما غاب من الوحی و خبر السماء" (جلالین شریف، جلد ۲، ص ۴۹۲) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علی الغیب سے مراد آسمانی خبریں ہیں جس سے ہر انسان واقف نہیں ہو سکتا پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آسمانی باتیں مثلاً معراج وغیرہ سے نوازا اور ہر وہ امور جو اکثر و بیشتر انسان پر مخفی تھے تمام امور سے اللہ نے آپ کو باخبر کیا پس باخبر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ ورنہ آپ ﷺ بغیر وحی الٰہی کے ان تمام امور پر متنبہ ہو جاتے جس کی آپ کو ضرورت تھی۔

اٹھارہویں دلیل کے جوابات

انہوں نے دلیل پیش کی بقولہ تعالیٰ: "وعلمنٰہ من لدنا علماً" (جاء الحق، ج: ۱، ص: ۵۷۰)

جواب ۱: پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کو علم عطا کیا یعنی اس علم سے قبل آپ علیہ السلام علم سے ناواقف تھے پس اس کے بعد کسی مصلحت کے تحت باری تعالیٰ نے آپ کو علم سے سرفراز کیا۔ تو گویا کہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو علم کے ذریعہ باخبر فرمایا چنانچہ ایسی صورت میں آپ کو کیسے عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یعنی عالم الغیب تو اس صورت میں ہو سکتے تھے جب کہ آپ کو بغیر کسی الہام والقاء کے علم حاصل ہو جاتا حالاں کہ آپ کو جو علم حاصل ہوا تھا وہ منجانب اللہ تھا خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وعلمنٰہ من لدنا علماً"۔ ایسی صورت میں اس کو ہم عالم الغیب پر محمول نہیں کر سکتے ہیں۔ نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ان کو کلی علم دیا گیا۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ آپ علم غیب کس کے حق میں ثابت کرنا چاہتے ہیں کیا رسل کے حق میں یا انبیاء کے حق میں یا ولی کے حق میں خاں صاحب یہی جواب دیں گے انبیاء و رسل کے حق میں تو اب ان سے کہا جائے کہ اس بات میں مفسرین کرام، محدثین و متکلمین عظام کا اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام رسول تھے یا نبی تھے؟ یا ولی تھے، پس بعض نے کہا کہ رسول تھے بعض نے کہا کہ صرف نبی تھے،

2017-03-12

بعض نے کہا کہ ولی تھے۔ بہر حال جب انہوں نے ولیا، بچہ ان صاحب کسی کے لیے علم غیب کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں تو جن حضرات کے نزدیک حضرت خضر ولی ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ خاں صاحب ولی کے لیے بھی علم غیب ثابت کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ انحراف موضوع ہے۔

آگے خاں صاحب نے بیضاوی کے حوالے سے عبارت پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ "حضرت خضر کو علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص ہیں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے"

جواب: اس عبارت میں جواب بھی موجود ہے کیوں کہ کہا گیا کہ بغیر ہمارے بتلائے کوئی علم نہیں جانتا تو یہ علم غیب نہیں رہا؛ بلکہ یہ استاذ وشاگرد جیسی بات ہوگئی اور ایسی صورت میں اگر عالم الغیب ہونا ثابت ہو جائے تو دنیا میں جتنے طالب علم ہیں خواہ مدارس کے ہوں یا اسکول کے خواہ انگلش کیٹ، ریٹ پڑھنے والا ہو یا قرآن وحدیث کے پڑھنے والے، تمام کے تمام حضرات عالم الغیب ہو جائیں گے حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

آگے خاں صاحب نے حضرت خضرؑ اور موسیٰؑ کے واقعات کے ذریعہ علم غیب ثابت کیا ہے (جاء الحق، ج:۱، ص:۵۷) جیسا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حوالہ دیا۔

جواب: حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ نے بذریعہ الہام والقاء علم سے مالا مال کیا اور یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ ایسی صورت میں عالم الغیب ہونا لازم نہیں آتا۔

انیسویں دلیل کے جوابات

آگے مولانا احمد یار خاں صاحب نے انیسویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض" اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ (ایضاً، ص:۵۸)

جواب (۱): اولاً خاں صاحب ترجمہ میں غلطی کر بیٹھے اور ملکوت کا ترجمہ ملک کر دیا حالاں کہ ملکوت کا ترجمہ عجائبات کے ہیں کیوں کہ ابراہیم سے قبل نری کا جملہ موجود ہے

نیز ملک کو دیکھا نہیں جاتا ہے؛ بلکہ ملک کے اندر جو عجائبات ہیں ان کو دیکھا جاتا ہے
جلالین شریف، (ج:۱،ص:۱۱۸، حاشیہ:۱۵) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے
ہیں کہ "حتی رای العرش والکرسی وما فی السموات من العجائب الخ"
یاد رہے آیت کریمہ میں نری کہا گیا ہے جس کے معنی دکھانے کے ہیں جیسا کہ خاں
صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پس یہاں پر باری تعالیٰ کا مقصود حضرت ابراہیم علیہ السلام
کا معائنہ کروانے کو ثابت کرنا ہے نہ کہ کلی علم غیب دینا ہے۔

بہر حال! خاں صاحب ہی کے ترجمہ کو تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیں پھر بھی اس
کا جواب یہ ہوگا کہ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے بادشاہت دی تھی تو اس سے یہ
کہاں لازم آتا ہے کہ بادشاہ عالم الغیب بھی ہو کیوں کہ دنیا کا کوئی بھی بادشاہ خواہ مصر کا
ہو یا لندن کا، امریکہ کا ہو، افغانستان و پاکستان کا، کسی سے آپ پوچھ لیں کیا وہ کہہ دیں گے
کہ ہم عالم الغیب ہیں، یا لوگ ان کو تسلیم کر لیں گے کہ ہاں وہ عالم الغیب ہیں، ہرگز نہیں
بس اسی طریقے سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی بادشاہت کی وجہ سے عالم
الغیب تھے۔ اگر بقول احمد یار خاں کے آپ لوگ یہ کہیں گے کہ ہاں وہ بادشاہت کی بنیاد پر
عالم الغیب تھے تو ہندوستان کا وزیر اعظم اٹل بہاری بھی عالم الغیب ہو جائے گا۔ بہر حال
حق اور صحیح بات یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ہی نہیں بلکہ کوئی بھی انبیاء عالم الغیب نہ تھے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بت پرست
قوم کے گھر پیدا فرمایا (یعنی آزر) اور آپ بہت ساری چیزوں سے نا آشنا تھے، اللہ تعالیٰ
نے آپ کو حسب ضرورت اشیاء دنیوی سے آشنا کروایا اس کی مثال یوں لیجئے کہ جب کوئی
بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں رہتی اور بعد میں چل کر اللہ تعالیٰ اس بچہ کو
باخبر کرتے ہیں۔ کیا یہ بچہ اس وجہ سے عالم الغیب ہو جاتا ہے ہرگز نہیں یہی مثال حضرت
ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بے خبر کو باخبر کرتے ہیں۔

آگے خاں صاحب نے حضرت ابراہیم کے سلسلے میں تفسیر خازن کے حوالے سے
عبارت پیش کی اور فرمایا کہ "ان عجائبات کو دیکھو جو زمینوں میں ہیں" (ایضاً: ص ۵۸)

جواب ہاں یہ بات ہمیں بھی تسلیم ہے کہ باری تعالیٰ نے صرف حضرت ابراہیم
بلکہ جملہ انبیائے عظام کو بھی عجائبات کی چیزوں کا مشاہدہ کروایا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء عالم الغیب ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اولیاء اور بزرگان دین کو بھی بحالت کشف عجائبات کی چیزوں کا معائنہ ومشاہدہ کرادیتا ہے تو کیا اولیاء وبزرگان دین عالم الغیب ہوگئے ہرگز نہیں بس یہی مثال انبیائے کرام کی ہے کہ وہ حضرات عالم الغیب نہیں تھے۔ پھر آگے خاں صاحب نے تفسیر مدارک کی عبارت اس طرح پیش کی ہے کہ "ابراہیم علیہ السلام کے لیے ساتوں آسمان کھول دیئے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا" (جاء الحق ص:۵۸)

جواب قارئین! حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب آسمان کو کھولا گیا پھر آپ نے دیکھا گویا کہ رب کریم نے آپ کو دکھایا تو یہ علم غیب کیسے ہوسکتا ہے؟ علم غیب اس وقت ہوتا جب ابراہیم علیہ السلام خود بخود دیکھ لیتے حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اللہ نے آپ پر آسمان کا دروازہ منکشف کیا پھر آپ نے معائنہ فرمایا پس کھلوا کر دکھلانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے کیوں کہ اگر عالم الغیب ہوتے تو دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی بچہ اناڑی ہو اور اس کو مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرایا جائے تو کیا وہ بچہ بعد المشاہدہ عالم الغیب ہوجائے گا، یہی جواب خاں صاحب کی اگلی عبارت روح البیان، تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر وغیرہ کا ہے جو کہ جاء الحق، ص:۵۸ تا ۵۹ پر مذکور ہے۔

بیسویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے بیسویں دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ "لایاتیکما طعامٌ ترزقانہ الا نبأتکما بتأویلہ" (ایضاً:۵۹)

جواب ۱: اللہ تعالیٰ نے حسب گنجائش انبیائے کرام کو معجزہ سے نوازا اور مزید کرم یہ کیا کہ جب بھی کسی نبی برحق کو معجزہ دیا تو اس کے سیاق وسباق کے اعتبار سے، یعنی جب بھی ان کو معجزات کی ضرورت پڑی پس عطا کیا۔ اسی طریقے سے حضرت یوسف علیہ

السلام کو خواب کی تعبیر کا معجزہ عنایت کیا چنانچہ صاحب جلالین نے آیت مذکورہ کی توضیح میں تفسیر کی "لایاتیکما طعامٌ ترزقانه فی منامکما الا نبأتکما والیه فی التعظیمة" (جلالین شریف، جلد ۱، ص: ۱۹۳)

جواب ۲: دوسرا جواب خود آیت مذکورہ، کے ایک حصہ سے عیاں ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے بتاویلہ فرمایا نہ کہ بعلمہ اگر بعلمہ فرماتے تو کچھ بات قابل تسلیم تھی۔ بہر حال خود باری تعالیٰ نے بتاویلہ کے ذریعہ علم غیب کی تردید کر دی، آگے خاں صاحب نے روح البیان، کبیر، خازن کے حوالے سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، تو اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ بطور معجزہ تھا نہ کہ علم غیب۔

آگے خاں صاحب نے آیت پیش کی بقولہ تعالیٰ: "وانبئکم بما تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم" (ایضاً ص: ۵۹) اس آیت کریمہ کے ذریعہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت کیا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ الہام و کرامات پر موقوف ہے نہ کے علم غیب پر۔

تتمہ کے جوابات ﴿صفحہ ۵۹ تا ۶۲﴾

اب خاں صاحب تتمہ کا عنوان قائم کر کے علمائے حق کے صرف تین دلائل کے جوابات دے رہے ہیں حالاں کہ ہم علمائے حق کے دلائل صرف تین ہی نہیں؛ بلکہ "وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها" کے مثل ہیں اب ان تین دلائل کے غیر معتبر تین جوابات دیتے ہیں اس کا احقر ازالہ کر رہا ہے۔

(۱) کل شیئ متناہی نہیں بلکہ غیر متناہی ہے اور اس کی تائید میں قرآن کریم کی آیت پیش کی واحصیٰ کل شیئ عدداً نیز تفسیر کبیر کی بھی عبارت پیش کی۔ (ایضاً ص: ۶۰) خانصاحب کے اس تتمہ کا مقصد یہ ہے کہ کلمہ کل اور کلمہ ما عموم کیلئے آتا ہے۔ (ایضاً ص: ۶۰)

جواب ۱: خاں صاحب کی اس بات کی تردید میں احقر نے ماقبل کے اندر بہت ساری

آیات پیش کی تھیں پھر ھل من مزید کے [illegible] آیات اور کچھ [illegible] کے اقوال پیش کرتا ہے ملاحظہ ہو (۱) سب سے پہلے باری تعالیٰ نے تورات کے بارے میں ارشاد فرمایا "تفصیلاً لکل شیئ" (پارہ ۹، اعراف: ۱۷۵) اور اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود تھی نیز یہ بات بالکل آشکارا ہے کہ نہ تو واقعتاً تورات میں ہر ہر چیز کی تفصیل موجود تھی کہ زمین کا ایک ایک ذرہ اس میں درج ہوتا اور نہ علوم و معارف کے لحاظ سے وہ تمام احکام تورات میں درج تھے جو قرآن کریم اور جناب نبی کریم ﷺ کی جامع اور مکمل شریعت میں موجود ہیں ورنہ قرآن کریم اور شرع محمدی کی تورات پر فوقیت ہی کیا ہوگی۔ (۲) حضرت ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "وآتیناہ من کل شیئ سبباً" (پارہ ۱۶، کہف، رکوع ۱۱) اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔

قارئین کرام! یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہی سامان ان کو ملا ہوگا جو ان کے حال کے مناسب ہوگا نہ یہ کہ آج کل کے زمانہ میں پائے جانے والی سائنس کے آلات واسلحہ اور ہلاکت خیز ایٹم بم اور ہائڈروجن بم اور مصنوعی سیارے وغیرہ بھی ملے تھے۔

جواب ۲: قاضی بیضاویؒ نے "لکل شیئ" سے امور دین مراد لیا ہے۔ (بیضاوی، ص: ۴۵۰) اسی طرح امام رازیؒ نے اسی کے قریب تفسیر کبیر، ج: ۲۰، ص: ۹۹۔ میں لکھا ہے فرماتے ہیں: "اما العلوم التی لیست دینیۃ فلا تعلق لھا بھذہ الآیۃ" یعنی بہر حال وہ علوم جو دینی نہیں تو ان کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ آگے تفسیر خازن (جلد: ۴، ص: ۹۰) پر اسی بات کی تصدیق کی گئی ہے کہ کل سے بعض امور مراد ہیں۔

نیز آپ دیکھیں روح البیان (جلد: ۱۴، ص: ۲۱۴۔) کشاف (جلد: ۳، ص: ۳۹) اتقان (ج: ۲، ص: ۱۸۲)۔ وغیرہ۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام مفسرین کی عبارتوں اور مزید آیات الٰہیہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کل غیر متناہی نہیں اور ان سے امور شرع مراد ہے لیکن خاں صاحب نے اس کے برعکس کہا ہے خیر یہ ان کی ناانصافی ہے۔

جواب ۲: حقیقت یہ ہے کہ کل شیئ غیر متناہی ہے اور اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو

ہے ان کے علاوہ کسی کو نہیں پس جب کل شیی ' کا جملہ استعمال کیا جائے اور اس کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد متناہی ہوگا کیوں کہ باری تعالیٰ غیر متناہی کا انحصار کرنے والا ہے اور وہ عالم الغیب ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون سی چیز کتنی ہے اور کہاں رکھی ہے لیکن اگر کل شیی کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف کی جائے تو اس سے مراد غیر متناہی ہوگا کیوں کہ ان کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کے اندر اللہ نے کتنے انسان پیدا کیے اور کر رہے ہیں اور کریں گے۔ پس جب کل شیٔ کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کی جائے تو غیر متناہی ہے۔ لہٰذا جن جائے تو متناہی ہے اور جب انبیاء و رسل کی طرف کی جائے تو غیر متناہی ہے۔ لہٰذا جن آیات کے اندر کل شیی کا تذکرہ آیا اور ہمارے علمائے حق نے اگر اس سے احکام شرع مراد لیا ہے تو بالکل درست ہے جیسا کہ خود خاں صاحب نے ہماری دلیل کو جاء الحق، (ج ۱۱ ص: ۹۰) پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد خاں صاحب نے ابھی ماقبل میں ایک آیت پیش کی تھی "واحصی کل شیئ عددا" سو اس کا جواب یہ ہے کہ "احصی" کا فاعل خداوند قدوس ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ تمام عدد کو گن لیتا ہے۔ (دیکھیے کشاف وغیرہ) یعنی یہ باتیں صرف اللہ کے لیے متناہی ہیں نہ کہ انبیاء و رسل کے لیے کیوں کہ انبیاء و رسل کے لیے غیر متناہی ہیں اور بندہ اس پر قادر نہیں ہے۔ آگے خاں صاحب نے تفسیر کبیر اور روح البیان کی عبارت پیش کی ہے، سو اس سے مراد باری تعالیٰ ہیں نہ کہ انبیاء و رسل کیوں کہ اگر انبیاء و رسل کو مراد لیں گے تو اس صورت میں شرک لازم آئے گا۔

اگرچہ بہت سے مفسرین کل شیی ' سے صرف شریعت کے احکام مراد لیتے ہیں لیکن بہت سے مفسرین نے کل علم غیب بھی مراد لیا ہے الخ (ایضاً ص ۹۱)

جواب: مفسرین کرام کے نزدیک صاحب جلالین کا مرتبہ بہت ہی اونچا ہے چنانچہ انہوں نے کل شیی ' سے مراد امور دین لیا ہے جیسا کہ خود مولوی احمد یار خاں اس بات کے معترف ہیں لیکن خاں صاحب نے علمائے حق پر الزام ڈالتے ہوئے یہ کہا کہ کل شیٔ سے بہت سے مفسرین نے کل علم غیب مراد لیا ہے سو خاں صاحب سے میں باز پرس کروں گا کہ کن کن مفسرین نے کن کتابوں میں یہ بات لکھی ہیں، ذرا حوالہ کی وضاحت کیجئے۔

2017-03-12

پھر آگے خاں صاحب لکھتے ہیں کہ ہم حدیث [illegible] کے تو میرا جواب سے جواب بھی ہے کہ ہم قرآن کے ذریعہ جواب دیں گے۔ بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کل شی آیا ہے وہاں قرینہ موجود ہے۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۹۱)

جواب: ہمارا کہنا ہے کہ کل شی سے بعض چیزیں مراد ہوتی ہیں، اس کی تردید میں خاں صاحب نے کہا کہ واقعہ بلقیس کے اندر قرینہ موجود ہے اس کے وہاں کل شی سے بعض چیزیں مراد ہیں پس ہمارا کہنا ہے کہ قرینہ ہی موجود نہیں بلکہ خود باری تعالیٰ نے ببانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا "انما العلم عند اللہ، ان اللہ عندہ علم الساعۃ"۔ یعنی خاں صاحب کے کئی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور کے لیے علم غیب ثابت کریں حالاں کہ ان کے اعتقاد کی مخالفت میں خود قرآن نے دھمکی دے دی۔

بہر حال خاں صاحب نے صرف قرآن کریم سے ۲۰ دلیلیں بیان کی ہیں، لیکن احقر نے اختصار پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک دلیل کے کئی کئی جوابات دیئے ہیں ویسے خاں صاحب کے دلائل کے جوابات بہت سارے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب پرزور انداز میں یہ تقریر کرتے ہیں کہ جملہ انبیائے کرام عالم الغیب تھے لیکن انہوں نے ماقبل کے بیس دلائل کے ذریعہ صرف پانچ انبیاء (۱) آدم علیہ السلام، (۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، (۳) خضر علیہ السلام (۴) ابراہیم علیہ السلام (۵) یوسف علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت کیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ان پانچ انبیاء کے علاوہ اور کوئی نبی عالم الغیب نہیں اگر ہیں تو دلیل کیوں بیان نہ کی۔

بہر حال دنیا میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام تشریف لائے پھر ان حضرات کے لیے خاں صاحب نے علم غیب کو ثابت کیوں نہیں کیا؟ اور جب انہوں نے ۵/ کے علاوہ دیگر انبیاء کے لیے علم غیب ثابت نہیں کیا تو یہی کہا جائے گا کہ ان کے پاس صرف ۲۰/ ہی مال پونجی ہے جس کے جوابات دیئے گئے۔

دوسری فصل اور پہلی دلیل کے جوابات

اس فصل کے تحت خاں صاحب صرف ۲۰ راحادیث بیان کریں گے اور آگے چل کر تیسری فصل میں خاں صاحب ان حدیثوں کی شرح بھی بیان کریں گے چنانچہ احقر خاں صاحب کے بیسوں دلائل کے جوابات دے رہا ہے اور آخر کار ان کی شرح کے بھی جوابات دیئے جائیں گے۔

پہلی دلیل کے جوابات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرنا عن بدء الخلق الخ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا پس ہم کو ابتدائے پیدائش کی خبر دی یہاں تک کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنے گھروں میں جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ (ایضاً، ص:۶۲)

جواب ۱: اس حدیث سے استدلال صرف ایک وجہ سے کیا گیا ہے کہ اس حدیث مذکورہ سے عموم اور استغراق حقیقی مراد لیا جائے؛ حالاں کہ اس سے عموم اور استغراق حقیقی مراد لینا باطل ہے کیوں کہ حدیث مذکورہ کے راوی حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سود کے متعلق فرماتے ہیں۔ ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم یفسرھا لنا ،الحدیث'' (ابن ماجہ، ص:۱۶۵) ترجمہ: کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے وفات پا گئے اور آپ نے سود کو ہمارے سامنے کھول کر بیان نہ کیا۔ پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے اور حدیث مذکور سے عموم اور استغراق حقیقی مراد لیا جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا نہ فرماتے۔

جواب ۲: ایک دوسری روایت میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ثلاث لان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینھم لنا احب الی من الدنیا ومافیھا الخلافۃ والکلالۃ والرباء'' (المستدرک، ج:۲، ص:۳۰۴۔ وقال الحاکم والذھبی علی شرطھما والطیالسی، ص:۱۲)

تین چیزیں اگر جناب رسول اکرم ﷺ ہمارے لئے بیان فرما دیتے تو ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتیں۔ ایک خلافت دوسری کلالہ (کی وارثت) اور تیسری چیز سود (کی پوری تشریح) یعنی اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اشارات و کنایات اور طرز عمل سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا ظاہر کر دیا تھا مگر بطور نص کے نامزد نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے یہ عقیدہ حل ہوا اور اسی طرح کلالہ یعنی لاولد کی وراثت اور ربوا وسود کے اصول تو قرآن کریم اور احادیث میں بیان کیے گئے ہیں مگر وہ بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت مجمل ہیں اور جناب رسول اکرم ﷺ نے کھول کر اس کو بیان نہیں فرمایا۔ علاوہ ازیں اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہر چیز کا علم جناب رسول اکرم ﷺ کے لئے ثابت ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعض بعض مسائل اور احکام میں دیگر صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کی اور بعض احکام میں خود اجتہاد و قیاس کرنے کی کیا ضرورت اور حاجت تھی؟

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے کہا کہ مشکوٰۃ شریف "بیان المعجزات" میں مسلم سے بروایت مرہ بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی طرح منقول ہے مگر اس میں اتنا اور ہے "فاخبرنا بما ھو کائنٌ الی یوم القیٰمة فاعلمنا احفظنا" ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی، جو قیامت تک ہونے والے ہیں۔ (جاء الحق، ج:۱، ص:۶۲)

جواب ۱: حدیث مذکورہ کا مفہوم ہم صرف یہی لیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے امور دین، ضروریات دین اور اسی طرح اہم فتن وغیرہ بیان فرما دیئے تھے نہ کہ دنیا کے ہر ہر ذرہ کی خبر، چنانچہ خود حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت میں فلم یدع شیئاً کی شرح میں حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ "ای مما یتعلق بالدین مما لابد منہ" (مرقات، ج:۵، ص:۸) ترجمہ: یعنی آپ ﷺ نے اس خطبہ میں ضروری باتوں کو بیان فرمایا تھا۔ نہ کہ دنیا کے ہر ہر ذرہ کو۔

جواب ۲: حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث لکھتے ہیں "ای مما یتعلق بالدین ای

کتب لہ او ھو مبالغۃ لاکثر مقام الکل" (المعات شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۷) یعنی آپ نے اس خطبہ میں دین کی ہر ضروری بات بیان فرمائی مبالغہ کے طور پر اکثر چیزوں کو کل کہا گیا۔ اسی طرح (اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۱۸۱) پر ذکر کیا گیا کہ یہ مبالغہ ہے جس میں اکثر کو کل کے معنی میں کر دیا گیا ہے۔ لیجئے اب تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ یہ دلی شاہ صاحب کی وہ تحریریں ہیں جن کی بعض مجمل عبارات اور لفظ کلی ہر "جمیع" "ہر کل" وغیرہ علیہ الحق حدیث دلوئی ہیں جن کی بعض مجمل عبارات اور لفظ کلی ہر "جمیع" "ہر کل" وغیرہ سے فریق مخالف علم غیب کلی پر استدلال کیا کرتے ہیں مگر حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیان فرمایا کہ ایسے الفاظ کو کبھی مبالغہ اکثر کے معنی میں لے لیا جاتا ہے، اس سے ہر مقام پر کلی حقیقی اور عموم استغراقی ہی مراد نہیں ہوتی، اور جن جن مقامات پر ایسے عام الفاظ آتے ہیں ان سے دیگر دلائل کی رو سے یہی مطلب اور معنی لیا جائے گا کہ مبالغہ اکثر کو کل کے معنی میں لیا گیا ہے۔ گویا کہ خاں صاحب کی دوسری دلیل "بما ھو کائن" کو مبالغہ کل کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کو کلی حقیقی اور عموم استغراقی پر محمول نہیں کیا جا سکتا، پس اس سے علم غیب پر استدلال عدم علم پر مبنی ہے۔

تیسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے کہا کہ "مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ مروی ہے "ما ترک شیئاً یکون فی مقامہ الی یوم القیامۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ" ۔ حضور نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد رکھا یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا" (جاء الحق ص ۹۳ ج ۱)

جواب: حدیث مذکورہ کے ذریعہ استدلال کرنا قطعاً درست نہیں، کیوں کہ حدیث مذکورہ میں "ما ترک شیئاً" استغراق حقیقی اور عموم قطعی مراد نہیں (اور عادۃً دن یا دن کے کسی حصہ میں تمام امور کا بیان ممکن بھی نہیں ہے) اس لیے کہ خود حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "وقد ترک رسول اللہ ﷺ من قاعد فتنۃ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من معہ ثلاثمائۃ فصاعداً الا قد سماہ لنا باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلتہ" (ابوداؤد شریف، ج ۲ ص ۲۲۹) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول

2017-03-12

اللہ ﷺ نے جو چیز بیان فرمائی ہے وہ صرف تھے اور فتنے کی اس قسم کے سارے
بیان نہیں کئے کہ ہر فتنے بیان کیے ہوں بلکہ فقط وہی فتنے بیان کئے جن میں لوگوں کی
گمراہی کے اسباب زیادہ پائے جاتے ہیں اور قائد فتنہ کی مکاری اور حیلہ سازی سے اس
کے چیلے چانٹوں کی تعداد تین سو اور اس سے زائد تک پہنچ سکتی ہو۔ اور حضرت حذیفہؓ کی
ایک روایت میں یوں آیا ہے" واللہ انی لاعلم بکل فتنة هی کائنة فیما بینی و
بین الساعة الحدیث" (مسلم ج ۲ ص ۳۹۰۔ ومسند احمد ج ۵ ص ۳۸۸) ترجمہ: لوگ تو
آنحضرت ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں آپ سے فتنہ اور
شر کے بابت پوچھا کرتا تھا محض اس خوف سے کہ کہیں بے خبری میں اس کا شکار نہ
ہو جاؤں اور یہ انہی فتن اور اشراط ساعت کی بکثرت معلومات حاصل ہونے کی وجہ سے
حضرات صحابہ کرامؓ میں معروف و مشہور تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
فرمایا" ایکم یحفظ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنة
فقلت انا احفظ الحدیث" (مختصر ج ۲ ص ۳۶۸۔ وقال متفق علیہ بخاری ج ۱ ص ۷۵ و مسلم
ج ۲ ص ۳۹۱) تم میں سے فتنہ کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں کس کو
سب سے زیادہ یاد ہیں تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ کو سب سے زیادہ
یاد ہیں۔ ان سب روایات کے پیش نظر یہی امر متعین ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے
اپنے جوامع الکلم میں اگرچہ وقت میسیر کے اندر واقعات کثیرہ بیان فرمائے تھے وہ فتن
اور اشراط ساعت و علامات قیامت ہی کے بارے میں تھے نہ کہ ہر ہر چیز کے بارے میں
جس کا تعلق آپ کے منصب ہی سے نہ تھا۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ خود حضرت حذیفہؓ کا اپنا بیان ہے کہ" فاخبرنی
رسول اللہ ﷺ بما هو کائن الی ان تقوم الساعة فما منه شیء الا قد
سالته الا انی لم اساله ما یخرج اهل المدینة من المدینة" (مسلم ج ۲
ص ۳۸۰) ترجمہ: مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے ہر وہ چیز بتائی جو قیامت تک ہونے والی
تھی اور ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کے بارے میں میں نے خود آپ سے دریافت نہ
کیا ہو مگر میں آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھ سکا کہ وہ کون سا فتنہ ہوگا جو اہل مدینہ کو مدینہ سے

نکال دے گا'' لیجیے اس صحیح روایت نے تو معاملہ اور صاف کر دیا کہ جن جن شرور و فتن کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، آپ نے اسی کا جواب دیا اور اسی کے متعلق واضح اور روشن نشانیاں اور علامات بیان فرماتے رہے مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آپ سے یہ نہ پوچھ سکے، کہ حضرت وہ فتنہ کون سا ہوگا اور وہ کون سی شئی ہوگی جس کی وجہ سے اہل مدینہ کو مدینہ طیبہ جیسا پاک مقام ترک کرنا اور چھوڑنا پڑے گا؟ اور فتنوں کا تو سرے سے قصہ ہی چھوڑیئے اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ کے تمام فتنے اور حالات بھی بیان نہیں فرمائے تھے اور حضرت حذیفہ باوجود احادیث فتن کے باب میں احفظ ہونے کے یہ نہیں جان سکے کہ وہ کون سی مصیبت اور کونسا فتنہ ہوگا جو اہل مدینہ کو مدینے سے نکلنے پر مجبور کر دے گا۔

چوتھی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے چوتھی دلیل بیان کی بروایت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے ''ان اللہ روی فی الارض فرأیت مشارق الارض ومغاربھا''. اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے زمین کے مشرق اور مغرب کو دیکھا۔ (جاء الحق، ج:۱، ص:۶۳)

جواب ۱: درحقیقت یہ دلیل علمائے دیوبند کی ہے یعنی یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے کیوں کہ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو بغیر زمین کے سمیٹے ہوئے آپ ﷺ کو مغیبات کا علم ہو جاتا، لہٰذا خداوند قدوس کے حکم کے مطابق زمین سمیٹنا اور آپ کو علم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ نیز اس سے یہ قطعی طور پر لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کو علم کلی۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر خاں صاحب حدیث مذکورہ کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرتے ہیں تو لازم یہ آئے گا کہ چرند و پرند بھی عالم الغیب ہو جائیں۔ کیوں کہ چرند و پرند بھی سفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے زمین سمیٹ دیتے ہیں اور ان کو طرح طرح کی باتیں معلوم ہوتی ہیں تو کیا وہ چرند و پرند بھی عالم الغیب ہو گئے اسی طریقے سے لاکھوں انسان سفر کرتے ہیں اور چند گھنٹوں میں ہندوستان سے

21-60-1107

پاکستان اور پاکستان سے سعودی عرب و دیگر ممالک گئے ہیں، کیا یہ گھومنے والے اشخاص عالم الغیب ہو گئے۔

پانچویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے پانچویں دلیل بیان کی عبدالرحمٰن بن عائش کے حوالے سے "رایت ربی عزوجل فی احسن صورۃ فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا ثدیٔ فعلمتُ مافی السموات والارض" ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۲۱۳)

جواب ۱: اس دلیل میں خاں صاحب کا اصل موضع استشہاد کلمہ ما ہے کہ انہوں نے کلمہ ما کو عموم کے لیے استعمال کیا ہے حالاں کہ یہ غلط ہے جیسا کہ ماقبل میں بھی بیان ہو چکا ہے پھر احقر کچھ آیات پیش کرتا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ما ہر جگہ عموم کے لیے نہیں آتا چنانچہ ارشاد باری ہے: "وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا آباءکم" (پارہ ۷، انعام رکوع ۱۱) یعنی تم کو ان باتوں کی تعلیم دی گئی جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے۔ واضح رہے کہ حضرات مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس آیت کے مخاطب یہودی ہیں اور آیت کا سیاق و سباق بھی یہی چاہتا ہے۔ کیوں کہ اوپر سے خطاب یہود ہی سے چلا آ رہا ہے اور اگر اس کے مخاطب سے مسلمان ہی مراد لیے جائیں اور ما کو عموم اور استغراق حقیقی کے لیے مانا جائے تو بھی اس سے فریق مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ پہلی صورت میں یہ لازم آئے گا کہ عہد نبوت میں جو یہودی اس کے مخاطب تھے ان کو بھی علم غیب کلی حاصل تھا، یا دوسری صورت میں مسلمان کے لیے علم غیب کلی ماننا پڑے گا۔ پس معلوم ہوا کہ عموم و استغراق کے لیے ہر جگہ مستعمل نہیں ہوتا ہے لہٰذا خاں صاحب کی پیش کردہ حدیث "مافی السموات والارض" کے اندر بھی ما عموم و استغراق کے لیے استعمال نہ ہوگا ورنہ یہود و نصاریٰ اور ہر ہر مسلمان کا عالم الغیب ہونا لازم آئے گا جو کہ حرام ہے۔

جواب ۲: علامہ ابوالبرکات الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ: "وما ومن یحتملان العموم والخصوص واصلھما العموم" (المنار مع نور الانوار، ص ۷۹) ما اور من عموم وخصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اگرچہ اصل ان دونوں کا عموم ہے۔ مطلب واضح ہے کہ یہ دونوں اگرچہ اصل وضع میں عموم کے لیے ہیں؛ لیکن استعمال کے لحاظ سے عموم اور خصوص دونوں میں برابر ہیں لہٰذا استعمال کے اعتبار سے یہ عموم میں نصوص قطعی نہ ہوئے بلکہ امام عربیت مشہور نحوی اور متکلم سید شریف الجرجانی الحنفیؒ من اور ما وغیرہ موصولات کے بارے میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں "قلنا الموصولات لم توضع للعموم بل ھی للجنس تحتمل العموم والخصوص" (شرح مواقف، ص: ۷۲۳)

ہم کہتے ہیں کہ موصولات عموم کے لیے وضع ہی نہیں کیے گئے بلکہ یہ جنس کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ جو عموم اور خصوص دونوں کا برابر احتمال رکھتے ہیں۔ لیجئے! اب تو مولوی احمد یار خاں صاحب کا استدلال لغو ہو گیا کہ کلمہ ما عربی زبان میں عموم کے لیے ہوتا ہے اور قرآن کریم سابق مواقع پر استعمال کے علاوہ المنار اور خصوصیت سے امام عربیت سید شریف کے قول نے مسئلہ صاف کر دیا۔

جواب ۳: تیسرا جواب جو عقل سے لگتا ہوا ہے جس کو ایک چھوٹی سی مثال سے سمجھیں کہ مثلاً میں رمضان کی چھٹی میں گھر گیا اور ہمارے والد محترم نے شفقتاً ہمارے سینہ پر ہاتھ رکھا اور ہم نے اس دست شفقت سے اس قدر ٹھنڈک اور لطف محسوس کیا کہ گویا ہمیں زمین و آسمان کی ٹھنڈک حاصل ہو گئی تو کیا اس سے ہمیں کوئی عالم الغیب کہے گا؟ پس یہی مثال حضور اکرم ﷺ کی ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ہاتھ رکھا اور آپ نے خوشی و مسرت کافی حد تک محسوس کی۔ جس سے علم غیب قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا۔

چھٹی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے سے ایک حدیث پیش کی "ان اللہ رفع الی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانہ

2017-03-12 02:

پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونے والے ہیں اس صحن دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں (ایضا) خاں صاحب نے اس میں بحوالہ طبرانی اور کتاب الفتن لنعیم بن حماد اور حلیہ لابی نعیم کے حوالے سے روایت میں اس ٹکڑے کا بھی اضافہ کیا ہے "کفی ھذہ" کے بعد "جلیا لہ من اللہ جلاہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما جلاہ لنبیین" اس حدیث نے روشن کر دیا ہمارے لیے سموات والارض اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اس کا علم انبیائے کرام کو بھی عطا ہوا اور اللہ عزوجل نے اس تمام ما کان و مایکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر ظاہر فرما دیا مثلاً مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک اور ارض سے فلک تک (باقاظ انبیاء المصطفے ص ۸۱)

جواب ۱: یہ روایت حلیہ لابی نعیم (ج:۶ ص:۱۰۱)۔ سعید ابن سنان الربادی کی سند سے مذکور ہے بلاشک یہ روایت فریق مخالف کے لیے بڑی کارآمد بلکہ اکسیر تھی مگر کاش کہ صحیح ہوتی کیوں کہ امام طبرانی کی جملہ تصانیف حضرات محدثین کے نزدیک کتب حدیث کے طبقہ ثالثہ میں داخل ہیں اور اس طبقہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ جب تک اس طبقہ کی احادیث کو اصول حدیث کی رو سے صحیح قرار نہ دیا جائے اس سے احتجاج درست نہیں ہے (فجاؤنا فعہ ص ۷) اور امام ابونعیم کی جملہ تالیفات طبقہ رابعہ میں سے ہیں اور ضعیف بھی ہیں۔ (ایضاص ۷) چنانچہ مشہور حنفی محدث حافظ علی متقی (المتوفی ۹۷۵ھ) لکھتے ہیں سندہ ضعیف کہ اس کی سند ضعیف ہے (کنز العمال، ج ۱، ص ۹۵) اور علامہ نور الدین علی ابن ابی بکر، استاذ حافظ ہیثمی حافظ ابن حجر طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ روایت مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ اس کے باقی راوی تو ثقہ ہیں مگر علی ضعف کثیر فی سعید بن سنان الربادی ہیں (مجمع الزوائد، ج: ۸۔ ص: ۲۸۷) اس میں سعید بن سنان الربادی بہت ہی زیادہ ضعیف ہیں اور ضعیف کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنا اور پھر اس سے نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا انصاف ہے؟

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ احادیث مذکورہ کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنا انصاف کے خلاف پر مبنی ہے کیوں کہ علم غیب کی تعریف علامہ ثعلبی نے یہ

صادق نہیں آتی پس اس کے ذریعہ استدلال کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا۔

ساتویں دلیل اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی یعنی حدیث پیش کی

"فتجلّی لی کل شیٔ وعرفت" پس ہمارے لیے ہر چیز ظاہر ہوگئی اور ہم نے پہچان لیا۔ (جاء الحق، ص ۶۳)

جواب ا: پہلا جواب یہ ہے کہ اگرچہ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے اس کی تحسین وتصحیح نقل کی ہے لیکن مذکورہ عبارت (فتجلی الخ) ترمذی کے متن میں ہی نہیں بلکہ یہ روایت بسند ابن عباسؓ مسند احمد، ج ۱، ص ۳۶۸۔ میں بھی ہے اور معاذ بن جبلؓ کی روایت میں (جس کی امام بخاریؒ سے تصحیح وتحسین نقل کی گئی ہے) عبدالرحمٰن بن عائس الخضرمی ہے بعض نے ان کو صحابی بتایا ہے لیکن امام ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ جس نے ان کو صحابی کہا ہے اس نے غلطی کی ہے اور امام ابوزرعہ کہتے ہیں کہ وہ معروف نہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ "له حديث واحد (وهو حديث الرؤية) إلا انهم يضطربون فيه. وقال الذهبي رحمته الله عليه وحديثه عجيب وغريب" (تہذیب التہذیب: ج ۶، ص ۲۰۶۔ وميزان الاعتدال، ج ۲، ص ۱۰۸۔ ملخصاً) یعنی ان سے صرف حدیث رویت ہی منقول ہے مگر حضرات محدثین کرامؒ اس میں اضطراب کرتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث بڑی عجیب وغریب ہے اور مضطرب حدیث فن اصول حدیث کے رو سے ضعیف ہوتی ہے اس اعتبار سے امام بخاری کی تصحیح وتحسین خود متعارض ہوکر ساقط ہو جائے گی اور امام بیہقیؒ اس حدیث کے بعض طرق کو لکھ کر آگے ارشاد فرماتے ہیں۔

"فدروی من طرق کلها ضعاف وفی ثبوته نظر" کہ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہے مگر سب سندیں اس کی ضعیف ہیں اور اس کے ثبوت میں کلام ہے (کتاب الاسماء والصفات، ص ۲۲۰، طبع آباد) اور یہی عبارت علامہ خازنؒ نے جلد ۶، ص ۵۴۔ طبع مصر میں اور امام سیوطیؒ نے تفسیر (در منثور، ج ۵، ص ۳۱۹۔) میں نقل کی ہے لہٰذا ایسے اہم معاملہ اور بنیادی عقیدہ میں اس کو پیش کرنا اصول کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت [illegible] علم ہو چکا تھا حالاں کہ قرآن کریم میں صاف صور پر مذکور ہے کہ "ما کان لی من علم بالملاء الاعلی إذ یختصمون" آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے ملاء اعلیٰ کا کوئی علم نہیں کہ وہ کس چیز میں اختلاف کر رہے ہیں۔ چوں کہ قرآن کریم کی یہ نص قطعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ملاء اعلیٰ کا عدم علم ثابت کرتی ہے اور حدیث مذکور کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی خبر واحد ہی ہوگی اور بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ سرائی ہے۔ (انباء المصطفیٰ، ص:۴۰) لہٰذا کیوں کر یہ حجت ہو سکتی ہے۔

جواب ۳: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ پھر جاننا چاہیے کہ واجب ہے کہ حضرات انبیائے کرام سے باری تعالیٰ کی صفات کی نفی کی جائے مثلاً علم غیب اور جہاں کے پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں کوئی تنقیض نہیں ہے (پھر کئی سطور کے بعد فرمایا) اور اگر کوئی شخص آپ کے علم غیب پر "فتجلی لی کل شیء" کی حدیث سے استدلال کرے تو ہم اس کا یوں جواب دیں گے کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ تورات کے بارے میں "تفصیلاً لکل شیء" آیا ہے اور اصل عمومات میں مقام کے مناسب تخصیص کرنا ہے اور اگر یہ تجلی ہر ایک چیز کے لیے تسلیم کرلی جائے تو یہ صرف اس وقت کے لیے تھی جب کہ اللہ نے دست قدرت آپ کی پشت پر رکھا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے دست قدرت اٹھا دیا تو یہ تجلی اور انکشاف بھی جاتا رہا سو اس میں کوئی بعد نہیں کہ اس کے بعد دوسری حالت میں آپ کو دوبارہ ان امور کی تعلیم دی گئی ہو (تفہیمات الٰہیہ، ج:۱، ص:۲۵، ۲۵) بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کے ذریعہ خاں صاحب کی بنیاد اور اخروی باتیں ھباءً منثورا ہو جاتی ہیں۔

آٹھویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث پیش کی ہے "لقد ترکنا رسول اللہ علیہ السلام وما یحرک طائر

جناحیه الاذکر لنا منه علما" کہ ہم کو حضورؐ نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا مگر اس کا بھی ہم کو علم بتا دیا۔ (جاء الحق، ج:۱، ص:۶۳، سطر ۱۶ تا ۱۷)

جواب ۱: پہلا جواب تو یہ ہے کہ مذکورہ عبارت کے ذریعہ خاں صاحب کا استدلال درست نہیں کیوں کہ (مسند احمد، ج:۵، ص:۱۵۳۔) وغیرہ میں اس کی سند یوں آتی ہے "الا معشر نا منذر نا شیاخ من النیم قالوا قال ابو ذر رضی اللہ عنہ الخ" معلوم نہیں کہ یہ شیاخ کون اور کیسے تھے؟ ثقہ یا ضعیف تھے؟ ایسی مجہول سند سے حضرات محدثین کرامؒ احتجاج کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہیں چہ جائے کہ باب عقائد میں خاں صاحب کا بحوالہ مسند احمد اس سند کو صحیح کہنا جہالت یا خیانت ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابوذرؓ کی روایت اس مجمل روایت کی تفسیر اور تشریح کرتی ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "عن ابی ذرؓ قال تو کنا رسول اللہ ﷺ الخ" حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں اس حالت میں چھوڑا کہ کوئی پرندہ ہوا میں پر ہلانے والا ایسا نہ چھوڑا مگر یہ کہ اس سے ہمارے لیے کچھ علم بیان فرما دیا نیز حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز ایسی باقی نہیں جو تمہیں جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کرتی ہو مگر وہ تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے (تفسیر ابن کثیر، ج:۲، ص:۴۰۴) حافظ ابن کثیر نے اپنے محدثانہ اور مفسرانہ طریقہ سے یہ آشکارا کر دیا ہے کہ پرندوں کے کچھ حالات آپ نے ایسے بیان کیے (مثلاً حلال و حرام ہونے وغیرہ کے) جن پر عمل پیرا ہو کر جنت حاصل کی جا سکتی ہے اور جہنم سے اجتناب کیا جا سکتا اور "منہ علما" اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے علم غیب پر استدلال یقیناً باطل ہے۔

جواب ۳: مشہور حنفی محدث علامہ محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ کوئی اڑنے والا پرندہ ایسا نہیں جس کا علم ہمیں نہ ہو یعنی آپ ﷺ نے شریعت کو کما حقہ پورا بیان فرمایا ہے حتی کہ کوئی شکل باقی نہیں رہی اس کو آپ نے بطور مثال بیان فرما دیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کوئی چیز آپ ﷺ نے نہیں چھوڑی جو

2017-03-12

آپ نے بہر نے بیان نہ کی ہو حتی کہ پرندہ کے احکام اور ان میں جو حلال وحرام ہیں اور اس قسم کی دیگر کیفیت اور یہ کہ جب محرم کے جانور کو قتل کرے تو اس پر کیا کفارہ لازم آتا ہے؟ وغیرہ (مجمع البحار، ج ۳، ص ۳۲۷) اس صریح الفاظ سے معلوم ہوا کہ پرندوں کے متعلق آپ نے صرف وہ احکام بیان فرمائے ہیں جو حلال وحرام وغیرہ احکام سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کا شریعت میں بیان کرنا ضروری ہے وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے علم غیب کو ثابت کرنا خیانت ہے۔

نویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوۃ باب الفتن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث پیش کی ہے "ماترک رسول اللہ ﷺ من قائد فتنة الی تنقضی الدنیا یبلغ من ثلث مائة فصاعداً قد سماہ باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلتہ" (جاء الحق، ج ۱، ص ۹۳)

جواب ۱: پہلا جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو چیز بیان فرمائی ہے وہ فقط فتنے تھے اور فتنے بھی اس عموم کے ساتھ بیان نہیں کئے کہ ہر فتنے کا بیان ہو جائے بلکہ فقط وہی فتنے بیان کئے جن میں لوگوں کی گمراہی کے اسباب زیادہ پائے جاتے ہوں اور قائد فتنہ کی مکاری اور حیلہ سازی سے اس کے چیلے چانٹوں کی تعداد تین سو اور اس سے زائد تک پہنچ سکتی ہو۔ بہر حال خاں صاحب نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے اندر صرف فتنے کی باتیں موجود ہیں، لیکن فتنے کے اندر بھی کوئی عموم نہیں حالاں کہ خاں صاحب کا عقیدہ اور دعویٰ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم دیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا دعویٰ آسمان اور دلیل زمین سے باتیں کر رہی ہے۔

جواب: دوسرا جواب ماقبل ہی کی طرح دیا گیا ہے جیسا کہ خود حضرت سیدنا حذیفہ کا بیان **اولاً** مسلم شریف، ج ۲، ص ۳۹۰ سے **ثانیاً** مسند احمد، ج ۵، ص ۳۸۸۔ **ثالثاً** مشکوۃ شریف، ج ۲، ص ۴۶۱۔ **رابعاً** بخاری شریف، ج ۱، ص ۵۰۔ **خامساً** ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۵۔ **سادساً** مستدرک، ج ۴، ص ۴۲۹۔

بہر حال مذکورہ تمام حوالاجات کی عبارتوں کو ملاحظہ کیجئے جس سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حضور اکرم ﷺ قطعی طور پر عالم الغیب نہیں تھے لیکن خاں صاحب نے اپنی غلط تاویلات، ناجائز تقاریر اور عقل وفہم کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب تھے نعوذ باللہ جناب یہ اللہ کی صفت ہے پس جس طرح اللہ کی ذات کے اندر کسی کو شریک کرنا کفر ہے بعینہٖ اسی طرح ان کے صفات کے اندر بھی شریک کرنا کفر ہے۔ اور یہ بات تمام حضرات کو معلوم ہے کہ باری تعالیٰ عالم الغیب ہیں چناں چہ ان کی یہ صفت کسی کی طرف منسوب کرنا ناجائز ہے۔

دسویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوٰۃ شریف باب ذکر الانبیاء میں بخاری شریف بروایت ابو ہریرہؓ کے ایک حدیث پیش کی۔ ''خفف علی داؤد القرآن فکان یامر دوابہ فتسرج الخ'' کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زین لگانے کا حکم دیتے تھے تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔ (جاء الحق، ج:۱، ص:۶۴)

جواب ۱: پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام منٹوں یا گھنٹوں میں زبور پڑھ لیا کرتے تھے اس سے علم غیب کسی بھی صورت میں ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اس طرح یاد تھا کہ جس طرح انسان پانی منہ میں لیتا ہے اور فوراً نکال دیتا ہے۔ تو گویا آپ علیہ السلام حافظ زبور تھے اور حافظ زبور یا قرآن ہونا علم غیب پر دال نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کا جواب مثال سے یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی حافظ فی الحال کسی گھوڑے والے کو زین کسنے دے، اور وہ زین کسنے میں نصف رات گذار دے اور ادھر حافظ صاحب پورے قرآن کی تلاوت کر ڈالیں تو کیا اب حافظ صاحب عالم الغیب ہو گئے۔

جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ رب کریم نے داؤدؑ کو ایک ایسا معجزہ دیا ہو جس کے ذریعہ وہ سکنڈوں میں زبور پڑھ دیئے ہوں، گویا کہ یہ معجزہ تھا اور یہ بات ماقبل میں بھی لکھی جا چکی ہے کہ معجزہ کسی بھی صورت میں علم غیب نہیں ہو سکتا ہے اور معجزہ ہونے کی تائید

2017-03-12

میں خود خاں صاحب اسی مذکورہ صفحہ پر فرماتے ہیں کہ یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔

پس یہ بات عیاں ہوگئی کہ حدیث مذکورہ کے ذریعہ داؤد علیہ السلام کے معجزات کی تائید ہو رہی ہے نہ کہ علم غیب کی اور یہ بات تمام اہل ایمان کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ہر انبیائے کرامؑ کو معجزہ دیا گیا اور اگر کوئی شخص انبیائے کرام کے معجزات کا انکار کرتا ہے تو وہ خارج من الایمان ہے بہر حال ہم علمائے دیوبند کا بھی یہی عقیدۂ مسلمہ ہے کہ اللہ نے انبیاء کرام کو معجزہ عطا کیا لیکن علم غیب انبیائے کرام کو نہ حاصل ہے اور نہ حاصل تھا اور نہ حاصل ہوگا۔

جواب ۳: خود حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حدیث شفاعت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اہل محشر جب دوسرے اولوالعزم حضرات انبیاءؑ سے نامراد واپس ہو کر میرے پاس آئیں گے تو میں فوراً شفاعت کے لیے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گا پھر ارشاد فرمایا کہ "فاقع ساجداً لربی ثم یفتح اللہ علیّ من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئاً لم یفتحہ علی احد قبلی" (بخاری، ج ۲، ص ۶۸۵) میں سجدہ میں گر جاؤں گا پھر باری تعالیٰ مجھ پر اپنی بہترین تعریفیں منکشف فرمائے گا اور بہتر ثنا کا مجھے الہام کرے گا کہ مجھ سے پہلے وہ طریقہ کسی کو نہیں بتایا گیا۔

گیارہویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے کہا کہ مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل البیت میں ہے "قال لفاطمۃ ان شاء اللہ غلاما یکون فی حجرک": یعنی حضور اکرم ﷺ نے خبر دی کہ فاطمہ زہراؓ کے فرزند پیدا ہوگا جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۶۱۴)

جواب ۱: پہلا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے مناقب اہل بیت کے حوالے سے حدیث پیش کی ہے حالاں کہ اہل بیت میں سے سب سے بڑی شخصیت کی حامل حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اور یہی راوی ہیں: "لما رجع النبی ﷺ من الخندق ووضع السلاح واغتسل اتاہ جبرئیل فقال قد وضعت السلاح واللہ ما وضعناہ اخرج الیھم قال فالی این؟ قال ھھنا واشارہ الی بنی قریظۃ فخرج

النبی علیہ السلام" (بخاری، ج ۲، ص ۵۹۰، مسلم، ج ۲، ص ۹۵) جناب رسول کریم علیہ السلام غزوۂ خندق سے واپس ہوئے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا آپ علیہ السلام ہتھیار اتار دیئے ہیں؟ ہم (فرشتوں) نے تو ابھی تک نہیں اتارے ادھر ان کی طرف چلئے آپ نے فرمایا کدھر؟ انہوں نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ادھر چنانچہ آپ (لشکر کے ساتھ) ادھر تشریف لے گئے۔ اگر آپ کو جمیع ماکان ومایکون کا علم دیا جاتا تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا کہ ہم کو خندق کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد بنی قریظہ کی طرف جانا ہے، چناں چہ نہ تو آپ ہتھیار اتارتے اور نہ حضرت جبرئیل پر سوال کرنے کی نوبت آتی کہ فالی این؟ یعنی اب ہمیں کدھر کو جانا ہے؟ اور جب آپ اسلامی فوج کی معیت میں بنوقریظہ تشریف لے گئے اور محاصرہ کے بعد ان کو گرفتار کیا تو بحکم الملک ان کے بارے میں تورات ہی کا حکم نافذ کیا گیا کہ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا جائے اور لڑنے والے نوجوانوں کو قتل کیا جائے۔

بہر حال خاں صاحب نے صرف مشکوٰۃ کا حوالہ دیا اور راوی کا نام بھی منتخب نہیں کیا مگر احقر نے مشکوٰۃ تو درکنار صحیحین کے حوالے کے ساتھ کی روایت کے ذریعہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ راویہ کا اس بات کی تردید کی کہ آپ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے۔

بارہویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے بخاری شریف باب اثبات عذاب القبر میں ابن عباسؓ کے حوالے سے حدیث پیش کی "مر النبی علیہ السلام بقبرین یعذربان فقال انهما یعذبان الخ" حضور علیہ السلام دو قبروں پر گذرے جن میں عذاب ہو رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی دشوار بات کے سبب عذاب نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان میں سے ایک تو وہ تھا جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر ایک تر شاخ لے کر اس کو اس کے دو ٹکڑے کئے۔ اور ایک ایک کو دونوں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۶۴)

2017-03-12 02:0

جواب ۱: پہلا جواب حدیث مذکور کا ایک لفظ "لفظ مر" نے دے دیا کیوں کہ آپ کو یہ خبر اس وقت ہوئی جب آپ ﷺ قبر کے پاس سے گذرے اگر آپ نہ گذرتے تو یقیناً یہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتی، بہر حال علم غیب اس وقت ہوتا جب بغیر قبر پر گذرے ہوئے آپ ﷺ کو اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کا علم ہو جاتا پس قبر پر سے گذرنا اور اس کے عذاب کا علم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

جواب ۲: دوسرا جواب خود حدیث مذکور کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ وان سیجاء برجال من امتی فیوخذ بهم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاتدری (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۷۹، ومسلم شریف، ج ۲، ص ۳۸۴، وکنز العمال، ج ۷، ص ۳۰۰، ومسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۵)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اور وہاں میری امت کے بعض لوگ لائے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائے گا تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی اور آدمی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ قطعاً آپ ﷺ جانتے نہیں"۔ یعنی آپ ﷺ کو غیب کی خبر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں تاکید اانک کا استعمال کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو ذرہ برابر بھی غیب کا علم نہیں پس اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو یقیناً تاکید کے ساتھ اور پھر لاتدری کا جملہ استعمال نہ کیا جاتا۔

پہلی آیت

ان الساعة اٰتیة اکاد اخفیها لتجزی کل نفس بما تسعی

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "قیامت مقرر آنی ہے میں چھپا رکھتا ہوں اس کو کہ بدلہ لیے ہر جی کو جو وہ کماتا ہے" ان ترجموں کا حاصل یہ ہے

ہم اس کے وقت خاص کو مخفی ہی رکھنا چاہتے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا ارادہ ہو چکا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کو تمام بندوں سے مخفی رکھا جائے اور کسی کو اطلاع نہ دی جائے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین عظام کا ارشاد ہے:

"یقول اکتمھا من الخلائق حتی لو استطعت ان اکتما من نفسی لفعلت"۔

"یقول اکتمھا من الخلائق حتی لو استطعت ان اکتما من نفسی لفعلت"۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ (قیامت یقیناً آنے والی ہے) میں اس کو پوشیدہ رکھوں گا تمام مخلوقات سے حتی کہ اگر میں اس کو اپنے سے بھی مخفی رکھ سکتا تو ایسا ضرور کر لیتا۔ (در منثور ص: ۲۹۴، جلد ۳، ابن کثیر ص: ۲۲۹ جلد ۲)

دوسری آیت

یسئلونک عن الساعة ایان مرسھا قل انما علمھا عند ربی لا یجلیھا لوقتھا الا ھو، ثقلت فی السموات والارض لاتاتیکم الا بغتة، یسئلونک کانک حفی عنھا قل انما علمھا عند اللہ ولکن اکثر الناس لایعلمون (اعراف ع ۳)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں "تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کس وقت ہے، تو کہہ اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی کے پاس، وہی کھول دکھاوے گا اس کو اپنے وقت بھاری بات ہے آسمان و زمین میں، تم پر آوے گی تو بیخبر آوے گا تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا یہ تو اس کا تلاشی ہے تو کہہ اس کی خبر خاص اللہ کے پاس، لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے" (موضح قرآن از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بعض یہود (حمل بن ابی قشیر و سموئیل بن زید) نے از راہ شرارت آپؐ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا، تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی نیز در منثور میں بحوالہ ابن جریر حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ یہی سوال قریش مکہ کی جانب سے کیا گیا تھا، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(در منثور ص: ۱۵۰ و ۱۵۱)

بہر حال سوال خواہ کسی کی جانب سے ہو لیکن ہوتا تو سوال یہ ہے کہ قیامت کے متعلق آنحضور سے سوال کیا گیا تھا کہ وہ کب آئیگی؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم مخصوصات باری تعالیٰ میں سے ہے اور بس اسی کو معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

فائدہ: امام ابن جریر اسی آیت کے ذیل میں اپنی سند سے حضرت قتادہ تابعی سے روایت کرتے ہیں:

"یقول علمها عند الله هو یجلیها لوقتها لایعلم ذلک الا الله"۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے وقت خاص کا علم بس خدا ہی کے پاس ہے وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تیسری آیت

یسئلک الناس عن الساعةقل انما علمها عند الله ومایدریک لعل الساعة تکون قریباً(سورہ احزاب)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں فرمایا "لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے قیامت کو، تو کہہ اس کی خبر ہے اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو۔ (موضح قرآن)

اس آیت کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلی آیت کا ہے۔

اس آیت کے تحت امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

قل انما علمها عند الله لایتبین لکم فان الله اخفاها لحکمة (تفسیر کبیر ص:۵۳۷، ج:۴)

آپ فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم بس خدا ہی کو ہے تم کو اس کا علم نہیں ہو سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک خاص حکمت کی وجہ سے مخفی رکھا ہے۔

چوتھی آیت

ویقولون متی هذاالوعد ان کنتم صادقین ط قل انما العلم عند الله

وانما انا نذیر مبین (سورہ ملک)
اور کہتے ہیں کیا ہے یہ وعدہ، اگر تم سچے ہو تو کہہ خبر تو ہے اللہ ہی کے پاس، اور میں تو
یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر (موضح القرآن)
علامہ معین ابن صفی فرماتے ہیں:
(قل انما العلم) ای علم وقت الحشر عند الله لا یعلم الا هو (جامع
البیان، ص:۳۹۹)
آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم یعنی حشر کے وقت خاص کا علم بس خدا ہی کو ہے اس
کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پانچویں آیت

ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صادقین قل لا املک لنفسی
ضراً ولا نفعاً الا ماشاء الله (سورہ یونس)
اور کہتے ہیں کیا ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو کہہ میں مالک نہیں ہوں اپنے واسطے
برے کا نہ بھلے کا، مگر جو چاہے اللہ (موضح القرآن)
اس آیت کے تحت خازنؒ فرماتے ہیں:
والمعنی ان انزال العذاب علی الاعداء واظهار النصر للاولیاء
وعلم قیام الساعة لایقدر علیه الا الله فتعین الوقت الی الله سبحانه
وتعالیٰ یحسب مشیته (خازن ص:۱۵۸، ج:۳)
مطلب یہ ہے کہ دشمنوں پر عذاب نازل کرنا اور دوستوں کو مدد دینا اور قیامت کے
قائم ہونے کا علم ان پر خدا کے سوا کوئی قادر نہیں پس وقت کی تعیین اسی کے قبضہ میں ہے
موافق اس کی مشیت کے۔

چھٹی آیت

ویقولون متی هو قل عسی ان یکون قریباً (سورہ بنی اسرائیل)
اور کہیں گے کب ہے وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہوگا (موضح القرآن)

2017-03-12 02:07

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے تحت فرمایا:

"واعلم انه تعالیٰ بین فی القرآن انه لایطلع احداً من الخلق علی وقته المعین)(تفسیر کبیر ص:۴۰۴،ج:۵)

معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید میں صاف طور سے بیان فرما دیا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی قیامت کے وقت مقرر کی اطلاع نہیں دے گا۔

ساتویں آیت

قل انما یوحی الی انما الٰھکم الٰه واحد فھل انتم مسلمون فان تولوا فقل اذنتکم علی سواء وان ادری اقریب ام بعید ماتوعدون (سورہ انبیاء)

تو کہہ کہ مجھ کو تو یہی حکم آتا ہے کہ صاحب تمہارا ایک صاحب ہے پھر ہو تم حکم برداری کرتے، پھر اگر منہ موڑیں تو کہہ میں نے خبر دی تم کو دونوں طرف برابر اور میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم کو وعدہ ملتا ہے۔(موضح القرآن)

صاحب خازن نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"یعنی یوم القیامة لا یعلمه الا الله تعالیٰ (خازن ص۲۹۴،ج۴)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

آٹھویں آیت

قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امداً(سورہ جن)

تو کہہ میں نہیں جانتا کہ نزدیک ہے، جس چیز کا تم سے وعدہ ہے یا کر دے اس کو میرا رب ایک مدت کی حد(موضح القرآن)

نویں آیت

ھو الذی خلقکم من طین ثم قضی اجلاً واجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون (انعام)

وہی ہے جس نے بنایا تم کو مٹی سے پھر ٹھہرایا ایک وعدہ اور ایک وعدہ ٹھہرا ہے اس

کے پاس پھر تم شک لاتے ہو (موضح القرآن)

علامہ خازن کا فرمان ہے:

"وھو ایضاً مقدرہ علوم عند اللہ لا یعلمہ الا اللہ

اور وہ (قیامت) بھی معلوم ہے اس کو بجز خداوند تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

دسویں آیت

قل لایعلم من فی السموٰۃ والارض الغیب الا اللہ (سورہ نحل)

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز مگر اللہ (موضح القرآن)

محی السنہ علامہ بغویؒ اس کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نزلت فی المشرکین حیث شاوء ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عن قیام الساعۃ (معالم التنزیل ص: ۱۳۱، ج:۵)

یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضور اکرمؐ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا تھا۔

گیارہویں آیت

الیہ یرد علم الساعۃ وماتخرج من ثمرات من اکمامھا وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہ (حم سجدہ)

اسی کی طرف حوالہ ہے خبر قیامت کی، اور کوئی میرے نہیں جو نکلتے ہیں اپنے غلام سے اور جو حمل رہتا ہے کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے جس کی اس کو خبر نہیں" (موضح القرآن)

علامہ معین ابن صدیت فرماتے ہیں:

الیہ یرد علم الساعۃ ای لایعلمھا الا اللہ (تفسیر جامع البیان ص: ۳۹۸)

قیامت کا علم خدا ہی پر حوالہ کیا جاتا ہے اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

بارہویں آیت

وعندہ علم الساعۃ والیہ ترجعون (سورہ زخرف)

2017-03-12

اور اسی کے پاس ہے خبر قیامت کی اور اسی تک پھر جاوے گی۔ (موضح الفرقان)

اس آیت کی تفسیر کے تحت خطیب بغدادی کا فرمان ہے:

وعندہ علم الساعۃ (سراج منیر)

اور بس ایک خدا ہی کے پاس قیامت کا علم ہے۔

تیرہویں آیت

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا ،فیم انت من ذکرھا الی ربک منتھٰھا ،انما انت منذر من یخشٰھا (سورہ والنازعات)

تجھ سے پوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہے، ٹھہراؤں اس کا تو کس بات میں ہے اس کے مذکور سے، تیرے رب کی طرف سے پہنچ اس کی، تو تو ڈر سنانے کو ہے اس کو جو اس سے ڈرتا ہے"

اس آیت کے شان نزول میں امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ سے مروی ہے کہ:

"وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسئل عن الساعۃ فنزلت فیم انت من ذکرٰھا (درمنثور ص: ۲۱۴، ۶،۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت (کے وقت) کو دریافت فرماتے تھے تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: "فیم انت من ذکرٰھا کہ آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق ہے۔

چودہویں آیت

وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو (انعام)

اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی، ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔

یہ آیت مولوی احمد رضا خان اور یار خاں کے عقیدے کی صراحتاً نفی کرتی ہے۔

پندرہویں آیت

ان اللہ عندہ علم ساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام

وماتدری نفس ماذاتکسب غداً وماتدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر. (سورہ لقمن)

اللہ جو ہے اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر، اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو ہے ماں کے پیٹ میں اور کوئی جی نہیں جانتا کیا کرے گا کل، اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا، تحقیق اللہ ہے سب جانتا خبر دار" (موضح القرآن) مفہوم واضح ہے۔

سولھویں آیت

۱۶- ومایعلم جنود ربک الا ھو (المدثر)

اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی۔ (موضح القرآن)

حافظ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ای ما یعلم عددھم وکثرتھم الا ھو تعالی" (تفسیر ابن کثیر ص:۱۱۵ ج:۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے لشکروں کا شمار اور ان کی کثیر مقدار کا کسی کو علم نہیں۔

سترہویں آیت

فلاتعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون (سورہ سجدہ)

پس کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلا اس کا جو کرتے تھے (موضح القرآن)

علامہ ابوالسعودؒ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فلاتعلم نفس من النفوس لا ملک مقرب ولانبی مرسل فضلاً عمن عداھم (تفسیر ابوالسعود ص:۳۱۰ ج:۷)

نفوس مخلوقہ میں سے کوئی نفس نہیں جانتا ان نعمتوں کو (جو ان نیک بندوں کے لیے چھپا کے رکھی گئی ہیں) حتی کہ نہ کسی مقرب فرشتے ہی کو ان کا علم ہوا اور نہ کسی فرستادہ رسول ہی کو چہ جائے کہ ان کے علاوہ اور لوگ۔

اٹھارہویں آیت

یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لاعلم لنا انک انت علام الغیوب (مائدہ)

جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تم کو کیا جواب دیا بولیں گے، ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جانتا۔ (موضح القرآن)

اس آیت کی تفسیر میں صاحب سراج منیر نے فرمایا:

لاعلم لنا بماانت تعلمه انک انت علام الغیوب

(سراج منیر ص: ۳۰۲، ج: ۱)

ہم کو علم نہیں اس کا جس کا آپ کو علم ہے کیوں کہ آپ غیب کے جاننے والے ہیں۔

انیسویں آیت

وللہ غیب السمٰوٰت والارض والیہ یرجع الامر کلہ (سورہ ہود)

اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی، اور اسی کی طرف رجوع ہے سارا کام (موضح القرآن)

قاضی بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر کے تحت فرمایا (وللّٰہ غیب السمٰوٰت والارض) خاصة لایخفی علیه خافیة فیها (تفسیر بیضاوی ص: ۳۳۹ ج ۱)

آسمان اور زمین کے غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس کے ساتھ خاص ہے اور زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز اس پر مخفی نہیں۔

بیسویں آیت

وللہ غیب السمٰوٰت والارض وما امر الساعة الا کلمح البصر اوھو اقرب ان اللہ علی کل شی قدیر (النحل)

اور اللہ کے پاس ہیں بھید آسمان کے اور زمین کے، اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے لپک نگاہ کی یا اس کے قریب اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (موضح القرآن)

امام فخر الدین رازی، اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں کہ قولہ تعالیٰ:

وللّٰہ غیب السمٰوات والارض) یفید الحصر معناہ ان العلم بھذہ الغیوب لیس الا الہ تعالیٰ (تفسیر کبیر ص: ۱۳۳۹: ۵)

حق تعالیٰ کا یہ فرمان "وللّٰہ غیب السمٰوات والارض حصر کا فائدہ دیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہیکہ ان تمام غیوب (یعنی آسمان اور زمین کے مخفی امور) کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں

اکیسویں آیت

لہ غیب السموٰت والارض ابصر بہ واسمع (الآیہ سورہ کہف)

اس کے پاس ہیں چھپے بھید آسمان وزمین کے عجب دیکھتا سنتا ہے۔ (موضح القرآن)

علامہ علی ابن خازن اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی انہ تعالیٰ لاتخفی علیہ شیئ من احوال اھلھا فانہ العالم وحدہ بہ (تفسیر خازن ص: ۱۶۹ ج: ۴)

یعنی اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کے حالات میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں وہی تنہا ان کا جاننے والا ہے۔

بائیسویں آیت

ان یعلم غیب السموٰت والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون (سورہ بقرہ)

مجھ کو معلوم ہیں پردے آسمان اور زمین سے اور معلوم ہے جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو۔ (موضح القرآن)

تیئیسویں آیت

ان اللہ عالم غیب السموٰت والارض انہ علیم بذات الصدور (سورہ فاطر)

اللہ بھید جاننے والا ہے آسمان کا اور زمین کا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔ (موضح القرآن)

چوبیسویں آیت

ان اللہ یعلم غیب السمٰوات والارض واللہ بصیر بما تعملون (حجرات)

اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (موضح القرآن)

پچیسویں آیت

یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بہ علماً (سورہ طٰہٰ)

وہ جانتا ہے جو آگے ہے اور پیچھے ہے اور یہ قابو میں نہیں لاتے اس کو دریافت کر کے۔ (موضح القرآن)

اس آیت کی تفسیر کے تحت صاحب جلالین نے فرمایا (یعلم مابین ایدیھم) من علوم الآخرۃ (وما خلفھم) من امور الدنیا (ولا یحیطون بہ علما) لا یعلمون ذلک (تفسیر جلالین ص:۲۷۵۶)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان سب کو جو ان کے آگے ہے یعنی آخرت کے علوم کو، اور اس کو جو ان کے پیچھے ہے یعنی دنیا کی باتوں کو، اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کا یعنی بنی آدم کو دنیا و آخرت کا علم محیط نہیں۔

چھبیسویں آیت

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون (اعراف)

تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات تو بہت خوبیاں لیتا، اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہونچتی میں تو ہوں ہی ڈر اور خوشی سنانے والا ماننے والوں کو۔ (موضح القرآن)

اس آیت کی تفسیر کے تحت حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں:

ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر) لعلمت اذا اشتریت شیئاً ما اربح فیه فلا ابیع شیئاً الاربحت منه ولا یصیبنی الفقر.
(تفسیر ابن کثیر ص:۲۷۵ ج:۳)

اگر میں غیب کو جانتا تو بہت خیر جمع کر لیتا۔
اگر میں غیب کو جانتا تو جب میں کوئی چیز بغرض تجارت خریدتا تو مجھے انجام معلوم یعنی اگر ایسا ہوتا تو جب میں کوئی چیز بغرض تجارت خریدتا تو مجھے انجام معلوم ہو جایا کرتا اور ہر معاملے میں مجھ کو نفع ہی ہوا کرتا اور ناداری میرے پاس بھی نہ پھٹکتی۔

ستائیسویں اور اٹھائیسویں آیتیں

۱۔ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس۔
مشہور صحابی قتادہ ابن نعمانؓ کے چچا جناب رفاعہ کے گھر میں چوری ہوئی تو بعد التحقیق پتہ چلا کہ فلاں نے چوری کی ہے۔ لیکن اس بات پر جناب نبی اکرم ﷺ کو یقین نہ ہوا تو فوراً باری تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (معالم التنزیل)
بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو بغیر تحقیق کے پتہ لگ جاتا کہ رفاعہ کے گھر میں چوری کس نے کی ہے۔ لیکن پتہ نہ چل سکا۔ اور بعد الوحی پتہ لگا۔
جس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

(۲) اذا رایتهم تعجبک اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم الخ
یعنی دل تو مسخ ہو چکا ہے۔ جسم بہت ڈیل ڈول کے، چکنی چپڑی باتیں کریں تو بہت فصاحت اور چرب زبانی سے اپنی باتیں منوا لیتے۔ تو فوراً باری تعالیٰ نے متنبہ کیا کہ ان کے جال میں نہ پھنسیں کیوں کہ یہ کام آنے والے نہیں ہیں۔
پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔ اگر ہوتے تو وحی الٰہی کی ضرورت نہ ہوتی۔ پس جس نے حضور اکرم ﷺ کی طرف علم غیب کی نسبت کی تو گویا کہ انہوں نے قرآن کریم اور احادیث کو بالائے طاق رکھا۔

انتیسویں اور تیسویں آیت

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً.

مدینہ طیبہ میں ایک خبیث قسم کا پادری تھا جس کا نام ابو عامر راہب تھا۔ اس پادری نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد ضرار تیار کی اور آپ ﷺ سے افتتاح کرانا چاہا اور مزید آپ ﷺ کا رجحان بھی بڑھ چکا تھا۔

لیکن جبرئیل امین کو باری تعالیٰ نے مبعوث فرما کر آپ کو آگاہ کر دیا کہ اے محمد عربی ﷺ ابو عامر نے جو مسجد بنوائی ہے وہ محض شریعت مطہرہ کے اندر خرابی پہنچانے کے لئے ہے۔ پس آپ ﷺ اس عمل سے رک گئے۔

(۲) وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔

کہ اس کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ بہر حال اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب ہوتے تو الا اللہ کے بعد الرسول یا رسل کا اضافہ کیا جاتا۔ جیسے کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ہے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر کوئی انبیائے کرام کی طرف علم غیب کی نسبت کرتا ہے تو اس کے سلسلے میں یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ قرآن و حدیث کے ساتھ ہٹ دھرمی کرتا ہے۔

اکتیسویں اور بتیسویں آیتیں

ولا تقولن لشایٔ انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللہ الخ۔

مشرکین نے یہود کے چڑھانے کی وجہ سے آنحضور اکرم سے اصحاب کہف کی تاریخی باتوں کے سلسلے میں سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل بتا دوں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ پندرہ دنوں تک وحی کے منتظر رہے مگر اس دوران کوئی وحی نہیں آئی۔ اس دوران کفار و مشرکین آپ کا کافی مزاق اڑا رہے تھے۔

بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اسی وقت مشرکین کے سوالات پر انشاء اللہ کہہ دیتے تا کہ آگے چل کر پریشانی نہ ہوتی۔

(۲) قل یا یھا الکفرون، لا اعبد ما تعبدون

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ چند روسائے قریش نے کہا کہ اے محمد ﷺ آؤ تم اور ہم صلح کر لیں کہ ایک سال تک آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں پھر

دوسرے سال ہم آپکے معبودوں کو پوجیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد عربی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ ہم نہ آپ کے معبودوں کی عبادت کریں گے اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے۔ الغرض اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو کیوں کر وہی نازل ہوتی بلکہ قبل الوحی ہی آپ ﷺ فرما دیتے کہ ہم آپ کے معبودوں کی عبادت نہیں کریں گے۔

تینتیسویں اور چونتیسویں آیتیں

عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی

حضور اکرم ﷺ کچھ قریش کو مذہب اسلام کی باتیں سمجھا رہے تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی ابن مکتومؓ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کچھ دینی گفتگو کرنے کی جسارت کی لیکن آپ ﷺ کو گراں گذرا اور اپنا منہ پھیر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ابن مکتومؓ سے منہ نہ پھیرتے۔ اور ان سے صحیح طریقہ سے کلام فرماتے۔

(۲) ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الخ

قارئین کرام! زمانہ جاہلیت ہی نہیں بلکہ اب بھی لوگ معمولی معمولی باتوں پر لعن وطعن کیا کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تشریف لائے اور اس سلسلے میں سوال کیا کہ آخر کیا معاملہ کیا جائے۔ تو اب نبی اکرم ﷺ وحی کے منتظر تھے چناں چہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ کہ خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے کی۔ بہر حال آپ ﷺ اگر عالم الغیب ہوتے تو یقیناً سائل کے جواب پر بغیر وحی ربانی کے فرما دیتے کہ خرابی ہے ہر طعنہ دینے اور عیب چننے والے کی۔

پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

پینتیسویں اور چھتیسویں آیتیں

تبت یدا ابی لھب و تب الخ

ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔ لیکن اپنے کفر وشقاوت کی وجہ سے حضور اکرم کا شدید دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام سناتے یہ بد بخت پتھر پھینکتا۔ بالآخر آپ ﷺ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے۔ پس ان تمام شرارتوں کی وجہ سے آپ ﷺ افسوس کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ٹوٹ جائے ہاتھ ابولہب کا اور اس کا بیڑا غرق ہو جائے۔

سینتیسویں آیت

وماعلمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر وقرآن مبین (سورہ یس)

ترجمہ: اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں (الخ)

(موضح القرآن) علامہ نسفی حنفی اپنی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں (وما علمناہ الشعر) ای ما علمنا النبی علیہ السلام قول الشعراء او ما علمنا بتعلیم القرآن الشعر علی ان القرآن لیس بشعر (اور ہم نے نہیں سکھایا ان کو شعر) یعنی ہم نے پیغمبر علیہ السلام کو شعراء کے قول کا علم نہیں دیا، یا یہ کہ ہم نے قرآن کی تعلیم سے شعر کی تعلیم نہیں دی اس معنی کر کہ قرآن شعر نہیں۔

اڑتیسویں آیت

ویسئلونک عن الروح، قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً (بنی اسرائیل)

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو، تو کہہ روح ہے میرے رب کے حکم سے، اور تم کو خبر دی ہے بہت تھوڑی سی (موضح القرآن) صاحب خازن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "والقول الاصح ھو ان اللہ عزوجل استاثر بعلم الروح" (خازن ج:۴، ص:۱۴۸)

صحیح تر قول یہی ہے کہ اللہ عزوجل نے روح کا علم اپنے ہی واسطے خاص کر لیا ہے۔

انتالیسویں آیت

اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شیٔ عندہ بمقدار عالم الغیب والشہادۃ الکبیر المتعال سواء منکم من اسر القول ومن جہر بہ ومن ہو مستخف باللیل وسارب بالنہار (سورہ رعد)

ترجمہ: اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کی اس کے پاس گنتی ہے، جاننے والا چھپے کا اور کھلے کا سب سے بڑا اونچا برابر ہے تم میں جو چپکی بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہو رات میں اور جو گھیوں میں پھرتا ہے دن کو" (موضح القرآن)

چالیسویں آیت

ولقد ارسلنا رسلا من قبلک منہم من قصصنا علیکم ومنہم من لم نقصص علیک (سورہ مومن)

ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے کوئی ان میں ہیں کہ سنایا تجھ کو ان کے احوال اور کوئی ہیں کہ نہیں سنایا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسولوں میں بھی کچھ ایسے ہیں کہ جن کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیا گیا اور آپ کو ان کے حالات کی اطلاع نہیں دی گئی، امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے طبرانی اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ آپ نے اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

بعث اللہ عبداً حبشیاً نبیاً فہو ممن لم یقص علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (در منثور و کنز العمال، ج ۲، ص ۳۶۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حبشی بندہ کو نبی بنا کر بھیجا تھا اور وہ ان نبیوں میں سے ہیں جن کا قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا ہے۔

بہر حال یہ تھے ہماری قرآنی ۴۰ دلائل جو قابل تقلید ہیں۔ (محمد نسیم رحمانی)

بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے اور آپ ﷺ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا تو مذکورہ آیت کے نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟

(۲) اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

اس آیت کے تحت مفسرین عظام نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ایام مکمل ہو گئے تھے۔ اور اب وفات کا وقت قریب تھا۔ اس وقت باری تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ آپ کو مخاطب کیا کہ جب پہنچ چکی مدد اللہ کی اور فیصلہ۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کو یقین ہوا کہ اب میری وفات کا وقت آچکا ہے۔ بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اس آیت کے نازل ہونے سے قبل ہی جان لیتے کہ اب ہمیں اس دار فانی سے رخصت ہونا ہے۔

نفی علم غیب احادیث کے آئینے میں

پہلی حدیث

حضرت زید بن ارقم (المتوفی: ۶۶ھ) سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ "اللھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع" (مسلم ج ۲ ص ۳۵۰ نسائی ج ۲ ص ۲۷۳) یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور اسی طرح یہ روایت حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ سے بھی مروی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۰۰) اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "سلوا اللہ علما نافعا وتعوذوا باللہ من علم لا ینفع" (ابن ماجہ ص ۲۸) تم اللہ تعالیٰ سے علم نافع کا سوال کرو اور ایسے علم سے پناہ مانگو جو نفع نہ دیتا ہو۔

ان تمام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو علوم غیر نافعہ نہیں عطاء فرمائے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ نے خود ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔ حالانکہ "جمیع ما کان وما یکون" میں ہر قسم کے علوم داخل ہیں۔ خواہ وہ نافع ہوں جیسے علوم دینیہ اور علوم لادینیہ، یا غیر نافع ہوں جیسے سفلیہ، خسلیہ اور آج کل فلمی اور موسیقی اور مکر و خداع وغیرہ اس دور میں شرعاً علوم غیر نافع کا سمجھنا چنداں دشوار نہیں ہے۔

تعجب ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے تو ایسے علوم غیر مفیدہ سے پناہ مانگی۔ جن پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ضرور محفوظ رکھا تھا۔ مگر فریق مخالف ان غیر نافع علوم کو بھی جناب نبی اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

دوسری حدیث

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جناب نبی اکرم ﷺ نے محشر کے بعض حالات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ میں حوض کوثر پر ہوں گا۔

وانه سيجاء برجال من امتي فيو خذ بهم ذات الشمال فاقول يا رب اصحابي. فيقول انک لا تدري ما احد ثوا بعدک فاقول كما قال العبد الصالح وكنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شئي شهيد الى قوله الحكيم (بخاری شریف ج ۱ ص ۹۶۹، مسلم ج ۲ ص ۳۸۴، کنز العمال ج ۷ ص ۲۰۷، ومسند احمد ج ۱ ص ۲۳۵، ترمذی ج ۲ ص ۶۵، نسائی وغیرہ)

ترجمہ: اور وہاں میری امت کے بعض لوگ لائے جائیں گے اور پھر ان کو بائیں جانب (جہنم کی طرف) لے جایا جائیگا۔ تو میں عرض کروں گا کہ اے میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی اور میرے آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے جو نئی نئی حرکتیں انہوں نے آپ کے بعد اختیار کیں آپ نے فرمایا تو میں خدا کا نیک بندہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح عرض کروں گا کہ میں جب تک ان میں رہا تو ان سے خبردار رہا۔ جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھتا تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔

یہ روایت حضرت سیدنا ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے۔ اور جس کے الفاظ یہ ہیں:

فاقول يا رب اصحابي فيقول لا علم لک بما احد ثوا بعدک

(بخاری شریف ج ۲ ص ۹۷۴، ابن ماجہ ص ۳۲۹، و مسلم: ج ۱ ص ۱۳۶)

سو میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا کہ آپ کو کوئی علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا، کیا بدعات ایجاد کیں۔ نیز

یہی روایت حضرت انسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور اسماء بنت ابی بکرؓ وغیرہ سے بھی منقول ہے۔ پھر آگے دوسری سند امام مسلمؒ اور کنز العمالؒ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فلا قولن ای ربی منی ومن امتی فیقول انک لا تدری ما عملوا بعدک ما زالوا یرجعون علی اعقابہم (مسلم شریف: ج ۲ ص ۳۲۹، کنز العمال: ج ۷ ص ۳۲)

میں ضرور کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے ہیں۔ اور میرے امتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا بیشک تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد ان لوگوں نے کیا کیا عمل کیے ہیں۔ یہ تو ہمیشہ ایڑیوں پر الٹے پھرتے تھے۔ بہرحال یہ تمام عبارات و الفاظ صاف طور پر وضاحت کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی آخری گمراہیوں اور بدانجامیوں کا علم نہیں تھا۔ اگر آپ کو وفات کے بعد بھی کسی وقت "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا اور ان مرتدین ومطرودین کا ارتداد اور انکی ریشہ دوانیاں اور گمراہیاں آپ ﷺ کے علم مبارک میں ہوتیں تو میدان محشر میں آپ ﷺ سے باری تعالیٰ ہرگز یہ نہ ارشاد فرماتا کہ "انک لا تدری ما احدثوا بعدک۔ اور انک لا علم لک بما احدثوا بعدک۔" بہرحال ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم نہ تھا۔

تیسری حدیث

حضرت سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حدیث شفاعت میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اہل محشر جب دوسرے اولوالعزم حضرات انبیائے کرام سے بے نیل ومرام واپس ہو کر میرے پاس آئیں گے تو میں فوراً شفاعت کے لیے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں گا پھر ارشاد فرمایا۔

فاقع ساجدا لربی ثم یفتح اللہ علی من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئا لم یفتحہ علی احد قبلی۔ (بخاری شریف: ج ۲: ص ۶۸۵)

سو میں سجدہ میں گر جاؤں گا پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی بہترین تعریف منکشف فرمائے

گا۔ اور بہتر ثناء کا مجھے الہام کرے گا کہ مجھ سے پہلے وہ طریقہ کسی اور کو نہیں بتایا گیا۔ اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ۔ ثم یفتح اللہ علیّ تعالیٰ ویلھمنی من محامدہ وحسن الثناء علیہ شیئاً لم یفتحہ لا حد قبل" (مسلم: ج۱: ص۱۱۱: وترمذی: ج۱: ص ۶۶، قال حسن صحیح) پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عمدہ تعریف اور ثناء کا طریقہ ظاہر فرمائیگا۔ جو مجھ سے قبل کسی ایک پر نہیں منکشف کیا گیا۔ اور حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت میں اس طرح آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

استاذن علیٰ ربی فیوذن لی ویلھمنی محامد احمدہ بھا لا تحضرنی الآن فاحمدہ بتلک محامد (بخاری شریف: ج۲: ص۱۱۱۸)

میں بارگاہ الٰہی میں حاضری کی اجازت چاہوں گا، پس مجھے اجازت مل جائے گی، اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی ایسی تعریف اور الہام فرمائے گا جو اس وقت مجھے معلوم نہیں ہیں۔ سو میں الہی تعریفوں کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد وثناء کروں گا۔

چوتھی حدیث

حضرت ابو سعید الخدریؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

الناس یصعقون یوم القیٰمۃ فاکون اول من یفیق فاذا انا بموسیٰؑ اخذ بقائمۃ من قوائم العرش فلا ادری افاق قبلی ام جوزی بصعقۃ الطور (بخاری شریف: ج۱: ص۴۸۱)

قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو اچانک میں حضرت موسیٰؑ کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا ایک پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ ان کو مجھ سے پہلے ہوش آچکا ہوگا یا ان کو طور کی بیہوشی کے معاوضہ میں اس بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا ہوگا۔

یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے کم وبیش انہی الفاظ سے مروی ہے (دیکھئے بخاری شریف: ج۱: ص۴۱۵، مسلم: ج۲: ص۲۶۸) یہ واقعہ قیامت سے متعلق ہے۔ اور دخول جنت

اور جہنم سے قبل ہے۔ اگر بقول اور بزعم فریق مخالف آنحضرت ﷺ جمیع ما کان ومایکون کے عالم ہیں تو ارشاد کا مطلب ہوگا۔ فلا اوری میں نہیں جانتا؟ اس مقام پر فلا اوری کا لفظ اسی کا مقتضی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہوش آنے کے بعد حضرت موسیٰ کے بارے میں یہ علم نہیں ہوگا کہ آیا ان پر بھی بے ہوشی طاری ہوئی تھی یا صاعقہ طور کے معاوضہ میں وہ مستثنیٰ رہے ہیں۔ جن لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ وفات کے بعد حجاب نفس اٹھ جانے کی وجہ سے آدمی علم غیب پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی دیگر صحیح حدیثیں ان کے باطل نظریہ کی تردید کے لیے بالکل کافی ہیں۔

پانچویں حدیث

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک غزوہ میں میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھی ایک جگہ آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا۔ وہاں میرا ایک ہار جاتا رہا۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

انقطع عقد لی فاقام رسول الله صلی الله علیه وسلم علی التماسه وقام الناس معه. الحدیث. میرا ایک ہار گم ہو گیا تو آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام اس کی تلاش کرنے کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔ (مسلم: ج ۱: ص ۱۶۱، نسائی: ج ۱: ص ۳۴) یہ ہار حضرت عائشہؓ اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت اسماء سے عاریتاً لے گئی تھیں۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ "انها استعارت من اسماء قلادة فهلكت فارسل رسول الله ﷺ ناسا من اصحابه في طلبها"۔ (مسلم: ج ۱: ص ۱۶۰) یعنی حضرت عائشہؓ اپنی بہن اسماء سے ہار مانگ کر لے گئی تھیں۔ جو ضائع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کی تلاش کیلئے اپنے حضرات صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں کو بھیجا۔ اسی طرح ابوداؤد: (ج ۱: ص ۴۵) پر ایک حدیث مذکور ہے کہ جناب رسول ﷺ نے حضرت اسید بن حضیرؓ اور کئی آدمیوں کو اس ہار کی تلاش کے لیے بھیجا جو حضرت عائشہؓ سے گم ہو چکا تھا۔

الغرض یہ تمام احادیث اس امر پر متفق ہیں کہ اس ہار کی تلاش کرنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس منزل میں قیام فرمایا اور اپنے کچھ صحابہ کرام کو اس ہار کی تلاش

کے لیے بھیجا۔ اور اس کے لئے آپ کافی پریشان بھی ہوئے کیوں کہ نہ تو ان کے پاس پانی تھا اور نہ ہی وہاں کوئی کنواں تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی کہ آپ کی صاحبزادی نے تو سب لوگوں کو پریشان کر دیا۔ چناں چہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر کافی سختی بھی کی اور غصہ میں آکر کئی گھنٹے ان کی کوکھ میں بھی کچھ کے مارے۔ جب بالکل مایوس ہو گئے اور تھک ہار کر جانے کا عزم کر لیا تو اسی حدیث کے آخر میں ہے۔

فبعثنا البعير الذی کنت علیه فاصبنا العقد تحته (بخاری: ج۱: ص۴۸، مسلم: ج۱: ص۱۶۰، وموطاء امام مالکؒ: ص۱۹) جب ہم نے وہ اونٹ جس پر میں سوار تھی اٹھایا تو دیکھا کہ ہار اس کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ اگر جناب رسول اکرم ﷺ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا تو اتنی پریشانی کیوں اٹھانی پڑتی؟ اور ہار کی تلاش کے لیے آپ ﷺ خود قیام کیوں فرماتے؟ اور لوگ کیوں قیام کرنے پر مجبور ہوتے؟ اور پھر ہار کی تلاش کے لیے صحابہ کرام کو بھیجنے کی نوبت کیوں آتی؟ آپ پہلے ہی فرما دیتے کہ ہار تو اونٹ کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ اس کو اٹھالو اور راستہ پر گامزن ہو جاؤ۔ پریشانی اور اضطراب کی کیا ضرورت ہے؟

یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے علاوہ حضرت عمار بن یاسرؓ (المتوفی: ۳۷ھ) سے بھی مروی ہے۔ (نساء: ج۱: ص۳۵، اور ابوداؤد: ج۱، ص۴۵ وغیرہ) یہ واقعہ اکثر حضرات محدثین کرام اور ارباب سیر کے نزدیک غزوۂ بنی المصطلق کا ہے۔ جس کو مریسیع بھی کہتے ہیں۔

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ واقعہ فتح مکہ میں پیش آیا تھا۔ جو اواخر ۸ھ میں ہوا۔ الغرض کچھ بھی ہوا ہمارا مدعا اس سے بالکل روشن ہے اور فریق مخالف کی طرف سے کوئی ایسی بات اس حدیث کے جواب میں سامنے نہیں آئی۔ جس کی طرف توجہ کی جائے۔ حضرت ملا علی قاری نے آنحضرت ﷺ کے لیے نفی علم غیب پر یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔

چھٹی حدیث

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جوتے پہن کر نماز میں مشغول تھے۔ کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار کر بائیں

جانب رکھ دیئے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کی اقتداء کرتے ہوئے جوتے اتار دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں جوتے اتارنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟

حضرات صحابہؓ نے فرمایا کہ حضرت ہم نے آپ کو جوتے اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیئے۔

فقال رسول الله ﷺ ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیها قذرا

(دارمی: ص ۲۱۸، مترجم اردو، سنن ابوداؤد: ص ۹۰، مستدرک: ۱: ص ۲۶۰، ابوداؤد: ص ۸۵)

جناب رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اس لیے اتارے تھے کہ حضرت جبرئیل نے مجھے آکر اسکی خبر دی کہ میرے جوتے کے نیچے نجاست لگی ہوئی ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم نہ تھا۔ اگر آپ کو یہ علم ہوتا تو آپ کو ضرور اپنے جوتوں کے نیچے پلیدی نظر آتی اور پھر جبرئیل کو نازل ہو کر آنحضرت ﷺ کو خبر دینے کی ضرورت نہ ہوتی؟ فاخبرنی. کے الفاظ بھی ملحوظ خاطر رکھیں۔ اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ "ما حملکم علیٰ القاء نعالکم الخ" (کہ تمہیں جوتے اتار پھینکنے پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے) آپ کے سوال کرنے کا صحیح مقصد بھی اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔

ساتویں حدیث

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ (المتوفی: ۳۷ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مرض الموت میں جب آنحضرت ﷺ پر مرض کا غلبہ ہوا تو میں چند اور مسلمانوں کی معیت میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں موجود تھا۔ حضرت بلال بن رباحؓ (المتوفی: ۲۰ھ) نے حسب عادت نماز کے لیے پکارا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی سے کہہ دو کہ وہ نماز پڑھا دے۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مسجد میں گئے تو دیکھا کہ لوگوں میں حضرت عمرؓ تو موجود ہیں۔ مگر ابوبکرؓ حاضر نہیں ہیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ لوگوں کو نماز پڑھایئے۔ چنانچہ وہ آگے ہوئے اور تکبیر کہی۔

لما سمع النبی ﷺ صوت عمرؓ قال ابن زمعه خرج النبی ﷺ حتیٰ اطلع راسه من حجرته ثم قال لا۔ لا۔ لا۔ یصلی الناس ابن ابی قحافة یقول ذالک مغضباً (ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۸۵)

جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے حجرۂ مبارک سے سر باہر نکال کر فرمایا۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ چاہیئے کہ ابوبکر ہی لوگوں کو نماز پڑھائے۔ آپ نے طیش اور غصے میں آکر یہ ارشاد فرمایا تھا۔ اسی طرح خود ابوداؤد (ج ۲ ص ۲۸۵) میں یہ روایت آتی ہے "فلما سمع رسول اللہ ﷺ علی صوته وکان عمرؓ رجلاً مجهراً قال فاین ابو بکرؓ یابی اللہ ذالک والمسلمون یابی اللہ ذالک والمسلمون فبعث الی ابی بکرؓ فجاء بعد ان صلی عمرؓ تلک الصلوٰة فصلی بالناس" (ابوداؤد ص ۲۵۲)

جب آپ نے عمرؓ کی آواز سنی اور حضرت عمرؓ کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ کہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بھی نامنظور تھا اور مسلمانوں کو بھی۔ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ منظور نہیں اور نہ مسلمانوں کو (کہ سوائے ابوبکر کے کوئی اور امامت کرائے) آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر کی طرف قاصد بھی بھیجا مگر وہ اس وقت آئے جب کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تھے اس کے بعد حضرت ابوبکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

اس روایت سے جہاں حضرت ابوبکرؓ کی منقبت وفضیلت ثابت ہوتی ہے وہیں اس سے یہ چیز بھی واضح ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ کو مرض الموت تک "جمیع ما کان ومایکون" کا علم حاصل نہ تھا۔ اگر آپ ﷺ کو علم حاصل ہوتا تو جب حضرت عمرؓ کو ابتداء میں نماز پڑھانے کو کہا گیا تو آپ ﷺ نماز سے پہلے ہی انکو روک دیتے حالانکہ روایت میں تصریح موجود ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی تھی اور آپ نے ان کی تکبیر سنی تھی۔ تو پھر حجرۂ مبارک سے آپ نے سر مبارک باہر نکال کر تین دفعہ۔ نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ فرمایا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ نیز اگر آپ ﷺ کو "جمیع ما کان ومایکون" کا علم ہوتا تو آپ ﷺ یہ کیوں فرماتے۔ فاین ابوبکرؓ۔ ابوبکر کہاں ہیں۔

پس تمام روایات ہمارے مدعا پر شاہد وعادل ہیں۔

آٹھویں حدیث

اسی حجۃ الوداع کے واقعات کے تعلق سے حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ:

ان النبی ﷺ من عندھا وھو مسرور ثم رجع الیّ وھو کئیب فقال انی دخلت الکعبۃ ولو استقبلت من امری ما استدبرت ما دخلتھا انی اخاف ان اکون ما شققت علی امتی (ابوداؤد ج۱ ص۲۷۰ ابن ماجہ ص۲۲۹)

جناب رسول ﷺ ان کے پاس سے خوش وخرم باہر نکلے پھر کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ رنجیدہ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں کعبہ کے اندر داخل ہوا تھا اور اگر مجھے پہلے ہی یہ بات معلوم ہو جاتی تو میں کعبہ میں داخل نہ ہوتا مجھے خوف ہے کہ میں نے اس فعل سے امت پر بار نہ ڈال دیا ہو۔ وہ کعبہ میں داخل ہونے کو ضروری اور سنت سمجھیں گے۔ اور اس کے لیے بلا وجہ مشقت اٹھائیں گے۔ اور کعبہ کی بلندی اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اس میں داخل نہ ہو سکیں گے۔

اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو "جمیع ما کان ومایکون" کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ ﷺ ہرگز اظہار تاسف کے طور پر ایسا نہ فرماتے اور نہ بعد میں آپ کی رائے مبارک ہی بدلتی۔ کیوں کہ عالم الغیب کو نہ تو تاسف لاحق ہوا کرتا ہے اور نہ حکم اور رائے بدل کر پہلی رائے پر پچھتایا کرتا ہے۔

نویں حدیث

جناب نبی کریم ﷺ نے کئی ہزار صحابہ کرام کے ساتھ ۱۰ھ کے اواخر میں حج کے لیے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا اور اپنی قربانی کے جانور مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے لئے تو مکہ مکرمہ پہنچ کر آپ ﷺ پر منکشف ہوا کہ اہل جاہلیت کے اس ضلال باطل کے لیے کہ اشہر حج میں عمرہ کرنا بڑا گناہ ہے۔ انہی دنوں میں پہلے مستقل عمرہ ادا کیا جائے اور اس کے بعد از سر نو حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے۔ لیکن چونکہ احرام حج کے ساتھ آپ ﷺ

قربانی کے جانور بھی ساتھ لے گئے تھے۔ (اور اس صورت میں حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کو فسخ نہیں کیا جا سکتا تھا) اس لیے کہ آپ بذات خود تو اس تجویز پر عمل کرنے سے معذور تھے۔ اس واسطے آپ ﷺ نے اپنے ان صحابہ کرام کو جو اپنی قربانی اپنے ساتھ نہ لائے تھے حکم دیا کہ وہ پہلے عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر نکل آئیں اور پھر حج کیلئے یہیں سے مستقل احرام باندھ لیں۔ بعض حضرات صحابہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہ حج تو کم درجہ کا ہوگا۔ کیوں کہ اس صورت میں عمرہ کے اختتام اور احرام کے درمیان اپنی بیویوں سے لطف اندوزی اور لذائذ اور مرغوبات کے استعمال کا کافی وقت مل جائے گا۔ اور احرام کے استمرار اور دوام کی صورت میں نفس اور نفسانی خواہشات پر جو پابندیاں رہتیں ہیں وہ باقی نہ رہ سکتی تھیں۔ نیز چونکہ آنحضرت ﷺ خود ایسا نہیں کر رہے تھے۔ اس واسطے بھی حضرات صحابہ کو کچھ تردد ہوا کیوں کہ ان کی انتہائی آرزو یہی تھی کہ وہ بالکل اسی طرح سے حج ادا کریں۔ جس طرح خود آنحضرت ﷺ ادا فرمائیں۔ اور آپ کی ہر ہر ادا اور ہر ہر حرکت وسکون میں موافقت اور یگانگت کا شرف ان کو حاصل ہو۔

بہر حال ان وجوہ کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی اس نئی تجویز پر عمل کرنے میں بعض لوگ پس وپیش میں پڑ گئے۔ جب آنحضرت ﷺ کو ان کے خیالات ووساوس اور افکار وخطرات کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے بروایت حضرت جابرؓ یہ فرمایا۔

"لو استقبلت من امری ما استدبرت ما اهديت ولو لا ان معی الهدی لا حللت" (بخاری شریف: ج۱: ص۲۳۴، مسلم: ج۱: ص۳۹۶) ایام حج میں عمرہ کر کے جاہلی خیال کو پامال کرنے کے متعلق جو بات اب مجھے بعد میں معلوم ہوئی اگر وہ مجھے پہلے ہی سے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی ساتھ نہ لاتا۔ اور احرام سے باہر نکل آتا۔

اسی روایت کو حضرت عائشہؓ یوں فرماتی ہیں:

"قال رسول الله ﷺ لو استقبلت من امری ما استدبرت ما سقت الهدی ولحللت مع الناس حين حلوا" (بخاری: ج۲: ص۱۰۷۳، مسلم: ج۱: ص۳۹۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر پہلے سے ہی مجھے وہ رائے معلوم ہو جاتی

جواب معلوم ہوئی ہے تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور میں بھی لوگوں کی طرح احرام سے باہر نکل آتا۔

دسویں حدیث

حضور اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش (المتوفی ۲۰ھ) کا حضرت زید بن حارثہؓ (المتوفی: ۸ھ) کے بعد: ۵ھ میں جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ سے نکاح کر دیا تو آپ ﷺ نے دعوت ولیمہ پر چند حضرات صحابہؓ کو مدعو کیا۔ کچھ لوگ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی وہیں اسی حجرہ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے اوقات اور مشاغل میں خلل واقع ہوا۔ آپ بایں خیال وہاں سے اٹھ کر گئے کہ شاید یہ لوگ بھی اٹھ جائیں مگر وہ حضرات آپ ﷺ کی منشاء کا بال کل احساس نہ کر سکے اور جب آپ ﷺ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے۔

"ثم ظن انهم خرجوا فرجع ورجعت معه حتىٰ اذا دخل على زينبؓ فاذاهم جلوس لم يقوموا خرج النبي ﷺ" (بخاری: ج ۲: ص ۷۷۶: مسلم: ج ۱: ص ۴۶۱)

اور آپ نے یہ گمان اور خیال کیا کہ وہ لوگ جا چکے ہوں گے۔ مگر جب آنحضرت ﷺ اور حضرت انسؓ حضرت زینب کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ لوگ تاہنوز وہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ پھر واپس باہر تشریف لے گئے۔

اسی طرح مسلم کی ایک اور روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"فلما راوا رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رجع ظنوا انهم قد ثقلوا عليه"۔ (مسلم: ج ۱: ص ۴۶۱)

جب حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کو واپس ہوتے ہوئے دیکھا تو اس وقت ان کو احساس ہوا کہ آپ ﷺ کو ہماری وجہ سے یہ طویل مجلس ناگوار گذر رہی ہے۔

گیارہویں حدیث

حضرت انسؓ بن مالک وغیرہ سے بطریق مختلف یہ واقعہ مروی ہے کہ قبیلہ عکاظ اور

عرینہ کے چند آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے آپ کی بیعت کی۔ پھر جب چند دنوں کے بعد مدینہ طیبہ کی آب وہوا ان کے موافق نہ آئی اور وہ کچھ بیمار پڑ گئے۔ تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم کو اونٹ کے گلوں کے ساتھ جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی۔ اور بیت المال کے کچھ اونٹ اور دو خادم ان کے ساتھ چند میل دور ایک چراگاہ پر روانہ کر دیئے۔ جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے ایک راعی کو شہید کر دیا۔ اور بیت المال کے اونٹ لیکر بھاگ نکلے۔

دوسرے راعی نے مدینہ طیبہ آکر آنحضرت ﷺ اور آپ کے حضرات صحابہ کو مطلع کیا۔ چناں نچہ روایت میں ہے۔

"فجاء الخبر فی اول النهار فبعث فی اثارهم فلما ارتفع النهار وجیئی بهم فقطع ایادیهم وارجلهم وسمرت اعینهم"

(بخاری شریف: ج ۱: ص ۳۷)

یہ خبر دن کے ابتدائی حصہ میں پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے پیچھے کچھ آدمیوں کو بھیجا۔ وہ ان کو پکڑ لائے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں۔

اسی طرح مسلم شریف (ج ۲: ص ۵۷) پر ایک روایت موجود ہے۔ "فقتلوا لراعی وطودوا الابل فبلغ ذالک رسول الله ﷺ فبعث فی اثارهم" (مسلم: ج ۲: ص ۵۷) سو انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا لے گئے۔ تو یہ خبر جناب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی پس آپ نے ان کے پیچھے کچھ آدمی روانہ کئے۔

بارہویں حدیث

حضرت سہیل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر پر دروازہ کے ایک سوراخ سے اندر جھانکا اور آپ ﷺ اپنا سر مبارک کنگھی یا اس کی مانند کسی اور چیز سے کھجلا رہے تھے۔

"فلما راہ رسول اللہ ﷺ قال لو اعلم انک تنظرنی لطعنت عینک وقال رسول اللہ ﷺ انما جعل الاذن من اجل البصر"۔

جب آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ تو مجھے دیکھ رہا ہے تو میں ضرور تیری آنکھ میں چوکا مارتا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اجازت لینے کا مطلب ہی صرف یہ ہوتا ہے کہ کسی کے گھر میں نگاہ نہ پڑے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

"من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنهم فقد حلّ لهم ان یفقأوا عینه"

(ابوداؤد ج ۲: ص ۳۴۷)

کہ جب کسی شخص نے کسی قوم کے گھر میں جھانکنے کی کوشش کی جب انہوں نے اجازت نہیں دی۔ تو اس کی آنکھ کو پھوڑ دینا حلال اور جائز ہے۔ اسی طرح آگے حضرت انسؓ نے فرمایا۔ "فکانی نظر الی رسول اللہ ﷺ یتخلله لیطعنه"۔

میری آنکھ کے سامنے ہے وہ نقشہ جب کہ آنحضرت ﷺ حیلہ اور تدبیر سے اس شخص کی آنکھ میں چوکا مارنا چاہتے تھے۔

تیرہویں حدیث

امام مسلم کی روایت ہے۔ یا عمرؓ وما شان ثابت اشتکی؟ فقال سعدؓ انه لجاری وما علمت له شکوی فاتاه سعدؓ فذکر له قول رسول اللہ ﷺ

(مسلم و ابن کثیر ج ۴: ص ۲۰۶) اے عمرؓ ثابت کا کیا معاملہ ہے کیا وہ بیمار ہیں۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ حضرت وہ میرے پڑوس میں رہتے ہیں اور میرے علم کے مطابق وہ بیمار نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ ان کے پاس گئے۔ اور آپ ﷺ کا پیغام ذکر کیا۔

اسی طرح آگے حضرت انسؓ ہی کی ایک روایت میں آتا ہے۔ وجلس فی اهله حزینا فتفقد رسول اللہ ﷺ فانطلق بعض القوم الیه فقالوا له تفقدک رسول اللہ ﷺ مالک الحدیث (مسند احمد ج ۳: ص ۱۳۷ ابن کثیر ج ۴: ص ۲۰۶) کہ حضرت ثابتؓ اپنے گھر میں مغموم ہو کر بیٹھ گئے۔ اور آنحضرت ﷺ نے انکو نہ پایا تو قوم میں سے بعض ان کے پاس گئے اور کہا کہ تجھے کیا ہوا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے تجھے مفقود

پایا ہے۔

چودھویں حدیث

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر" (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۷، ابن ماجہ ص ۱۰، ہذا حدیث صحیح)

میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی کا بھی علم نہیں تھا کہ کب تک دنیا میں زندہ رہوں گا۔ اور جب آپکو اپنی زندگی اور وفات کا علم نہیں تو دوسروں کی موت و حیات کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ اس وضاحت سے بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر آپ "جمیع ما کان وما یکون" کا علم رکھتے تو یقیناً آپ کو اس کا علم ہوتا۔

لیکن نہ معلوم کیوں خاں صاحب بے بنیاد دلیلوں کے ذریعہ اس بات پر مصر ہیں۔ کہ آپ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم تھا۔ اگر آپ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا تو پھر کیوں آپ اپنی زندگی کے بارے میں نہ کہہ دیتے کہ میں فلاں تاریخ فلاں دن فلاں وقت میں دنیا سے رحلت کروں گا۔

بہر حال نہ قرآن و احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب تھے۔ اور نہ اقوال صحابہ و تابعین سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم تھا۔

پندرھویں حدیث

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا تو اس نے واپس آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں عمدہ قسم کی کھجوریں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اکلُّ تمر

خوم هکذا قال۔

و فیہ ان رسول اللہ ﷺ لما فتح خیبر اہدیت لہ شاۃ فیہا سم فقال رسول اللہ ﷺ اجمعوا لی من کان ہہنا من الیہود فجمعوا لہ فقال لہم رسول اللہ ﷺ انی سائلکم عن شیء فہل انتم صادقی عنہ فقالوا نعم یا ابا القاسم فقال لہم ہل جعلتم فی ہذہ الشاۃ سما

کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی تلخ ہوتی ہیں۔ عامل نے کہا کہ نہیں حضرت ہم تو دو، اور تین صاع روزی کھجوروں کے دیتے ان کا ایک صاع یا دو صاع تر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایسا نہ کیا کرو جو کھجوریں تم روزی کھجوروں کو دیتے ہو ان کو بیچ کر درہم کر دیا کرو۔ پھر تم ان کے بدلہ میں یہ کھجوریں لیا کرو۔

ایک صاع موجودہ انگریزی سیر کے اعتبار سے ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ چونکہ حرمت سود پر کوئی زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا۔ اس لیے عامل کو اس وقت تک یہ معلوم نہ تھا۔ بہر حال اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا تو آپ ﷺ کو خیبر کے علاقوں کی کھجوروں کا ضرور علم ہوتا۔

سولہویں حدیث

جناب رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو مرحب کی بہن زینب بنت الحارث نامی ایک یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی۔ اور بکری کے گوشت میں زہر ملا دیا۔ پہلا لقمہ کھانے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ (بلکہ گوشت کے ٹکڑے نے بول کر کہا کہ مجھ میں زہر ہے مت کھاؤ) اس میں زہر ہے۔ (دارمی ص ۱، ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۳، مشکوٰۃ: ج ۲: ص ۴۴۲)

پس جب اس زہر کا اثر نمایاں طور پر ظاہر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"یا عائشہ ما زال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر وھذا اوان وجدت انقطاع ابہری من ذالک السم" (بخاری: ج ۲ ص ۶۳۷)

اے عائشہؓ میں نے خیبر میں جب سے بکری کا زہر آلودہ گوشت کھایا ہے اس کی

تکلیف میں برابر محسوس کرتا رہا ہوں۔ اور اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری رگ جان کٹ رہی ہے۔

بہر حال ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ اگر آپ ﷺ کے لیے "جمیع ما کان وما یکون" کا علم تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ آپ ﷺ خود کشی کرنے جا رہے تھے۔

پس یہی کہا جائے گا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو زہر یقیناً نہ کھاتے۔ پس زہر کھانا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

سترہویں حدیث

آنحضرت ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو اس میں دیگر سامان غنیمت کے علاوہ بہت سے غلام اور لونڈیاں بھی ہاتھ آئیں۔ جب جنگی اور شرعی قانون کے تحت ان کی تقسیم کی باری آئی تو حضرت دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا کہ ایک لونڈی مجھے بھی عنایت کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جا کر ایک اور باندی انتخاب کر لو۔ چنانچہ گرفتار شدہ عورتوں میں سے حضرت صفیہ بنت حی کو چن لیا اتنے میں ایک اور صحابی تشریف لائے اور انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک قال ادعوہ بھا فجاء بھا فلما نظر الیھا النبی ﷺ قال لنبی خذ جاریۃ من السبی غیرھا قال فاعتقھا رسول اللہ ﷺ وتزوجھا

(بخاری ج ۱ ص ۳۷۲ مسلم ج ۱ ص ۴۵۹)

یا نبی اللہ! آپ ﷺ نے صفیہ بنت حی جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار ہے دحیہ جیسے معمولی سپاہی کو دے دیا ہے؟ یہ تو آپ ﷺ کی شان کے لائق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلاؤ۔ آپ ﷺ نے ملاحظہ کیا تو حضرت دحیہ سے فرمایا کہ تو قیدیوں میں سے کوئی اور لونڈی اس کے عوض میں لے لو۔

آپ ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ بہر حال اگر آپ

ﷺ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہوتا تو آپ ﷺ اس صحابی کے مشورہ سے پہلے ہی حضرت صفیہ، حضرت وحیہ کو عنایت نہ فرماتے۔

جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم حاصل نہ تھا۔

اٹھارہویں حدیث

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ

لما رجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الخندق ووضع السلاح الخ (بخاری ج ۲ ص ۵۹۰، مسلم ج ۲ ص ۹۵)

پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے واپس ہوئے اور ہتھیار اتار کر غسل کیا تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے کہا۔ آپ نے ہتھیار اتار دیا ہے؟ ہم فرشتوں نے تو ابھی تک نہیں اتارے ادھر ان کی طرف چلئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کدھر؟ انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ ادھر، چنانچہ آپ ﷺ لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم ہوتا تو آپ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا کہ ہم کو خندق کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد بنو قریظہ کی طرف جانا ہے۔ اس لئے نہ تو آپ ﷺ ہتھیار اتارتے اور نہ حضرت جبرئیل سے یہ سوال کرنے کی نوبت آتی کہ۔ فالی این۔ یعنی اب ہمیں کدھر جانا ہے۔ اور جب آپ ﷺ فوج کے ساتھ بنو قریظہ تشریف لے گئے اور محاصرہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تو بحکم الملک ان کے بارے میں رات ہی کا حکم نافذ کیا گیا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا جائے اور لڑنے والے نوجوان کو قتل کیا جائے۔ ان قیدیوں میں حضرت عطیہ القرظی بھی تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بحالت اسیری بنی قریظہ کی گلشت کے دن (وضعت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم قریظۃ مستدرک ج ۳ ص ۵۴۱) جناب نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرات صحابہ کرامؓ نے میرے بارے میں ترددکیا کہ کیا

میں بالغ ہوں یا نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ وہ میرے زیر ناف بال دیکھ کر فیصلہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے معائنہ کیا تو میرے زیر ناف نہیں اُگے تھے۔

لہٰذا مجھے نابالغ سمجھ کر قیدیوں کی مد میں شامل کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ملاحظہ کیا میں نے ناف کے بالوں پر استرا نہیں پھیرا تھا۔ تو انہوں نے مجھے بھی قتل نہ کیا۔ اگر جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے بارے میں حاضر و ناظر ہوتے تو اس کارروائی کی ہرگز کبھی نوبت نہ آتی۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی اگر علم ہوتا تو جو بجائے خود کامل ولی تھے۔ ان کو اشد مجبوری کے بغیر زیر ناف بال دیکھ کر ان کے بالغ یا نابالغ ہونے پر استدلال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ روایت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کلی اور مزعوم عقیدہ حاضر و ناظر کی تردید کی ناقابل جواب دلیل ہے۔

اُنیسویں حدیث

سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

انی لا نقلب الیٰ اھلی فا جد التمرۃ ساقطۃ علیٰ فراشی فا رفعھا لا کلھا ثم اخشی ان تکون صدقۃ فا لقیھا (بخاری: ج ۱: ص ۲۲۸، کنز العمال: ج ۳: ص: ۲۸۵)

ایسا ہوتا ہے کہ میں گھر جاتا ہوں اور اپنے بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں اور اس کو کھانے کے ارادہ سے اٹھا لیتا ہوں، پھر میں یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو رکھ دیتا ہوں اور نہیں کھاتا ہوں۔

اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستے پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا ایک دانہ دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ یہ صدقہ اور زکوٰۃ کی کھجور ہو گی تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔ (بخاری: ج ۱: ص ۳۱۹، مسلم: ج ۱: ص ۳۴۴، مشکوٰۃ: ج ۱: ص ۱۶۱)

اسی طریقہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک رات بڑی بے چینی اور بے قراری سے بسر کی، آپ ﷺ

سے اس کی وجہ پوچھی گئی کہ حضرت آپ کو کیوں بیقراری میں نیند نہیں آرہی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کچھ کھجور پائی اور میں اس کو کھا گیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہمارے یہاں تو زکوٰۃ کی کھجوریں بھی تھیں سو مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ کھجور زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے تھی یا سارے گھر کی کھجوروں میں سے۔ اس وجہ کر میں بے چین ہوں۔

چھبیسویں اور اکیسویں حدیث

(۲۰) حضرت سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مقام عرفات سے بڑے سکون اور بڑے وقار کے ساتھ واپس ہو رہے تھے۔ تو وادیٔ محسر میں آپ ﷺ نے سواری کو تیز کر دیا۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ کو جمرات کی رمی کرنے کا طریقہ بتا کر ان کو سلیقہ اور وقار سے چلنے کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ۔

لتا خذ امتی منسکھا فانی لا ادری لعلی لا القا ھم بعد عا مھم ھذا۔

(رواہ احمد فی مسندہ ۳: ص ۳۳۲) میری امت کو چاہیئے کہ وہ حج کے ارکان اچھی طرح مجھ سے سیکھ لیں، کیوں کہ میں نہیں جانتا کہ میں ان سے اس سال کے بعد ملاقات کر سکوں۔

(۲۱) اسی طرح حضرت جابرؓ کی دوسری روایت ہے کہ۔ "**لعلی لا اراک بعد عامی ھذا**" (رواہ الترمذی ۱: ص ۱۰۸) کہ شاید کہ میں تمہیں اس سال کے بعد پھر نہ دیکھ سکوں۔ اسی طرح مسند دارمی: ۱۴۱ کی روایت ہے۔ "**واللہ لا ادری لعلی لا لقائکم**" آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم میں نہیں جانتا ہوں شاید میں اس کے بعد پھر تم سے نہ مل سکوں۔

اور عرفات سے روانگی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف تقریباً تین یا زیادہ رہے ہیں۔ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی وفات کا وقت معلوم نہیں اور **لا ادری** اس کی دلیل ہے۔ تو دوسروں کی وفات کا علم کلی کیسے حاصل ہوگا؟ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حضرات صحابہ کرامؓ سے متعلق یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ شاید میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں تو دوسروں کو وہ کیسے اور کہاں سے دیکھ سکتے ہیں؟ یہ صحیح روایت علم کلی نفی کی واضح دلیل ہے۔

بائیسویں اور تیئیسویں حدیث

حضرت خالدؓ ابن ولید فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہؓ کے حجرہ میں داخل ہوا۔ تو اس وقت ان کے پاس بھنی ہوئی گوہ رکھی ہوئی تھی۔ جس کو اس کی بہن حضرت حفیدہ بنت الحارث نجد سے اپنے ساتھ لائی تھیں۔ تو حضرت میمونہؓ نے وہ گوہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ جب آپ نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ بہت کم کسی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا کرتے تھے۔ جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتلایا جاتا کہ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے اور کیسا ہے۔ تو جو حضرات ازواج مطہراتؓ وہاں موجود تھیں ان میں سے کسی نے فرمایا کہ "اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بما قدمتن لہ قلن ھو الضب یا رسول اللہ فرفع رسول اللہ ﷺ یدہ"

(بخاری، ج:۲، ص:۸۳۶، مسلم شریف، ج:۲، ص:۱۵۱)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیا کہ یہ کیا ہے چنانچہ حضرات ازواجؓ نے فرمایا کہ حضرت یہ گوہ ہے آپ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ گو کھانا جائز ہے یا ناجائز مکروہ ہے یا غیر مکروہ سو اس کی مکمل بحث آپ ترمذی جلد ثانی باب الاطعمہ میں دیکھئے۔ نیز اس مسئلے میں حضرات ائمہ کرام کا بھی کافی اختلاف ہے جو ہمارا موضوع نہیں ہے لہٰذا اس کو نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے۔

(۲) حضرت ثابتؓ یزید الانصاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک غزوہ میں بھنی ہوئی گوہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اس کو تناول فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا: "ان امة من بنی اسرائیل مسخت دواب فی الارض وانی لا ادری ای الدواب ھی" (نسائی، ج:۲، ص:۱۷۶، ابوداؤد ج:۲، ص:۱۷۶، ابن ماجہ، ص:۱۴۱، مسند احمد، ج:۴، ص:۳۲۰، کنز العمال، ج:۸، ص:۹) یعنی بنی اسرائیل کی ایک امت کو زمین پر چلنے والے جانوروں کی صورت میں مسخ کر دیا گیا تھا اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کون سے جانور ہیں۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو جمیع ما کان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا۔

چوبیسویں اور پچیسویں حدیثیں

آنحضرت ﷺ نے جب ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد لشکر اسلام کو لے کر مقام حنین پر قبیلہ بنو ہوازن اور ثقیف پر فوج کشی کی اور ان کے مال واسباب اور مویشی وجنگی اسیروں کو بطور غنیمت حضرات صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیا تو ہوازن وغیرہ کی طرف سے ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ہمارے اموال واسباب اور قیدی ہمیں واپس دے دیئے جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ان کو تمام مجاہدین میں تقسیم کر چکے ہیں اور یہ میری ذات واحد کا سوال نہیں لہٰذا صاف بات یہ ہے کہ تم دو چیزوں میں سے ایک کو واپس لے لو۔ مال لے لو یا قیدی، انہوں نے عرض کیا کہ پھر ہمیں قیدی مل جائیں آپ نے فرمایا۔ اچھا میں مسلمانوں سے تمہاری سفارش کروں گا، نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کے سامنے ان کا معاملہ پیش کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اب اپنے کیے پر نادم ہو کر آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے قیدیوں کو رہائی دے دی جائے اور میں خود بھی اس کے حق میں ہوں اور سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ بنی ہاشم کے حصہ میں جو اسیر آئے ہیں ان کو ان کے حوالے کرتا ہوں پس تم میں سے جو لوگ بلا معاوضہ بطیب خاطر ایسا کر سکیں تو فبہا ورنہ ہمارا وعدہ ہے کہ اولین موقع پر ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا اس مجمع سے آوازیں بلند ہوئیں کہ حضرت ہم بطیب خاطر ہوازن وغیرہ کے اسیروں کو آزاد کرتے ہیں مگر چوں کہ یہ بات مجمع عام کی تھی اور اس طرح متعین طور پر ہر شخص کی مرضی نہیں معلوم ہو سکتی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انی لا ادری من اذن منکم ممن لم یاذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاء کم امرکم" (بخاری، ج:۲، ص ۶۴، ابوداؤد: ج ۲، ص:۱۱) بہ تحقیق مجھے پتہ نہیں چلتا کہ آپ لوگوں میں سے کس کی مرضی ہے اور کس کی مرضی نہیں ہے لہٰذا اب یہاں سے آپ لوگ چلے جائیں پھر ہر قبیلہ اور خاندان کے لیڈر، ممبر اور چودھری صاحب معاملہ کی رپورٹ الگ الگ ہمارے سامنے پیش کریں۔ چناں چہ جب آپ کے سامنے ساری رپورٹ

پیش کردی گئی تو آپ نے تمام اسیروں کو رہا کر دیا۔

(۲۵) دوسری حدیث ہے "ما کربت مثله قط الخ" مسلم: ۲: ص: ۹۴ کہ میں نے ایسی پریشانی کبھی نہ محسوس کی جیسی پریشانی ابھی محسوس کی ہے یعنی جب آپ معراج سے تشریف لائے تو کفار و مشرکین نے آپ ﷺ سے بطور مذاق، تفتیش کی کہ جب آپ ﷺ نے معراج کی ہوئی ہے تو بتائیں کہ عرش کے اور دیگر مکانات کے کتنے کتنے پائے ہیں۔ پس آپ پریشانی میں پڑ گئے اور فرمایا ما کربت مثله قط کہ میں نے اتنی پریشانی کبھی نہ اٹھائی جتنی پریشانی ابھی اٹھا رہا ہوں۔ بہر حال اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو ان باغیان اسلام کے دندان شکن جوابات دینے سے قاصر کیوں رہتے؟

چھبیسویں اور ستائیسویں حدیثیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

قال لقیت لیلة اسری بی ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ فتذاکروا امر الساعة قال فردوا امرهم الی ابراهیم علیه السلام فقال لی بها فردوا الامر الی موسی فقال لاعلم لی بها فردوا الامر الی عیسیٰ فقال اما ولا یعلمها احد الا الله ذلک. (ابن ماجہ: ص: ۳۰۹، درمنثور: ج: ۳، ص: ۱۵۲)

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج میں میری ملاقات حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ہوئی تو ان میں وقت قیامت کا تذکرہ ہوا پہلے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں سوال پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے قیامت کا کوئی علم نہیں ہے پھر یہی سوال حضرت موسیٰؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے قیامت کا کوئی علم نہیں ہے پھر یہی سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے وقوع کے وقت کی خبر تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

(۲۷) دوسری حدیث مستدرک ج: ۴، ص: ۴۸۸۔ پر مذکور ہے فذاؤا بابراهیم فسالوه عنها فلم یکن عنده منها علم وفسالوا موسیٰ فلم یکن عنده منها علم۔ سب سے پہلے قیامت کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے

سوال کیا گیا مگر ان کے پاس قیامت کا کچھ علم نہ تھا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا مگر ان کے پاس بھی اس کا کچھ علم نہیں تھا۔

بہر حال ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تو ہی نہیں بلکہ انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی علم غیب حاصل نہ تھا۔

اٹھائیسویں اور انتیسویں حدیثیں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے وقت قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کو ہے وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا لیکن میں تم کو اس کی کچھ نشانیاں بتلاتا ہوں اس سے پہلے فتنے اور قتل وغارت گری ہوگی (درمنثور ج ۳ ص ۲۵۰ تفسیر ابن کثیر) اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نفس قیامت کبریٰ اور چیز ہے اس کی نشانیاں اور علامتیں اور ہیں اوّل کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہ تھا اور ثانی الذکر کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی شان کے لائق اور مناسب عطا فرما دیا تھا جو خود غرض اور جاہل لوگ وقت قیامت کبریٰ اور اس کی نشانیوں کو خلط ملط کر کے الجھن پیدا کرنے کی ناکام اور بے سود کوشش کرتے ہیں۔ ان کو اس مضمون کی دیگر احادیث کے علاوہ خاص طور پر اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۲) طبرانی وغیرہ کے اندر دوسری حدیث موجود ہے جس کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے جناب رسول اللہ سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا اور وہی اسکو اس کے وقت پر ظاہر کریگا لیکن میں تم کو اس کی بعض علامتیں بتلا دیتا ہوں کہ اس سے پہلے بڑے فتنے اور خونریزیاں ہوں گی ان سے معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہ تھے۔

تیسویں اور اکتیسویں حدیثیں

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب نبی

کریم ﷺ سے سنا آپ نے اپنی وفات سے صرف ایک مہینہ پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہو حالاں کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔
(محمد سلمان صلحا)

(در منثور، ج:۳، ص:۱۵۰، مسلم، ج:۲، ص:۳۱۰، مشکوۃ، ج:۲، ص:۴۸۰)

(۳۱) اسی طرح دوسری حدیث مسلم ج:۲، ص:۱۹۹، پر مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے گھس گیا آپ نے حضرت جبرئیل امین سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہ آئے جب آپ نے دیکھا کہ گھر میں کتا ہے تو حضرت عائشہؓ سے آپ نے پوچھا یہ کتا گھر میں کب داخل ہوا ہے۔ انہوں نے عرض کیا "خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں" اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو آپ فوراً جان لیتے بہرحال ان صحیح اور صریح احادیث سے بالکل بات کالشمس علی نصف النہار ہوگئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہ تھے۔

بتیسویں اور تینتیسویں حدیثیں

مستدرک ج:۲، ص:۱۲۳، میں ایک حدیث آئی ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں، حضرت عطیہؓ فرماتے ہیں کہ جنگ قریظہ میں مجھے بھی حضرات صحابہ کرامؓ نے گرفتار کیا چوں کہ جوانوں کو قتل کیا گیا تھا اس لئے میرے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ایک مخصوص طریقہ سے دیکھو یعنی زیر ناف بال اُگے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ جب میرا معائنہ کیا گیا تو میں نابالغ نکلا اس لیے قتل نہ کیا گیا۔

(۳۳) بخاری، ج:۱، ص:۶۳۔ پر ایک روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے تو آنحضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر دیکھو اور تلاش کرو کہ حضرت علیؓ کہاں چلے گئے ہیں۔

اس سے بھی یہ بات عیاں ہو رہی ہیں کہ حضور اکرم کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم نہ تھا۔

چونتیسویں اور پینتیسویں حدیثیں

ایک مرتبہ ایک صحابی عمدہ قسم کی کھجوریں جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں اس قسم کی ہوتی ہیں؟ صحابہ نے فرمایا کہ نہیں خدا کی قسم تمام کھجوریں ایسی نہیں ہوتی ہیں جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتلا رہے ہیں۔ (بخاری: ج:۲: ص ۲۰۹)

قارئین کرام! حدیث مذکور کے ذریعہ دنیا کا ایک جاہل بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔

(۳۶) مسلم: ج:۱: ص ۳۳۴، بخاری: ج:۱: ص ۳۲۸، پر حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ راستہ میں کھجور کا ایک دانہ پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو اٹھا کر کھا لیتا۔

پس اس حدیث کے ذریعہ بھی انسان کا صحیح تصور اس بات کی طرف جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمیع ما کان وما یکون" کا علم نہیں تھا۔

چھتیسویں اور سینتیسویں حدیثیں

مسلم: ج:۱: ص: ۳۴۵، پر حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ پوچھا کرتے تھے کہ اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ سے ہے تو آپ وہ کھانا نہ کھاتے۔ اور اگر ہدیہ اور تحفہ ہوتا تو کھا لیتے تھے۔

(۳۷) مسلم: ج:۲: ص: ۱۷۰، پر ایک روایت موجود ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جا کر اس کو سزا دے۔ وہ گئے اور دیکھا کہ وہ ابھی ایام نفاس میں ہے۔ انہوں نے ان کو سزا نہ دی کہ حالت نفاس میں سزا دینا درست نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت علیؓ نے بتلایا کہ معاملہ یہ ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ؟ تم نے بہت ہی اچھا کیا کہ اس کو اس حالت میں سزا نہ دی۔

اڑتیسویں اور انتالیسویں حدیثیں

مسلم: ج:۲: ص:۱۰۷، وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احزاب کے موقع پر جو ۵ھ میں ہوئی تھی۔ تیز ہوا اور کڑاکے کی سردی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو جا کر دشمن کے حالات معلوم کرے اور مجھے آ کر بتلائے۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میرے ساتھ جگہ دے گا۔ مگر تمام لوگ خاموش ہو گئے کوئی جواب نہیں ملا۔ چوتھی بار۔ قم یا حذیفۃ فاتنا بخبر القوم۔ فرمایا اے حذیفہ تو ہی کھڑا ہو اور ہمیں دشمن کے حالات سے آگاہ کر۔

(۳۹) بخاری: ج:۲: ص:۱۰۶۳، اور مسلم: ج:۲: ص:۴۷، وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں بشر ہوں۔ اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی شخص چرب زبانی سے اپنے جھوٹے دعویٰ اور مقدمہ کو سچا کر دکھائے۔ اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اس کو یوں سمجھے کہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو اس نے لے لیا ہے۔ لہٰذا میرے سامنے سچی ہی بات کہنا۔

قارئین عظام! اگر آنحضور ﷺ بشر نہ ہوتے اور عالم الغیب ہوتے تو یوں فرما دیتے کہ تمہارے ظاہر اور باطن سے بخوبی واقف ہوں۔ اس لیے کہ میں سچے اور جھوٹے کو خوب جانتا ہوں۔

لہٰذا میرے سامنے غلط بیانی اور جھوٹ نہیں چل سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں ہیں۔

چالیسویں حدیث

بخاری: ج:۲: ص:۶۱۲، مسلم: ج:۲: ص:۳۰۲ پر مذکور ہے کہ مشرکین مکہ کی غداری کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں خفیہ تیاری شروع کر دی تا کہ مکہ مکرمہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر ایک خط لکھا کہ "اے مشرکین مکہ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اوپر حملہ کرنا چاہتے ہیں"۔

بحث حاضر وناظر

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد: فاقول لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ فی ذاتہ ولا فی صفاتہ ولا فی افعالہ.

قارئین کرام! ہر جگہ حاضر وناظر ہونا دراصل یہ صفت ہے حضرت حق جل مجدہٗ کی جس میں کوئی تنقیص نہیں، اگر کوئی شخص ہر جگہ حاضر وناظر کسی نبی یا اولیاء اللہ کے لیے ثابت کرتا ہے تو وہ شرک فی صفات کرتا ہے جو کہ عند الشریعہ المعتد لہ قابل مذمت عمل ہے، بہر حال ہم علمائے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا یہ صفت خداوند قدوس کی ہے، اللہ کے علاوہ کسی انبیاء یا رسل پر اس کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (رحمانی)

پہلی فصل

پہلی حدیث کے جوابات

مولوی احمد یار خاں صاحب نے سب سے پہلی دلیل پیش کی بقولہ تعالیٰ۔

"یا یھا النبی انا ارسلنک شاھداً ومبشرا وّ نذیرا وداعیًا الیٰ اللہ باذنہ وسرا جا منیرا".

اے غیب کی خبریں بتلانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر وناظر اور خوش خبری دیتے اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب! (ر، الحق: ج:۱: ص:۱۳۲) آگے خاں صاحب نے کہا کہ شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں

اور حاضر اور ناظر کے بھی (ایضاً)

اسی طرح خاں صاحب نے دوسری دلیل بیان کی بقولہ تعالیٰ:

وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونو شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔

اور بات یوں ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔ (ایضاً)

پھر آگے تیسری دلیل بیان کی: فکیف اذا جئنا من کل امۃ وبشھید وجئنا بک علیٰ ھٰؤلاء شھیداً ۔ تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور اے محبوب تم کو ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔ (ایضاً)

مخالفین کہتے ہیں کہ ان آیات میں آنحضرت ﷺ کی صفت شاہد اور شہید بیان کی گئی ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اپنی امت پر گواہی دیں گے۔ آپ ہر ہر امتی کے حال سے واقف اور آگاہ نہیں اور اگر آپ ہر ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ہوتے اور آپ کو جمیع ما کان وما یکون ۔ کا علم نہیں تھا، تو آپ گواہ کیسے بنیں گے۔ جب آپ گواہ ٹھہرے تو حاضر و ناظر ہو گئے۔ غیب پر مطلع ہو گئے۔ (ایضاً)

جوابات کی تفصیل سے قبل احقر چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہے تا کہ جوابات بآسانی سمجھ میں آجائیں۔

(۱) قرآن کریم آسمانِ دنیا سے ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ضرورت اور مصلحت کے مطابق نجما نجما نازل ہوتا رہا ہے۔ مکہ مکرمہ میں غار حراء سے اس کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ اور پھر ہوتے ہوتے آپ ﷺ کے پورے زمانہ نبوت میں یہ مکمل ہوا۔ اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی گنجائش۔

(۲) قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزول کے وقت کی ترتیب نہیں ہے۔ کیوں کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں نازل ہوئیں ہیں وہ۔ "اقراء باسم ربک الخ" ہیں حالاں کہ یہ آیات جس سورت میں مذکور ہیں وہ سورت قرآن کے آخری پارے میں

ہے۔ اور سب سے آخر میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ سورۂ توبہ کے جو تقریباً دسویں پارے کے نصف سے شروع ہو کر گیارہویں پارے میں چار آیتوں پر ختم ہوتی ہے۔

(۳) قرآن کریم کی جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں ان کی ترتیب یہ ہے:

سورۂ بقرہ، انفال، آلِ عمران، احزاب، ممتحنہ، نساء، اذا زلزلت، حدید، رعد، رحمٰن، طلاق، لم یکن، حشر، اذا جاء نصر اللہ، نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، صف، تغابن، جمعہ، فتح، مائدہ، اور سورۂ توبہ بھی اسی ترتیب سے نازل ہوئیں۔ بحوالہ تفسیر اتقان علامہ جلال الدین سیوطیؒ (ج ۱: ص ۱۸)

(۴) اس بحث کی ایک کڑی یہ بھی ملاحظہ کیجئے۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخری جو سورت نازل ہوئی وہ سورۂ توبہ ہے۔ چنانچہ بخاری (ج ۲ ص ۶۴۶، اور مسلم ج ۲ ص ۳۵۔ میں حضرت براءؓ بن عازبؓ سے مستدرک ج ۲ ص ۳۳۱۔ (جس کی تصحیح پر امام حاکم اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) حضرت عثمانؓ بن عفانؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ آخری سورت: انزلت تامة سورة التوبة (والفظ للمسلم ج ۲ ص ۳۵) یعنی سب سے آخر میں قرآن کریم کی جو مکمل سورۂ نازل ہوئی وہ سورۂ توبہ ہے۔ لیکن اس کی صرف دو روایتیں، ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین. الآیتین مکی ہیں (تفسیر اتقان: ج ۲: ص ۳۱)

اور دو باتیں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں۔ (۱) یہ کہ اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا مطلب بیان کیا جائے۔ جس کی تردید دوسری آیات اور خصوصاً بعد کو نازل ہونے والی سورتوں اور آیتوں سے ثابت ہو تو ایسا مطلب اور معنی یقیناً مردود ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سند صحیح کے ساتھ کسی آیت کی تفسیر مروی ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی مفسر کی ذاتی رائے ہو تو اصول شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی مناسب تاویل کر لی جائیگی۔

جس سے وہ تفسیر قرآن کریم اور حدیث کے مخالف نہ ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکے تو وہ

اس کے مصداق ہوگی۔ ع

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں، ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قارئین کرام! اس اصولی بحث کے بعد گہری نظر سے امور ذیل پر نگاہ جمائیے۔ سورۂ مزمل مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔ جس میں شاہد کا لفظ موجود ہے۔ اور سورۂ بقرہ، احزاب، نساء، حج اگر چہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن سورۂ منافقون، تحریم، اور توبہ وغیرہ مذکورہ بالا سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اگر شاہد اور شہید سے مراد وہی ہو، جیسا کہ فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کا ہر جگہ حاضر وناظر ہونا، تو جو سورتیں ان سورتوں کے (جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں) بعد نازل ہوئی ہیں۔ وہ اس دعویٰ کی تردید کیوں کرتی؟ اور آپ پوری تفصیل سے پڑھیں گے کہ ان سورتوں کے بعد نازل ہونے والی سورتیں اس دعویٰ کی صراحت سے تردید کرتی ہیں۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔ اس میں تعارض اور اختلاف کا وجود تو کیا احتمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے فریق مخالف کے اس دعوی کو تسلیم کر لینے سے قرآن کریم کی سورتوں کا آپس میں اختلاف اور تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ایسا مطلب قطعاً قرآن کریم کا نہیں ہو سکتا۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ تعارض کس طرح لازم آتا ہے۔ اور اختلاف کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ سورۂ منافقون، مزمل، بقرہ، احزاب، وغیرہ، سورہ نساء، اور حج کے بعد نازل ہوئی ہیں جن میں شاہد اور شہید کا لفظ موجود ہے۔ جس سے مخالفین اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔ اس کا شان نزول بخاری: ج:۲: ص:۲۲۷، مستدرک: ج:۲: ص:۲۸۹، میں یہ آتا ہے کہ حضرت زید ابن ارقم نے فرمایا کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک تھے (یہ غزوہ حضرت امام نسائی وغیرہ کی تصریح سے غزوۂ تبوک تھا اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے غزوات میں سے سب سے آخر یہی غزوۂ تبوک تھا۔ (مستدرک ج:۲: ص:۵۶۶) اثناء سفر میں میں نے عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کو راستہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلے جائیں گے تو ہم ان کمینوں (یعنی آنحضرت

علیہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ۔ العیاذ باللہ) کو مدینہ سے ذلیل وخوار کر کے نکال دیں گے۔ ہمیں خواہ مخواہ ہر طرف کشاں کشاں لئے پھرتے ہیں۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا کو یہ واقعہ سنا دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں نے سارا قصہ سنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین کو بلا کر سوال کیا۔ کیا تم نے یہ بات کہی ہے؟ اس نے قسم اور حلف اٹھا کر کہا "خدا کی قسم میں نے کچھ نہیں کہا۔ حضرات آپ خود سوچئے کہ میں بھلا ایسی باتیں کہہ سکتا ہوں؟ آپ کا خاک پا اور اس قسم کی باتیں؟ توبہ توبہ۔ ع

یہ ساری نیچ والوں کی شرارت ہے

اس کے بعد زید ابن ارقم کے الفاظ بھی سن لیجئے۔

فکذبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدقہ فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور عبداللہ ابن ابی کو سچا تسلیم کر لیا۔ اس پر مجھے اتنی پریشانی اور غم لاحق ہوا کہ جو زندگی بھر کبھی لاحق نہیں ہوا تھا۔

حضرت زید ابن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا نے مجھے ملامت کی۔ میں اتنا شرمندہ ہوا کہ گھر سے باہر نکلنے کی تاب بھی اپنے اندر محسوس نہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد قرآن کریم کی پوری سورت نازل ہوئی۔ اور اس میں منافقوں کی جھوٹی قسموں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید ابن ارقمؓ کو بلا کر فرمایا تم سچے ہو اور منافقین جھوٹے ہیں۔ اور فرمایا۔ ان اللہ قد صدقک یا زید۔ اے زیدؓ۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دیا ہے۔ یہاں آپ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے: اذا جاءک المنٰفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنٰفقین لکاذبون. الخ۔ جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم حاضر وناظر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی بے سروپا باتیں سن لیتے کیونکہ مخالفین کے قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر تھے۔ شاہد اور شہید تھے۔ پھر نہ معلوم خدا کے پیغمبر نے ایک سچے صحابی کو جھوٹا اور جھوٹے منافق کو کیوں سچا قرار دیا؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیدہ ودانستہ حاضر وناظر اور عالم جمیع ما کان ومایکون ہونے کے باوجود سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیا کرتے تھے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

جواب ۲! مذکورہ دلائل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ شاہد اور شہید کی مراد وہی ہوتی ہے جسکو مخالفین بیان کرتے ہیں۔ یعنی حاضر وناظر تو جن سورتوں میں اس صفت کا ذکر ہے ان سب میں سورۂ منافقون بعد میں نازل ہوئی۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کی تردید کی گئی ہے۔ اور یہ محال ہے کہ قرآن کریم کی کوئی آیت دوسری آیت کی اور ایک سورت دوسری سورت کی تردید کرے۔

لہٰذا شاہد اور شہید سے حاضر ناظر کے معنی لینا قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے۔ اور سنئے سورۂ تحریم کا شان نزول۔ صحیح بخاری: ج:۲: ص:۷۲۹، اور مسلم شریف: ج:۱: ص:۴۷۹، وغیرہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف معمول حضرت زینبؓ کے پاس شہد نوش کرنے کے سلسلے میں کچھ تاخیر ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو بتقضاء بشریت یہ چیز ناگوار گذری۔ کہ زیادہ وقت کسی اور کے پاس ٹھہریں۔

آپس میں حضرت حفصہؓ اور عائشہؓ نے میٹنگ اور مشورہ کیا کہ کسی حیلہ وبہانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کے پاس کثرت سے آنا بند کر دیں۔ سوچا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس آئیں تو یہ کہہ دینا کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔

چناں چہ حسب مشورہ ایسا ہی کیا گیا۔ تو بالآخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم

کھالی کہ آج کے بعد شہد نہیں کھاؤں گا۔ گویا کہ شہد کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لہجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرمائی اور جھڑکا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفارہ ادا کر کے حلال چیز استعمال کیجئے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک

بہر حال ان تمام جوابات سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

چوتھی آیت کا جواب

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر پر چوتھی دلیل بیان کی۔

بقولہ تعالیٰ. لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم.

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں گذرا۔ (جاء الحق، ج ۱، ص: ۱۳۳)

پہلا جواب یہ ہے کہ۔ جاء۔ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے رسول۔ اب غور کیجئے کہ آئے گا وہی شخص جو جہاں میں موجود نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ جاء زید عند بکر۔ کہ زید بکر کے پاس آیا۔ تو گویا کہ آنے سے پہلے زید بکر کے پاس موجود نہیں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

پس ایسی ہی مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ کچھ زمانہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے پاس موجود نہ تھے۔ اب غور کیجئے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو پھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر آگے فرمایا من انفسکم۔ کہ تم میں سے رسول آئیں گے یا یہ رسول کوئی نہ فرشتہ ہے اور نہ جنات اور نہ نور؛ بلکہ تمہارے جیسے آدمی یعنی بشر ہیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب، جواب نقلی یہ ہے کہ، بخاری، ج ۱، ص: ۵۴۸، مسلم

شریف: ج:۱: ص ۹۶، اور ابو عوانہ: ج:۱: ص:۱۳۱۔ وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب میں معراج سے واپس ہوا اور میں نے مشرکین کے سامنے اپنا یہ واقعہ بیان کیا۔ میں مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر جہاں تک خدا تعالیٰ کو منظور تھا۔ عالم بیداری میں ایک ہی رات کے اندر اپنے جسد عنصری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی خاص نوازش اور قدرت سے سیر کر کے آیا ہوں۔

تو مشرکین نے کہا کہ اچھا اگر آپ واقعی گئے ہیں تو ہمیں بتلائیں کہ بیت المقدس کی فلاں فلاں چیز کہاں اور کس موقع پر واقع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس پر مشرکین نے پھبتی اور مذاق اڑائی اسی کو آپ کے الفاظ میں سنئے۔

فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط (مسلم: ج:۱: ص:۹۴) میں اتنا پریشان ہوا کہ ایسا پریشان کبھی نہ ہوا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہوتے تو ایسی ایسی پریشانیاں کبھی نہ اٹھاتے۔ اور ان کفار و مشرکین کا دنداں شکن جواب دیتے۔

پانچویں آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے پانچویں آیت پیش کی:

ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لہم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔

اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۳۴) خاں صاحب نے اس آیت سے استدلال اس طور پر کیا ہے۔ کہ مغفرت کے لیے شفاعت ضروری ہے۔

لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے لیے ہم لوگ سفر مدینہ کیسے کر سکتے ہیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر تصور کرنا ضروری ہے۔

جواب! خاں صاحب نے یہ کہا کہ گنہگار کے لیے ضروری ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہو سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ کیوں کہ خداوند قدوس کی ایک صفت

غفار بھی ہے۔ یعنی یہ کوئی ضروری نہیں کہ بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش و شفاعت کے مغفرت نہ ہو۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہوئی تو باری تعالیٰ جلد دعاء قبول کر لیتے ہیں۔

محض وہ بھی شفقت خداوندی کے طور پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا واسطہ کے لئے مدینہ منورہ جانا یا عقیدہ رکھنا ضروری نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں۔ (بلکہ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے آئینے میں باطل ہے) اس کی مثال یوں لیجئے کہ مثلاً زید بکر کے پاس گیا اور کہا کہ بھائی تم ہمیں سو روپے دے دو۔ اور جلد دے دو میں تمہارے معشوق عمر کے واسطے سے آیا ہوں۔

تو اب بکر نے زید کو سو روپے دے دیئے۔ تو یہاں پر واسطہ عمر کا بنایا گیا ہے۔ تو کیا اب عمر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس یہی مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ ان کا ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا قرآن و احادیث کے خلاف لازم آتا ہے دوسری تردید یہ ہے کہ جیسا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث میں ہے "انی رسول اللہ ﷺ فی صورۃ اعرابی ورسول اللہ لایعرفہ الحدیث" (کنز العمال ج ۱ ص ۲۹) حضرت جبرئیل جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اعرابی کی شکل میں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نہ پہچان سکے

چھٹی آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے چھٹی آیت پیش کی:

"وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین"۔ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر سارے جہاں کے لیے اور پھر فرمایا۔ "ورحمتی وسعت کل شئ"۔ اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (ایضاً)

معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہانوں کے لیے رحمت ہیں جہانوں کو محیط ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جہانوں کو محیط ہے۔

جواب!! قارئین کرام۔ مذکورہ آیت کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

لیے حاضر و ناظر۔ **او لا** اس لیے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا۔ اور آپ کو رسول بنا کر بھیجنا۔ خدا تعالیٰ کا تمام جہانوں پر رحمت کرنا ہے۔ اس لیے رحمۃ۔ مفعول لہ لایا گیا ہے۔ اور اس کا اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے۔

بہر حال مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ہمارا بھیجنا تمام جہانوں پر اپنی رحمت کرنا ہے۔ اور آپ کا دین اور آپ کی شریعت و نظام قانون ایسا جامع، مانع اور مفید اور سہل ہے کہ تمام جہان والے اس سے مستفیض و مستفید ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ حیوانات اور اڑتے جانوروں کی خیر خواہی کے لیے بھی چناں چہ احادیث میں صریح ارشادات موجود ہیں جن سے آپ کا عمومی معنی میں رحمت للعلمین ہونا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

اور یہی ہمارا دین و ایمان ہے۔ اور جہاد کا مجموعۂ عالم کے لیے رحمت ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی ماؤف اور زہر آلود عضو کا کاٹ کر پھینک دینا بقیۂ اعضاء کے لیے رحمت ہی ہوگا۔ لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا مصداق اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔

مثلاً بارش پر رحمت کا اطلاق ہوا ہے۔ بشرا بین یدی رحمتہ (پ ۸ اعراف ع ۱۱)
سختی اور تکلیف کے بعد جو چین اور آرام حاصل ہوتا ہے وہ بھی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ ثم اذا اذا قھم منہ رحمۃ (پ ۲۱ روم ع ۴)

بہر حال اس کے علاوہ اولاد، عزت، مرتبہ، دین، ایمان اور جملہ نیک کام خدا کی رحمت ہی ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو اور ان کی برکت سے غیروں کو ملتے ہیں۔ درحقیقت زمین و آسمان کا نظام ہی نیکی اور نیک بندوں سے قائم ہے۔ ورنہ یہ سب آناً فاناً تباہ و برباد ہو جاتے۔

آگے خاں صاحب نے یہ دلیل پیش کی۔ ورحمتی وسعت کل شی: اس میں باری تعالیٰ کی خاص رحمت مراد ہے۔ اور خاصۂ خداوندی میں تعمیم ظاہر ہے اور

رحمتی میں اضافت کی دلیل ہے جس کے دل میں ذرا بھی خدا کا خوف ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ اور امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور محبت ہوگی۔ وہ یقیناً دل کی کے سامنے گردن جھکا دے گا۔

ساتویں آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے ساتویں آیت پیش کی۔

یقول تعالیٰ: ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔

اللہ تعالیٰ کا کام نہیں ہے کہ انہیں عذاب دے۔ جب تک کہ اے میرے محبوب آپ ان میں تشریف فرما ہوں۔ یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہیں آئے گا۔

جواب المذکورہ اردو عبارت پر غور کریں گے تو اس سے بالکل یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ قیامت کا وقوع ہوگا ہی نہیں۔ کیوں کہ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دنیا سے مستور ہیں اسی طرح ہمیشہ رہیں گے۔ تو جب حضرات برزخی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں تو پھر قیامت کا وقوع کیسے ہوگا۔

اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قیامت واقع نہ ہوگی۔ جس سے کئی آیات قرآنیہ کا انکار لازم آتا ہے۔ بہر حال مذکورہ آیت کا جو خاں صاحب نے مفہوم بیان کیا ہے۔ سو یہ باطل اور بے بنیاد ہے۔

نیز خاں صاحب نے یہ کہا کہ "عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ آپ ان میں موجود ہیں" حالاں کہ جب سے آدم کی پیدائش ہوئی ہے اور جملہ انبیاء کرام کے زمانے سے لے کر آج تک وقتاً فوقتاً عذاب الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے جس سے کھل کر یہ بات سامنے آگئی کہ آنحضور ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو پھر سوال یہ ہے کہ بڑے بڑے حادثات زلزلہ وغیرہ کی ضرورت (مثلاً حال ہی کا واقعہ ہے کہ گجرات کے اندر زلزلہ آیا اسی طرح گجرات کے مسلمانوں کو زندہ جلایا گیا آخر کیوں؟)

آٹھویں آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے آٹھویں آیت پیش کی:

بقولہ تعالی: وکذالک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض

اور اسی طرح ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی (جاء الحق: ج ۱: ص: ۱۳۵)

جواب (۱) اگر ابراہیم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو ان کو آسمان و زمین کی بادشاہی دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا وکذالک نری ابراھیم الخ بذات خود خان صاحب کے دعوے کی تردید کر رہی ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب باری تعالی نے دیدیا۔ ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشری قالوا سلماً قال سلم فما لبث ان جاء بعجل حنیذ فلما رای ایدیھم لا تصل الیہ نکرھم واوجس منھم خیفۃ قالوا لا تخف انا ارسلنا الی قوم لوط (پ: ۱۲: سورۂ ہود: ع ۶)

اور البتہ آ چکے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لیکر وہ بولے سلام ہو میرا اور انہوں نے کہا آپ پر بھی سلام ہو۔

پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے تک ان سے متوحش ہوئے اور کھٹکا دل میں ان سے ڈرے وہ بولے مت ڈرو ہم فرشتے ہیں بھیجے ہوئے قوم لوط کی طرف۔ اگر ابراہیم علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میرے سامنے یہ فرشتے آسمان سے نیچے اتر کر آئے ہیں۔ اور فلاں راستہ سے ہوتے ہوئے میرے پاس پہنچے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوتا یا آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ تو فرشتے ہیں پھر ان کے لیے بچھڑا کیوں کر بھونتے۔ اور پھر بھون اور تل کر انکے سامنے کیوں کر رکھتے۔ اسی طرح پھر یہ کہ اگر آپ حاضر و ناظر رہتے تو آپ کو ڈر کیوں محسوس ہوتا اور کیوں کر پریشان ہوتے؟

بہر حال ان تمام باتوں سے یہ اشکال دفع اور حباء منثورا ہو گیا کہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام ہی نہیں؛ بلکہ کوئی بھی نبی حاضر و ناظر نہیں تھے۔

جواب (۳) اگر ابراہیم علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ملک بابل سے ہجرت کر کے شام کیوں گئے تھے؟ پھر شام سے بار بار اپنے لختِ جگر اور رفیقۂ حیات کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ میں کیوں تشریف لے جاتے رہے۔ کیوں کہ جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوگا اس کے لیے ایک جگہ کو چھوڑنا اور دوسری جگہ جانا سمجھ سے بالاتر ہے، پس معلوم ہوا کہ ابراہیم ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے۔

نویں اور دسویں آیات کے جوابات

نویں آیت بقولہ تعالیٰ الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل۔

اے میرے محبوب کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔

دسویں آیت۔ الم تر کیف فعل ربک بعاد۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟ قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے۔ الم تر۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ یعنی دیکھا ہے (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۳۵)

جواب (۱) الم تر میں لفظ تر رویت سے ماخوذ ہے۔

اب آیئے ہم فن لغت سے اس کے معانی دیکھ لیں۔ کہ رؤیت کے لغت میں کیا کیا معنی مستعمل ہیں ملاحظہ کیجئے۔ صراح میں لکھا ہے کہ "رؤیت دیدان بچشم و بالسنن" یعنی جس طرح رؤیت کا معنی آنکھوں سے دیکھنا آتا ہے اسی طرح کسی چیز کے جاننے اور معلوم ہو جانے پر بھی عربی میں رؤیت کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام اللغت والادب ابو عبداللہ الحسینؒ ابن احمد المعروف بابن خالویہ (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ وکل ما فی القرآن من الم تر فمعناہ الم تخبر الم تعلم لیس من رؤیۃ العین (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص:۷۵)

یعنی جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں جناب رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے

فرمایا گیا ہے کہ۔ الم تر ۔تو اس سے آنکھوں کے ساتھ دیکھنا مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس سے دل کی رؤیت اور علم مراد ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: وکل ما فی کتاب اللہ تعالیٰ الم تر فھو من رویت القلب والعلم لا من رویۃ العین (ص:۱۹۱) اور تفسیر خازن: ج:۱،ص:۲۱۰، اور معالم التنزیل: ج:۱،ص:۲۱۱، وغیرہ میں الم تر کا معنی یہ لکھا ہے کہ الم تعلم یا محمد با علامی ایاک ۔اے محمد ﷺ کیا میرے بتلانے سے معلوم نہ ہوا آج بھی آپ ادب کی عبارت پڑھ سکتے ہیں۔ کہ کسی قدیم سے قدیم واقعہ کی تعبیر کرتے وقت وہ لکھتے ہیں، وہ دیکھو، نگاہ اٹھا کر دیکھو، وغیرہ وغیرہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہو یا بتانے سے قبل وہ اس کے علم ہو۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جملہ۔ الم تر ۔ سے مراد حاضر و ناظر ہو تو لازم آئیگا کہ تمام انسان مومن ہوں یا کافر، بوڑھے ہوں یا جوان، مرد ہوں یا عورت، سب ہر جگہ حاضر و ناظر ہو جائیں۔ کیوں کہ باری تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ الم ترو ا کیف خلق اللہ سبع سموٰت طباقاً (پ:۲۹: سورہ نوح: ع۱)

اس آیت میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے۔ الم ترو ا سے خطاب کیا ہے حالانکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے تھے۔ اس وقت تو انسان کا وجود بھی نہ تھا۔ نیز آسمان دنیا اوّل کے سوا، دوسرے آسمانوں کے ہر انسان نے کب دیکھا ہے۔ لیکن خطاب۔ الم ترو ا۔ سے ہو رہا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن. کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی جماعتیں ہلاک کر دیں۔ پس اگر رؤیت سے رؤیت بشر مراد ہے تو ثابت ہوگا کہ کافر پہلے زمانے میں بھی ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ جن کو باری تعالیٰ نے اس مقام پر خطاب کیا ہے۔

گیارہویں آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے گیارہویں دلیل پیش کی۔

بقولہ تعالیٰ: **اذقال ربک للملئکۃ**۔ جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: **واذقال موسیٰ لقومہ**۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا وغیرہ وغیرہ۔ اس جگہ مفسرین محذوف نکالتے ہیں۔ اذکر۔ یعنی اس واقعہ کو یاد کرو اور یاد وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دیکھی بھالی ہو ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گذشتہ واقعات دیکھے ہوئے ہیں۔ (جاء الحق ج ۱ ص ۱۳۵)

جواب (۱)! قارئین کرام۔ اگر ہم یہ مان بھی لیتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ اذقال سے قبل اذکروا۔ محذوف ہے۔ تو پھر بھی آیات سابقہ اس بات پر دال ہیں کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے، بایں طور کہ جب آپ نے اذکروا محذوف مانا تو اب ان آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے محبوب آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ہم نے ملائکہ اور قوم موسیٰ کے ساتھ کیا کیا معاملہ کیا۔ پس باری تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ قصۂ ملائکہ اور قوم سابق کی یاد دلائی۔

لہٰذا اب لوگوں کو سنا دیجئے۔ بہر حال اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر ہوتے تو بغیر باری تعالیٰ کی اطلاع کے قصۂ ملائکہ اور قوم سابق کے حالات آجاتے۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے آل فرعون کا واقعہ بھی آپ ﷺ کو بذریعہ قرآن کریم بتلایا۔

وغیرہ وغیرہ جس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے۔

وجلس فی اھلہ حزینا فتفقدہ رسول اللہ ﷺ الخ۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۰)

حضرت ثابت اپنے گھر میں مغموم ہو کر بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو نہ پایا تو قوم میں سے بعض ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کو کیا ہوا ہے، کہ آنحضور ﷺ نے آپ کو مفقود پایا ہے۔

بارہویں آیت کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے بارہویں آیت پیش کی بقولہ

تعالی :النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم، یعنی نبی مسلمانوں سے انکی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ خاں صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے حوالے سے یہ بتایا کہ اولیٰ۔ کے معنی ہیں قریب تر کے۔ تحذیر الناس۔ ص:۱۰ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۳۶)

جواب (۱) قارئین کرام۔ خاں صاحب نے یہ کہا کہ مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے اولی کے معنی قریب تر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے شفقتاً فرمایا کہ بروز قیامت نبی علیہ السلام ہر ہر مومن کے حق میں شفاعت سے قریب تر ہوں گے۔ نہ کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔

جواب (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ صحیح مسلم: ج:۱: ص:۶۸۔ وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے کہ کسی جنگ کے موقع پر ایک میدان میں ایک کافر سپاہی نے بہت سے صحابہ کرام کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت اسامہؓ اس کی طرف بڑھے تا کہ اس کافر کو قتل کر دیں مگر اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن اسامہؓ کو بدگمانی ہوئی کہ اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا ہے۔ اس لیے اس کو قتل کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت اسامہ کو کہا کہ تم نے کیوں اس کو قتل کیا کیا تم نے اس کے دل میں جھانک کر دیکھا تھا؟ تو حضرت اسامہؓ نے کہا کہ حضرت اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اسامہ (رضی اللہ عنہ) کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ پس جب آپؐ سے کلمہ کے سلسلے میں سوال ہوگا تو کیا جواب دیں گے۔ ملاحظہ کیجئے کہ جناب رسول کریم ﷺ ایک کلمہ کے لیے تو ایسے پریشان و مغموم ہوں لیکن بقول فریق مخالف خود حاضر و ناظر ہوتے ہوئے ستر حضرات صحابہ کرام کو عمداً قتل کروا دیا (نعوذ باللہ) اور پھر خود ایک مہینہ تک ان کافروں کے لیے بددعاء بھی کرتے رہے۔

یہ ہے مخالفین کی جناب رسول اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت افسوس و حیرت ہے ایسے ایسے عقائد باطلہ پر۔

دوسری فصل

پہلی حدیث کے جوابات

خاں صاحب نے اس فصل کے شروع میں یہ کہا کہ اس میں وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گذر چکی ہیں۔ الخ۔

قارئین کرام! جب تمام احادیث مسئلہ علم غیب کے تحت گذر چکی ہیں۔ تو احقر مسئلہ علم غیب کے لئے ذکر کی گئی ایک ایک حدیث کے ۱، ۲، ۳، ۴، جوابات دے چکا ہے۔ ملاحظہ کرلیں۔ لیکن پھر بھی احقر۔ ہل من مزید، کے طور پر الگ الگ اور ایک ایک حدیث کے کئی کئی جوابات نقل کررہا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

(۱) خاں صاحب نے سب سے پہلی حدیث یہ بیان کی بحوالہ مشکوٰۃ **کنت تقول فی ھذا الرجل لمحمد** نکیرین میت سے پوچھتے ہیں کہ تم ان کے (محمد رسول اللہ ﷺ) بارے میں کیا کہتے ہو۔ اور اسی حدیث کی تائید میں "اشعۃ اللمعات" کی حدیث پیش کی (جاء الحق ج ۱، ص ۱۳۷) مخالفین نے اس حدیث کے ذریعہ بایں طور استدلال کیا کہ ہذا اشارۂ قریب کے لیے آتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ قبر میں دنیا کی ہر میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔

جواب (۱): صاحب مطول نے مطول ص: ۱۳۱ پر فرمایا **یجوز علی قلۃ لفظ الحاضر نحو قاتل ھذا الرجل وان کان غائباً** یعنی کبھی کبھی حاضر کے لفظ سے غائب کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ جھگڑا کیا اس شخص نے اگر چہ وہ شخص غائب ہی کیوں نہ ہو مگر غائب کو لہٰذا سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشرکہ عورت کہیں دور سے جا کر اونٹ پر پانی لایا کرتی تھی ایک دفعہ ایک خاص وجہ سے

دیر ہوگئی۔ گھر والوں نے پوچھا کہ تم نے دیر کیوں کی ہے تو اس عورت نے جواب دیا۔ لقینی رجلان فذهبا بی الی هذا الرجل الذی یقال له الصابی (بخاری: ج:۱،ص:۴۹) مجھ سے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جس کو صابی (بے دین) کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود نہ تھے؛ بلکہ کوسوں دور تھے اور عورت مشرکہ تھی جس کا عقیدہ حاضر و ناظر کا ہو نہیں سکتا تھا؛ لیکن آپ کی عدم موجودگی میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو هذا الرجل سے تعبیر کرتی ہے۔

جواب ۳: ایک اور طویل حدیث مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں بدیل بن ورقاء مشرکین مکہ کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے کے لیے سفارت پر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے واپس مکہ مکرمہ پہنچا۔ فانطلق حتی اتی قریشا قال انا قد جئنا کم من عند هذا الرجل (بخاری، ج:۱،ص:۳۷۸) جب قریش مکہ کے پاس گیا تو کہنے لگا ہم تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئے ہیں۔ دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے کئی میل دور حدیبیہ کے مقام پر مقیم اور بدیل مکہ میں قریش کے سامنے هذا الرجل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعبیر کرتا ہے اس کا عقیدہ حاضر و ناظر کا نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ وہ مشرک تھا۔

آگے خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے حاشیہ کی عبارت پیش کی "قیل یکشف للمیت حتی یر النبی علیه السلام" وہی بشریٰ عظیمۃ کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی ہی خوش خبری ہے۔ اسی طرح قسطلانی نے شرح بخاری کی عبارت پیش کی کہ میت سے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں۔

جواب ۱: ان دونوں عبارتوں کا پہلا جواب یہ ہے کہ محشی مشکوٰۃ اور قسطلانی کی عبارت کو قیل سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ یہ قول نہ صاحب مشکوٰۃ کا ہے اور نہ قسطلانی کا اگر ان حضرات کے کلمات ہوتے تو قیل سے تعبیر کیوں کرتے؟ جب ان دونوں کا اصح قول نہیں ہے اور یہ بھی پتہ نہیں کہ صاحب مشکوٰۃ و قسطلانی

نے کن کا قول اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے تو پھر بات کیوں کر معتبر ہوگی۔ (یعنی قیل یکشف الخ والی عبارت ان کے رفقاء میں سے کوئی مجہول آدمی کی ہے)

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے کیوں کہ خود بخود دونوں عبارات مذکورہ کے اندر یہ جملہ موجود ہے جس کا ترجمہ خاں صاحب نے خود کیا ہے کہ "میت سے حجاب اٹھا دیے جاتے ہیں تو قارئین کرام! غور کریں کہ جب حضور اکرم ﷺ دنیا کے ہر ہر گوشہ، جگہوں میں موجود تھے تو پھر حجاب اٹھانے کے کیا معنی ہیں؟ پس اس سے یہ اندازہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ حاضر و ناظر نہیں تھے۔ البتہ یہ بات اس وقت کسی حد تک قابل غور ہوتی جب بغیر حجاب اٹھائے ہوئے دیکھ لیتے۔

دوسری حدیث کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے مشکوٰۃ کے حوالے سے حدیث پیش کی "استیقظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فزعاً یقول سبحان اللہ ماذا انزل اللہ من الخزائن وماذا انزل من الفتن" ایک شب حضور علیہ السلام گھبراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمانے لگے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزانے اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔

جواب ۱: پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور ﷺ کے خواب کا ثبوت ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت نوم ان مذکورہ چیزوں کو دیکھا نہ کہ بیداری کے عالم میں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بعض ایسے عام فہم انسان ہوتے ہیں کہ وہ بحالت خواب کبھی امریکہ پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی خبریں معلوم کرتے ہیں اور کبھی افغانستان، پاکستان وغیرہ پہنچ کر منظروں اور سکنڈوں میں بحالت نوم طرح طرح کی چیزوں کا معائنہ کرتے ہیں تو کیا جو جو لوگ خواب دیکھتے ہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ ایسے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کو خواب میں باری تعالیٰ نے خزانے اور فتنے کی چیز دکھلائی۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک غریب عورت بیمار ہوگئی آنحضرت ﷺ کو جب اس کی بیماری کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا اگر اسکی وفات ہوجائے تو مجھے مطلع کرنا تاکہ میں ان کا جنازہ پڑھوں تقدیر اُان کی وفات بھی اسی رات کو ہوگئی صحابہ کرامؓ نے آنحضور کو اطلاع دیئے بغیر اس کو دفن کردیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کا علم تک بھی نہ تھا صبح ہوئی تو بعض حضرات صحابہ کرامؓ نے اس بی بی کی وفات کی اطلاع آنحضور ﷺ کو دی کہ فلاں عورت رات کو دفن کردی گئی ہے آپ نے فرمایا الم اٰمرکم ان تؤذنونی بھا (موطا امام مالکؒ، ص:۷۸) کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھے ضرور اطلاع دینا۔ حضرات صحابہ کرام نے عذر پیش کیا کہ حضرت رات کا وقت تھا آپ آرام فرمارہے تھے ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہوکر اس کے لیے دعائیں کیں۔

تیسری اور چوتھی حدیث کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر وناظر کے لیے تیسری حدیث بیان کی (بحوالہ مشکوۃ) نعی النبی علیہ سلام زید وجعفر وابن راوحة للناس الخ۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر آنے سے پہلے ہی لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا زید نے لے لیا اور وہ شہید ہوگئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار یعنی خالد ابن ولید نے لے لیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۳۹)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ پر محمول ہے۔ اور ماقبل میں بھی احقر نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ معجزہ کسی بھی صورت میں حاضر وناظر یا علم غیب پر محمول نہیں ہوسکتا۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ القاء والہام پر محمول ہے۔

جواب (۳): تیسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ میں بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لیکر آتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی

چرب زبانی سے اپنے جھوٹے دعوی اور مقدمہ کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ تو اس کو یوں سمجھئے کہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو اس نے لے لیا ہے۔ لہٰذا میرے پاس سچی بات کہنا چاہئے۔

پانچویں حدیث کے جوابات

خاں صاحب نے اثبات حاضر و ناظر کے لیے پانچویں حدیث یہ بیان کی۔ (بحوالہ مشکوۃ) "اقیموا صفوفکم فانی اراکم من ورائی" اپنی صفیں سیدھی رکھو کیوں کہ ہم تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتے ہیں۔ (جاء الحق: ج ۱: ص ۱۳۹)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو پھر پیچھے سے دیکھنے کا کیا مطلب ہے۔ کیوں کہ جو شخص ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتا ہے تو وہ باضابطہ اور بلا تکلف دیکھتے ہیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ عالم الغیب و حاضر و ناظر ہوتے تو اس حدیث کے تحت یہ ضرور فرماتے کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی نماز پڑھو صفیں سیدھی کر لیا کرو! کیوں کہ ہم تم لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں فرمایا۔ اور آپ کا یہ نہ فرمانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

چناں چہ اب مذکورہ فرمان رسول ﷺ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب نبی کریم ﷺ رکوع میں جایا کرتے تھے تو خلاء کے ذریعہ دیکھ لیا کرتے تھے۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ حاضر و ناظر نہ تھے۔

جواب (۳): تیسرا جواب یہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت مدینہ میں دشمنوں کی آمد کی افواہیں مشہور ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور دور تک دیکھ بھال کر واپس ہو ہی رہے تھے کہ آگے سے آپ ﷺ کے حضرات صحابہ کرام اور اہل مدینہ آپ کو ملے۔ آپ نے فرمایا واپس چلے جاؤ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر آنحضور ﷺ حاضر و ناظر ہوتے تو حالات معلوم کرنے کے لیے مدینہ سے باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا حاضر و ناظر بھی تحقیق حالات کے لیے کہیں جایا کرتا ہے؟ اور دور

[illegible] (نعمانی ص ۳۰)

چھٹی حدیث کے جوابات

[illegible] سے ثابت ہے حضرت خضر پر چھٹی حدیث پیش کی (بحوالہ نعمانی)

[illegible] کنا مع النبی علیہ السلام فاشرفت بشرۃ الی السماء الخ۔ ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ ابھی رات ہے ایسا نہ ہو کہ تجھ کو یہ بچا دیکھے۔ آپ نے

ساتویں حدیث کے جوابات

سلمہ رضی اللہ عنہ) کہ حضور ﷺ نے مدینہ پاک کی ایک دیوار کی طرف ہو کر پوچھا کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ کیا تم بھی دیکھتے ہو۔ عرض کیا گیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا۔ کانی اری الفتن تقع خلال بیوتکم کو قع المطر" میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے دیکھتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ یزیدی وہابی فتنے جو عرصے کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔ (ایضاً ص ۱۹۰)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ کو اشیاء کی خبر بذریعہ جبرئیل اس طرح دیا کرتے تھے۔ جیسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ چناں چہ ان کو حاضر و ناظر پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جواب (۲): مسلم، ج ۲، ص ۱۷۱ وغیرہ پر یہ روایت مذکور ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا آنحضرت ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی کو بھیجا کہ جا کر اس کو سزا دے۔ وہ گئے اور دیکھا کہ وہ ابھی ایام نفاس میں ہے انہوں نے اس کو سزا نہ دی

کہ حالت نفاس میں سزا درست نہیں، آنحضرت کو جب حضرت علیؓ نے بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا اے علی تم نے بہت اچھا کیا ہے کہ اس کو اس حالت میں سزا نہیں دی۔

آٹھویں حدیث کے جوابات

آگے خاں صاحب نے اثبات حاضر وناظر پر آٹھویں حدیث یہ پیش کی۔

"فبینما عمر یخطب فجعل الخ "حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے پکارنے لگے اے ساریہ پہاڑ کو لو۔

جواب (۱): ماقبل میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ کرامت کو حاضر وناظر یا علم غیب پر محمول کرنا باری تعالیٰ کی صفات کے اندر خیانت ہے دوسری بات یہ ہے کہ کرامات، الہامات، اولیاء اللہ بزرگان دین اور بعض مومن کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

جواب: مستدرک: ج: ۲: ص: ۱۲۳، میں ایک حدیث آئی ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں۔ حضرت عطیہؓ فرماتے ہیں کہ جنگ قریظہ میں مجھے بھی حضرات صحابہ کرامؓ نے گرفتار کیا چونکہ جوانوں کو قتل کیا گیا تھا۔ میرے بارے میں حضرات صحابہ کرام کو تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ایک مخصوص طریقہ سے دیکھو۔ یعنی زیر ناف بال آگئے ہیں یا نہیں۔ چناں چہ جب ان کا معائنہ ہوا تو وہ نابالغ نکلے۔ اس لیے ان کو قتل نہیں کیا گیا۔

جواب ۳: بخاری: ج: ۱: ص: ۶۳، پر ایک اور حدیث مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ تو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ جا کر دیکھو اور تلاش کرو کہ حضرت علیؓ کہاں چلے گئے ہیں۔

نویں حدیث کے جوابات

آگے خاں صاحب نے اثبات حاضر وناظر کے لیے امام اعظمؒ اور علامہ جلالؒ کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے جیسا کہ ابن نعمان اور حارث ابن نعمانؓ نے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو سرکار نے مجھ سے سوال

فرمایا کہ اے حارث تم نے کس حال میں دن پایا میں نے عرض کیا سچا مؤمن ہو کر فرمایا کہ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں گویا کہ عرش الٰہی کو ظاہرا دیکھ رہا ہوں اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھتا ہوں۔ (جاء الحق ج ۱: ص ۱۴۰)

جواب ۱: اس عبارت سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر تھے۔ اب رہی یہ بات کہ صحابہ کرام یعنی ابن نعمان وغیرہ کے سلسلے میں کیا کہیں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات ایمان کی حلاوت و چاشنی کی وجہ سے اپنے اندر یہ باتیں پا رہے تھے جیسا کہ اولیاء اللہ سلف صالحین و بزرگان دین کبھی کبھی محسوس کیا کرتے ہیں۔

جواب ۲: مسلم شریف: ج ۲: ص ۳۰، وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر ہجرت کی بیعت کی۔ وہ شخص در اصل غلام تھا (حالانکہ آپ ﷺ غلاموں کی ہجرت پر بیعت نہیں لیا کرتے تھے؛ کیوں کہ اس صورت میں غلام اپنے آقا کی خدمت نہیں کر سکتا تھا) لیکن۔ "ولم یشعر انه عبد" ۔ آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غلام ہے۔ جب اس غلام کا آقا آیا اور یہ حقیقت واضح ہوئی تو آپ ﷺ نے دو غلام دے کر وہ ایک غلام خرید لیا۔ اس کے بعد کسی سے بیعت نہیں لیا کرتے تھے "حتی یستاله اعبد هو" ۔ تاوقتیکہ یہ نہ پوچھ لیتے کہ وہ آزاد ہے یا غلام۔

تیسری فصل

حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علمائے امت کے اقوال سے

خاں صاحب نے سب سے پہلے درمختار جلد سوم باب المرتد کی عبارت پیش کی۔ "یا حاضر یا ناظر لیس بکفر" ۔ اے حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے (جاء الحق: ج ۱: ص ۱۴۱)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ یا حاضر الخ کہنا تو یقیناً کفر نہیں مگر یا

حاضر لکل مکان کہنا اسی طرح یا ناظر لکل مکان کہنا کفر ہے جیسا کہ حضرات بریلوی کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو یا حاضر یا ناظر کہتا ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر بالکلیہ کافر تو نہیں ہو گا۔ البتہ شرک فی الوحدانیت کا ضرور مرتکب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کسی بریلوی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ صاحب درمختار نے یہ تو نہیں فرمایا کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ بلکہ انہوں نے کفر کی نفی کی ہے۔ اور اس کے قائل ہم بھی ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو حاضر و ناظر مانتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے البتہ شرک فی الوحدانیت ضرور کرتا ہے۔ اور اسی کے قائل صاحب درمختار بھی ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے کفر کی نفی کی اور شرک کی نفی نہیں کی۔

آگے خاں صاحب نے اسی درمختار کی عبارت کی تائید میں شامی کی عبارت پیش کی۔ "فان الحضور بمعنی العلم شائع الخ" کیوں کہ حضور بمعنی علم مشہور ہے۔ قرآن میں ہے کہ نہیں ہوتا تین کا مشہور مگر ربع ان کا چوتھائی ہوتا ہے اور نظر بمعنی دیکھنا ہے رب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے۔ پس اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے عالم دیکھنے والے (ایضاً) ص:۱۳۱)

جواب (۱): پہلا جواب تو وہی ماقبل کے دو جوابات ہیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ شامی کی اس عبارت کو حضور اکرم ﷺ کے قبل الوفات پر محمول کیا جائیگا۔ کہ حضور اکرم ﷺ جب باحیات تھے اور جس جگہ موجود تھے تو جہاں موجود تھے وہاں کے لوگوں کے لیے جائز تھا کہ کہیں یا حاضر و یا ناظر اس کی مثال یوں ہے کہ مثلاً میں دہلی کی جامع مسجد میں موجود ہوں تو اب ہمارے اردگرد جو ساتھی موجود ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ "یا حاضر و ناظر فی المسجد" اے مسجد میں حاضر رہنے والے۔ تو اس سے کیا ہم حاضر و ناظر ہو گئے ہرگز نہیں۔

پس یہی مثال حضور اکرم ﷺ کی ہے کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

اگر حضرات بریلوی حضور اکرم ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں تو دنیا کے اندر جتنی بھی مخلوقات ہیں تمام کے لیے حاضر و ناظر تسلیم کرنا پڑے گا جانا کہ یہ تمام عقائد قرآن اور احادیث کے آئینے میں باطل ہیں۔

دوسری عبارت کے جوابات

درمختار: ج: ابہاب کیفیۃ الصلوٰۃ کے حوالے سے عبارت پیش کی گئی۔

ویقصد بالفاظ التشہد الا نشاء کانہ یحیی علی اللہ ویسلم علیٰ نبیہ نفسہ التحیات ۔ کہ لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا نماز کی سب کو تحیہ اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے۔ (جاء الحق ص ۱۹۰) آگے خاں صاحب نے مذکورہ عبارت کی تائید میں شامی اور شیخ عبدالحق وغیرہ کی عبارت پیش کی۔

پہلا جواب تو یہ ہے جیسا کہ خود خاں صاحب نے درمختار کی عبارت کا ترجمہ کیا ہے (اور یہی ان کا مولعہ استشہاد بھی ہے) "خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کو سلام پیش کرنا یا ان کے لیے ایصال ثواب کرنا قطعی طور پر اس بات کی علامت نہیں کہ انبیائے کرام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں کیوں کہ انبیائے کرام کی رحلت کے بعد صحابہ، عظام، تابعین، تبع تابعین، سلف صالحین، ائمہ کرام عوام الناس خواہ جہلاء کی جماعت ہو یا علماء کی ہر ایک کی رحلت پر عموماً درود و سلام و ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ جملہ اہل اسلام کا تجربہ ہے) تو کیا جملہ عوام الناس ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گئے؟ ہرگز نہیں پس یہی حال انبیائے کرام کا بھی ہے کہ ان کے لیے سلام پیش کرنا یا ایصال ثواب کرنا اس بات پر دال نہیں ہے کہ وہ حضرات ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

دوسرا جواب، ملاحظہ کیجئے جو کہ نقلی ہے "وذکر المحشیۃ نصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی اللہ ﷺ یعلم الغیب" (سعادۃ الدارین ج ۲ ص ۱۸۸، وشرح الفقہ اکبر ص ۱۸۵) حضرات فقہائے احناف نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ اعتقاد کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب حاصل تھا، اور آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے کفر ہے۔

تیسری عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے تیسری عبارت بحوالہ مرقات پیش کی۔

ولا تباعد عن الاولیاء حیث طویت لھم الارض وحصل لھم ابدان مکتسبۃ متعددۃ الخ۔

یعنی اولیاء اللہ ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں۔اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔

جواب (۱): صاحب مرقات کی عبارت مذکورہ ایصال ثواب پر محمول ہے۔ (جیسا کہ احقر ماقبل میں بھی اس کی تحقیق پیش کر چکا) بہر حال صاحب مرقات نے اس عبارت مذکور کے ذریعہ جہلاء کے شک وشبہ کو دفع کیا ہے کیوں کہ بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ ایصال ثواب کے لیے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات پر جانا ضروری تصور کرتے ہیں، حالاں کہ اگر کوئی ایصال ثواب کرنا چاہتا ہے جہاں چاہے وہیں ایصال ثواب کرے میت کو ثواب مل جاتا ہے۔اور مزار پر جانا کوئی ضروری نہیں لہٰذا خود خاں صاحب کی پیش کردہ عبارت ان کے عقیدے کی مخالفت کر رہی ہے۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ صاحب مرقات کی عبارت سے یہ بات ظاہری طور پر بھی قطعاً ثابت نہ ہوتی ہے آنحضور ﷺ یا اولیا اللہ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔

چوتھی عبارت کے جوابات

چوتھی عبارت خاں صاحب نے شفا کے حوالے سے پیش کی۔

"ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ (جاء الحق، ص:۱۳۲)

آگے خاں صاحب نے مذکورہ عبارت کی تائید میں مرقات اور شیخ عبدالحق دہلوی کی عبارت پیش کی۔

جواب (۱): پہلا جواب یہ کہ ہم اور آپ حضرات اپنے اپنے خطوط میں دوست، بھائی والدین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لکھا کرتے ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ وہ سب ہمارے پاس حاضر وناظر ہیں۔ ورنہ ان کو خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب ہمارا خط بزرگوں اور دوستوں کو پہنچ جائے گا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائے گا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بادشاہ روم کو خط میں لکھا تھا۔ ادعوک بدعایۃ الاسلام۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اس کا معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ آپ ﷺ کے پاس موجود تھا۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ صاحب مرقات کی عبارت کثرت درود وسلام پر محمول ہے یعنی اس عبارت کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ حضور اکرم ﷺ پر بکثرت درود وسلام کا تحفہ بھیجا کریں جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

جواب (۳): تیسرا جواب خود ملا علی قاریؒ نے دے دیا چنانچہ فرمایا "وقد صرح علمائنا الحنفیۃ بتکفیر من اعتقد ان النبی ﷺ یعلم الغیب والحاضر والناظر" (شرح شفا) یہ تحقیق ہمارے حضرات علمائے احناف نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ آنحضرت ﷺ کو علم غیب حاصل تھا یا آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر تھے، تو وہ کافر ہے۔

پانچویں عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے امام قسطلانی کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ ہمارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات ونیات اور ارادوں اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کو بالکل ظاہر ہیں اس میں پوشیدگی نہیں ہے۔ (جاء الحق ج ۱ ص ۱۴۳)

جواب (۱): پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس عبارت کے ذریعہ امام قسطلانی نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی موت اور عوام الناس کی موت کے

درمیان فرق ہے انبیائے کرام کی موت بمثل اس چراغ کے ہے کہ جلی ہوئی چراغ کو کسی زمین کے نیچے رکھ دیا جائے۔ لیکن وہ چراغ گل نہیں ہوتا۔ اور عوام الناس کی موت اس چراغ جیسی ہے کہ کوئی چراغ بجھ جاتا ہے۔ (بقول امام قاسم نانوتویؒ)

بہر حال حضور اکرم ﷺ اور جملہ انبیاء کرام جس طرح دنیا کے اندر صحیح سالم رہتے تھے اسی طرح بعد الموت بھی صحیح سالم ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ وہ مستور ہیں۔ پس اس سے حضور ﷺ کے لیے حاضر و ناظر کی دلیل پکڑنا تحقیق کے خلاف ہے۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ عبارت مذکورہ خود امام قسطلانیؒ کی نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے حضرات علماء کی ہے جو کہ مجہول ہیں۔ اور مجہول سے استدلال کرنا وقار علم کے خلاف ہے۔

چھٹی عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے صاحب مرقات کے حوالے سے عبارت پیش کی۔ ''وقال الغزالی سلم علیه اذا دخلت فی المسجد فانه علیه السلام یحضر فی المسجد'' امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تو حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیوں کہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔ (جاء الحق: ص:۱۴۳)

جواب (۱): مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ جب بھی لوگ مساجد کے اندر داخل ہوں تو حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام کا تحفہ پیش کریں جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''ان الله وملئکته یصلون علی النبی'' گویا کہ امام غزالیؒ نے لوگوں کو تاکیداً یہ فرمایا کہ جب بھی لوگ مسجد میں داخل ہوں تو حضور ﷺ پر درود و سلام پیش کریں۔ پس اس سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوئی کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قول صاحب مرقات کا نہیں ہے بلکہ امام غزالی کا ہے اور اس معاملے میں امام غزالیؒ تنہا ہیں اور قاعدہ ہے کہ اگر ایک شخص کا قول مختلف اشخاص کے خلاف ہو تو وہ معتبر نہیں ہوتا، اور ایسے قول کو تفرد کہا جاتا ہے۔

جواب (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ ''قوله: یحضر فی المسجد'' یہ تاکیداً

استعمال کیا گیا ہے تا کہ لوگ جب بھی مسجد کے اندر یا اس سے باہر عبادت کریں تو "یصلون علی النبی" کا مظاہرہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

ساتویں عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے نسیم الریاض کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ انبیائے کرامؑ جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اس لیے وہ زمین کے مشرق اور مغرب کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چڑ چڑاہٹ سنتے ہیں اور جبرئیل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔ (جاء الحق ص:۱۴۳)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں مشرق اور مغرب سے مراد حضور اکرم ﷺ کا علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ جبرئیل اور کتب سابقہ اور لاحقہ سے آپ ﷺ کو جنایا گیا۔

نوٹ: اس سے علم غیب بھی ثابت نہیں ہوتا ہے)

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ عبارت مذکورہ کا ترجمہ خود خان صاحب نے کیا کہ "جبرئیل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں" پس اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے یا ہیں تو پھر جبرئیل امین کو اترنے کی کیا ضرورت تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ان کے اترے ہوئے خوشبو پالیتے۔ تو خاں صاحب کی کچھ بات قابل غور تھی نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اعتبار سے بشر تھے چنانچہ ارشاد باری ہے: قل انما انا بشر پس اس جگہ باری تعالیٰ نے تاکیداً کہا (انما) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں نور نہیں ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی طاقت ملائکہ سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔

بہر حال جبرئیل کا اترنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

چند عبارتوں کا جواب

خاں صاحب نے قاضی عیاض "مدارج النبوۃ" و "مصباح الہدایت" وغیرہ کے

حوالے سے مختلف عبارت پیش کی جن کے ذریعہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاضر و ناظر کا ہونا ثابت کیا ہے۔ (جاء الحق: ص ۱۴۴)

جواب (۱): ان تمام عبارتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مراد ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجسام یعنی آپ قطعی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں، اس جواب کی مثال یوں ہے کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کی روح بصورت خواب کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں تو نائم کی روح جہاں جہاں پہنچی ہے تو کیا وہ وہاں وہاں حاضر و ناظر ہے؟ ہرگز نہیں۔

دسویں اور گیارہویں عبارت کا جواب

خاں صاحب نے شامیؒ کی عبارت پیش کی کہ راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔ الخ (جاء الحق: ص: ۱۴۶)

جواب: خاں صاحب نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی۔ اب ہم خاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو بغیر سمیٹے ہوئے آپ دیکھ لیتے؟ پس جس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

پھر آگے خاں صاحب نے شامیؒ کی عبارت پیش کی کہ وہ انصاف کی بات وہی ہے جو امام نسفیؒ نے اس وقت کہی جب کہ ان سے سوال کیا گیا، کہا جاتا ہے کہ کعبہ ایک ولی کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلاف عادت کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک جائز ہے"۔ (ایضا: ص: ۱۴۶)

جواب: اس عبارت سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء اللہ حاضر و ناظر ہیں، بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ کعبہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، میں خاں صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا کعبہ کے اندر بھی جسم وجثہ ہے۔

بارہویں اور تیرہویں عبارت کا جواب

خاں صاحب نے روح البیان کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ امام غزالی نے فرمایا کہ حضور اکرم علیہ السلام کو دنیا میں سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ اختیار ہے۔ آپ ﷺ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔ (جاء الحق)

جواب (۱): ایسے عام فہم انسان کی روح بھی سیر کرتی ہے۔ (الصورت نوم) تو کیا تمام لوگ حاضر و ناظر ہو گئے؟ آگے خاں صاحب نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت بحالت خواب بہت سے اولیاء اللہ کو ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت حکیم الاسلامؒ، حکیم الامتؒ اور حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مونگیریؒ، وغیرہ ذالک تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ (جیسا کہ ایسی شکل عام فہم انسان کے ساتھ بھی پیش آتی ہے)۔

آگے خاں صاحب نے علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے اعمال میں نگاہ رکھنا ان کے لیے گناہوں سے استغفار کرنا ان سے دفع بلا کی دعاء کرنا الخ۔ یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں۔ (جاء الحق)

جواب: اس عبارت سے یہ مراد نہیں کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو امتوں کے اعمال سے متنبہ کرتا ہے۔

چوتھی فصل: حاضر و ناظر کی نفی مخالفین کی کتابوں سے

خاں صاحب نے "تحذیر الناس" کے حوالے سے عبارت پیش کی۔ النبی اولی بالمومنین من انفسہم۔ اس عبارت سے استدلال بایں طور کیا کہ اولی کے معنی اقرب ہے تو اب مفہوم یہ ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ ہر ہر امت کے قریب ہے۔ (جاء الحق ج ۱ ص ۱۶۸)

جواب (۱): ٹھیک ہے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اولی بمعنی اقرب ہے تو اس

سے مراد بروز قیامت ہے کہ اس دن ہر ایک شخص نفسی نفسی کے عالم میں ہوگا۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ لیکن بحکم الٰہی صرف آقائے نامدار تاجدار بطحیٰ ﷺ امتی امتی کہہ کر اپنی امت کے لوگوں کو پکاریں گے، اور ان کے حق میں شفاعت کریں گے۔

اب غور کیجئے کہ اس جگہ مشفق و شفیق اور شفاعت کی وجہ سے قربت پائی گئی۔ پس اس سے حاضر و ناظر پر استدلال کرنا قطعاً درست نہیں ہوگا۔

جواب (۲): دوسرا جواب اب اگر اولیٰ بمعنی افضل کے لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک مومنین سے افضل ہیں۔ پس مذکورہ دونوں مطالب سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تھے۔

دوسری عبارت کا صحیح مفہوم

مولوی احمد یار خاں صاحب نے دوسری عبارت "امداد السلوک" کے حوالے سے پیش کی کہ "مرید یہ یقین سے جانے کہ شیخ کی روح ایک جگہ میں قید نہیں رہتی ہے۔ مرید جہاں بھی ہو دور یا نزدیک۔ اگرچہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں الخ۔ (جاء الحق)

جواب: قارئین کرام! ایسے تو عام فہم انسان کی روح حقیقتاً بھی ایک جگہ بحالت نوم نہیں رہتی؛ بلکہ کبھی بہار سے یوپی اور کبھی ہندوستان سے بنگلہ دیش وغیرہ سیر کرتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تو ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ بزرگان دین کے فیوض بعد الموت بھی جاری رہتے ہیں۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بزرگان دین ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ اس عبارت سے حسب ذیل فائدے ہیں:

(۱) پیر کا مرید کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا۔ (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو استغاثہ کرتا ہے (۶) پیر مرید کی دل داری کر دیتا ہے۔

قارئین کرام! ان باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے

پیر سے مانگے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار و مشرکین لات و عزیٰ کی پوجا کیا کرتے تھے۔

خاں صاحب کی تمام عبارت باری تعالیٰ کا قول لاتشرک باللہ شیئاً کے تحت مردود ہے۔

تیسری عبارت خاں صاحب کے لیے تلوار!

حضرت تھانویؒ کے حوالے سے خاں صاحب نے عبارت پیش کی کہ ابو یزید سے طے زمین کی نسبت پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ کوئی چیز کمال نہیں ہے۔ دیکھو ابلیس مشرق سے مغرب تک ایک لحظہ میں قطع کر جاتا ہے (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۵۰)

جواب: مذکورہ عبارت کے اندر جس سائل نے ابو یزید سے سوال کیا تھا دراصل اس کے اندر وہی شکوک و شبہات تھے۔ جو اس وقت خاں صاحب کے اندر ہیں اب اس سائل کے جواب میں مجیب نے فرمایا او کمبخت اگر طے زمین کی وجہ سے اولیاء اللہ کو حاضر و ناظر مانو تو ابلیس کو بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔

لہٰذا اسی تلوار خاں صاحب کے عقیدے کو پاش پاش کر دیا کہ اگر آپ حضرات اولیاء اللہ اور دیگر حضرات کو عالم الغیب مانتے ہیں تو گویا کہ آپ نے اولیاء اللہ اور انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کی۔

پانچویں فصل: حاصر و ناظر کا ثبوت دلائل عقلیہ سے

خاں صاحب نے ایک اصول بیان کیا اور اس اصول کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حاضر و ناظر کا عقیدہ ثابت کیا ہے۔ اصول یہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انبیاء اور اولیاء اللہ کو کرامات اور معجزات عطا کیے۔ اور اپنے حبیب تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا تمام کمالات عطاء کیے۔ چنانچہ علامہ جامیؒ نے فرمایا:

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جب تمام کمالات آپ کے اندر تنہا موجود تھے تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہو گئے۔ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۵۰ تا ۱۵۱)

جواب: معجزات و کرامات کی بنیاد پر حاضر و ناظر ماننا جہالت پر مبنی ہے۔ کیوں کہ حاضر و ناظر ہونا یہ اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی صفت میں تنقیص نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے، تو وہ شرک فی الصفت کا مرتکب ہے۔ اور یہ عقیدہ قرآن و احادیث کے آئینے میں باطل ہے۔ "لاشریک له فی صفاته ولا فی کماله"۔

پہلی عقلی دلیل اور اس کا جواب

خاں صاحب نے تفسیر روح البیان کے حوالے سے ایک عبارت پیش کی "ملک الموت کے لیے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے کہ جہاں سے چاہیں لے لیں۔ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۵۱)

جواب: اس دلیل کا جواب خود اسی دلیل کے اندر موجود ہے۔ بایں طور کہ روح البیان کی عبارت کا ترجمہ خود خاں صاحب نے یہ کیا کہ ملکوت موت کے لیے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے" تو اب خاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر ملک الموت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو ان کے لیے زمین کو طشت کی طرح کیوں کی گئی؟۔ کیوں کہ اگر وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر بغیر زمین کو طشت کی طرح کئے ہوئے جہاں سے چاہتے لے لیتے۔ لیکن ایسا معاملہ نہیں ہے۔

نیز یہ تمام کی تمام جزئیات ہیں اور جزئیات سے کلیات کبھی بھی ثابت نہیں ہو سکتے ہیں۔

دوسری عقلی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے دوسری عقلی دلیل یوں بیان کی کہ دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں ہے بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنوئیں اور تالاب و دریا وغیرہ میں۔ اور دانہ کھیت یا گھروں میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے، فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر شخص کو ضرورت

پڑتی ہے۔ اور حبیب خدا علیہ السلام کی ہر مخلوق الٰہی کو ہر وقت ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں۔ تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ جلوہ گر ہوں۔ (ایضاً ج ۱ ص ۱۵۲ تا ص ۱۵۳)

جواب (۱): خاں صاحب نے ہوا اور روشنی پر قیاس کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کیا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوا اور روشنی غیر مجسم ہے۔ اور حضور علیہ السلام مجسم ہیں۔ پس اب اگر کوئی مجسم کو غیر مجسم پر قیاس کرے تو اس کے سلسلے میں یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ ابو جہل ہے (یعنی لا یعلمون شیئا) بہر حال خاں صاحب کا مذکورہ قیاس مع الفارق ہے۔

جواب (۲): اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو پھر معراج میں براق سے کیوں تشریف لے گئے۔ (یعنی بغیر براق کے ہوا کی طرح اڑ جانا چاہیے تھا) اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوا کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر طائف کے میدان میں ستائے کیوں ہوئے تھے؟ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

تیسری عقلی دلیل کا جواب

خاں صاحب نے تیسری دلیل یہ بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے اصل ہیں۔ "و کل الخلق من نوری"۔ اور اصل کا اپنی فرع میں ماہو کا سارے مشتقات میں اور ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے (جاء الحق ص ۱۵۳)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ تمام عالم کے اصل ہیں۔ لہٰذا ہر ایک فرع کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خاں صاحب اس غلط تاویل کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں تو دنیا میں ہر ایک بیٹے کے ساتھ اس کے باپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننا پڑیگا۔ یعنی زید کا بیٹا عمر ہے تو اب جہاں جہاں عمر ہے پس عمر کے ساتھ زید کو بھی حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ حالانکہ یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔

بہر حال جب یہ اصول کسی کو تسلیم نہیں تو ہر ہر مخلوق کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو عقلی اعتبار سے ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں تو پھر انسان بتقضائے بشریت جماع کرتا ہے تو کیا اس جماع کے وقت حضور ﷺ موجود ہوتے ہیں؟ اب اگر خاں صاحب کے عقیدے کے مطابق آپ اس جگہ موجود ہوتے ہیں تو پھر آپ جماع کیوں کرتے ہیں؟ آپ کو اس سے باز آنا چاہیے کہ آپ جماع نہ کریں۔ (الحیاء شعبة من الایمان) اسی طرح آپ پیشاب پاخانہ نہ کریں کیوں کہ وہاں حضور اکرم ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ لیکن ہمارے اس جواب سے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ پھر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ حاضر و ناظر کیسے مانا جائے گا؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ تمام اعضاء و جوارح سے پاک و صاف ہیں لہٰذا ان کے حاضر و ناظر ہونے اور انبیاء اولیاء کے حاضر و ناظر ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراض کے جوابات اور اس کا رد

(۱) خاں صاحب نے نفیٔ حاضر و ناظر (فی حق محمد عربی ﷺ) کی پہلی دلیل بیان کی۔ علی کل شیء شهید بکل شیء محیط۔ اس کا جواب مولانا احمد یار خان صاحب ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں خدائے پاک جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ لا یجری علیه زمان ولا یشمل علیه مکان۔

رد (۱): اس جواب کی پہلی تردید یہ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا باری تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن آپ نے جو شرح عقائد کی عبارت پیش کی لایجری علیه زمان الخ۔ سو یہ عبارت علی کل شیء شهید۔ کی مخالفت نہیں کرتی کیوں کہ جس طریقے سے مخلوقات پر زمانہ چل جاتا ہے۔ اور مکانات مشتمل ہے اسی طرح باری تعالیٰ پر نہیں۔ باری تعالیٰ قدیم ہیں۔ اور مخلوقات حادث ہیں۔ تو بندہ

پر بطور حدوث کے مکانات اور زمانے چلتے اور مشتمل ہوتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ پر بطور قدم کے صادق آتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ باری تعالیٰ اجسام سے مبرا اور منزہ ہیں۔

لہٰذا اب اگر ان کے لیے یشتمل علیہ مکان کو مانا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

رد: دوسری تردید، اگر باری تعالیٰ کو حاضر و ناظر نہ مانیں تو کفر لازم آئیگا۔ چونکہ یہی عقیدہ کفار و مشرکین کا ہے نیز اگر باری تعالیٰ حاضر و ناظر نہ ہوتے تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ باری تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اس سے آگے خاں صاحب نے۔ ثم استویٰ علیٰ العرش ۔کو متشابہات میں سے مانا ہے حالانکہ یہ تحقیق کے خلاف ہے۔

کیوں کہ اسکی تفسیر مفسرین عظام نے یوں کی ہے کہ باری تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش پوری دنیا کو محیط ہے۔ تو گویا کہ باری تعالیٰ پوری دنیا کے اندر (محیط) حاضر و ناظر ہیں۔ جیسا کہ آگے کی آیت۔ بکل شیی محیط. دلالت کرتی ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ (مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ فخر دو عالم کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے۔

جواب: قارئین کرام! مذکورہ عبارت کے اندر تو حضرتؒ نے دیانت داری کے ساتھ ایک محاکمہ پیش کیا ہے کہ حضور اکرم کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے۔ چوں کہ اس کا ثبوت قرآن و احادیث تو در کنار کسی چھوٹی کتاب سے بھی نہیں ملتا ہے۔

دوسری اور تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

نفیٔ حاضر و ناظر کی دوسری آیت۔ ''وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم''

آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ لوگ اپنا اپنا قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ حضور اکرم ﷺ وہاں بصورت اجسام موجود نہ تھے۔ لیکن آپ ان کی باتوں کا مشاہدہ فرما رہے تھے (جاء الحق، ج:۱، ص:۱۵۳)

رد: اس جواب کی تردید یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم جملہ مفسرین کرام نے یوں کیا ہے کہ آپ ان کے پاس نہ تھے۔ جب کہ وہ حضرات اپنا اپنا قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔

یعنی جس وقت انہوں نے یہ کام انجام دیا۔ اس کی خبر آپ کو نہ تھی۔ گویا کہ حضور اکرم ﷺ کو مشاہدۃً بھی اس کی خبر نہ تھی۔ اگر خبر ہوتی تو "ما کنت لدیھم" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز اگر آپ ﷺ اجسام کے اعتبار سے موجود نہ تھے اور غیر اجسام کے اعتبار سے موجود تھے تو پھر مفسرین کرام نے اس کی صراحت کیوں نہ کی؟ نیز بقول خاں صاحب کے، اگر آپ ﷺ بالا جسام موجود نہ تھے تو پھر حاضر و ناظر کیسے ہوئے؟

پس معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھے۔

د ھ: دوسری تردید یہ ہے کہ خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا جسم وہاں موجود نہ تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ فرما رہے تھے۔ تو اب خاں صاحب سے پوچھا جائے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے اعضاء و جوارح وہاں موجود نہ تھے تو ملاحظہ فرما رہے تھے؟ یعنی ملاحظہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کان، آنکھ موجود ہوں۔

اس کے بعد خاں صاحب نے تفسیر صاوی کی عبارت پیش کی کہ، یہ فرمانا کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے۔ جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لیکر آپ کے جسمانی ظہور کے تمام واقعات پر حاضر ہیں (جاء الحق: ج ۱: ص: ۱۵۵)

جواب: خود خاں صاحب کی اس مذکورہ عبارت سے تفسیر کی عبارت کا جواب بھی عیاں ہو رہا ہے۔ بایں طور کہ خاں صاحب نے تفسیر صاوی کی عبارت کا ترجمہ کیا کہ حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لیکر آپ ﷺ کے جسمانی ظہور کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔ تو یہاں حاضر و ناظر سے مراد اطلاع ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ماقبل کی تمام خبروں پر مطلع کیا تھا۔ پس اس سے حاضر و ناظر ثابت کرنا علمی وقار کے خلاف ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے ایک حدیث پیش کی۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ کہ اے ابوبکر مت ڈر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے ذریعہ خاں صاحب نے یہ ثابت کیا کہ صرف اولیاء اللہ اور انبیائے کرام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں نہ کہ اللہ۔ (نعوذ باللہ)

جواب: لا تحزن ان اللہ معنا ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اے ابوبکر مت خوف کھا اللہ ہماری مدد کرنے والا ہے۔ بمقابلہ کفار مشرکین! لیکن کیا بتاؤں یارو؟ خاں صاحب نے نفیٔ حاضر وناظر کی تیسری دلیل بیان کی اور کہا کہ علم غیب میں گفتگو کر چکے ہیں۔ مزید گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں تو میں بھی یہی کہتا ہوں کہ بحث علم غیب کے جوابات کے تحت اس کی تردید بھی گذر چکی ہے

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

خاں صاحب نے نفیٔ حاضر وناظر کی چوتھی حدیث پیش کی کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے۔ "لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ" ۔ مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہ نبوی میں آکر جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے یہ نہ کہا۔ فصدقهم و كذبني ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔

اگر حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہی تھے تو ابن ابی کی غلط تصدیق کیوں کردی۔ جب یہ آیت نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادینے سے لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ کو اصل واقعہ کا علم نہ ہو۔ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۶۵)

رد! پہلی تردید یہ ہے کہ اگر حضور اکرم کو اصل واقعہ کا علم ہوتا تو زید ابن ارقم کو کیوں جھٹلاتے (فصدقهم و كذبني) اب یہاں پر دو ہی شکل نکلتی ہے۔ (۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ۔ العیاذ باللہ. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کا علم رکھتے ہوئے بھی غلط بیانی سے کام لیا۔ (نعوذ باللہ) (۲) دوسری شکل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم نہ تھا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر تھے۔

اب قارئین کرام! فیصلہ کریں کہ آپ کون سی شکل کو تسلیم کرتے ہیں۔ یقیناً جمیع حضرات یہی کہیں گے کہ ہم مذکورہ دوسری شکل کو تسلیم کرتے ہیں۔

پھر آگے خاں صاحب نے مذکورہ دلیل کا جواب یہ دیا کہ شرعاً مقدمہ ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کردے ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لے۔ کیوں کہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعی علیہ کی قسم پر ہوتا ہے۔ نہ کہ قاضی کی ذات علم پر۔

رد! اس جواب کی تردید یہ ہے کہ قاضی مدعی علیہ سے قسم اس وقت لیگا جبکہ مدعی اور مدعی علیہ کی حالت سے واقف ہو۔ کیونکہ جب قاضی چھان بین کے بعد حالات سے واقف ہوگیا تو اب مدعی کے حق میں وہ گواہ بن گئے۔ تو اب مدعی علیہ سے قسم کیوں لے گا؟۔

بہر حال ابن ابی کی جھوٹی قسم پر فیصلہ کردینا اور پھر اس کی جھوٹی باتوں پر آیت کریمہ کا نازل ہونا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر نہیں تھے۔

اہل سنت والجماعت کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے لیے حاضر وناظر کا عقیدہ رکھیں گے تو اس صورت میں گستاخی ہوگی۔ (جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے) بایں معنی کہ اس صورت میں۔ نعوذ باللہ گندی جگہوں پر بھی آپ ﷺ کا حاضر وناظر ہونا لازم آئے گا۔ تو اس کا جواب بریلوی حضرات نے یہ دیا کہ رب کو اس جگہ حاضر وناظر مانتے ہو یا نہیں۔ (ایضاً ۱۵۶)

رد! جواب کی تردید یہ ہے کہ باری تعالیٰ اجسام سے مبرہ اور منزہ ہیں اور رسول اکرم ﷺ بالا جسام ہیں۔ پس کسی ذو جسم کو غیر جسم پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اس قیاس کو قیاس مع الفارق کہا جائے گا۔ (نسیم رحمانی)

پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔ "لا یبلغنی احد عن احد من اصحابی شیئاً فانی اُحبُ ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدور"۔ کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس صاف دل آیا کریں۔ اگر حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ ﷺ کو ویسے بھی خبر رہتی۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری

نہیں (جاء الحق: ۱۵۶ تا ۱۵۷)

رد! خاں صاحب نے یہی جواب دیا کہ انبیائے کرام کے علم شہودی میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے۔ مگر ہر چیز پر ہر وقت توجہ رہنا ضروری نہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی چیز کو جانتا ہو لیکن اس پر توجہ نہ دے تو اس کی دو شکل نکلتی ہے (۱) یا تو اس کو دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں۔ اور کم ذکاوت ہے۔ (۲) یا اس مطلوبہ چیز کی کوئی خبر نہ تھی۔ اب آپ فیصلہ کیجئے کہ کیا حضور ﷺ کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ اور کیا آپ ﷺ کم ذکاوت تھے؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ ﷺ دنیا و مافیہا سے باخبر تھے۔ اور ذکاوت کے بھی مالک تھے۔

اور جو چیز آپ کو معلوم ہوتی آپ ﷺ لوگوں کو اس سے باخبر فرماتے تھے۔ اور جس چیز کی خبر نہ ہوتی تو آپ سکوت اختیار کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو جس چیز کی خبر نہ ہوتی آپ صحابہ کرام سے معلوم کراتے۔ اور ہر وقت معلوم شدہ علم پر توجہ رہتی۔

نیز خاں صاحب کے مذکورہ جواب کی تردید مسند دارمی، ص: ۴۱ کی روایت نے بھی کر دی۔ واللہ لا ادری لعلی لا القاکم آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ میں اس کے بعد پھر تم سے نہ مل سکوں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہوتے تو ایسا نہ فرماتے۔

چھٹی دلیل کا جواب اور اس کا رد

خاں صاحب نے نفیٔ حاضر و ناظر کی چھٹی دلیل بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں۔ اور جو شخص درود دور سے بھیجتا ہے تو ہم کو پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچی ورنہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس حدیث میں کہاں ہے کہ دور کا درود ہم نہیں سنتے (جاء الحق ص: ۱۵۷)

رد! قارئین کرام! کلمات کا انداز و سیاق و سباق سے لگایا جاتا ہے۔ کیوں کہ جب حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے تو ہم خود سنتے ہیں۔ اور جو درود دور سے بھیجتا ہے تو ہم کو پہنچایا جاتا ہے۔ اس سے تو بات بالکل

اظہر من الشمس ہو گئی کہ دور کی باتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنتے۔ کیوں کہ اگر سن لیتے تو ضرور آگے فرماتے کہ میں قریب کی درود کی طرح دور کی درود کی آواز کو بھی سنتا ہوں۔ (نیز قبر کے اندر انبیاء کرام باحیات ہیں تمام کی آوازوں کو سنتے ہیں، سماع موتی کی الگ بحث ہے۔)

پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ قریب والے کی درود تو خود سنتے ہیں اور دور والے کی درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے۔ تو اس کی تردید یہ ہے کہ خود کسی چیز کو سن لینا اور پھر کسی کے ذریعہ اس چیز کا علم طلب کرنا یا خبر آنا تحصیل حاصل ہے اور تحصیل حاصل باطل ہے۔ دیکھئے سلم العلوم، قطبی، شرح عقائد۔

ساتویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ "من قال ان ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر" جو کہے کہ مشائخ کی روحیں حاضر ہیں، جانتی ہیں وہ کافر ہے۔

اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ فتویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کی زد میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ **اولاً** اس لیے کہ ہم امداد السلوک مصنف مولوی رشید احمد گنگوہی کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے (جاء الحق: ۱/۱: ص: ۱۵۸)

رد! خاں صاحب نے یہ کہا کہ فتویٰ بزازیہ کی زد میں علمائے دیوبند بھی آتے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم علمائے دیوبند بنفسہ میت کی روح کو حاضر نہیں مانتے لیکن یہ بات ضرور ہے کہ جو شخص کسی بزرگ کے نام ایصال وثواب کرتا ہے تو اس کے فیوض وبرکات جاری رہتے ہیں۔

اب رہی بات کہ حضرت گنگوہیؒ نے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مریدین کوئی برا عمل نہ کریں۔

نویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو مدینہ پاک میں حاضر ہو نے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ "جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے"۔

رد اس کی پہلی تردید تو یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے جیسا کہ احقر ماقبل میں مفصل بحث کر چکا ہے۔

رد: اس کی دوسری تردید یہ ہے کہ یہ عقیدہ مسلم ہے کہ انسان جس طرف چاہتا ہے نماز پڑھتا ہے یقیناً نماز ادا ہو جاتی۔ لیکن باری تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کو معلوم ہے کہ اگر ایک سمت متعین نہ کی جائے تو لوگوں کے درمیان اختلافات ہو جائیں گے۔ اسی وجہ سے ارشاد باری ہے۔ فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ پھر آگے خانصاحب نے حضور اکرم ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا سبب یہ بیان کیا کہ مدینہ منورہ دار السلطنت ہے اور خاص تجلی گاہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص ہر جگہ حاضر و ناظر رہیگا۔ تو وہ کہیں بھی رہے تمام چیزوں کی زیارت کرتا ہی رہے گا پھر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو تضیع اوقات ہے۔ اور تضیع اوقات و اموال کے سلسلے میں قرآن ناطق ہے۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین. اور اس سے نعوذ باللہ من ذلک نبی کریم کی شان میں گستاخی لازم آئے گی (احفظنا) بہر حال ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔

حاضر و ناظر کی نفی بآیات القرآنیہ

پہلی دلیل

اولاً عرض یہ کرنا ہے کہ خاں صاحب نے اپنے دعویٰ پر کچھ آیات قرآنیہ اور احادیث پیش کیں اور اس کی غلط تاویلات کے ذریعہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی کافی کوشش کی لیکن احقر نے ان تمام تاویلات کی بیخ کنی کرتے ہوئے علمائے اہل سنت والجماعت (علمائے دیوبند) کے عقائد کو ثابت کیا اس کے بعد خاں صاحب نے ہمارے

ہی دلائل کو پیش کر کے اس کے جوابات دینے کی زحمت فرمائی تھی سو احقر نے بحمداللہ ان جوابات کی بھی قرآن واحادیث وعقل کے آئینے میں تردید کردی، اب ہل من مزید کے طور پر ہم اپنے عقیدے کے ثبوت میں اولاً قرآن سے دلائل پیش کرتے ہیں۔(۱) بقولہٖ تعالیٰ وما کنت لدیھم اذیلقون اقلامھم آپ ان کے پاس نہ تھے جب کہ وہ لوگ اپنا اپنا قلم پانی میں ڈال رہے تھے، وما کنت کی تفسیر مفسرین نے یوں کی ہے ای لاتحضر کہ آپ حاضر وناظر نہ تھے اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو ایسا کیوں فرمایا جاتا۔ پس یہ بات عیاں ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے۔ نیز اس دلیل پر خاں صاحب نے اشکال بھی کیا ہے سو اس کا جواب ماقبل میں گذر چکا ہے۔

دوسری دلیل

قرآن کریم! میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے کہ فرشتے (بصورت انسان) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے۔ انہوں نے سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ اور دل میں کہا۔ قوم منکرون۔ کوئی اجنبی لوگ ہیں۔ انہوں نے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھ دیا حضرات! حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے لگے۔ اور آپ نے فرمایا کھایئے لیکن وہ خاموش۔ پھر کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔ انہوں نے پھر کھانے کو ہاتھ نہ اٹھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم لوگ کون ہو جو ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔

مہمان سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خوفزدہ ہیں۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم فرستادۂ خدا ہیں قوم لوط کے پاس (ان کی تباہی اور بربادی کے لیے بھیجے گئے ہیں) قرآن کریم کے اصل الفاظ اور ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ولقد جاءت رسلنا ابراھیم بالبشریٰ قالوا سلٰماً قال سلم. فما لبث ان جاء بعجل حنیذ فلما رای ایدیھم لا تصل اِلَیْہِ نکرھم واوجس منھم خیفة قالو الا تخف انا ارسلنا الیٰ قوم لوطo

اور البتہ آ چکے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری

لے کر بولے سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے تک۔ تو ان سے متوحش ہوئے اور کھٹکا دل میں ان سے ڈر۔ وہ بولے مت ڈر ہم (فرشتے ہیں) بھیجے ہوئے قوم لوط کی طرف۔ (پ سورۂ ہود، رع: ۶)

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر وناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ میرے روبرو جو آسمان سے نیچے اتر کر آئے ہیں۔ اور فلاں راستے سے ہوتے ہوئے میرے پاس پہنچے ہیں۔ پھر یہ کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو انہوں نے ان کے لیے بچھڑا کیوں ذبح کیا؟

اور پھر بھون تل کر ان کے سامنے کیوں لا کر رکھا؟ جبکہ معلوم ہے کہ نہ فرشتے کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں۔ پھر عمداً ایسا معاملہ ان کے ساتھ کیوں کیا گیا؟ اور دل میں ڈر کیوں پیدا ہوا؟ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر وناظر تھے تو ان کو پریشانی کیوں لاحق ہوئی؟ حالانکہ اس برے عقیدہ (حاضر وناظر) کے اعتبار سے وہ فرشتوں کے ساتھ حاضر بھی تھے اس واقعہ سے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاضر وناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی معاملہ صاف ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم "جمیع ما کان وما یکون" کا علم بھی نہیں رکھتے تھے۔ دل چاہے تو بخاری: ج:۱: ص:۴۷۵، کی ایک حدیث بھی سن لیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے حکم سے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل کو چٹیل میدان اور بیابان جگہ یعنی مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا اور جب باپ کو بیٹے سے دور رہتے بہت دن گذر گئے تو محبت پدری نے جوش مارا اور ملاقات کے لئے حکم خدا کا انتظار ہونے لگا۔ چناں چہ جب اذن خداوندی ملا تو حضرت سارہ سے رخصت ہوئے مکہ مکرمہ کا راستہ لیا اور اس مکان پر گئے مگر حضرت اسمٰعیل نہیں ملے وہ شکار کرنے گئے ہوئے تھے۔ وہیں اسمٰعیل کی والدہ حضرت ہاجرہ کے انتقال کی خبر بھی معلوم ہوئی۔ اپنی بہو سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس نے شکوہ کیا کہ ہم نہایت تنگی میں رہتے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم کو صدمہ ہوا۔ اور دوسرا صدمہ بی بی ہاجرہ کے انتقال کا اور بہو کی ترش کلامی اور بے رخی کا۔ اس لئے

زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوئی۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کا دروازہ بدل دیں۔

جب حضرت اسمٰعیل آئے تو بیوی نے پیغام دیا۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا کہ وہ تو میرے والد محترم تھے اور اس پیغام کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں علیحدہ کر دوں۔ باپ کا حکم ہے تعمیل ضروری ہے۔ لہٰذا تجھے طلاق ہے دوسری شادی کو عرصہ گذر گیا۔ حضرت ابراہیمؑ پھر اپنے لخت جگر کی ملاقات کو روانہ ہوئے تمنائے ملاقات، شوق دید سفر کی مشقتیں، اس پر محرومی ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دنیا کا کیا حال ہوگا۔ وہ پیغمبر تھے راضی برضا واپس چلے گئے۔ بہو کی تعریف کی اور اپنا پیغام حضرت اسمٰعیل کے نام چھوڑ گئے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"فجاء ابراھیمؑ بعد ما تزوج اسماعیل یطالع ترکتہ فلم یجد اسماعیل فسئا ل اسرائہ عنہ فقالت خرج یعنی لنا مسال من عیشھم."

جب حضرت اسمٰعیل کی شادی ہو چکی تو حضرت ابراہیم ان کی ملاقات کو آئے تا کہ اہل وعیال کی دیکھ بھال کر لیں۔ لیکن اب بھی حضرت اسمٰعیلؑ نہ مل سکے ان کی بیوی سے پوچھا اسماعیلؑ کہاں ہیں۔ وہ بولی ہمارے کھانے کا انتظام کرنے گئے ہیں۔ پھر اس سے گذر اوقات کا سوال کیا انہوں نے شکوہ شکایت کے دفاتر کھول دیئے۔ کیا خوب۔

لے گئے تھے بزم میں ان کی ایک آرزو
لوٹے وہاں سے شکووں کے دفتر لیے ہوئے

قارئین کرام! سمجھ چکے ہوں گے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو علاقہ شام سے مکہ مکرمہ تک تقریباً ایک ہزار میل مسافت طے کر کے ان کو حالات دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو گھر رہتے ہوئے بھی دیکھ سکتے تھے۔ پھر بار بار سفر کی زحمت گوارا کی اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو حضرت اسماعیلؑ کے نہ مل سکنے (فلم یجد اسماعیلؑ) کا کیا مطلب ہے؟۔

لطیفہ: اگر حضرت ابراہیم ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو ملک بابل سے ہجرت

کر کے شام کیوں گئے تھے۔ پھر شام سے بار بار لخت جگر اور رفیق حیات کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ کیوں تشریف لے جاتے رہے۔ جو شخص ہر جگہ حاضر و ناظر ہوگا اس کے لیے ایک جگہ کو چھوڑنا اور پھر دوسری جگہ جانا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور کوئی بھی باشعور آدمی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ اس عقیدہ کی رو سے حضرات انبیائے عظام کی ہجرت و حرکت سب باطل ٹھہرتی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ تو درکنار اس کی بو سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اور حضرت محمد ﷺ کی ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک نیز معراج مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اس طرح جنگ بدر، خیبر، حنین، اور طائف وغیرہ کا سفر کرنا نیز حج اور عمرہ وغیرہ کرنا بلکہ گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک اور مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے دوسری گلی تک اور ایک کوچہ سے دوسرے تک آنا جانا باطل ٹھہرتا ہے۔ (نعوذ باللہ) کیوں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا کیا مطلب؟ اور جب آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے یکے بعد دیگر تمام آسمانوں کی ایک ہی رات میں بجسد عنصری اور بحالت بیداری سیر کرنے اور معراج کے کیا معنی؟ اس سے خبیث اور ناپاک عقیدہ کے بموجب نہ آپ مہاجر ہو سکتے ہیں اور نہ آپ صاحب معراج ہو سکتے ہیں (العیاذ باللہ) غرض کہ آپ ﷺ کے تمام سفر جو ہجرت جہاد معراج اور حج وغیرہ کے لیے ہوئے تھے سب کا انکار لازم آتا ہے کیوں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ میں ہی رہے۔ پھر ہجرت کیسے کی وعلی ہذا القیاس، دوسرا نیا کوئی قیاس کیجئے اور اس سے ان بناسپتی حنفیوں اور گندم نما جو فروش محبوں کی عقیدت اور محبت کا بھی اندازہ کر لیجئے کہ ایک طرف تو قرآن کریم اور صحیح حدیث کا انکار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کی ہجرت معراج جہاد اور حج وغیرہ کا صاف انکار لازم آتا ہے۔

نوٹ : مولوی محمد عمر صاحب کا قیاس حنفیت ص: ۳۲۳، میں حضرت ابراہیم عالم الغیب ہونے پر۔ ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع آلایۃ سے اور

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض. الایۃ. سے استدلال کرنا صرف مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام ہے ان کے نزدیک کچھ سے کچھ کہہ دینا اور لکھ دینا ہی استدلال اور جواب تصور ہوتا ہے۔ ان کو اس سے مطلق کوئی غرض نہیں ہوتی کہ دعوی اور دلیل میں مطابقت بھی ہے یا نہیں۔ ان کا اس پر خوب عمل ہے کہ۔ فلاں آں باشد کہ چپ نشود۔

تیسری دلیل

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

قرآن کریم میں ان کا واقعہ بھی مختلف اسالیب اور متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ چند فرشتے (حضرت جبرئیل حضرت میکائیلؑ اور حضرت اسرافیلؑ) مگر حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بشر اور انسان خیال کیا۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۷۹، خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان بن کر آئے۔ یہ قوم بدفعلی اور بدکاری میں مشہور تھی۔ قوم نے سنا تو رہ نہ سکی بھاگتی ہوئی آئی حضرت لوط نے قوم کو دیکھا گھبرائے مگر خاموش دل کی دنیا میں اتار اور چڑھاؤ۔ چہرہ پر غم کے آثار۔ قوم کو سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں اور ارادۂ بد سے باز آجاؤ مجھے مہمانوں کے بارے میں تنگ نہ کرو نہ ستاؤ۔ مگر قوم تھی کہ ان پر بدفعلی کا بھوت سوار تھا۔ حضرت لوطؑ نے معقول وجہ سے سمجھایا مگر قوم کی وہی ضد اور اصرار۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی تین صلبی بیٹیاں نکاح کے لیے پیش کیں۔ (جیسا کہ مستدرک: ج:۲: ص:۳۴۴) میں ہے یا قوم کی لڑکیوں کو پیار اور شفقت سے بیٹیاں کہا۔ اور ویسے پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ ان سے نکاح کرلو۔ تمہارے لیے یہ بہتر ہوگا۔ مگر قوم کہتی کہ ہمیں لڑکیوں سے کیا تعلق؟ آپ ہمارے مقصد اور ارادے تو جانتے ہی ہیں۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کاش آج میرے پاس طاقت ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کی جاتی ہے۔ فرشتے یہ سب سنتے رہے مگر اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام

کی بے بسی کی انتہا ہو چکی تو فرشتے کہتے ہیں آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے۔

"ولما جاءت رسلنا لوطا سئی بھم وضاق بھم ذرعا وقال ھذا یوم عصیب" اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس تو وہ غمگین ہوا ان کے آنے سے اور تنگ دل ہوا ان سے اور بولا آج کا دن بڑا سخت دن ہے چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"قالو یا لوط انا رسل ربک لن یصلو الیک"، پ:۱۲، س:ہود، ع:۷۔ فرشتے بولے کہ اے لوط علیہ السلام ہم تو (انسان نہیں بلکہ) تیرے رب کے فرشتے ہیں۔ ہرگز نہ پہنچ سکے گی تجھ تک (یعنی آپ کو اپنے مہمانوں کی عزت کا ڈر اور خوف ہے وہ دل سے نکال دیجئے۔ ہم تو فرستادۂ خدا ہیں۔

ناظرین کرام: آپ کو یاد ہوگا کہ یہ وہی فرشتے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق کی خوشخبری سنائی تھی۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہا تھا کہ ہم قوم لوط کی طرف روانہ کیے گئے ہیں۔ تاکہ اس کا خاتمہ کر دیں اگر حضرت لوط علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ وہی فرشتے ہیں جو آسمان دنیا سے میرے سامنے نازل ہوئے ہیں۔ اور وہی تو ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنانے کے بعد یہ کہا تھا کہ ہم فرشتے ہیں اور قوم لوط کی گت بنانے جا رہے ہیں۔ مگر حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور پھر اپنی بیٹیوں کی قربانی قابل افسوس ہے۔

یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ہر ایک حق پرست کی رہنمائی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مگر ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے دفتر بھی بیکار ہیں۔ یہ چیزیں نہ بھلائی جائیں کہ یہ وہ وقت ہے جب کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم سے حجت کر چکے تھے۔ اور اپنی پیغمبرانہ ڈیوٹی ادا کر چکے تھے۔ اس وقت مومنوں کی نجات اور کافروں کی تباہی کا وقت سر پر کھڑا ناچ رہا ہے۔ اور گویا یوں کہہ رہا ہے ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اس واقعہ سے آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود جمیع ما کان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ وہ اتنے پریشان نہ ہوتے جس کا ان کو سامنا کرنا پڑا تھا۔

چوتھی دلیل

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

قرآن کریم میں ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی اور مذاق مفصل موجود ہے اور اس کو قرآن کریم نے احسن القصص یعنی بہترین قصہ اور بیان کہا ہے۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ حضرت یوسفؑ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند ان کے سامنے سر بسجود ہیں، نبی کا خواب تھا اپنے اندر حقیقت رکھتا تھا۔ حضرت یعقوبؑ خواب کا پس منظر سمجھ گئے اور حضرت یوسفؑ کو منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تجھے اذیت پہنچائیں گے؛ کیوں کہ وہ انسان ہیں۔

قدرت کا کام دیکھئے کہ کسی طریقے سے اس خواب کا علم بھائیوں کو بھی ہو گیا۔ وہ خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ تھے۔ سمجھ گئے کہ اس خواب میں کیا کیا رموز ہیں، ستاروں اور سورج کا مصداق بھی سمجھ ہی گئے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے درمیان مشورہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو تا کہ ہمارے اوپر فوقیت کا امکان ہی نہ رہے۔ آخر کچھ دیر کے بعد معاملہ یوں طے پایا کہ اسکو کسی گمنام کنوئیں میں ڈال کر توبہ کر لو۔ مجلس مشاورت اور میٹنگ کے بعد ان لوگوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ سے عرض کیا کہ ہم کل سیر وسیاحت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے بھائی یوسف علیہ السلام کو بھی ہمارے ہمراہ بھیج دیجئے تا کہ وہ بھی میلہ دیکھ آئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا چونکہ ہمارے ملک میں بکثرت بھیڑیے ہیں اس لیے میں اس کو تمہارے ساتھ بھیجنے سے خوف کرتا ہوں کہ کہیں میرے فرزند کو تمہاری غفلت میں بھیڑیا نہ کھا جائے۔ بیٹوں نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بھیڑیا ہمارے عزیز بھائی کو کھا جائے؟ آخر ہم کہاں ہوں گے اور اگر ایسا

ہو گیا تو پھر ہم تو دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ باپ نے ان کی بات پر یقین کر لیا اور یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا وہ ان کو لے گئے۔ اور ایک گمنام کنوئیں میں ڈال آئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت اپنے بھائیوں سے رحم کی کچھ اپیل نہ کی ہوگی۔ یہ ممکن نہیں اور اگر کچھ نہ کہی تو یہ تو کہا ہی ہوگا کہ مجھے میرے لیے نہیں اپنے بوڑھے اور ضعیف باپ کے لیے ہی چھوڑ دو۔ جو تمہارا بھی باپ ہے۔ اور تیرا باپ ہی نہیں پیغمبر خدا ہے۔ اس لیے میرے بھائیوں جب تم واپس جاؤ گے اور وہ مجھے نہ دیکھیں گے تو اس پر کیا گذرے گی؟

مگر بھائی بڑے سنگدل ثابت ہوئے ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم مسابقت کر رہے تھے اور بھائی یوسف کو اپنے کپڑوں اور سامانوں کے پاس ان کی حفاظت کی غرض سے چھوڑ دیا تھا، افسوس کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا، ہم اس کا کرتا لے کر آئے ہیں، خون آلودہ۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، مگر سچ یہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت دیکھئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی پریشانی دیکھئے کہ نئی عمر گہرا کنواں تنہائی اور تاریکی ہر طرف سے گھیرے ہوئے دہشت ہر طرف سے منڈلاتی ہوئی ذرا آپ تصور کیجئے، اس وقت یوسف علیہ السلام کا کیا حال ہوا ہوگا۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیجئے ارشاد ہوتا ہے۔ ارسلہ معنا غدا یرتع ویلعب وانا لہ لحافظون. قال انی لیحزننی ان تذھبوا بہ واخاف ان یاکلہ الذئب وانتم عنہ غفلون. قالوا لئن اکلہ الذئب ونحن عصبۃ انا اذا لخاسرون۔ (سورۂ یوسف: پ:۱۳ ع:۲)

آپ یوسف علیہ السلام کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے خوب کھائے اور کھیلے اور ہم اس کی مکمل نگرانی کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مجھے اسی بات سے غم ہوتا ہے کہ تم اس کو لے جاؤ اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے فکر رہو، بھائیوں نے کہا اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے داراں حالیکہ ہم ایک جماعت

ہیں۔ تب تو ہم زبردست خسارے میں رہیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق علمائے کرام کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور قرآن کریم میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اور باقی دوسرے لوگ ان کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو (جو اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے) جس کو امام حاکم مستدرکؒ میں روایت کرتے ہیں۔ دیکھئے: ج:۲: ص: ۴۷۷، اور اس کی تصحیح پر امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہیں۔ اگر آپ تسلیم کرلیں تو دوسرے گروہ کی تائید ہو جاتی ہے۔ مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گھرانے کے کل افراد جو کنعان سے مصر آئے تھے ان کی تعداد تین سو نوے (۳۹۰) تھی۔ جس میں بچے بوڑھے مرد اور عورتیں تھیں (رجالھم انبیاء ونسائھم صدیقات) مرد سب نبی اور عورتیں سب سچی تھیں ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کے سب برادر بھی تھے۔ الغرض ان کے ہونے میں کسی کو کسی طرح کا کوئی کلام نہیں ہے، صرف ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ اب پوچھنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حاضر وناظر ہوتے تو جب ان کے صاحبزادوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کا جو مشورہ کیا تھا وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم ہو جاتا۔ اور پھر بھائی کنوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈال آئے تھے۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام جا کر ان کو نکال لاتے؛ کیوں کہ ان کے سامنے ہی تو وہ کنوئیں میں ڈالے گئے تھے۔ جب حاضر وناظر تھے تو ان کو سب ماجرا معلوم ہونا چاہئے تھا۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر کے مومن بیٹوں کا بھی یہ عقیدہ ہوتا تو اس قسم کی سازش وہ ہرگز نہ کرتے۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام تقریباً چالیس برس تک پریشان رہے (دیکھئے مستدرک: ج:۴: ص:۳۹۶) آہ! حضرت یعقوب علیہ السلام پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹا اور بری طرح ٹوٹا۔ آہ! نالہ خدا سے فریاد یوسف علیہ السلام کی سلامتی کی دعاء حسین بیٹے کی صورت زیبا کا تصور جدائی کا خیال غربت کا احساس، موت وحیات کا

اندیشہ ایک دل وہ بھی غمزدہ اور ہزاروں آفتیں اور دردناک تکلیفیں۔ ع

وائے بر صید کہ یک باشد و صیاد سے چند

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ کہاں ہے میرا یحیٰن، کہاں ہے میرا یوسف آنکھوں کا نور دل کا سرور نور نظر، لخت جگر، کہاں ہے میرا صبر وقرار کہاں ہے میرا ہوش وحواس۔ آہ! یوسف! علیہ السلام حسین وجمیل یوسف تو کہاں ہے؟ کہاں جاؤں، تجھے کہاں سے پاؤں؟ دور ہے ہیں اور بے تحاشہ رو رہے ہیں۔ اب آؤ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے غمکدے میں چھوڑ دو۔ اور چلو مصر کی جانب، جدھر کو قافلہ گیا ہے۔

اسمٰعیلیوں کا قافلہ، وہ تجارت کا قافلہ، جس کے ہاتھ یوسف علیہ السلام سا حسین مکھڑا دیکھو پیغمبر زادہ مصر کے بازار میں کھڑا ہے، چاند کا سا خوبصورت چہرہ چمکتی ہوئی کالی سی آنکھیں، سڈول بدن موزوں قد وقامت چہرہ سے نور برس رہا ہے حضرت یعقوب کا لاڈلا، حضرت اسحٰق کا پوتا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پڑپوتا اور قدر کے اسرار پر کسے آگہی اور خدائی رازداریوں تک کس کی رسائی۔ چوں وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ بس بک رہا ہے خانوادہ نبوت حضرت یعقوب بے خبر ہیں۔ معلوم تک نہیں کہ میرا یوسف علیہ السلام کہاں ہے۔ حاضر وناظر ہوتے تو سب کچھ دیکھ لیتے۔ اپنے لخت جگر کو کنوئیں سے نکال لاتے۔ قافلہ سے چھین لیتے مصر سے واپس لے آتے۔ مگر افسوس کہ کچھ نہ ہوا اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھئے جو مصر میں بکا وہ بادشاہ بنا۔ رفتہ رفتہ بھائیوں سے ملاقات ہوئی۔ بھانڈا پھوٹا حقیقت کھل گئی۔ باپ سے ملنے کی آرزو نے بے چین کر دیا۔ قاصد کے ہاتھ اپنا قمیص مصر سے ارسال کیا کہ میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں درست ہو جائیں گی۔ مگر باذن خداوندی حضرت یعقوب علیہ السلام گھر والوں سے کہہ رہے ہیں کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔

بہرحال اس واقعہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے "جمیع ما کان ومایکون" کے عالم ہونے کے ساتھ یقیناً ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی نفی ہو رہی ہے۔

نوٹ: خواب کے پیش نظر اجمالی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا علم اور امید تھی۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ میں اسی طرف اشارہ ہے مگر تفصیل کے ساتھ کچھ علم نہیں تھا کہ یوسف علیہ السلام کہاں ہیں اور انکے ساتھ کیا گذری ہے؟ اور بیٹوں کی کارروائی کا صحیح علم بھی نہ تھا یہ بالکل ٹھیک ہے کہ صحیح وسالم قمیص پر جھوٹا خون دیکھ کر ان کو شک ضرور ہوا تھا۔ "بل سولت لکم انفسکم امرا" اسی لیے فرمایا تھا؛ لیکن بیٹوں کے مکر وفریب کی پوری حقیقت بالکل معلوم نہ تھی۔ لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کا استدلال سراسر باطل ہے اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے ان جملوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے علم غیب پر جو استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے جاء الحق: ص ۱۳۲) وہ تو بالکل ہی بے بنیاد ہے مزید اور پوری تشریح گذر چکی ہے مکمل بحث ملاحظہ کیجئے۔

پانچویں دلیل من القرآن الکریم

حضرت موسیٰ کا واقعہ

قرآن کریم میں ان کا واقعہ صاف طور پر مذکور ہے لیکن اس آیت کی تفسیر کے لیے بجائے اس کے آپ حضرات مفسرین کی طرف رجوع کریں۔ حضرت محمد ﷺ کی تفسیر جو صحیح بخاری: ج:۱: ص:۶۸۸، اور صحیح مسلم: ج:۲: ص:۶۲۹، وغیرہ میں مذکورہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے ایک بھرے ہوئے مجمع میں تقریر فرما رہے تھے۔ پیغمبر خدا کی تقریر تھی دل پذیر دل کش اور موثر، کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ سے بھی کوئی بڑا عالم موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا نہیں۔ جواب اگرچہ اپنے موقع پر صحیح تھا: کیوں کہ موسیٰ نبی تھے اور صاحب کتاب اور صاحب شریعت بھی تھے ان سے بڑا عالم کون ہو سکتا تھا۔ لیکن بارگاہ خداوندی میں اثنانیت کو پسند نہیں کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر یوں فرما دیتے کہ ہاں اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے، تو ان کا جواب اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آتا؛ مگر قدرت کو

کچھ اور ہی منظور تھا اس لیے انہوں نے فرمایا کہ ہمارا ایک بندہ ہے خضر نامی جو مجمع البحرین کے پاس رہتا ہے وہ تم سے بڑا عالم ہے۔ اس سے کچھ دن جا کر بعض تکوینی امور سیکھ آؤ (کیوں کہ تشریعی امور میں تو رسل اور نبی بواسطہ فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علوم اخذ کرتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے خدا مجھے کس طرح اس کی ملاقات نصیب ہوگی۔ جواب ملا اپنے ساتھ ایک بے جان مچھلی (نوفا مبتا بخاری) لے جاؤ۔ جہاں اس میں جان پڑ جائے گی۔ اور جہاں وہ تم سے الگ ہو جائیگی اسی مقام پر وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنے ایک رفیق خاص حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لیا کچھ زاد راہ بھی تھیلے میں ڈال لیا مچھلی لی اور چلتے بنے۔

خلاصہ یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچے۔ راستہ چوں کہ طویل تھا اس لئے حضرت موسیٰ ایک پتھر کے نزدیک آرام کرنے لگے۔

اس دوران خادم نے دیکھا کہ مچھلی زندہ ہونے کے بعد اچھل کود کر پانی میں جا پڑی اور عجیب وغریب طریقہ سے پانی میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی ہوئی نظر سے غائب ہوگئی۔ حضرت موسیٰ اٹھے اور از سر نو سفر کا آغاز کر دیا۔ خادم کو مچھلی والا قصہ یاد نہ رہا۔ جب کچھ مسافت طے کی اور منزل مقصود سے کافی آگے نکل گئے تو موسیٰ کو تھکان اور بھوک کا احساس ہوا اور اپنے ساتھی سے فرمایا کہ بھائی ناشتہ لے آؤ، جب رفیق نے تھیلے سے ناشتہ نکالنا چاہا تو مچھلی والا قصہ یاد آ گیا۔ عاجزی اور لجاجت سے وہ قصہ سنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ جہاں مچھلی غائب ہوگئی تھی۔ وہی جگہ تو ہماری منزل مقصود ہے۔ اپنے پاؤں کے نشانات تلاش کرتے اسی مقام پر پھر آ پہنچے۔ دیکھا کہ ایک بندۂ خدا چادر اوڑھ کر آرام کر رہا ہے۔ اس کے پاس گئے اور سلام کیا اس پر انہوں نے تعجب سے سوال کیا۔ اس زمین پر سلام کہنے والا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں موسیٰ ہوں۔ اس بندۂ خدا نے کہا کیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ فرمایا جی ہاں وہی موسیٰ۔ تو دوسرا سوال کیا آپ یہاں کیوں آئے؟ جواب ملا اس لیے کہ جناب سے کچھ علمی تحقیقی باتیں حاصل کروں۔ خضر علیہ السلام نے بڑی کڑی شرطیں لگائیں۔ مگر حضرت موسیٰ کو تسلیم کرنا پڑیں۔

نوبت بہ ایں جا رسید کہ کشتی پر دونوں کو سفر کرنا پڑا۔ ایک چڑیا آئی اور دریا سے پانی کا

قطرہ اٹھایا حضرت خضر نے فرمایا۔ اے موسیٰ وہ بولے جی ہاں فرمایا مخلوق سے علم کی نسبت خالق کے علم کے مقابلے میں ایسی ہی سمجھ لو جیسے اس چڑیا کے منہ کا پانی اور سمندر کا پانی۔ ایک قطرہ اور دریا چہ نسبت دارد۔ اور یہ بھی محض سمجھانے کے لیے فرمایا متناہی اور غیر متناہی میں کیا نسبت؟ محدود اور غیر محدود کا کیا تقابل؟ پھر ارشاد ہوا۔

یا موسیٰ انی علی علم الله علمنیه لا تعلمه انت وانت علی علم الله علمک الله لا علمه۔ (بخاری شریف: ج:۲: ص:۹۸۸) یعنی اے موسیٰ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے جس کو تو نہیں جانتا ہے اور تجھے خدا تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے:

فلمّا جاوزا قال لفتٰه آتنا غداء نا لقد لقینا من سفر نا هٰذا نصبا قال ارءیت اذا ویٰنا الی الصخرة فانی نسیت الحوت وما انسٰنیه الا الشیطٰن ان اذکره واتخذ سبیله فی البحر عجباً قال ذالک ما کنا نبغ فارتدا علی اثارهما قصصاً۔ پ:۱۵: کہف: ع:۱۱۔

پھر جب آپ آگے چلے تو اپنے نوجوان سے کہا لاؤ ہمارا کھانا ہم کو اس سفر میں کافی تکلیف پہنچی ہے کہا کیا نہیں دیکھا آپ نے جب ہم نے اپنی جگہ پکڑی پتھر کے ساتھ سوئیں۔ تو بھول آیا میں مچھلی اور ہم خود ہی نہیں بھولے بلکہ شیطان نے ہم کو بھلا دیا کہ میں اس کا ذکر کروں۔ اور اس نے دریا میں عجیب وغریب طریقے سے راستہ بنالیا، موسیٰ نے کہا یہی تو ہے جو ہم چاہتے تھے۔ پھر الٹے پھرے پاؤں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ حاضر وناظر نہ تھے۔ ورنہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ ہمارا ایک بندہ ہے۔ جو فلاں جگہ ہے اس سے جا کر ملاقات کرو۔ تو اس پر حضرت موسیٰ کے علامت طلب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مچھلی کو علامت اور نشانی مقرر کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔

اور پھر منزل مقصود سے آگے نکل جانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا؟ کیا حاضر وناظر پاس ہوتے ہوئے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اپنی منزل مقصود سے آگے نکل جایا کرتا

ہے؟ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ حضرت خضر بھی حاضر و ناظر نہ تھے۔ ورنہ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مجمع میں تقریر کرتے دیکھا اور ہر ہر قدم ان کے ساتھ حاضر بھی رہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کیوں فرمایا کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے؟ اور کیوں آئے؟ اور پھر جواب ملنے پر یہ کیوں فرماتے ہیں کہ کیا تم بنی اسرائیل کے رسول حضرت موسیٰ ہو؟ اس پورے واقعہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے حاضر و ناظر اور جمیع ما کان و مایکون کے عالم ہونے کی صاف طور پر نفی ثابت ہوتی ہے مولوی محمد عمر صاحب نے جو حضرت خضر کے کشتی کا ایک تخت اکھاڑنے لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار بنانے سے ان کے علم غیب پر استدلال کیا ہے۔ اقیاس: ص: ۲۳۷، تو یہ ان کی سخت جہالت ہے قرآن میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

"وما فعلته عن امری" پ: ۱۶ ع: ۱: کہف: کہ کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ وحی یا الہام سے ایسا ہوا ہے۔ (اور یہ بحث نزاع سے بالکل خارج ہے۔ اسی طرح اس سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام (جو بعد میں نبوت سے سرفراز ہوئے) کے عقیدہ کا بھی علم ہو جاتا ہے اگر ان کا عقیدہ یہ ہوتا کہ پیغمبر حاضر و ناظر اور "ما کان ومایکون" کے عالم ہوتے ہیں تو جس وقت مچھلی کو بطور علامت پاس رکھا، اس وقت فرما دیتے کہ حضرت آپ تو حاضر و ناظر ہیں آپ سے کون سی چیز مخفی ہے؟ اس مچھلی کے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی ایک ہی واقعہ سے سب کچھ حل ہو سکتا ہے مگر

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اسی کے پاس ہے مفتاح اور خزانے کی

چھٹی دلیل

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ

ان کا واقعہ بھی قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں، حیوانوں، پرندوں، اور جنات، وغیرہ مختلف مخلوقات پر

حکومت اور سلطنت کرنے کا حق عطا فرمایا تھا۔ اور انکی فوجوں کے مختلف محکمے تھے۔ اور ان کی باقاعدہ حاضری ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حاضری لی تو ہدہد نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کیا وجہ کہ وہ مجھے نظر نہیں آتا، واقعی وہ غائب ہے ؟ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اگر ہدہد اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی حکم عدولی پر میں اس کو ذبح ہی کر دوں۔

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ہدہد آیا اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کی کہ میں ملکۂ سبا کے پاس چلا گیا تھا۔ وہاں کے کچھ ایسے ہوش ربا اور دلکش حالات اور معلومات فراہم کر کے لایا ہوں کہ آپ کو جن کی خبر تک نہیں ہے۔ ہدہد سے پوچھا گیا کہ اے گستاخ اور بے ادب و بے باک! تو نے یہ کیا کہہ دیا کہ مجھے ملکۂ سبا کا حال معلوم ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خدا کے پیغمبر، حضرت داؤد کے لاڈلے تاج و تخت کے مالک، ہوا پر حکومت کرنے والے اور جنات پر تسلط رکھنے والے تھے۔

ان کو یہ معلوم نہیں ہے؟ اے ہدہد تو نے غضب ڈھا دیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی جلالت شان اور عظمت کا خیال نہ کیا ان کے علم کو تو نے گھٹیا جانا اور تولا۔

گستاخ اور بے ادب ہو گیا ہے۔ حاشقوں اور مجبوں کے رجسٹر سے تیرا نام خارج ہو گیا ہے قرآن کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ کیجئے

وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین لاعذبنہ عذابا شدیدا اولا اذبحنہ اولیاتینی بسلطن مبین فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبا بنبا یقین پ۔ ۱۹ النمل ع ۳

اور وہ حضرت نے اپنے جانوروں کی تو کہا کیا بات ہے جو میں نہیں دیکھ رہا ہوں ہدہد کو یا وہ کہیں غائب ہے۔ میں اس کو سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا الا یہ کہ وہ کوئی واضح عذر پیش کرے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ہدہد نے آ کر کہا کہ میں ایک خبر لیکر حاضر ہوا ہوں جس کی اس کو خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس ملک سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر۔

ہدہد بیچارہ یہ سب کچھ کہہ چکتا ہے مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو پھر بھی یقین نہیں

آتا۔ فرماتے ہیں، کیا معلوم سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ میرا یہ خط لے جا اور سبا والوں سے اس کا جواب لے آ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہدہد گیا اور جواب لایا اور بالآخر ملک سبا والوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو ملک سبا کا ضرور علم ہوتا۔ کیوں کہ حاضر و ناظر کی نگاہ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور پھر ہدہد کے بتلانے پر کیوں یقین نہیں آیا؟ اور جب ہدہد غائب تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے پریشان کیوں ہوئے کیا وجہ ہے اور عرض کیا کہ ہدہد یہاں موجود نہیں یا مجھے نظر نہیں آتا؟ اگر حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ہدہد فلاں جگہ موجود ہے ابھی آجائیگا۔ اور پھر یہ بھی نہ بھولا جائے کہ اگر سلیمان حاضر و ناظر ہوتے تو یہ کیوں فرماتے۔

مالی لا اری الھدھد کیا ہو گیا ہے کہ آج مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا ہے۔ کیا حاضر و ناظر کی نظروں سے بھی کوئی چیز اوجھل اور غائب ہوا کرتی ہے؟ نیز اگر حاضر و ناظر ہوتے تو حاضری کیوں لیا کرتے تھے؟ اس واقعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے "جمیع ما کان و ما یکون" کے علم کی بھی نفی ہو گئی۔

ان واقعات میں سے ایک ایک واقعہ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ یہ حضرات یہ ارشاد فرمادیں کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مولوی محمد عمر صاحب اس کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے بھی تم نے سلیمان علیہ السلام کے عدم علم کی دلیل اخذ کی ہے حالانکہ تمہاری دلیل اخذ کرنا باطل ہے کیونکہ آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے لیکن۔ جب آپ نے پرندے کو جو مجلس سے غیر حاضر تھا اس کے بارے میں فرمایا کہ میں آج مجلس میں اسے نہیں دیکھتا ہوں، آخر کیا بات ہے؟ کیونکہ اگر غیر حاضر کو بلا اظہار سبب اپنے علم ہی پر موقوف رکھتے تو شاہی علامت کے خلاف تھا۔ کیونکہ دوسرے درجوں میں آتی اور بلا سبب غیر حاضر ہو جاتے (مقیاس حنفیت) مولوی محمد عمر صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سبحان اللہ وہ دل میں بڑے ہی خوش ہوں گے اور حواری بغلیں بجاتے ہوں گے کہ واہ واہ مولوی محمد عمر صاحب نے تو کمال ہی کر دیا (بلکہ کمال کی ناک ہی توڑ دی) مولوی محمد عمر ذرا ہوش میں آکر فرمائیں کہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے کہ آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرما دیتے۔ تو کیا اس واقعہ سے ناواقفی صرف اسی بات پر ہی موقوف ہے کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے؟ کیا سلیمانؑ کے ان الفاظ سے اس واقعہ کی ناواقفی ثابت نہیں ہوتی کہ۔

مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین۔ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا وہ کہیں غائب تو نہیں ہو گیا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور تاج وتخت کے مالک اور خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت داؤد کے بیٹے نے جانتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا (العیاذ باللہ تعالیٰ) عالم ہو کر اور حاضر وناظر ہو کر دیکھنا چہ معنی دارد۔ باقی شاہی انتظام اپنے مقام پر صحیح ہے اس سے بحث نہیں ہے۔ بحث صرف اس سے ہے کہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی یہ کیوں فرمایا۔ مالی اری الھدھد۔ کہ میں یہاں ہوتے ہوئے ہدہد مجھے نظر نہیں آتا یا وہ حقیقتاً غائب ہے۔ عالم کل اور حاضر وناظر سے کیا چیز غائب ہوتی ہے۔ مفتی یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طرح ہدہد کا قول قرآن نے نقل کیا ہے کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی ان کو خبر نہ تھی۔ ہدہد نے سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ دیا۔

لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی (بانہ جاء الحق ص ۶۰) مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ "قال سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین" کیا خدا تعالیٰ کے نبی نے علم رکھتے ہوئے اور ہدہد کا بیان سنتے ہوئے یہ فرمایا کہ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ میرا یہ خط لے جا اور اس کا جواب لے آ۔ اور مفتی صاحب ہی ازراہ انصاف یہ فرمائیں کہ کیا قرآن کریم کی یہ آیت ہے یا نہیں۔ مفتی صاحب ایک وقت آنے والا ہے جس میں

خدا تعالیٰ کی بچی علامت میں رتی رتی کا حساب ہوگا۔ اور دنیا کا پائیدار و جاہت اور حلوے مانڈے سب فراموش ہو جائیں گے۔ اور وہاں پتہ چلے گا۔ آپ حضرات کی زبان سے یہ باتیں نکلیں گی کہ کاش کہ ہم لوگ علمائے دیوبند کی باتوں کو مان لیتے۔

بہر حال اگر آپ حضرات کو داؤد سے متعلق بھی کوئی حوالہ درکار ہو تو وہ بھی سن لیجئے۔

بخاری شریف ج:۱ ص:۴۸۷ اور مسلم شریف ج:۲ ص:۷۷۰ میں ایک حدیث آئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو بیبیاں تھیں اور دونوں کے یہاں لڑکے تھے اور وہ دونوں غفلت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ ایک بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ جو لڑکا باقی رہ گیا تھا اس پر دونوں کا جھگڑا اور اختلاف ہو گیا چھوٹی بی بی نے کہا کہ یہ بچہ میرا ہے جس کو بھیڑیا لے گیا ہے وہ تیرا تھا بڑی بی بی نے کہا کہ نہیں یہ بچہ میرا ہے۔ تیرے بچہ کو بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ دونوں اپنا جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں۔ بڑی چونکہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھی۔ اس نے واقعہ بیان کرنے میں ایسا طریقہ اور ڈھنگ اختیار کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بات کو صحیح سمجھ لیا اور بچہ اس کو دلوا دیا۔ اور حقیقت میں بچہ چھوٹی بیوی کا تھا جب دربار داؤد سے فیصلہ صادر ہو چکا۔ تو چھوٹی کے دل کی کیفیت کا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اولاد کے فراق سے آزمایا ہے کیا بعید ہے کہ اس بیچاری کے آنسو بھی نکل آئے ہوں۔

جب اس کی بے چینی اور اضطراب کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملاحظہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اور والد محترم سے اجازت طلب کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں ان کا اس سے بہتر فیصلہ کر دوں۔ جواب ملا کہ لخت جگر تمہیں حق ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم کو کہا۔ چھری لاؤ، حکم تھا چھری لائی گئی۔ دونوں بیبیوں سے فرمانے لگے کہ اچھا میں اس بچہ کو دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا تمہارے حوالے کر دیتا ہوں جب ان بیبیوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت سلیمان ایسا کر گزریں گے تو بڑی بی بی خاموش ہو گئی۔ لیکن چھوٹی کو یہ کب گوارہ تھا کہ اس کے جگر کو اس کے سامنے دو ٹکڑے کر دیا جائے۔ وہ بولی حضرت آپ یہ بچہ اس بڑی کو دیدیں۔ کبھی کبھی تو دیکھ ہی لیا کروں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس طریق اور حکمت عملی سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا اور حقیقت کھل گئی۔ اور بچہ چھوٹی بی بی کے حوالے کر کے حق بہ حق دار رسید پر عمل ہوا۔ اس بے چاری کو کھویا ہوا خزانہ مل گیا۔ اور شاداں و فرحاں واپس ہوئی۔ اب یہ پوچھنا یہ ہے کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام حاضر و ناظر اور "جمیع ما کان و مایکون" کے عالم ہوتے تو ان کو ضرور معلوم ہوتا کہ یہ بچہ تو چھوٹی بی بی سے پیدا ہوا ہے۔ میرے سامنے اور میری حاضری ہی میں تو اسکو اس کی ماں نے درد زہ کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے جنا ہے۔ اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑیا بڑی بی بی کے بچہ کو اٹھا لے گیا ہے۔ یہ بچہ چھوٹی کا ہے۔ پھر نہ معلوم حضرت داؤد علیہ السلام نے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے حق تلفی کا فیصلہ کیوں صادر فرمایا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بھی حاضر و ناظر ہوتے تو انہوں نے حکمت عملی کی زحمت کیوں گوارا کی؟ اور پہلی بار چھوٹی کو کیوں نہ بچہ دلوا دیا؟ کچھ تو فرمایئے کہ فیصلہ کیا ہے ممکن ہے کہ فریق مخالف ہمیں سنا دے کہ۔

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب ہیں

یہ تو قرآن کریم اور صحیح احادیث کے ارشادات تھے اور تھے بھی صرف انبیائے عظام سے متعلق۔ اب آپ ذرا فریق مخالف کی خوش گپیاں بھی ملاحظہ کیجئے۔ اور کچھ دیر لیجئے کہ ان کو بزرگان دین سے کتنی عقیدت اور کیسی محبت ہے۔ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت اور بقول ان کے مجدد وقت مولوی احمد یار خاں صاحب بریلوی اپنی مشہور کتاب ملفوظات حصہ دوم ص: ۳۹۰ میں رقم طراز ہیں سیدی احمد سلجماسی کے دو بیویاں تھیں۔ سیدی عبدالعزیز دباغ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی۔ یہ نہیں کرنا چاہیے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوئی تھیں آپ نے فرمایا نہیں وہ سوئی نہ تھی۔ سوئے میں جاگنا ڈالی تھی۔ عرض کیا، ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں، ہر آن ساتھ ہے۔

بعض بزرگان دین کو کشف والہام سے کسی واقعہ کا علم ہو جاتا ہے تو اسی کے تحت تم

ہے اور اس کا انکار کرنا باطل ہے مگر ہمیں تو امکان صدق کی بات نہیں کرنی بلکہ وقوع کا دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں ہم نے یہ کہا ہے کہ "تو کسی وقت بیمار ہوئے ہو" میں "ہو" ان سب کو شامل ہے جو بیمار ہوئے اور ان میں مسلمان کو ان سے استثناء کرنا چاہیے۔

حضرات ہمیں تو یہ حوالہ نقل کرتے بھی شرم آتی ہے مگر کیا کیا جائے کہ بعض لوگ بریلویوں کے علم غیب اور حاضر و ناظر کی اڑا لیا ہے۔ حریفوں کی ہر بات کی تردید کرنے کے لئے ان کے ہی دو مرشد حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور انھوں نے ہم کو دیکھتے رہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے اعمال (اچھے اور برے) دوسرے (فرشتوں) میں تم سے الگ ہو جاتے ہیں

(۱) جب تم قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے ہو اور (۲) جب تم نماز میں ہوتے ہو (ترغیب ج ۱ ص ۱۰۹، ملکوۃ ص ۲۶۹ اور علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ سراج المنیر ج ۲ ص ۱۰۶)

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ اس حالت میں فرشتے بھی الگ ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال اور اقوال کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر فریق مخالف کے نزدیک بزرگان دین کی قدر اور تعظیم کس انداز سے ہے کہ وہ اس حالت میں بھی شرم محسوس کرتے اور مریض بیمار کی جان تک چھوڑ دیتے۔ اور گویا یوں کہتے ہیں کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ بریلوی حضرات کے مشہور عالم مولوی غلام سرور لاہوری کی کتاب مجمع الرحمن ص ۱۰۶، میں معروف صوفی عبدالوہاب شعرانی کی کتاب لواقح الانوار ج ۲ ص ۷۸، کے حوالے سے ولی کے کمال پر یہ شرط بھی ہے کہ **یعلم ما تحمل کل انثی** الا یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کل قرار پاتا ہے ہر مادہ کو **وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمہ الا یۃ** اور نہیں حمل قرار پاتا کسی مادہ کو نہ جنتی ہے مگر صرف اللہ تعالیٰ کے علم سے وغیرہا قطعی اور صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے سراسر باطل ہے۔ اور قطعاً مردود ہے۔

لا ینظر بطنہ فی فرج انثی الا بنظر ذالک الرجل کی ہر مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل مرد اس کو دیکھتا ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت زکریا علیہ السلام اولو العزم شان اور بڑے رتبے کے نبی تھے عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگتے رہے تاکہ انکی علمی اور پیغمبرانہ وراثت ان کو مل سکے اور وہ مخلوق خدا کی ہدایت اور اصلاح کا ذریعہ بنے۔ مگر مالک الملک کی شان بے نیاز ہے کافی عرصہ تک ان کی یہ تمنا اور آرزو پوری نہ ہوئی حتیٰ کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی ہڈیاں کمزور، بدن ضعیف، سر کے بال سفید اور کمر جھک گئی، ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ آتا ہے اور پیغام دیتا ہے کہ آپ کو لڑکے کی خوشخبری ہو، اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اور ایسا نام پہلے کسی کا تجویز نہیں ہوا۔ فرمایا میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا؟ میرا بڑھاپا آچکا ہے اور میری بیوی بڑھیا اور بانجھ ہے، جواب ملا، اسی طرح مقدر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عنایت فرمائے گا آخر آپ کو بھی اس قادر مطلق نے وجود بخشا پھر یہ تعجب اور حیرت کا کونسا مقام ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے مسرت اور بے پناہ شوق سے بھرے ہوئے دل اور استعجاب سے عرض کی۔

قال رب اجعل لی آیۃ قال آیتک ان لا تکلم الناس ثلاث لیال سویا۔

فرمایا اے میرے رب کوئی ایسی نشانی عطا فرمائیے (کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے) فرمایا اس کی نشانی یہ ہوگی کہ تین رات تک اور تندرست ہونے کے باوجود کسی سے بات نہ کر سکیں گے، یعنی یہ عدم تکلم صرف عارضی ہوگا۔ اس میں قوت گویائی یا حرف نہ ہوگی، آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع خوشخبری اور بشارت سنتا ہے تو مزید طمانیت اور اطمینان کے لیے بار بار پوچھتا ہے اور کھود کرید کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفتیش سے لذت حاصل ہوتی ہے اور بات خوب پکی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا بھی یہی منشاء تھا۔ ملاحظہ کیجئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کے استقرار حمل کے لیے اللہ تعالیٰ سے نشانی اور علامت طلب کرتے ہیں۔ نہ تو اس کا ان کو علم ہوتا ہے۔ اور نہ وہ اس کو دیکھ سکتے ہیں کہ حمل کب اور کس وقت قرار پایا ہے۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اور ہے بھی پیغمبر اور نبی کے

فضل۔ مگر یہاں ان تمام تہاد ما شقان اولیا کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل کی دعا ہو سکتا ہے جو آئی اور بارہ کے استقرار نطفہ کو دیکھے۔

اکبر نقاد ست راہ است (گلستان)

فاروقین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو تو یہ علم ہو سکا کہ موجودہ بچہ کس کا ہے؟ چھوٹی نبی بی کا یا بڑی کا؟ اور حضرت زکریا علیہ السلام اپنی بیٹی مریم کے استقرار حمل کو نہ دیکھ سکے اور نہ جان سکے یہاں تک کہ ان کی ولادت ہوئی مگر فریق مخالف کے نزدیک بزرگوں کو نطفہ ڈالنے اور ہمبستری کرنے کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ اس وقت بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ۔

پہل دیکھے آپ دل کو تو پہل کر
کون دیکھے یہ بے بس دل کی

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کی ران ننگی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ۔ ان الفخذ عورۃ (مشکوٰۃ ص ۳۹۳ باب ما یلزم الرجل من حفظ عورتہ) آنحضریف لائے اور دیکھا کہ میری دونوں رانیں ننگی ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ یا معمر غط فخذیک فان الفخذ عورۃ۔ اے معمر اپنی رانوں کو چھپاؤ کیونکہ ران پر واجب چھپانے کی چیز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لا تکشف الفخذ ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔ [illegible] اپنی ران ننگی نہ کرو اور نہ تو زندہ کی ران کو دیکھو اور نہ مردہ کی ران کو۔

مقام حیرت اور تعجب ہے کہ امام الاحیاء و خاتم المحققین شیخ الموحدین حضرت گو ﷺ فرمائیں شان و کمال حضرت مجدد اور حضرت معمر کی ران کو دیکھنا گوارہ نہ فرمائیں۔ بہر حال کسی زندہ اور مردہ کی ران تک کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور یہاں حضرات شیخین کا عقیدہ ہے کہ کمال نبوت اور ولایت کی یہ شرط ہے کہ عورتوں کی شرمگاہوں میں استقرار نطفہ کا علم اور اس کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔ حیف ہے حیف ہے اس عقیدہ پر اور تف ہے اس

تف ہے ایسے گندے عقیدہ پر اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔

قارئین کرام! آپ ان تمام واقعات کو ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ تمام کے تمام واقعات قرآن کریم کے ہیں اور ان کی تشریح اور تائید میں بہت سی حدیثیں ہیں جو بخاری اور مسلم کی ہیں جن کی صحت پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے اور دیگر روایتیں ہیں جو ہم نے بلور شاہد اور اعتبار کے مستدرک وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ ان میں محدثین کرام کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے امام حاکم علامہ ذہبی ناقد فن رجال وغیرہ سے ان کی تصحیح بھی نقل کر دی ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی ولی یا بزرگ سے متعلق نہیں کہ طریقت اور حقیقت کے خود ساختہ ٹھیکیدار سے یہ کہہ کام چل سکے۔ بلکہ یہ واقعات خدا تعالیٰ کے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر وہ واقعہ اعلیٰ خبرے جس سے متعلق نسخ کا واقعہ کوئی احتمال نکل ہی نہیں ہو سکتا۔ اب ہم اپنی بات یہیں پر ختم کرتے ہیں تاکہ آزادی اور سوچ بچار میں رکاوٹ نہ پیدا ہو جائیں۔ کیونکہ ابھی ہمیں آگے بہت کچھ عرض کرنا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قارئین کرام سے بصد تی اخلاص یہ التماس و استدعا ہے کہ یہ معاملہ کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ آخرت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اپنے نفع اور نقصان کو ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ لیجئے تاکہ مستقبل میں پھر ندامت اور پشیمانی نہ ہو۔ (نسیم، عفا عنہ)

پہلا باب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جواب [illegible]

جواب [illegible]

پہلی دلیل کے جوابات

[illegible]

روح البیان کی عبارت پیش کی ہے (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۶۵)

جواب (۱): اس بات پر تو سب کا اتفاق واتحاد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اہانت یا رسوائی کی نیت سے نہ پکارا جائے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ خارج عن الایمان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پکارنے پر لبیک کہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ ادھر بلائیں اور تم اُدھر جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ کے حکم پر آمنا و صدقنا کہنا چاہیے۔ چنانچہ اسی بات کی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کیا لا تجعلوا دعاء الرسول ﷺ اسی طرح لوگوں کو چاہیئے کہ حضور اکرم ﷺ کی باتوں پر اپنی باتوں کو آواز بلند فوقیت نہ دیں یعنی حضور اکرم ﷺ کے سامنے چلا چلا کر آوازیں نہ لگائیں۔ کیوں کہ یہ بھی ایمان کو حبط کرنے کے اسباب ہیں۔

یہ تمام باتیں قرآن واحادیث سے ثابت ہیں اور اس پر ہم تمام اہل سنت والجماعت کا اتفاق واتحاد بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ادب واحترام ہر حال میں ملحوظ رکھا جائے۔ لیکن اتنا ملحوظ اور اتنی تعظیم نہ کی جائے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا مرتبہ دے دیا جائے، اور لوگ ان کو سجدہ کرنے لگیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح صحابۂ کرام تعظیماً حضور اکرم ﷺ کو نام لیکر نہ پکارتے تھے۔ اور ان کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کر لیتے تھے۔ اسی طرح آج بھی یہی رواج ہے کہ آدمی اپنے والدین، بڑے بھائی، اور بیوی شوہر کے سامنے آہستہ باتیں کرتے ہیں اور تعظیماً نام لیکر نہیں پکارتیں۔ تو کیا نام نہ لینے کی وجہ سے وہ حضرات نور ہو گئے۔ ہرگز نہیں پس یہی مثال حضور اکرم ﷺ کی ہے کہ صحابۂ کرام اور باری تعالیٰ اپنی محبوبیت کے مدنظر نام لے کر نہیں پکارتے تھے۔

دوسری غلط فہمی کا ازالہ

خاں صاحب نے یہ کہا کہ دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لیکر نہیں پکارا جاتا، ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب، جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ کوئی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اسکا نام لیکر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ

کہے، تو اگرچہ یہ بات تو سچی ہے مگر ایسے شخص کو بے ادب اور گستاخ کہا جائے گا (لہٰذا ان طرح آقائے رحمت کو نام لے کر نہ پکارا جائے)۔ (جاء الحق، ص ۱۵۶)

جواب: نام نہ لینا اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ جیسا کہ خود خاں صاحب نے ابھی ابھی بیان کیا ہے کہ اگر کوئی ماں کو باپ کی بیوی اور باپ کو ماں کا شوہر کہہ کر پکارتا ہے تو بات سچی ہے لیکن پکارنے والا گستاخ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا "یا محمد" کہہ کر پکارنا گستاخی ہے۔ لیکن یہ بات سچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔

بہر حال ہم حضور اکرم ﷺ کی تعظیم تہہ دل سے کرتے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔ لیکن۔ لا تشرک باللہ شیئا پر بھی گامزن رہیں گے۔ آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے۔ دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا ان کے پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کرسی دے دی (جاء الحق، ج ۱، ص ۱۶۶)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا کہ دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ یہ عقیدہ ہمارا ہرگز نہیں بلکہ مولوی یار خاں نے کذب بیانی کی ہے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے مصداق بنے ہیں۔

مزید کہا کہ حضرت شہیدؒ نے حضرت مولانا سید احمد کو نبی کے برابر کرسی دی حالانکہ یہ بھی کہنا بالکل غلط ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ علمائے کرام، نائبین انبیاء و رسل ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "العلماء ورثۃ الانبیاء" اور آگے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" بہر حال ہم امتی کو نبی کا درجہ نہیں دیتے اور نہ نبی کو امتی کا درجہ دیتے ہیں۔ حضرات بریلوی نے نبی کو اللہ کا درجہ دے دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے دعاء مانگو وہ دے گا۔ اور انبیاء و رسل کی قبروں پر سجدہ کرو وہ دے گا اور یہ تمام عمل کلیر شریف کے اندر احقر نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔

اب غور کریں کہ امتی کو اللہ اور اس کے رسول کا درجہ کس نے دیا؟ بہر حال یہ مانگنے

کا منظر دیکھا ہو تو بھیر اور بھریں۔ اور ربیع الاول کو شریف لے جائیں تمام چیز آپ خود دیکھ لیں گے۔

تیسرے غلط تصور کا ازالہ

رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے اس کو عام القاب سے پکارنا اس کے مراتب عالیہ کا انکار کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی اور رسول کا خطاب دیا۔ لہٰذا آپ کو انہی القاب کے ساتھ پکارا جائے۔ (ایضاً ص ۱۶۶)

جواب: قارئین کرام ماقبل میں یہ بات عرض کر چکا ہوں کہ ہاں غایت تعظیم یہی ہے کہ انسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر نہ پکارے لیکن خود خالق صاحب کے خویش و اقارب کے مزارات پر یا محمد یا احمد لکھا ہے۔ تو پھر یہ کیوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہاں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا حرام ہے۔ ہاں اتنی بات تو ضرور ہے کہ بھائی نہ کہنا چاہیئے۔ لیکن حرمت کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے اگر آپ حرمت کا فتویٰ لگاتے ہیں تو کوئی نص پیش کیجئے؟ کیوں کہ یہ تمام بے بنیاد باتیں ہیں۔

چوتھی غلط فہمی کا ازالہ

خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا اخا مومنین سے نہ پکارا بلکہ "یا ایھا النبی یا ایھا الرسول یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر" وغیرہ پیارے القاب سے پکارا (ایضاً ص ۱۶۶)

جواب: یہ کہاں لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بشر یا اخی المکرم یا محمد یا بھائی کہہ کر پکارنا حرام ہے۔ (البتہ ایسے القاب سے لوگوں کو پرہیز کرنا چاہئے) اگر حضرات بریلوی کے اندر اتنی استعداد ہے تو اس بات کی حرمت پر کوئی آیت یا کوئی حدیث یا عبارت اکابر پیش کر دیں۔ بہر حال اتنی بات ضرور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا نام با تعظیم و تکریم لینا چاہیئے۔ لیکن اتنی بھی تعظیم نہ کرے کہ قبروں پر لوگ سجدہ کرنے لگیں۔ اور کفار و مشرکین کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ (جیسا کہ اگر کوئی قبروں کی پوجا کرتا ہے تو وہ مشرک

بت پرستی ہے)

جواب (۳) سوم جواب یہ ہے کہ اگر ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر تسلیم کرنا حرام جانتے ہوتا یا آپ ﷺ کو بشر تسلیم کرنا حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود سورہ کہف میں آپ ﷺ کو بشر کیوں کر فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بشر ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

پانچویں غلط فہمی کا ازالہ

قرآن کریم نے کفار کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ وہ نبی کو بشر کہتے تھے "الا انتم الا بشر مثلنا" کافر ہو لے تمہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر (ابراہیم آیت ۱۰) تو کیا اب یہ کہنا ہے کہ بشر کہنا غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

جواب: کفار و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے اور اس معنی میں آپ کو بشر کہتے تھے۔ لیکن ہم اہل سنت والجماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت تسلیم کرتے ہوئے۔ اسی طرح کفار و مشرکین آپ کو بشر کہتے تھے محض اہانتاً لیکن ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں تعظیماً اور آپ ﷺ کی آل اولاد کو تسلیم کرتے ہوئے۔ اور قرآن کریم پر نظر ڈالتے ہوئے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ "قل انما انا بشر مثلکم یوحی"۔

قارئین کرام! ایک بات اور ملحوظ رکھیں کہ خاں صاحب نے پانچ باتیں کہی ہیں جوابات دیئے گئے لیکن اب تک کوئی ایک آیت یا حدیث پیش نہ کر سکے کہ آپ ﷺ نور ہیں بشر نہیں مگر ہم نے ابھی ابھی اس کے جواب میں بالکل صریح آیت پیش کی جو آپ ﷺ کی بشریت پر دال ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ بشریت پر اعتراضات کی تردیدات کا بیان

خاں صاحب نے اثبات بشریت پر آیت پیش کی قل انما انا بشر مثلکم اے محبوب فرما دو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔ اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ

ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ جھوٹی ہو جائیگی۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ "فرمایا گیا ہے۔ قل اے محبوب آپ فرمادو! تو یہ فرمانے کی صورت صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکساری وتواضع فرمادیں یہ نہیں کہ "قولوا انما هو بشر مثلنا" اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔
(جاء الحق: ج:۱: ص:۱۶۶)

تردید! خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ تواضعاً فرماتے تھے کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں۔ اگر آیت مذکورہ کو تواضع وانکساری پر محمول کرتے ہیں تو۔ قل هو الله احد، قل اعوذ برب الناس، قل اعوذ برب الفلق، کے سلسلے میں کیا فیصلہ کرلیا کرتے ہیں کیوں کہ جو صیغہ قل انما میں ہے وہی صیغہ قل هو الله احد کے اندر ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی کہا کہ اے محبوب تواضع وانکساری کے طور پر فرمادیں کہ اللہ ایک ہے اگر اس آیت کو آپ تواضع پر محمول کرتے ہیں تو پھر قل ہو اللہ احد کو بھی تواضع پر محمول کریں ہوگا۔ جس سے شریعت پر کافی آنچ آئے گی۔

بہر حال یاد رکھئے جو حکم قل انما انا بشر مثلکم میں رکھا ہے وہی حکم قل هو الله احد کے اندر بھی رکھا ہے۔ پس اگر خاں صاحب بشریت کا انکار کریں گے تو وحدانیت کا انکار لازم آئے گا۔ اور یہ قول دائرہ اسلام سے خارج کرنے والے ہیں۔ پس یہی کہا جائے گا کہ قل انما انا بشر مثلکم۔ حقیقتاً ہے اول تو تواضع یا انکساری نہیں۔

جواب: قارئین کرام ماقبل میں کہا گیا تھا۔ قل انما انا بشر مثلکم یہ آیت کفار ومشرکین کے تعجب کو دفع کرنے کے لیے لایا گیا تھا کہ بھائی ہم جو معجزات اور کرامات عجائب اتنا دکھاتے ہیں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ یعنی نہ ہم فرشتہ ہیں اور نہ اوحی الی" کہ ہم تو تمہارے ہی جیسے بشر ہیں، لیکن فرق اتنا ہے کہ ہماری طرف وحی آتی ہے۔ تو گویا کہ اس وحی الٰہی کے ثبوت کے لیے پہلے بطور مقدمہ کے یہ کہا گیا کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں، تاکہ وحی الٰہی کی وجہ سے یہ نہ کہہ دو کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ یا خود مانتے ہیں۔ تو گویا کہ قل انما انا بشر مثلکم، اتنا ہی عبارت ہے اور اس

کی تفصیل یوحیٰ الی ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ قرآن کریم میں ہے۔ نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح۔ رب کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے اس آیت میں بھی حکم مثل ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نور خدا چراغ کی طرح ہے (ایضاً: ص: ۱۶۷ تا ۱۶۸)

جواب: (۱) مثال اور تشبیہ کے اندر ایسے ہی فرق ہے جیسے کہ پانی اور آگ کے درمیان! بہر کیف مثال کا اطلاق ہر ایسی چیز پر کیا جاتا ہے کہ مثال و ممثل کے ہر ہر جز میں مطابقت ضروری ہے اگر مثال، ممثل لہ کے ہر ہر جز میں مطابقت نہیں ہے تو پھر مثال اور ممثل لہ باطل ہے اسی بات کی توضیح کرتے ہوئے خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قل انما انا بشر مثلکم یوحی" ۔ یہاں پر حضور ﷺ کی مثال وہی انسان کے ساتھ تو جوں کہ نبی اکرم ﷺ کے ہر ہر جز کے اندر انسان کے ساتھ مطابقت ہے یعنی دیگر لوگوں کے پاس زبان۔ تو حضور ﷺ کے پاس زبان۔ دیگر لوگوں کو اولاد، بیوی، چچا، باپ، ماں، پھوپھی، ساس، خسر، ماموں، تو حضور ﷺ کے پاس بھی اولاد، بیوی، چچا، باپ، ماں، پھوپھی، ساس، خسر، ماموں، دیگر لوگ تمام اعضاء و جوارح کے حامل ہیں حضور ﷺ بھی جملہ اعضاء و جوارح کے حامل تھے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم انسانوں کے ہر ہر جز کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، لہٰذا آپ بشر تھے اب ملاحظہ کیجئے کہ مشابہت کے سلسلے میں مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر ہر جز کے اندر مشابہت ضروری نہیں مثلاً کہا جاتا ہے زید کالاسد کہ زید شیر کے مشابہ ہے تو اس جگہ جو کہا کہ زید شیر کے مشابہ ہے تو صرف بہادری کے معاملے میں زید شیر کی طرح ہے یعنی ایک چیز میں مشابہت ہے دوسری چیز میں نہیں پس یہی مشابہت کمشکوۃ فیھا مصباح کی ہے کہ اس کی روشنی چراغ جیسی ہے۔ یعنی صرف ایک چیز میں مشابہت ہے دوسری تیسری چوتھی چیز میں نہیں۔ جب مثال اور تشبیہ میں یہ فرق ہو گیا تو پھر خاں صاحب کی یہی تردید عیاں ہو گئی۔ نیز یہ تقریر بندہ نے شیخ محدث عصر بحر العلوم حضرت مولانا انظر شاہ صاحب شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند سے بخاری کے درس میں سماعت کی تھی۔ (محمد نسیم رحمانی)

اب جواب تسلیمی ملاحظہ کیجئے، **جواب**: قارئین کرام ماقبل میں جو کہا گیا تھا، قل انما الخ، اور ابھی جو خاں صاحب نے ایک آیت پیش کی، مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح، دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ دونوں کے مفاہیم اور مطالب کے درمیان کافی فرق ہے۔ بہر حال اس کا جواب یہ ہے کہ مشکوٰۃ کے اندر باری تعالیٰ نے مثال دی ہے۔ اور مثال چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بھی دی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

"ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلاما بعوضۃ فما فوقھا۔" پس اس آیت کمشکوٰۃ سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ کا نور دنیاوی مثل چراغ ہے۔ بلکہ ان کا نور ایسا ہے کہ وہاں تک ہمارے تفہیمات بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور علیہ السلام ایمان، عبادات، معاملات، غرض کہ کسی شے میں بھی ہم جیسے نہیں ہیں فرق عظیم ہے حضور علیہ السلام کا علم کلمہ ہے "انا رسول اللہ" میں اللہ کا رسول ہوں اگر ہم کہیں گے تو کافر ہو جائیں گے (ایضاً ص: ۱۶۸)

جواب: قارئین کرام یہ تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل اور ہمارے قول و عمل کے درمیان تھوڑا سا فرق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بحکم الٰہی ہوتا ہے اور اس حکم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کرتے ہیں اور بندہ جو عمل کرتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مدنظر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر تو بہت ساری آیات و احادیث ہیں لیکن آپ ﷺ کے عدم بشریت پر کہاں آیت و احادیث ہیں۔ حالانکہ آپ ﷺ کی بشریت پر باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قل انما انا بشر مثلکم۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ آیت کے اندر بشر مثلکم فرمایا گیا۔ انسان مثلکم نہیں کہا گیا۔ جس سے کہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً چہرہ مہرہ والے تھے حقیقتاً نہیں (ایضاً ص: ۱۶۹)

جواب: یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ دنیا میں جو بھیجے گئے تمام

مخلوقات کے لیے، نہ کہ صرف انسان کے لئے۔ بہر حال اگر "انسان مثلکم" فرمایا تو بہت سارے لوگوں کے ذہن میں اشکال پیدا ہوتا کہ حضور اکرم ﷺ جنات اور انسان وغیرہ کی طرف بھیجے گئے ہیں تو باری تعالیٰ نے صرف انسان مثلکم۔ کیوں فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ لفظ بشر کہہ کر باری تعالیٰ نے پرزور انداز میں خاں صاحب کی تردید فرمائی تا کہ لوگوں کو یہ شک وشبہ نہ ہو جائے کہ حضور اکرم ﷺ جنات اور نور میں سے تھے۔

دوسری اور تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردید

(۲) حضور اکرم ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا، واکرموا اخاکم تم اپنے بھائی (ہمارا احترام کرو) جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے دینی بھائی ہیں مگر بڑے بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔ (۳) قرآن کریم فرماتا ہے "والی مدین اخاھم شعیباً. والی ثمود اخاھم صٰلحاً. والیٰ عاد اخاھم ھوداً" ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین، ثمود اور عاد، کا بھی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیائے کرام امتوں کے بھائی ہیں۔ ان تمام دلائل کا جواب خاں صاحب نے دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع وانکساری فرمایا (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۷۰ تا ۱۷۱)

رد: ان مذکورہ جواب کی تفصیل ابھی ماقبل کے جواب کی تردید کے تحت گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلیں، ان مذکورہ جواب کی دوسری تردید یہ ہے کہ بفرض محال تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیں کہ حضور اکرمؐ نے تواضعاً فرمایا تو کیا جملہ انبیاء کرام نے بھی تواضعاً ہی فرمایا کیوں کہ تواضعاً ایک بار یا دو بار ہو سکتا ہے۔ اور باقی کو تو تواضع نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ اسے حقیقت پر محمول کریں گے۔ آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں تو کیا رعایا کو حق ہے کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے یہی مثال حضور اکرم ﷺ کی ہے (ایضاً: ص ۱۷۱)

رد: مذکورہ صورت میں تو حقیقتاً بادشاہ رعایا کا خادم ہوتا ہے لیکن تعظیم وتکریم کی وجہ سے رعایا انکو خادم نہیں کہتی۔ تو میں خاں صاحب سے یہ عرض کروں گا کہ آپ بھی تسلیم کرلیں کہ حقیقتاً حضور اکرمؐ بشر ہیں لیکن غایت تعظیم یہ ہے کہ ان کو بشر کہہ کر نہ پکارا جائے۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

قرآن کہتا ہے: "انما المومنون اخوۃ" مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور حضور علیہ السلام بھی مومن ہیں۔ لہٰذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے دینی بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا جائے؟ سو اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیوں کہ وہ بھی مومن ہیں۔ قرآن میں ہے۔ الملک القدوس السلام المومن۔ (نعوذ باللہ)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ نبی اکرم ﷺ کو "انما المومنون اخوۃ" کے تحت اگر بھائی تسلیم کرتے ہیں "الملک القدوس السلام المومن" کی بنیاد پر باری تعالیٰ کو العیاذ باللہ، بھائی تسلیم کرنا پڑیگا۔ اس جواب کی تردید یہ ہے کہ "انما المومنون اخوۃ" کے اندر صراحت کے ساتھ لفظ اخوۃ موجود ہے۔ لیکن آپ نے الزامی جواب دیا تو "الملک القدوس السلام" کے تحت، سو یہاں المومن کے معنی امان دینے کے ہیں۔ پورے مستدل کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ بادشاہ پاک ذات ہے سب عیبوں سے سالم ہے امان دینے والا" پس آیت مستدلہ سے یہ کہاں ثابت ہوا کے باری تعالیٰ بھائی ہیں۔

پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

حضور علیہ السلام اولاد آدم ہی سے تھے، ہماری طرح کھاتے، پیتے، سوتے، جاگتے، اور زندگی گذارتے تھے بیمار ہوتے تھے۔ موت ان کو آئی، اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے ان کو بشر یا اپنا بھائی کیوں نہ کہا جاوے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے مثنوی کے حوالے سے یہ دیا کہ کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں برابر کے شریک ہیں۔ (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۷۱، تا ۱۷۲)

رد: اس کی تردید ماقبل میں بھی کر چکا ہوں کہ کفار و مشرکین حضور اکرم ﷺ کو بشر کہا کرتے تھے اپنا اور رسوائی کے لیے لیکن ہم آپ ﷺ کو بشر کہتے ہیں وہ محض تعظیماً اور قرآن و احادیث کے آئینے میں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ امتحان کے نتائج نکلتے ہیں تو

وہ طلبہ جن کے نمبرات امتحان اول میں اچھے آئے۔ اور ثانی میں کم تو اب بعض ساتھی بات کے طور پر کہتے ہیں کہ واہ تمہارے نمبرات امتحان ثانی میں بہت اچھے آئے ہیں؟ اور دوسرا کہتا ہے کہ نہیں اس امتحان میں بھی غالباً نمبرات اچھے ہیں یعنی کسی کتاب میں ناکام نہیں ہوئے ہیں۔ تو اب غور کیجئے کہ بعض ساتھی نے اچھا کہا اور بعض نے تخطیہ کیا۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور اکرم ﷺ کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیئے کہ انسان کو یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں۔ پھر ہم کلمہ میں عبدہ ورسولہ کیوں کہتے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۷۲)

رد! خاں صاحب نے یہ کہا کہ نبی اکرم ﷺ کو بشر کفار و مشرکین نے اچھا کہا تھا۔ تو میں خاں صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ آیت قل انما انا بشر مثلکم میں کفار نے آپ ﷺ کو بشر نہیں کہا بلکہ باری تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم کیا کہ آپ کہدیں کہ میں بشر ہوں تو (العیاذ باللہ) کیا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی یا آپ ﷺ نے اپنے آپ کو رسوا کیا۔

چھٹی دلیل کا جواب اور اس کی تردید

شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں، کان بشر من البشر. حضور علیہ السلام بشروں میں سے ایک بشر تھے۔ اسی طرح جب حضور ﷺ سے عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ میں آپ ﷺ کا بھائی ہوں کیا میری دختر آپ کو حلال ہے۔ دیکھو حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام کو بھائی بتایا (ایضاً ص ۱۷۲) خاں صاحب نے اس کا جواب کوئی معتبر نہیں دیا۔ کیوں کہ نہ عقل سے قریب لگتا ہے اور نہ نقل سے۔ البتہ ایک بات انہوں نے یہ کہی کہ صحاح ستہ کے اندر احادیث آتی ہیں تو حضرت عائشہ یہ نہیں کہتیں کہ میرے زوج نے فرمایا یا حضرت ابن عباسؓ یہ نہیں کہتے کہ میرے بھتیجے نے فرمایا، بلکہ تمام حضرات یہی کہتے ہیں۔ قال رسول اللہ ﷺ. تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بشر نہیں ہیں۔

رد: کیا اگر کوئی بیوی اپنے شوہر کے سلسلے میں یہ کہے کہ فلاں کے باپ نے یہ کہا

؟ تو کیا وہ اس کا شوہر نہیں رہا یا کیا وہ نور ہو گیا؟ اسی طرح کوئی اپنے چچا کے بارے میں کہے کہ فلاں نے یہ کہا تو کیا اب وہ اس کا چچا نہیں رہا۔ یقیناً اسکا چچا ہے البتہ یہ تمام باتیں تنقیص و توقیر پر مبنی ہیں۔

مقدمہ

احقر نے مخالفین کی غلط تاویلات و تحریفات کا جواب دیا، مزید فریق مخالف نے اہل حق کے دلائل کے جوابات دینے کی کوشش کی تھی۔ سو اس کی بھی تردیدات پیش کی گئیں۔ اب ہم اہل حق کی طرف سے قرآن و احادیث کے آئینے میں دلائل پیش کرتے ہیں۔

نفی بشریت بآیات القرآن الکریم

پہلی دلیل

(۱) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے پیدا کیا انسان کو (خواہ انبیاء ہوں یا صلحاء یا اتقیاء یا صحابہ) اچھے ڈھانچے میں دیکھئے (روح البیان، بیضاوی، کشاف) اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ انسان نہیں تھے بلکہ نور تھے پھر اس سے اس آیت کی تحریف لازم آئے گی لہٰذا اس سے بچنا مناسب ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ "سبحن الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام" اس جگہ باری تعالیٰ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کو عبد کے لقب سے ملقب کیا تو بغیر کسی غور و فکر کے بات ذہن نشین ہوتی ہے کہ آپ ﷺ بشر و انسان تھے نہ کہ نور، اگر آپ نور ہوتے تو ارشاد ہوتا: سبحن الذی اسری بنورہ لیلاً من المسجد الحرام لیکن باری تعالیٰ نے ایسا نہ فرمایا۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ "خلق الانسان علمہ البیان" اس جگہ لفظ انسان کے اندر جملہ انسان شامل ہیں خواہ انبیاء ہوں یا صحابہ، وغیرہ اور مزید فرمایا کہ ہم نے ان کو پیدا کر کے بیان سکھایا یعنی علم۔ نیز علمہ البیان سے خاں صاحب نے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ عالم الغیب تھے اور اس کا جواب ہماری طرف سے بحث علم غیب کے تحت

گذر چکا ہے اب عرض یہ کرنا ہے کہ علماء کی ضمیر کا مرجع آپ ﷺ نے انسان کو بنایا اور انسان کے اندر حضور ﷺ بھی شامل ہیں پس آپ ﷺ بشر و انسان ہیں نہ کہ نور۔

(۴) چوتھی دلیل "قل انما انا بشر مثلکم یوحی" جس پر ماقبل میں عمل بحث ہو چکی ہے۔

(۵) پانچویں دلیل کلمہ شہادت کے اندر ہے کہتے ہیں: "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" تو یہاں پر بھی عبدہ کا استعمال کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی بشریت پر دال ہے۔

(۶) چھٹی دلیل حضور اکرم ﷺ کو باری تعالیٰ نے یا ایھا المدثر، یا ایھا المزمل کہہ کر پکارا اور مدثر و مزمل کے معنی ہیں اے چادر میں لپٹے ہوئے محبوب تو آپ چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ کیا نور کو بھی ٹھنڈ محسوس ہوتی ہے۔

ساتویں دلیل

وما منع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا (پ: ۱۵، سورۃ الاسراء ع: ۱۱)

ترجمہ: اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب پہنچی ان کے پاس ہدایت مگر اتنی بات کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کو ایمان لانے سے ان کا یہ نظریہ مانع رہا کہ بشر کو رسالت کیونکر مل سکتی ہے تبھی تو انہوں نے صاف الفاظ میں یہ کہا کہ ابعث اللہ بشرا رسولا، کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنایا ہے ان دونوں نے بشر کو رسول ماننے سے انکار کیا کیونکہ پتھر کو معبود ٹھہرانے سے شرمائے۔ چناں چہ حضرت علی بن سلطان المعروف بہ علی القاری الحنفی المتوفی: ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ۔ انکارا منھم ان یوصل اللہ بشرا واقرارا بان یتصلح ان یکون الا لہ حجرا الخ، شرح الشفاء، ج ۳، ص ۵۴۲، طبع مصر۔

انہوں نے تو انکار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسالت عطا فرمائی مگر اس کا اقرار کر لیا کہ پتھر انکا معبود قرار پایا۔ اس کا جواب اللہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ۔ قل لو کان فی الارض ملئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ اے محمد ﷺ تو

کیا اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے یعنی زمین میں انسان آباد ہے تو ان کی اصلاح اور بھلائی کے لیے بشر انسان ہی انسان کو رسول بنا کر بھیجنا حکمت کے عین مطابق ہے اگر فرشتے زمین میں بسنے والے ہوتے تو آسمان سے فرشتے اور نوری مخلوق ان کی اصلاح کے لیے مبعوث کی جاتی۔

آٹھویں دلیل

قال یا ابلیس مالک الا تکون مع الساجدین، قال لم اکن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حمإ مسنون قال فاخرج منها فانک رجیم وان علیک اللعنة الی یوم الدین (پ ۱۴ ع ۳) اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں نہ تھا کہ بشر کو سجدہ کرتا جس کو آپ نے خشک مٹی سے بدبودار گارے سے پیدا کیا تو اس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے خشک مٹی سے بدبودار گارے سے پیدا کیا تو اس سے نکل یہاں سے پس تو مردود ہے اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک مٹی اور مٹی سے بنے گارے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں، جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا، تو فرشتوں نے بلا حیل وحجت تعمیل حکم میں سجدہ کر لیا مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بشر اور آدمی کو کم درجہ کا سمجھنا ابلیس لعین کا حکم ہے جس پر تا قیامت اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی رہے گی۔ اور وہ مردود و ملعون ٹھہرا رہے گا۔ بشر کو اعلیٰ شان سمجھنا فرشتوں اور فرشتہ صفت لوگوں کا کام ہے۔ اس ملعون کے پیرو کہ جو لوگ بشر میں اس کے فضائل و کمالات کا انکار کر کے پہلو تہی کر رہا ہے وہ ابلیس کے راستہ کا پیچھا کر رہا ہے۔

نویں دلیل

لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاری (پ ۵ ع ۱۰) اس آیت کا مخاطب ہر ایک اہل ایمان ہے نماز سے پہلے اس کے مخاطب تو حضور اکرم ﷺ ہیں کہ ان کو کہا گیا کہ جب آپ

دوسری دلیل

قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً۔

تو کہہ سبحان اللہ میں تو نہیں ہوں مگر بشر رسول (پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰)

مشرکین مکہ نے تعصب و عناد کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے چند فرمائشی نشانات طلب کئے۔ جو حکمت خداوندی کے خلاف تھے۔ ان کے جوابات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یوں ارشاد فرمایا کہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً۔ بتحریر کرام ہم نے یہاں تک قرآن کریم کی دس آیات ذکر کی ہیں جو کہ مسئلہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ آگے احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں۔

نور کی نفی احادیث کی روشنی میں

آنحضرت ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنے خطبہ بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا "انما انا بشر مثلکم الحدیث" کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۸، مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۳)

حدیث (۲) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انما انا بشر اذا حدثتکم الحدیث" (بخاری ج ۲ ص ۱۰۹۱ سے پہلے کہ جس کو شیخین نے تخریج کیا ہے۔ حدیث (۳) خطبہ کسوف کے موقع پر آپ ﷺ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "یا ایھا الناس انما انا بشر رسول الحدیث" (بخاری ج ۱ ص ۱۵۹، حدیث (۴) حجۃ الوداع کے موقع پر ایک تاریخی خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے خطاب فرمایا "ایھا الناس انما انا بشر یوشک ان یاتینی رسول ربی فاجیب الحدیث" (مشکوٰۃ ص ۴۶۲ و الفضائل بخاری ص ۵۲۴ و مسلم ج ۲ ص ۲۰۹ و سنن کبریٰ ج ۱ ص ۱۱۲ حدیث تخریج فرمایا ہے کوئی اپنے کہ میں تو بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس رب کا قاصد ملک الموت آجائے

اور میں اس کے حکم کی تعمیل کروں۔

ناظرین کرام! ہم نے یہاں تک نبی کریم ﷺ کی چار احادیث مبارکہ نقل کر دی ہیں، اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے آثار نقل کیے جاتے ہیں۔

نور کی نفی آثار کے آئینے میں

آثار صحابہ کرام سے دلائل:

ترجمان القرآن حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی مذکور ہے۔ ''ان رسول اللّٰہ ﷺ قد مات انہ بشر، الحدیث'' دارمی: ص: ۲۲، کہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے کیوں کہ بتاکید آپ ﷺ بشر تھے۔

(۲) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، ''کان بشرا من البشر'' شمائل ترمذی: ص: ۲۴: وادب المفرد: ص: ۷۹، للامام بخاری

(۳) ''قالت ما کان الا بشرا من البشر الخ'' موارد الظمان: ص: ۵۲۵، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہ تھے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مگر بشر۔

(۴) جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا (تلخیص المستدرک: ج: ۱: ص: ۱۰۸)

(۵) آنحضرت ﷺ کے متعدد صحابہ کرام نے جو قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ایک موقعہ پر آپ ﷺ کو بشر کہا، مستدرک حاکم: ج: ۱: ص: ۱۰۶،

ناظرین کرام! یہاں تک ہم نے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام کے پانچ اقوال نقل کر دیئے آگے علمائے اسلام اور فقہاء ملت و مفسرین و محدثین اور صوفیائے کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

نور کی نفی اقوال علمائے اسلام سے

تمام علمائے اسلام اور فقہائے ملت اس بات پر متفق ہیں کہ سب حضرات انبیائے

کرام بشر تھے۔ صاف اور صریح الفاظ میں اپنی کتابوں میں وہ اس کا بلا خوف تردید اظہار اور اعلان کرتے ہیں۔

(۱) قاضی ابو الفضیل عیاض بن موسیٰ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں کہ: لقد قدمنا ﷺ وسائر الانبیاء والرسول من البشر وان جسمہ وظاہرہ خالص للبشر یجوز علیہ من الآفات والتغیرات والآلام والاسقام ونحو ہذا کما یجوز علی البشر وہذا کلہ لیس بنقیصۃ فیہ الخ۔ (الشفاء ج ۲: ص: ۱۵۷۔)

بلا شبہ یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اور باقی تمام حضرات انبیاء اور رسول علیہم السلام بشر تھے۔ اور آپ ﷺ کا جسم مبارک اور ظاہر خالص بشری تھا۔ آپ ﷺ پر وہ سب کچھ جائز ہے جو انسانوں پر طاری ہو سکتا ہے، مثلاً تکالیف مصائب آلام بیماری اور موت وغیرہ اور ان سب امور کی وجہ سے آپ ﷺ کی شان مبین میں کوئی کمی اور نقص نہیں آتا۔

یہ عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن اور صاف ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۲) غلام محی الدین برکلی الحنفی المتوفی ۱۰۵۲ھ۔

(۳) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفی (المتوفی) ۱۰۵۲ھ "محمد ﷺ وسائر الانبیاء من البشر" محصلہ ملاحظہ ہو، طریقہ محمدیہ: ص: ۱۱، (طبع مصر) وتکمیل الایمان طبع لکھنؤ: ص: ۳۷۔

(۴) امام محمد الحنفی المتوفی، ۱۲۷ھ لکھتے ہیں کہ: "لان النبی علیہ السلام بشر والبشر حسن یلحقہم المعدۃ الارض اکرمکم اللہ" (فتاویٰ بزازیہ ج ۶: ص ۳۱۱)

آنحضرت ﷺ بشر ہیں اور بشر ایک ایسی جنس ہے، جس کو عیب لاحق ہو سکتا ہے، ہاں مگر جن کو اللہ تعالیٰ عزت بخش دے۔

اس عبارت میں بھی تشریح ہے کہ آنحضرت ﷺ بشر تھے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو عصمت کی بلند پایہ خلعت سے نوازا ہوتا ہے

اور وہ معصوم ہوتے ہیں۔

(۵) علامہ جلال الدین دوانی شافعی المتوفی ۹۲۸ھ لکھتے ہیں کہ: النبی ھو انسان بعث اللہ الی الخلق لتبلغ ما اوحی الیہ۔ شرح عقائد ص ۲۔ نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ نے مخلوق کی طرف تبلیغ واحکام کے خاطر مبعوث کرتا ہے۔ بشر آدمی اور انسان یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں اور اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ نبی انسان ہوتا ہے۔

(۶) محقق احناف حافظ ابن ہمام الحنفی لکھتے ہیں کہ "ان النبی انسان بعث اللہ لیبلغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق" المسایرہ مع المسامرہ: ج ۲: ص ۸۳۔ طبع المصر، کہ نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کرتا ہے۔ اور اسی کو رسول بھی کہتے ہیں سو اس لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۷، ۸، ۹) اسی کے قریب الفاظ ہیں شرح عقائد: ص: ۱۴۰؛ و: ص: ۸۹؛ للعلامۃ تفتازانی المتوفی ۷۹۳ھ اور ملا صادق العقیدۃ اور رشیدہ: ص: ۵؛ وغیرہ عقائد اور علمی مناظرہ کی مستند کتابوں میں۔

(۱۰) امام جلال الدین سیوطی شافعی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ: والا شھر فی معنی الرسول انہ انسان اوحی الیہ الخ۔

رسول کا مشہور معنی یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہوتا ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی جاتی ہے، اور تبلیغ شرعی مقصود ہوتا ہے یعنی اگر جدید شرح اور نئے تبلیغی احکام کا حکم ہو تو وہ رسول ہوتا ہے۔ اگر جدید شرح کی تبلیغ کا حکم نہ ہو: بلکہ پچھلی شریعت کی تبلیغ کا حکم ہو تو وہ نبی ہوتا ہے۔

(۱۱) امیر یمانی محمد اسماعیل المتوفی ۱۱۸۲ھ لکھتے ہیں کہ "وفی لسان شرع عبادۃ عن انسان الخ"۔

اور شریعت کی اصطلاح میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ شریعت نازل کی گئی ہو اور جب اسے دوسرے لوگوں کی خاطر اس شریعت کی تبلیغ کا حکم ہو تو اسے رسول کہتے ہیں۔

(۱۲) علامہ ابن حجر ہیثمی المکی الشافعی المتوفی ۹۷۳ھ فرماتے ہیں کہ کرامت کی تین قسمیں ہیں (۱) خاص جیسے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے ہوتی ہیں (۲) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عوام جس طرح [illegible]

(۱۳) امام محمد الرازی الحنفی المتوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں کہ [illegible] التفسیر [illegible] ج ۵ ص ۳۵۰ طبع مصر قدیم کو [illegible] تحریر کیے۔

(۱۴) حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی الطائی المتوفی ۶۳۸ھ لکھتے ہیں کہ وقال رسول الله ﷺ فی کل وقف وهو فی عرصة الرسالة والعبدیة انما انا بشر مثلکم الخ۔

آنحضرت ﷺ اس وقت بھی جب کہ آپ رسالت و نبوت کے مقام پر تھے، فرماتے تھے یہی فرماتے رہے کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں آپ کے اس بلند مقام نے آپ کو اپنی حقیقت کے اعتراف سے نہیں روکا یعنی باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو رسالت و نبوت کے اعلیٰ مقام سرفراز فرمایا تھا آپ نے اپنی بشریت کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر فرمایا اس سے انکار نہیں کیا۔

(۱۵) حضرت مولانا جلال الدین رومی المتوفی ۶۷۲ھ نے اپنی مثنوی میں ایک حکایت بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا جو مکان کی چھت پر کھیل رہا تھا اور اس کے والدین بھی کسی کام میں مصروف تھے (یا محو خواب سو رہے تھے) بچے کے مکان کے اوپر ایک کھلا کھلا سا پرنالہ تھا جس کے ذریعہ چھت کا پانی کوچہ میں بہتا تھا۔ اچانک وہ بچہ اس پرنالے میں جا گھسا۔ پرنالہ چونکہ نیچی کی طرف آنے کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ ماں باپ کو خیال ہوا کہ یہ اتنا مضبوط تو ہے نہیں یہ تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا اور نیچے گر جائے گا اور بچہ ہلاک ہو جائے گا۔ جب ماں باپ اس کے قریب گئے تاکہ اس کو پرنالے سے باہر نکالیں تو وہ ناداں بچہ اور اندر گھستا چلا گیا، جس سے ہر لحظہ خطرہ بڑھتا رہا اور ماں باپ جب اسکو اپنی طرف بلاتے تو وہ اور دور ہوتا جاتا بالآخر وہ مایوس ہو گئے کہ یہ نادان اور ناتواں بچہ بات نہیں مانتا اور پرنالہ الٹ گیا تو یہ ہلاک

ہو جائے گا۔ کوئی آدمی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو یہ مشورہ دیا کہ اس عمر کا کوئی بچہ فوراً مکھن سے نکل آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مکان کی چھت پر ہم عمر بچے کو دیکھ کر وہ بچہ بھی پرنالے سے نکل آیا۔ انکی جان میں جان آئی اور ماں باپ کی پریشانی زائل ہوئی اس واقعہ کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کرنے کے بعد حضرت گنگوہی فرماتے ہیں کہ ؎

زاد بود جنس بشر پیغمبراں ☆ نے بجنسیت ہمہ از نا بود وار

یعنی اس وجہ سے حضرات انبیائے کرام جنس بشر سے ہیں تاکہ جنسیت کی وجہ (مصائب اور گمراہی کے) پرنالے سے ان کو نکال لائیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر جنس سے فائدہ اٹھانا اور اس کے اسوہ اور سیرت پر چلنا خاصا مشکل ہے۔

(۱۶) حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی (المتوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں کہ۔

اے برادر محمد ﷺ باآں علوشان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متسم (مکتوب ۷۳ دفتر اول ص ۴۰۰ طبع امرتسر) اے بھائی حضرت محمد ﷺ باوجود اس بلند مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے متصف تھے۔ یعنی نہ آپ قدیم اور واجب تھے اور نہ ہی ازلی و ابدی تھے۔ بلکہ بشر حادث اور ممکن تھے اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

تو نہیں دیکھتا کہ حضرات انبیائے کرام عام لوگوں کے ساتھ نفس انسانیت میں برابر ہیں اور حقیقت ذوات کے لحاظ سے سب کے ساتھ متفق ہیں (دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۲۸)۔

(۱۷) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ۔ اما در نبوت و رسالت درجہ ایں ست الخ۔

بہر حال نبوت اور رسالت میں نبی کے لیے ایک ایسا درجہ ہے جس تک فرشتہ نہیں پہنچ سکتا ہے اور وہ درجہ اصل میں مٹی سے حاصل ہوتا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے

(۱۸) مشہور صوفی صاحب حال و جد علامہ بوصیری (المتوفی) فرماتے ہیں کہ۔ فمبلغ العلم فیہ انہ بشر ۔ وانہ خیر خلق اللہ کلھم کہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں مبلغ علم یہی ہے کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

(۱۸) مصر کے مشہور عالم شیخ محمد عبدہ المتوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں "والانبیاء افضل البشر بالاجماع" تفسیر المنار ج ۵ ص ۲۰۸ طبع مصر انبیائے کرام علیہم السلام بالاجماع افضل البشر ہیں۔

(۱۹) علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المتوفی ۱۱۲۲ھ تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک ناموں میں سے ایک نام بشر ہے۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۴ ص ۳۲۳ طبع مصر)

(۲۰) محدث کبیر امام ابوحاتم بن ادریس الامام الحافظ الکبیر المتوفی ۳۲۷ھ فرماتے ہیں کہ "ما نجد لابی بکر وعمر فضیلۃ مثل ھذہ الفضیلۃ لو ھاب شعراف" (ص ۲۰ طبع مصر) ہم حضرت ابوبکر و عمر کی اس جیسی اور کوئی فضیلت نہیں پاتے ہیں کہ ان کا مادہ اس مٹی سے بنا ہے جس مٹی سے جناب رسول اللہ کا وجود مسعود تیار ہوا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ جہاں کی مٹی اور خمیر ہوتا ہے، مرنے کے بعد انسان اسی مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور پرنور روضہ اقدس کے اندر پہلو بہ پہلو قبروں میں تشریف فرما ہیں۔ یہ مختصر اور ٹھوس حوالے منصف مزاج آدمی کے لیے بالکل کافی ہیں، ہاں ضدی اور ہٹ دھرم کے لیے دلائل کا انبار بھی ناکافی ثابت ہوتا ہے۔

پہلا باب

ندا، یارسول کے ثبوت میں

ندا شریعت میں یقیناً جائز ہے جیسے کہ عام طور پر جب کہ دوسرے کو اپنی طرف بلاتے ہیں تو کہا جاتا ہے یا زید جئنی عندی۔ اے زید میرے پاس آؤ، اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کیا ہے تو کہا، "یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر، وغیرہ کا استعمال کیا۔ بہرحال مذہب اسلام نے تو یہ اجازت ضرور دی کہ، یا حرف ندا کے ذریعہ لوگوں کو مخاطب کریں، مگر اس نیت سے نہیں کہ لوگ ان سے یعنی مدعو سے مدد مانگنے لگے اور رب کریم کے ہم مثل قرار دے دیں۔ ایسی

ہمارے اور حضرات بریلوی میں اختلاف اسی بات میں ہے کہ وہ جب بھی انبیاء یا صلحاء یا اولیاء کو، یا، حرف نداء کے ذریعہ مخاطب کرتے ہیں یعنی جب یا رسول اللہ ﷺ یا اولیاء اللہ کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہم ان سے طلب کریں گے سو یہ اسے پورا کر دینگے۔ یہی نہیں بلکہ حضرات بریلوی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے قائم مقام کرتے ہیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کرتے یعنی کسی کو پکارتے ضرور ہیں! لیکن ہمارا یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ ہم ان سے کچھ فریاد یا کریں، مرادیں مانگیں۔

جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک'' کہ اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع ونقصان نہ پہنچا سکیں۔

پہلی دلیل اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے چند آیات کریمہ پیش کی ہیں مثلاً: ''یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر، یا ایھا الذین آمنو الا تجعلوا دعاء الرسول، الخ'' ان تمام آیات کریمہ سے خاں صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے۔

(جاء الحق: ج: ۱: ص: ۱۷۴)

جواب: یہ بات تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز ہے، لیکن اس نسبت سے نہیں کہ وہ ہمارے معاون و مددگار ہیں، یا نہیں کہ وہ ہمارے مشکل کشاں ہیں، اور یہی بات آیات مذکورہ سے ثابت ہے کہ یا رسول اللہ کہنا تو صحیح ہے لیکن ان سے مدد مانگنا صحیح نہیں! کیوں کہ مدد مانگی جاتی ہے صرف وحدہ لاشریک کی ذات سے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیات مذکورہ اس وقت پر دال ہیں جب کہ آپ ﷺ باحیات تھے اور آپ ﷺ کو باری تعالیٰ نے یا حرف نداء کے ذریعہ مخاطب کیا۔

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر خاں صاحب، یا ایھا النبی، والی آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے مدد مانگنا یا ان کو مشکل کشا تسلیم کرنا جائز ہے، تو یا ایھا النبی کے قائل خود باری تعالیٰ بھی ہیں یعنی انہوں نے اپنے حبیب کو مخاطب کیا ہے یا حرف نداء کے ساتھ تو کیا باری تعالیٰ (العیاذ باللہ) نبی اکرم ﷺ سے مدد

طلب کر رہے ہیں۔ یا ان کو مشکل کشا مان رہے ہیں (نعوذ باللہ) پس معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیات سے استدلال کرنا وقار علم کے خلاف ہے۔

جواب ۳: تیسرا جواب خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، لیس لک من الامر شیئ الآیۃ، آپ ﷺ کو دخل نہیں ہے، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا متوجہ ہو جائے یا ان کو سزا دے۔ بہر حال اگر آپ مشکل کشا ہوتے یا آپ سے مدد مانگنا یا آپ کو مختار کل ماننا درست ہوتا تو مذکورہ آیات کیوں کر نازل ہوتیں۔ بہر حال خاں صاحب نے مکمل وضاحت کے ساتھ یہ نہیں کہا کہ حضور اکرم ﷺ مشکل کشا ہیں یا معاون مددگار ہیں، کیونکہ ان کو اس بات کا ڈر ہے کہ قاسمی خاندان کی روحانی اولاد پیدا ہو گی اور ہماری گوشمالی کرے گی، حالانکہ دوسری کتابوں کے اندر بانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ پر یہ کہنے کی جرأت کی کہ حضور اکرم ﷺ مشکل کشا ہیں۔ پس اس کی بھی تردید ہو گئی۔

دوسری دلیل کے جوابات

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل نے عرض کیا یا محمد اخبرنی عن الاسلام، نداء پائی گئی؟ مشکوٰۃ باب وفات النبی میں ہے کہ بوقت وفات ملک الموت نے عرض کیا یا محمد ان اللہ ارسلنی الیک، نداء پائی گئی؟ ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو ارشاد ہوا؟ اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ، یامحمد انی قد توجھک بک الی ربی الخ، اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور اکرم ﷺ نبی الرحمۃ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد میں نے آپ کے ذریعہ اپنے رب کی طرف اپنی حاجت میں توجہ کی تا کہ حاجت پوری ہو، نداء پائی گئی الخ؟ (جاء الحق: ج ۱: ص ۱۷۵)

جواب (۱): اس کے تین جواب ابھی ابھی ماقبل میں گذر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کیجئے، دوسری ایک بات گذری کہ جیسا خاں صاحب نے ترجمہ کیا ہے "اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور اکرم ﷺ نبی الرحمۃ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں" تو

اس عبارت میں حضور اکرم ﷺ کا واسطہ ثابت ہوتا ہے، سو یہ قابل تحسین عمل ہے۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حدیث پیش کی وہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آپ ﷺ باحیات تھے اور آپ ﷺ کو مخاطب کیا گیا تھا، پس اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے جبرئیل امین یا عثمان بن حنیفؓ مدد مانگتے تھے یا آپ ﷺ کو مشکل کشا تسلیم کرتے تھا۔ بہر حال ہماری اور آپ کی بحث اس بات میں ہے کہ آپ ہمیں ایسی آیت یا ایسی حدیث دکھلائیں کہ جس میں حضور اکرم ﷺ سے مدد مانگنا اور ان کو مشکل کشا تسلیم کرنا جائز قرار دیا گیا ہو۔

جواب ۳: تیسرا جواب باری تعالیٰ نے دے دیا، امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض أاله مع الله الخ، آیا کون ہے وہ ذات جو بے کس اور بے بس کی آہ و بکا کو سنتی ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتی ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی اپنی ذات ہے۔ اس آیت سے بالکل یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ کسی بھی حالت میں باری تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا گمراہی کی علامت ہے۔

تیسری دلیل کے جوابات

تیسری دلیل خاں صاحب نے عالمگیری: ج: ۱: کتاب الحج کے حوالے سے پیش کہ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں الخ۔

جواب (۱): نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا یہ تو قرآن سے ثابت ہے، (صلوا علیہ والی آیت سے) لیکن یہ کہاں ثابت ہے کہ باضابطہ مزارات پر پھول، چادریں چڑھانے کے بعد سلام پیش کیا جائے، اسی طرح یہ کہاں ثابت ہے کہ مزارات پر جا کر درود و سلام پیش کیا جائے۔ بہر حال آپ نے جو عبارت پیش کی ہے اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا چاہئے، اور اس کے قائل [illegible] مسلمہ ہے۔ مزید جوابات ماقبل میں گذر چکے ہیں۔

خاں صاحب نے کچھ اشعار پیش کیے ہیں جن کے جوابات ضروری ہیں تو

ملاحظہ کیجئے۔ خاں صاحب کے پیش کردہ اشعار کے تراجم۔

(۱) اے بہترین مخلوق آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں (۲) یا رحمۃ للعلمین، زین العابدین کی مدد کو پہنچو وہ اس اژدحام میں ظالموں کے ہاتھ میں قید ہے (۳) جدائی سے عالم کی جان نکل رہی ہے یا نبی رحم فرما کیا آپ رحمۃ للعلمین نہیں ہیں؟ پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں بیٹھے (۴) اپنے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی رضا کا امیدوار ہوں اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں (جاء الحق، ج:۱، ص:۱۷۶)

جواب (۲): احقر پہلے بھی عرض کر چکا ہے کہ، یا حرف ندا کے ذریعہ مخاطب کرنا کوئی عیب کی بات نہیں! البتہ سب سے پہلا شعر اور اس کا ترجمہ شفاعت رسول پر مبنی ہے اور دوسرے شعر کا ترجمہ جو خاں صاحب کی کتابوں میں موجود ہے قطعاً درست نہیں، کیوں کہ شعر اس طرح ہے، یا رحمة للعلمین ادرک لزین العابدین، تو ادراک کے معنی ہیں محسوس کرنے کے (نہ کہ مدد کرنے کے) اب پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محمد عربی ﷺ آپ زین العابدین کے سلسلے میں کچھ محسوس کریں یعنی ان کے بارے میں باری تعالیٰ سے دعاء کریں۔ اب اس جگہ خود نبی اکرم کو کہا جا رہا ہے کہ آپ باری تعالیٰ سے میرے بارے میں دعائے خیر کریں لہٰذا آپ کیسے معاون و مددگار ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح تیسرے شعر کا ترجمہ جو پیش کیا گیا ہے اس کے اندر بھی ملا جائی کا مقصد ہے کہ آپ ﷺ باری تعالیٰ سے دعائے خیر کریں، اسی طرح امام اعظم کا چوتھا شعر شفاعت پر مبنی ہے۔ بہر حال ان تمام اشعار سے نبی اکرمؐ سے استعانت کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ واسطہ کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی طرح خاں صاحب نے السلام علیکم ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ، پیش کیا اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ کو پکارنا واجب ہے (جاء الحق: ج:۱، ص:۱۷۶)

جواب (۱): حضور علیہ السلام کو پکارنا واجب نہیں بلکہ ان پر درود و سلام بھیجنا ضروری ہے مگر مہذب انداز میں اور باقی جوابات حاضر و ناظر کی بحث میں گذر چکے ہیں۔

جواب (۲): خاں صاحب نے یہ کہا کہ نماز میں حضور اکرم ﷺ کو پکارنا واجب ہے حالانکہ قرآن کریم نے اعلان کر دیا، لا تدعوا من دون اللہ، البتہ التحیات

میں جو تبی کا تذکرہ ہے محفل اس غرض سے کہ آپ پر درود وسلام بھیجا جائے۔ نہ کہ آپ ﷺ کو پکارا جائے۔

چوتھی دلیل کے جوابات

مسلم جلد دوم باب الحج میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں داخل ہوئے تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور غلام گلیوں کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے تھے یا محمد ﷺ، یا رسول اللہ ﷺ (ایضاً ص ۱۷۶ تا ۱۷۷)

جواب (۱): یہ حدیث خوش آمدید اور اہلاً وسہلاً مرحبا پر مبنی ہے بایں طور کہ جب کوئی شخص کسی میدان کو فتح کر لیتا ہے یا کوئی مہمان گھر تشریف لاتے ہیں اور خوشیوں کے انبار لگے رہتے ہیں تو لوگ خوشی و مسرت کی فضاؤں میں جھومنے لگتے ہیں اور خوش آمدید اور اہلاً وسہلاً مرحبا کے ترانے پیش کرتے ہیں مگر تھوڑی دیر کے لیے نہ کہ ہمیشہ کے لئے۔ پس اسی طرح حضور اکرم ﷺ پر لوگوں نے ہر طرح سے خوش آمدید پیش کیا اور نعرے لگائے تو اس کو ہمیشہ پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ خوشی کے تقاضے اور مناظر عارضی ہوا کرتے ہیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکورہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے مدد مانگی جائے اور اب رہا یہ سوال کہ یا محمد ﷺ یا رسول اللہ ﷺ کیوں کہا گیا تو یہ لفظ عام فہم ہے کیوں کہ عام طور پر کہہ دیتے ہیں یا غلام، تو اس کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں کہ ہم تم سے مثل اللہ کے مدد مانگتے ہیں۔

دوسرا باب

ہمارے دلائل کے جوابات اور ان کی تردیدات

قرآن کریم فرماتا ہے "ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک" اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہی نہیں ہیں معلوم ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا منع ہے۔ ویعبدون من دون اللہ ما لا ینفعہم شیئاً ولا

بنفسہم، خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں، جو ان کے لیے نافع مضر نہیں، نکایت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے، خاں صاحب نے اس دلیل کا جواب یہ دیا کہ، دعا اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا ہے، (جاء الحق ج ۲ ص ۱۷۷)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا کہ جہاں بھی لفظ دعاء ہے تو اس کے معنی ہیں پوجنے کے نہ کہ بلانے کے گویا کہ خاں صاحب بلانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور بلایا اسی کو جاتا ہے جو باحیات ہو پس جن کی وفات ہو چکی ہے تو ان کو بلانے سے کیا فائدہ ہو بہر حال اب کسی بے حیات کو پکارنے اور بلانے کی آخر غرض کیا ہے۔ اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ آپ ان کو بھی پوجنے کی غرض سے ہی پکارتے ہیں، حضرات بریلوی کے یہاں قبروں پر سجدہ کرنا جائز ہے اور سجدہ بھی کیا جاتا ہے تو کیا یہاں بھی آپ سجدہ کے ذریعہ بلاتے ہیں، ہرگز نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ان کی عبادت کی جاتی ہے جو عند الشریعت حرام ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابھی خاں صاحب نے کہ "ومن یدع مع اللہ الٰھا آخر" جو خدا کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے وہ شرک کرتا ہے، حالانکہ خاں صاحب نے ابھی ابھی ماقبل میں چار شعر پیش کیے ہیں جس کا ترجمہ احقر نے بھی کیا ہے، جس سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے اللہ کے علاوہ دوسرے سے مانگنے کی ترغیب دی پس اللہ کے علاوہ دوسرے سے مانگنا یہ بھی شرک ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

فاذکر اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم، پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرو، اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جپنا حرام اور شرک ہے، صرف خدا ہی کا ذکر کرنا چاہیئے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نادانی ہے، آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو یعنی نماز کے بعد یہ پابندی اٹھ گئی۔
(جاء الحق ج ۱ ص ۱۹۰)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ یہ آیت نماز پر محمول ہے جب نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ پابندی اٹھ گئی اب آپ جس کی چاہیں عبادت کریں، تو اس کا جواب خود باری تعالیٰ نے وعلی جنوبکم سے دے دیا کہ کھڑے ہو کر بیٹھ کر کروٹوں پر لیٹ کر کسی بھی صورت میں باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کا ذکر و عبادت جائز نہیں چہ جائے کہ احمد رضا خاں اور محمد یار خاں کے مزارات پر سجدہ کریں، چادر چڑھائیں ان سے مرادیں مانگیں، خاں صاحب نے العیاذ باللہ یہ کہا کہ فاذکروا اللہ وجوب کے لیے نہیں پھر آگے کہا کہ اگر وجوب کے لیے مان بھی لیتے ہیں تو ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں ہوتی حتیٰ کہ استدلال میں یہ آیت پیش کی من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (ایضاً ص ۱۷۸)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ فاذکر اللہ صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ جواز کے لیے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے نہیں مانتے ہیں تو اس صورت میں العیاذ باللہ یہ لازم آئے گا کہ جس کی چاہو عبادت کرو، خواہ بیل، بھینس، بکری ہی کیوں نہ ہو۔

بہر حال اس جگہ لامحالہ صیغۂ امر کو وجوب کے لیے ہی کیا جائیگا، اور کہا جائیگا کہ باری تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنا کفر ہے۔

بہر حال خاں صاحب نے اپنے دعویٰ پر ایک آیت پیش کی، من یطع الرسول فقد اطاع اللہ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اطاعت یعنی حضور اکرم ﷺ کے حکم پر عمل کرنے کو کہا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے جو باتیں نکلتی ہیں اس پر عمل کرو، کیوں کہ ان کی زبان سے ہمیشہ حق کی باتیں ہی نکلتی ہیں۔ لہٰذا جس نے اس کی اطاعت نہ کی گویا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی۔ پس اس سے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت لازم آتی ہے نہ کہ عبادت لیکن خاں صاحب نے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت سے ہٹ کر کے ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔ ہاں یہ معنی کہ قبروں پر خود بھی سجدہ کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتے ہیں۔

اسی طرح آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ قرآن کریم کے اندر کفار اور بتوں کا ذکر ہے مثلاً فعال لما یرید، فرعون نے کہا فعال پڑھنے پر ۳۰ ثواب اور فرعون پڑھنے پر

ہوگا اس کو ثواب دیگیں کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو فرعون کا نام لینے میں بھی دس نیکیاں اور محمد رسول اللہ کا نام لیا تو مشرک ہے اور کہا [illegible]

ج: کس نے کہا کہ محمد رسول اللہ [illegible] نام لینے والا مشرک ہے ہم اہل سنت والجماعت تو رات دن محمد عربی [illegible] نام لیتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ محمد علیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تحیات میں نبی کا ذکر کسی روایت سے ثابت نہیں کرو گویا کہ اللہ اس کے نبی کے ذکر سے [illegible] ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور لیتے ہیں مگر تعظیماً نہ کہ عبادتاً اور نہ معاذ اللہ آپ کی کا نام لیتے ہیں وہ بے عبادت اور اگر کوئی شخص نبی کا نام لیتا ہے اس غرض سے کہ اس کی عبادت ہو تو ان سے مراد نہیں ہو سکتی ہو تو وہ یقیناً مشرک ہے۔ رہا یہ سوال کہ فرعون کے نام لینے پر ہم کیا کہتے ہیں اس میں بھی تفصیل ہے لیکن اگر فرعون کا نام کوئی عبادتاً لیتا ہے اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ فرعون ہماری مشکل کشا ہے پس اس صورت میں وہ یقیناً کافر ہوگا۔ (مفتی ص ۱۰)

اسی طرح خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق یوسف کی وجہ سے یوسف یوسف کی رٹ لگاتے تھے اسی طرح حضرت آدم حوا اور حضرت زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کا نام لیا کرتے تھے الخ۔ (ایضاً ص ۱۰)

د ھ: قارئین کرام ماقبل میں بھی یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ہم یقیناً حضور اکرم [illegible] کا ذکر کرتے ہیں مگر تعظیماً نہ کہ عبادتاً پس اسی طرح مذکورہ صورت میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت زین العابدین اپنے [illegible] کے اسماء کی رٹ لگاتے تھے وہ بھی تعظیماً نہ کہ عبادتاً اور نہ معاذ اللہ اس کی مثال ایسی ہے کہ اب بھی کسی کے فراق پر ان کے نام لیے جاتے ہیں اور ایسا عمل ایک غیر مسلم بھی کرتا ہے تو کیا اس سے وہ جائز یا سنت یا مستحب ثابت ہوگا۔ پس مذکورہ صورت میں ہو سکتا ہے کہ [illegible] کے نام لیے گئے محض محبت کی بنیاد پر نہ کہ عبادت کی بنیاد پر۔

د ھ: دوسری تردید یہ ہے کہ حضرت یعقوب اور حضرت آدم اور حضرت زین العابدین نے جو غم لیا تھا وہ غم والم کی وجہ سے تھا تاکہ یہ غم ختم ہو جائے لیکن حضرات زیغ کا

جونام لیتے ہیں وہ تو باری تعالیٰ کو رنج پہنچاتے ہیں یعنی ان کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرات بریلوی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے نام کی پوجا کرنے سے ہمارے اکابر کے مزارات پر جاہل قوم مٹھائیاں دیں اور ہم ان مٹھائیوں کو مزے سے کھائیں۔

بہر حال حضرات انبیاء کا مقصد تھا کہ غم دور ہو اور رضائے الٰہی حاصل ہو؛ لیکن حضرات بریلوی کی نیت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے مشکل کشا اور مختارِ کل ہیں جس سے شرک لازم آتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

ایک غلط فہمی کا تحقیقی جائزہ

خاں صاحب نے نوٹ قائم کر کے تین سوالات کئے ہیں (۱) قرآن میں امر کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

جواب: امر صیغہ معنی میں استعمال ہوا ہے (۱) وجوب جیسے اقیموا الصلوٰۃ (۲) اباحت جیسے وَاذا حللتم فاصطادو (۳) ندب جیسے فکاتبوھم (۴) تہدید (کسی کو غصہ اور غضب کیساتھ مخاطب کرنا) جیسے اعملوا ما شئتم (۵) تعجیز (مخاطب کو کسی کام سے عاجز ظاہر کرنا) جیسے فاتوا بسورۃ من مثلہ (۶) ارشاد (دنیاوی مصالح کے پیش نظر کسی کام کی طرف رہنمائی کرنا) جیسے واشھدوا ذوی عدل منکم (۷) تسخیر جیسے کونوا قردۃ خاسئین (۸) امتنان (احسان جتلانے کیلئے) جیسے کلوا مما رزقکم اللہ (۹) اکرام جیسے ادخلوھا بسلام آمنین (۱۰) اہانت جیسے فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا (۱۱) تسویہ دو چیزوں کے درمیان برابری ظاہر کرنے کے لیے جیسے اصبروا اولا تصبروا (۱۲) دعاء جیسے اللھم اغفرلی (۱۳) تمنی جیسے یا مالک لیقض علینا ربک اے مالک کاش تیرا رب ہمارا معاملہ چکا دیتا (۱۴) احتقار مخاطب کی تحقیر کرنے کے لیے جیسے کہ حضرت موسیٰ کا قول فرعون کے جادوگروں کی تحقیر کرنے کے لیے القوا ما انتم ملقون (۱۵) تکوین کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا جیسے کن فیکون (۱۶) تادیب جیسے حضرت ابن عباس سے رسول اللہ ﷺ کا قول کل مما یلیک اپنے آگے سے کھاؤ (دیکھو نور الانوار بحث امر: ص: ۴۴۰، اصول الشاشی: ص: ۳۴،

ایڈیشن ۸: طباعت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند یوپی پن کوڈ ۲۴۷۵۵۴) (محمد نسیم رحمانی)

دوسرا سوال انہوں نے یہ کیا کہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام ہوگی یا نہیں۔ (جاء الحق ص:۱۷۹)

جواب: ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض حرام نہیں ہوگی، مگر جو نقیض واجب ہوتی ہے اس کے ہم مقابل بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

تیسرا سوال خاں صاحب نے یہ کیا کہ ذکر اللہ کی نقیض کیا ہے (ایضاً ص:۱۷۹)

جواب: ذکر اللہ کی نقیض اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا ذکر کرنا محض اس نیت سے اللہ کے ساتھ یہ ہمارے معاون و مددگار ہوں جیسے کہ حضرات بریلوی انبیاء کرام اور اولیا اللہ بزرگان دین کا ذکر کرتے ہیں اور ان سے اپنی مرادیں مانگتے ہیں یہ حرام ہے۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کرو کہ جس سے محفل میلاد حرام رہے؟ الخ (ایضاً ص:۱۷۹)

جواب: بدعت کی دراصل دو قسمیں ہیں (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ اب اس کی تعریف مع امثال احقر کی کتاب "بصیرت افروز تقریریں" میں دیکھو بعنوان (بدعتی احمد رضا خاں) اب بدعت کی چند تعریفات ملاحظہ کیجئے۔

قارئین کرام! جو چیز قرآن کریم حدیث، اجماع اور شرعی قیاس سے ثابت ہو اور وہ کام جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ اور نمونہ کے خلاف ہو، نیز وہ کام جو دین میں ایجاد کیا گیا تو یقیناً بدعت ہوگا۔ اب بدعت کی تعریف ائمہ لغت سے سن لیجئے کہ وہ کیا فرماتے ہیں

مشہور امام لغت ابو الفتح ناصر ابن عبد السید المطرزی الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں "البدعة اسم من ابتداع الامر اذا ابتداه واحدثه كالرفعة اسم من الارتفاع والخلفة اسم من الاختلاف ثم غلب على ما هو زيادة في الدين او نقصان منه" (مغرب: ج:۱: ص:۳۰) بدعت ابتداع کا اسم ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نئی چیز ایجاد کی جائے رفعت ارتفاع کا اور خلف اختلاف کا اسم ہے لیکن پھر بدعت کا لفظ

ایسی چیز پر غالب آ گیا جو دین میں زیادہ یا کم کر دی جائے۔

امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازیؒ لکھتے ہیں کہ: والبدعة الاحداث فی الدین بعد الاکمال (مختار الصحاح: ص: ۲۸۰) بدعت اکمال دین کے بعد اس میں احداث کا نام ہے، بہر حال ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو بطور عبادت پکارنا بدعت سیئہ ہے۔

چیلنج

خاں صاحب نے کہا تھا ہم نے دینا نگر پنجاب میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری سے یا رسول اللہ ﷺ پر مناظرہ کیا؛ لیکن وہ ہمارے تین سوالات کے جواب نہ دے سکے اور مزید خاں صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی جواب لا دے، تو ہم ان کے مشکور ہوں گے، تو پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں بدعت ہیں (ایضاً: ص: ۱۷۹) تو گویا کہ حضرت مولانا نے محدثانہ، مفکرانہ اور عالمانہ جواب خاں صاحب کو اسی وقت دیدیا تھا لیکن کم عقل انسان کو کہاں سے سمجھ میں آئے، بہر حال حضرت مولاناؒ کی اجمالی عبارت کی تشریح یہ ہے کہ دونوں علم بدعت ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کا غلط استعمال کر رہے ہو وہ بدعت ہے یعنی تمہارا عقیدہ یا رسول اللہ بطور عبادتاً یا معاونتاً کہنا یہ بدعت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا نے خاں صاحب کو جانچا کہ دیکھوں ہماری بات سمجھ پاتے بھی ہیں یا نہیں چنانچہ انہوں نے کہا یہ دونوں بدعت ہیں تو فوراً خاں صاحب کو کہنا چاہیئے تھا کہ کون سی بدعت؟ لیکن خاں صاحب خاموش رہے اس بناء پر حضرت مولاناؒ نے تفصیلاً جواب نہیں دیا۔

بہر حال ہل من مزید کے طور پر ان تینوں کے مفصل اور مدلل جواب دیئے گئے ہیں! اب ہم چند سوالات خان صاحب سے کرتے ہیں: کہ امر کا موجب کیا ہے؟ اور اس میں ائمہ کرام کے کتنے اقوال ہیں؟ اگر امام اعظمؒ کے نزدیک امر کا موجب وجوب ہے تو آپ نے آیت سابقہ (فاذکروا اللہ) کو جواز پر محمول کیوں کیا؟

نوٹ: یہ بات واضح رہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ غیر مقلد ہیں لیکن احقر نے

محض اس بناء پر ان کی طرف سے ترجمانی کی کہ عقائد بریلوی کے معاملے میں مولوی موصوف ہمارے ساتھ ہیں نیز حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد بھی ہیں۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضور اکرم ﷺ سے التحیات "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" سیکھا فلما قبض قلنا السلام علی یعنی علی النبی ﷺ" جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا السلام علی النبی عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں: "فظاھر ھا انھم کانوا یقولون السلام علیک بکاف الخطاب فی حیات النبی ﷺ فلما مات ترکو الخطاب وذکروہ بلفظ الغیبۃ فصاروا یقولون السلام علی النبی" حدیث کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی زندگی پاک میں السلام علیک "کاف" خطاب سے کہتے تھے لیکن جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کرنے اور کہنے لگے السلام علی النبی ﷺ پس معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نداء کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے التحیات میں نداء کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ ﷺ کہے تو وہ کیسا ہے۔

خانصاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ عبارت تو آپ کے بھی خلاف ہے کیوں کہ آج تک کسی امام مجتہد نے التحیات کے بدلنے کا حکم نہیں دیا الخ (جاء الحق: ج ۲: ص ۱۷۹ تا ۱۸۰)

رد: اصل ہمیں اور آپ کو دیکھنا یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے کون سی "التحیات" کو اختیار فرمایا ہے چنانچہ احادیث کثیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام نے السلام علی النبی ﷺ والی التحیات کو اختیار کیا ہے، دوسری بات یہ ہے ہاں تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی بات درست ہے تو پھر بھی یہ کہاں لازم آتا ہے

کہ حضور اکرم ﷺ سے مدد مانگو؟ اسی طرح خاں صاحب نے فتاوی رشیدیہ کی عبارت پیش کی اور اس سے خطاب کو ثابت کیا سو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سے صرف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خطاب جائز ہے اور اس کے قائل ہم بھی ہیں یہ ثابت نہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنی بھی جائز ہوگئی۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اسکا رد

خاں صاحب نے یہ کہا کہ بعض وہابی کہتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیوں کہ دور کی آواز سننا تو صرف خدا کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے الخ، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں (جاء الحق: ص:۱۸۱)

رد: اولاً خاں صاحب نے ہم اہل سنت والجماعت کو وہابی سے تعبیر کیا ہے (سو اس کا جواب شروع کتاب میں دیا جا چکا ہے)۔ بہر حال خدا کی صفت دور اور نزدیک دونوں کی آواز سننا ہے، یعنی بندہ دنیا و آخرت کے کسی گوشہ سے باری تعالیٰ کو پکارے فوراً باری تعالیٰ انکی آواز کو سنتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے "اذا سالک عبادی عنی فانی قریب، یعنی باری تعالیٰ سائل کا سوال سننے اور ہر ایک اعتبار سے نہایت قریب ہیں، خواہ بندہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔ لیکن خاں صاحب نے یہ کہہ دیا کہ دور سے آواز سننا خدا کی صفت نہیں (نعوذ باللہ) اور اس کی دلیل میں خاں صاحب نے چند آیات بھی پیش کیں سو اس کی تردید یہ ہے کہ باری تعالیٰ بندوں کے پریشان حال مصیبت کو درست کرنے والا اور سائلین کے جواب میں نہایت قریب ہیں خواہ بندہ سات سمندر کے نیچے سے پکارے۔

اسی طرح خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے حضرت یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو پالی، بتاؤ یہ شرک ہوا یا نہیں اسی طرح خاں صاحب نے مختلف انبیائے کرام کے سلسلے میں اشکال کیا ہے؟ (جاء الحق: ص:۱۸۱: ص:۱۸۲: ص:۱۸۳)

رد: یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو پانے سے مراد یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ کو القاء کیا کہ اے یعقوبؑ آپ گھبرایئے نہیں کیوں کہ ابھی آپ کا لڑکا یوسف زندہ ہے، اس سے

تو خود یہ بات سمجھ میں آگئی کہ انبیائے کرام عالم الغیب نہیں تھے۔ اور نہ ان سے دعائیں مانگنا جائز ہے۔ اسی پر دوسرے واقعات کو قیاس کرلیں کہ یہ تمام باتیں بطور القاء والہام کے تھیں۔

بحث، اولیاء اللہ اور انبیاء سے مدد مانگنا؟

اس سلسلے میں صحابۂ کرام تابعین تبع تابعین، سلف صالحین، ائمہ کرام اور انبیائے کرام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جمیع ما کان ومایکون کے معاون ومددگار فقط باری تعالیٰ ہیں، ان کے علاوہ کوئی نہیں اور انسان کو چاہیے کہ باری تعالیٰ کے علاوہ اپنا معاون ومددگار کسی کو نہ بنائے۔ کیوں کہ انبیاء اولیاء، مزارات سے مدد طلب کرنا یہ بھی ایک عبادت کے مترادف ہے اور عبادت صرف باری تعالیٰ ہی کی کی جاتی ہے اس کے علاوہ کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔

اب سب سے پہلے ہم خاں صاحب کے تمام عقلی اور نقلی دلائل کے جوابات دیتے ہیں پھر انہوں نے جو ہمارے دلائل پر نقض کیا ہے اسکی تردید کریں گے اس کے بعد احقر اپنے دعوے کو قرآن وحدیث سے مزین کریگا۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

خاں صاحب نے اپنے اعتقاد کے مطابق سب سے پہلے آیت پیش کی،

وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین،

(یعنی تم اللہ کے سوا اپنے سارے حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو) اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کے مثل ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ اس کے لیے اگر تم اپنے تمام حمایتیوں کی مدد لینا چاہو تو لے سکتے ہو پس اس طرح گویا، غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۸۴)

جواب ۱: قارئین کرام! یہاں پر آیت کریمہ کے مخاطب کفار ومشرکین ہیں، یعنی ان باغیان اسلام کو توبیخ کے طور پر یہ دھمکی دی گئی کہ اگر تمہارے اندر اتنی طاقت

ہے کہ تم قرآن کا مثل پیش کر سکو تو اولاً قرآن کے مثل کم از کم ایک آیت ہی لا دو۔
لیکن کفار و مشرکین عاجز رہ گئے۔ بہر حال اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی اپنے ایسے لڑکے سے جو نماز نہ پڑھتا ہو تو بجائیوں کہے کہ جاؤ تم نماز نہ پڑھو؟ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ باپ نے نماز نہ پڑھنے کی اجازت دے دی؟ ہرگز نہیں، پس اسی طرح یہاں یہ کہا گیا کہ تم کسی کو آیت پیش کرنے کے لیے نہ بلاؤ اور نہ وہ آسکتے ہیں، گویا کہ باری تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ چیلنج کیا۔

جواب (۲) پیش کردہ آیت مبارکہ میں باری تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے سامنے چیلنج پیش کیا ہے کہ تم ہمارے قرآن کے مثل لانے پر دوسروں کو شریک کرتے ہو ٹھیک ہے لے آؤ دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ کتنی قوت و طاقت کے مالک ہیں یعنی جو جو تمہارا ساتھ دے گا ان کا بھی بیڑا غرق ہوگا اور ان کو بھی جب الحزن کا راستہ دکھاؤں گا۔
بہر حال! اگر خاں صاحب اس سے استدلال کرتے ہیں تو یہی کہا جاویگا کہ وہ باری تعالیٰ کے چیلنج میں آنا چاہتے ہیں اور باری تعالیٰ کے علاوہ دوسرے سے مدد مانگتے ہیں۔

جواب (۳): تیسرا جواب یہ ہے کہ قل انما الا یت عند اللہ، آپ کہہ دیجئے کہ نشان تو سب خدا تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے پس اس کے اندر امداد، معاونت بھی شامل ہے۔ پھر حضرات بریلوی کیوں اور کیسے کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے؟

دوسری آیت کے جوابات

قال من انصاری الیٰ اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ. کہا حضرت مسیح نے کہا کہ کون ہے جو مدد کرے میری اللہ کے دین میں کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد لی جا سکتی ہے۔ (جاء الحق: ص: ۱۸۴)

جواب (۱): اصل بات یہ ہے کہ یاران مسیح تھوڑے سے گنے چنے آدمی تھے اور اپنے حسب و نسب کے اعتبار سے کچھ معزز نہیں سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے حضرت مسیح کو قبول کیا اور ان کی دعوت کو بڑی قربانی کر کے دیار و امصار میں پھیلایا آخر کار عیسیٰؑ کے بعد ان کے یاروں نے بڑی محنتیں کی ہیں پھر ان کا دین نشر ہوا، بہر حال حضرت عیسیٰ

علیہ السلام نے بطور خدام کے ان سے یہ درخواست کی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اپنے سے چھوٹے مثلاً چھوٹا بھائی یا بیوی سے کہے کہ تم لوگ ہمارے فلاں کام میں مدد کرو تو کیا یہاں پر دائمی معاونت ثابت ہوگئی ہرگز نہیں، پس یہی مثال مذکورہ صورت کی ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بفرض محال خاں صاحب کا استدلال درست ہے تو یہاں پر حضرت عیسیٰ نے اس وقت معاونت چاہا تھا جب کہ ان کے یاران حواریین باحیات تھے۔ تو پھر حضرات بریلوی بے حیات (مزارات) سے کیوں مدد مانگتے ہیں۔

جواب (۳) تیسرا جواب خود باری تعالیٰ نے دے دیا۔ قل انی علیٰ بینة من ربی و کذبتم به ما عندی ما تستعجلون به ان الحکم الا لله.

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے، جس چیز کا تم تقاضا کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے حکم کسی کا نہیں ہے بجز اللہ کے، بہر حال اس آیت کے ذریعہ باری تعالیٰ نے خاں صاحب کے قول کی تردید کی ہے اللہ کے سوا کسی سے مدد نہ مانگی جائے۔

تیسری چوتھی اور پانچویں آیات کے جوابات

خاں صاحب نے، وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان، والی آیت پیش کی اور خاں صاحب نے خود ترجمہ کیا ہے کہ مدد کرو ایک دوسرے کی نیک کاموں میں اور تقویٰ میں اور مدد نہ کرو ایک دوسرے کی گناہ اور زیادتی میں۔ (ایضاً: ص: ۱۸۴)

جواب (۱): اس آیت کریمہ میں تو یہ کہا گیا کہ لوگوں کو چاہیے کہ نیک وصالح عمل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں اور گناہ اور زیادتی کی طرف قدم نہ بڑھائیں، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مزارات اولیاء سے مدد لیجائے۔

جواب (۲) دوسرا جواب خود باری تعالیٰ نے اپنے قول ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے ذریعہ دے دیا کہ برے کاموں میں تم ہاتھ نہ بٹاؤ۔ تو کیا مزارات

پر چادریں چڑھانا اور جوان جوان لڑکیوں کو مزارات پر آنے کی اجازت دینا یہ اثم اور عدوان نہیں ہے؟ اسی طرح غریب غرباء سے مٹھائیاں مھگنا یہ گناہ اور زیادتی نہیں ہے؟

آگے خاں صاحب نے ان تنصروا اللہ ینصرکم ،والی آیت پیش کرنے کے بعد یہ بتلایا کہ اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہیں اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی اسی طرح آگے لتو منن به ولتنصرنه پیش کی۔ (ایضاً ص:۱۸۴)

جواب (۱): استغفر اللہ استغفر اللہ. خاں صاحب نے اپنی محتاجگی کا انبیائے کرام اور بزرگان دین کے سامنے اظہار کر ہی دیا۔ اور انہوں نے اپنی صف میں باری تعالیٰ کو بھی شامل کرلیا (نعوذ باللہ) چونکہ انہوں نے ابھی خود کہا کہ باری تعالیٰ نے اپنے بندوں سے مدد طلب کی، کیا باری تعالیٰ کسی کا محتاج ہے؟ ہرگز نہیں۔

بہر حال خانصاحب نے جو آیت پیش کی ہے سو اس کا جواب یہ ہے اگر تم نے اللہ کے راستے میں نکل کر اللہ کے دین کو پھیلایا تو یقیناً باری تعالیٰ تمہاری نصرت فرمائیں گے۔

جواب (۲): باری تعالیٰ کی ایک صفت غنی بھی ہے تو اگر خاں صاحب کی مذکورہ باتوں پر عمل کریں گے تو اس صورت میں باری تعالیٰ کی صفت غنی کا انکار لازم آئے گا اور یہ کفر ہے۔

جواب (۳): خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: "قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا"، کہ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میں تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔

بہر حال! جب حضور اکرم ﷺ خود ضرر و نفع کے مالک نہیں ہیں تو پھر ان سے مدد کیسے مانگی جا سکتی ہے؟ یا ان کو مشکل کشا کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ یا ان کو مختار کل کیسے مانا جا سکتا ہے؟ یا ان کے سامنے سر کیسے جھکایا جا سکتا ہے؟ بلکہ یہ تمام اعمال صراط مستقیم سے بھٹک جانے کے مترادف ہیں۔

چھٹی اور ساتویں آیات کے جوابات

خاں صاحب نے واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ، والی آیت پیش کی اور یہ کہا کہ باری تعالیٰ نے غیر اللہ یعنی نماز سے مدد طلب کرنے کا حکم دیا۔ (جاء الحق: ص:۱۸۴)

جواب (۱): قارئین کرام! خاں صاحب نے تو صغریٰ کا ذکر کیا؛ لیکن کبریٰ کو چھوڑ دیا، بہر حال اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ نماز کے اندر غایت درجے کا تذلل اور انکسار ہے اور یہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کے ذریعہ فوراً رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے اور لوگوں کی مرادیں باری تعالیٰ پورا کرتے ہیں۔

بہر حال جب لوگ بعد الصلوٰۃ باری تعالیٰ سے کوئی مراد مانگتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں تو ان کی مدد کی جاتی ہے، پس اسی طرف اشارہ کرنے کے لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اور صبر کے ذریعہ مجھ سے مدد طلب کرو۔ اور ہم پورا کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز ہی اس کی مدد کرے گی؛ کیوں کہ نماز تو ایک فعل ہے اور بے روح ہے البتہ یہ اسباب استعانت ہیں۔

پھر آگے خانصاحب نے ایک آیت پیش کی، "واعینونی بقوۃ" مدد کرو میرے ساتھ قوت کے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ (ایضاً: ص:۱۸۵)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں ذوالقرنین نے جو استعانت چاہی ہے وہ زندہ سے نہ کہ مردہ سے اور تم لوگ جو مدد چاہتے ہو وہ مردوں سے جو کہ ناجائز ہے۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ذوالقرنین نے ایک ساتھی سمجھ کر استعانت طلب کی؛ لیکن تم کسی اولیاء اللہ کو یا انبیائے کرام سے مدد مانگتے ہو تو ایک معبود تصور کر کے جو کہ شرک ہے اور یہ قطعاً درست نہیں۔

چند آیات کریمہ کے جوابات

خاں صاحب نے "ایدک بنصرہ وبالمومنین" والی آیت پیش کی کہ اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دین اسلام مراد ہے کہ لوگوں کے ایمان لانے سے اسلام کے اندر قوت پہنچی ہے آگے خاں صاحب نے، یا ایھا النبی ﷺ حسبک اللہ کو پیش کیا سو اس کا جواب گذشتہ ہے۔ پھر آگے ایک آیت پیش کی، فان اللہ ھو مولہ وجبرئیل و صالح

المومنین، الخ، یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبرئیل اور متقی مسلمان ہیں۔

جواب: یہاں پر حضور اکرم ﷺ کو یہ کہا گیا کہ آپ گھبرائیں نہیں ان باغیان اسلام سے جو آپ کے خلاف بغاوت کرتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی کرنے والے باری تعالیٰ اور جبرئیل امین وغیرہ ہیں؛ یعنی یہ لوگ آپ ﷺ کی موافقت میں ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ صالح لوگ باحیات تھے۔

پھر آگے خاں صاحب نے آیت پیش کی، انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ اور آگے والمومنون والمومنات، الخ پھر نحن اولیاء کم الخ وغیرہ کے جوابات اظہر من الشمس ہیں پھر بھی بل من مزید کے طور پر ایک جواب لے لیں۔

جواب: قل لا املک لنفسی نفعاً وّ لا ضرا الا ما شاء اللہ، آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میں تمہارے لیے ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہوں۔ بہر حال جب خود حضور اکرم ﷺ کسی کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں، تو پھر جملہ انبیائے کرام اور بزرگان دین وسلف صالحین سے مدد مانگنا کیسا ہوگا۔ پھر آگے خاں صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیش کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی کو نبی بنا کر میرے ساتھ بھیج دیجئے، معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا سنت انبیاء ہے۔ (جاء الحق: ص: ۱۸۵)

جواب: اس آیت کریمہ میں یہ بات کہاں ثابت ہو رہی ہے کہ مزارات پر جا کر مردے سے مدد مانگو ہماری اور آپ کی بحث اسی سلسلے میں ہے نہ کہ باحیات کے متعلق کیوں کہ اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ وہ شخص جو زندہ ہے تو اس کو ایک ساتھی اور رفیق سمجھ کر اس سے تھوڑی دیر کے لیے استعانت لینا صحیح ہے اور یہ عام طور پر معاشرے کے اندر ہوتا رہتا ہے لیکن خاں صاحب ہمیں یہ ثابت کر دکھلائیں کہ مزار پر چادر چڑھانا اور ان سے مرادیں مانگنا قرآن واحادیث کے ذریعہ کیسے اور کہاں سے ثابت ہے۔

بہر حال مذکورہ صورت کے اندر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو وزیر بنانے کی جو درخواست کی تھی یہ تو آج بھی معاشرے میں ہوتا رہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ یا اللہ

میں ضعیف ہو گیا، لہٰذا ہمیں لڑکا عطا کرنا، وہ ہمارا خلیفہ بنیگا۔ اب خاں صاحب اپنے ہنوے پر جو احادیث پیش کرتے ہیں، ان کے جوابات بھی ملاحظہ کیجئے۔

پہلی حدیث کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوٰۃ بروایت مسلم" حدیث پیش کی کہ حضرت ربیع ابن کعب اسلمی نے ارشاد فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ مجھ سے ارشاد فرماتے تھے کہ کچھ مانگ لو، میں نے کہا کہ میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ ﷺ کی ہمراہی مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا صرف یہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو (ایضاً: ۱۸۵)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث محدثین عظام کے یہاں ضعیف ہے اور ضعیف احادیث سے کسی بات کو ثابت کرنا نئی حدیث کی رو سے صحیح نہیں ہے۔ (اسماء الرجال، ص: ۲۰، طبع مصر)

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ربیع ابن کعب اسلمی زہد و تقویٰ میں ماہر تھے اور ذکر اللہ کثرت سے کیا کرتے تھے اسی بناء پر حضور اکرم ﷺ نے کہا کہ جو کچھ سوال کرنا ہے کرلو، تو یہاں پر صرف اسئلک فرمایا گیا نہ کہ اسئلک منی، فرمایا یعنی مطلقاً فرمایا کہ تم سوال کرو (اسئلک)۔

بہر حال! حدیث مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ سوال کرنا چاہو کرلو میں باری تعالیٰ سے شفاعت کر کے پورا کرنے کی درخواست کروں گا اور انشاء اللہ پورا بھی ہوا اس پر انہوں فرمایا جنت میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کثرت سے نفل پڑھنے کا حکم کیا۔ جس سے یہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ مشکل کشا تھے۔

جواب (۳): خود نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، فانی لا املک لکم من اللہ شیئاً (بخاری: ج: ۲: ص: ۷۰۲، مسلم: ج: ۱: ص: ۱۱۴: مسند احمد: ج: ۶: ص: ۱۸۷)

کہ بیشک میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

قارئین کرام! خود غور کریں کہ اس حدیث صحیح میں نبی اکرم ﷺ نے صراحت کے ساتھ تمام چیزوں کی نفی کر دی پھر جنت میں لے جانے کا کیا سوال ہوتا ہے۔

نورالانوار کی عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے نورالانوار کے خطبے کی عبارت پیش کی، ھو الجود بالکونین والسو جة الی خالقھا. یعنی دونوں جہاں اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور اکرم ﷺ کا حق ہے اور ظاہر ہے دونوں جہاں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا، جو خود ان کا مالک ہوگا، تو اس سے ملکیت ثابت ہوتی ہے (ایضاً: ص:۱۸۶)

جواب (۱): اس عبارت سے مراد حوض کوثر اور شفاعت ہے کہ باری تعالیٰ بحکم الٰہی اہل ایمان کو حوض کوثر سے سیراب کریں گے، اسی طرح قیامت کے دن آپ کو شفاعت کا حق بھی حاصل ہوگا۔ اسی کو صاحب نورالانوار نے ھو الجود بالکونین سے تعبیر کیا ہے۔

جواب (۲): وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسک بخیر فھو علیٰ کل شیئ قدیر۔ اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں اور اگر وہ تجھ کو نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا بھی ہے۔ بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ الا ھو یعنی اللہ۔

علی پوریؒ کی عبارت کا جواب

خاں صاحب نے حضرت علی پوریؒ کی عبارت سے قبل حضرت شیخ عبدالحقؒ کے حوالے سے عبارت پیش کی ہے لیکن خاں صاحب نے یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت شیخ عبدالحق نے یہ عبارت کہاں تحریر فرمائی ہے اور اس کا ذکر کس کتاب میں کیا ہے۔ لہٰذا یہ عبارت معتبر نہ ہوگی اور حضرت علی پوریؒ (جعلی) عبارت کا ترجمہ خود خاں صاحب نے یہ کیا کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیتے مگر کس شان میں توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔ (ایضاً: ص:۱۸۶) تا ۱۸۷)

جواب (۱): اس عبارت سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگی جائے بلکہ اس عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس نے ظلم کیا ہے وہ رسول اکرمؐ سے مغفرت کی دعاء لے، اس میں بھی یہ بات اس وقت کی ہے جبکہ آپ ﷺ باحیات تھے لیکن خاں صاحب جو عمل کرتے ہیں سو یہ شرعاً جائز نہیں۔

جواب (۲): شیخ محقق کمال الدین ابن الہمام الحنفی تحریر فرماتے ہیں الحاکم لا خلاف فی انہ اللہ رب العلمین (تحریر ۴ ص ۲۹) کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی طرح آگے حضرت علامہ محب اللہ بہاری نے اپنی کتاب مسلم الثبوت ص ۱۲، پر فرمایا لا حکم الا من اللہ، کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے۔ پھر خاں صاحب نے یہ کیسے کہا کہ ملکیت رسول اکرمؐ یا انبیائے کرام کے لیے بھی ہے؟

گھوٹالا

خاں صاحب نے مرقات کے حوالے سے حدیث سابق کی تشریح کی، فیعطی لمن شاء ماشاء، اس کا ترجمہ خاں صاحب نے یہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ جس کو چاہیں دے دیں۔ حالانکہ یعطی کا فاعل باری تعالیٰ ہیں تو اب اس کا حق یہ ہوگا کہ اللہ جس کو چاہیں جو چاہیں عطا کر دیتے ہیں۔ گویا کہ خاں صاحب نے حدیث کی تشریح میں لمبا چوڑا گھوٹالا کیا ہے۔

باری تعالیٰ کی جگہ حضور اکرم ﷺ کو لا کر بٹھا دیا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر وزیر اعظم کی جگہ وزیر ریل کو لا کر بٹھا دے تو کیا یہ صحیح ہے؟ ہرگز نہیں اسی طرح خاں صاحب نے سورۂ انعام کی آیت پیش کی اور اس کے تحت تفسیر کبیر کی عبارت پیش کرنے کی کوشش کی جس کا ترجمہ خود خان صاحب نے یہ کیا کہ "تیسرے ان میں سے انبیاء ہیں اور وہ حضرات ہیں جن کو رب تعالیٰ نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں کہ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں"۔ (ایضاً ص ۱۸۷)

جواب (۱) تصرف سے یہاں مراد اور است دکھانا ہے یعنی انبیائے کرام کو

یہ القاء ہوتا تھا کہ کون سا آدمی مذہب اسلام سے بھٹکا ہوا ہے اور کس کو تبلیغ کی ضرورت ہے پس جس کو دیکھتے تھے کہ یہ شخص بعد التبلیغ راہ راست پر آجائے گا تو اس کے پاس پہنچ کر اس کو مذہب اسلام کی دعوت دیتے تھے، بہر حال تصرف سے مراد جانی مالی تصرف نہیں ہے بلکہ راہ راست پر آنے کی دعوت دینا مراد ہے

جواب (۲): مستدرک: ج:۱: ص:۵۲۵، میں حدیث آتی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اللھم انی اسئلک من کل خیر خزائنہ بیدک اعوذ بک من کل شر خزائنہ بیدک ۔ اے اللہ تعالیٰ میں تجھ سے ہر بھلائی کی امید کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری مدد لے کر ہر برائی سے پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ تصرف کرنے کا حق باری تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ اسی طرح آگے خاں صاحب نے تفسیر کبیر اور روح البیان کی عبارت پیش کی سو یہ عبارت باحیات پر مبنی ہے نہ کہ بے حیات پر۔

اشعۃ اللمعات کی عبارت کا جواب

خاں صاحب نے اشعۃ اللمعات کی عبارت پیش کی امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے، ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی عملدرآمد کرتے ہیں جو کہ زندگی میں کرتے تھے الخ (ایضاً: ص: ۱۸۷ تا ۱۸۸)

پھر آگے یہ کہا کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی ہے اولیاء اللہ کی حکومت جہانوں میں ہے (ایضاً)

جواب (۱): دراصل مدد کی دو قسمیں ہیں (۱) مدد حقیقی (۲) مدد مجازی، مدد حقیقی کی صورت یہ ہے کہ انسان باری تعالیٰ سے جب مدد طلب کرتا ہے تو یہ مدد حقیقی ہے اور جب انسان کی اولیاء اللہ وغیرہ کا واسطہ دے کر باری تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اس صورت میں اس کو مدد مجازی کہیں گے بندہ نے مجازی طور پر بالواسطہ باری تعالیٰ سے مدد طلب کی، نیز واضح رہے کہ ہمارے نزدیک مدد مجازی ضروری نہیں ہے لیکن خاں صاحب کے یہاں فرض

ہے۔ بہر حال اس جگہ امام غزالیؒ کا مقصود مدد مجازی ہے نہ کہ حقیقی، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی رسول اللہ ﷺ یا اولیاء سے مدد حقیقی طلب کرے۔

اس کے بعد خاں صاحب نے ایک بزرگ کا قول بھی نقل کیا ہے مگر ان کا نام نہیں لکھا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ بزرگ مجہول ہیں پتہ نہیں کہ وہ بزرگ قابل اعتبار ہیں یا نہیں، لہٰذا ان کی بات اس معاملے میں معتبر نہ ہوگی۔

جواب (۲): خود اشعۃ اللمعات کی عبارت ہے باری تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں فرمایا لاشریک لہ فی صفاتہ ولا فی افعالہ کہ باری تعالیٰ کی صفات اور ان کے افعال میں کسی کو شریک نہ کیا جائے تو پھر امام غزالیؒ کا قول معنی حقیقی پر کیسے محمول کیا جائے گا۔ پس امام غزالیؒ اور اشعۃ اللمعات کی عبارت میں تضاد ہے۔ تو اب تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ ان دونوں عبارتوں میں سے جو عبارت قرآن کے مطابق و موافق ہوگی سو اس کو ترجیح دی جائے گی، چنانچہ قرآن کریم میں کہا گیا۔ لاتشرک باللہ شیئا الخ پھر آگے کہا گیا قل ھو اللہ احد الخ تو یہ تمام آیات اس بات پر دال ہیں کہ باری تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ کی عبارت کے جوابات

اس عبارت کا ترجمہ خاں صاحب نے یہ کیا کہ نبی علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اہل قبور سے دعاء مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا ہے اور مشائخ صوفیہاء اور بعض فقہاء نے اس کو ثابت کیا ہے کہ امام شافعی فرماتے ہیں موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعاء کے لیے آزمودہ تریاق ہے اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے الخ (ایضاً: ص: ۱۸۸)

جواب (۱): پہلا جواب تو خود عبارت میں موجود ہے کہ اہل قبور سے دعاء مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا ہے اور مشائخ صوفیاء اسے ثابت کرتے ہیں۔ گویا کہ اہل قبور سے دعا مانگنے کے سلسلے میں علمائے اسلام کے درمیان شدید اختلاف ہو گیا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مختلف فیہ عبارات یا اقوال سے استدلال کرنا درست نہیں، لہٰذا عبارت

مذکورہ اہل قبور سے دعاء مانگنے کے سلسلے میں درست نہ ہوگی۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ نے خاں صاحب کے عقیدے کی تردید کی، ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظلمین، اور تو مت پکار اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو جو نہ تو تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

یعنی خواہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء اللہ، صحابۂ کرام یا تبع تابعین، کسی کے سامنے یا ان کی قبروں پر دعاء مت مانگو۔ ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اس سے خاں صاحب کو بھی نصیحت لینا چاہیے کہ وہ اپنا نام ظالموں کی فہرست میں درج نہ کروائیں پھر آگے خاں صاحب نے حصن حصین اور ملا علی قاری اور شاہ عبدالعزیز کی عبارت پیش کی جس کے جوابات عیاں ہیں لیکن دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تمام عبارتیں باحیات پر مبنی ہیں نہ کہ بے حیات پر۔

تفسیر کبیر، روح البیان وخازن کی عبارت کے جوابات

خانصاحب نے سورۂ یوسف کی آیت فلبث فی السجن بضع سنین پیش کی ہے، اس کے تحت لکھا ہے، الا ستعانۃ با الناس فی دفع الضرر والظلم جائزۃ، اور خازن وزیر آیت فانساہ الشیطین الا ستعانۃ با لمخلوق فی دفع الضرر جائز، مصیبت دور کرنے کے لیے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔ (جاء الحق: ص:۱۸۹ تا ص:۱۹۰)

جواب (۱): یہ بات متفق علیہ ہے کہ جب انسان کو مصیبت پڑتی ہے تو اڑوس پڑوس وغیرہ سے مدد کیلئے بایں طور کہتے ہیں کہ ان کا معاون کوئی بھائی ہوتا ہے اور کوئی چچا ہوتا ہے لیکن ساتھ ساتھ باحیات بھی ہوتا ہے جیسے کہ عام طور پر آج کل قرض وغیرہ لیتے رہتے ہیں، پس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مزارات پر جا کر مردوں سے مدد لو؟

جواب (۲) حضرت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ: ج:۲: ص:۴۵۳، لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے سوال نہ کیا جائے کیوں کہ غیر اللہ نہ تو دینے پر قادر ہیں اور نہ منع کرنے پر اور نہ دفع ضرر پر اور نہ جلب نفع پر؛ کیوں کہ وہ تو اپنی جان کے نفع اور ضرر

کے مالک نہیں اور نہ موت اور حیات کے اور دوبارہ کی زندگی ان کے اختیار میں نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اس میں بھی بے حیات سے یہ درست نہیں۔

درمختار کی عبارت کے جوابات

خاں صاحب نے درمختار کے حوالے سے یہ کہا کہ جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ منہ کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو، پھر یہ دعاء پڑھے اے میرے آقا اے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا پس خدا تعالیٰ اس کی گم ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔ (جاء الحق ص ۱۹۰)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت صاحب درمختار کی نہیں ہے بلکہ درمختار کے کسی رفیق نے اس عبارت کو کتاب میں داخل کر دیا اور صاحب درمختار کی طرف نسبت کر دی ہے جیسے کہ آج بھی عام طور پر ہوتا ہے کہ صاحب کتاب کے انتقال یا ان کی موجودگی میں آخر کتاب کے اندر کچھ زیادتی کر دی جاتی ہے اسی طرح درمختار کے اندر کسی نے مذکورہ باتوں کو زیادہ کر کے پیش کیا ہے پس یہ معتبر نہ ہوگا۔

جواب (۲): دوسرا جواب خود صاحب مختار کی عبارت مذکورہ میں موجود ہے: فان اللہ یرد ضالۃ ببرکتہ (ایضاً ص ۱۹۰) بیشک اللہ تعالیٰ ہی لوٹاتا ہے گم شدہ چیزوں کو بزرگان دین کے ایصال ثواب کی برکت کی وجہ سے۔

قارئین کرام! غور کریں کہ فان اللہ کے اندر "ان" تاکید کے لیے لایا گیا ہے یعنی اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں لوٹا سکتا تو پھر از سرے نو نئی چیز اولیاء اللہ یا انبیائے کرام کہاں سے لا کر دیں گے؟ "ببرکتہ" سے ایصال ثواب کا صلہ سمجھ میں آتا ہے اور اس کے قائل ہم بھی ہیں۔

چند اشعار کے جوابات

خاں صاحب نے امام اعظمؒ کے حوالے سے یہ شعر پیش کیا تھا، اے موجودات

سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے، الخ، اسکا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ اقوال زہد وتقویٰ پر مبنی ہیں یعنی اے محمد عربی ﷺ جو زہد وتقویٰ اللہ نے آپ کو دی ہے وہی زہد وتقویٰ آپ شفاعت کر کے ہمیں بھی دلوایئے۔ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ آپ خود دیجئے۔ پھر آگے شعر پیش کیا کہ اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے جس کی مصیبت کے وقت میں پناہ لوں (جاء الحق: ص: ۱۹۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ منظر بروزِ قیامت کے لئے ہے کہ قیامت کے دن لوگ نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے کسی کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔ تو اس دن کی شفاعت کے سلسلے میں یہ باتیں کہی گئیں، نہ کہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کے سلسلے میں۔ پھر آگے خاں صاحب نے ملا علی قاری کے حوالے سے غوث اعظم کے اقوال پیش کئے ہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول بالکل اضعف ہے کیوں کہ صریح آیت، فلا کاشف لہ الا ھو کے خلاف ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے کچھ اشعار پیش کئے اور اس کی تائید میں ملا علی قاری کا قول نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں، وقد جرب ذالک مرارا فصح یعنی بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا، درست نکلا کہئے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاریؒ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا نہ صرف جائز ہے بلکہ فائدہ مند بھی ہے (ایضاً: ص: ۱۹۱)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ عبارت مذکورہ سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام کے مزارات پر جا کر ان سے دعا و مدد مانگیں بلکہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر ایصال ثواب کریں تو باری تعالیٰ ان کے فیوض و برکات، ایصال وثواب کرنے والوں پر بھی عائد کرتے ہیں اور ان کے طفیل میں، ان کو ان کے مقصد میں کامیاب کرتے ہیں۔

جواب (۲): بخاری: ج: ۲: ص: ۴۳۲، مسلم: ج: ۲: ص: ۱۲۲، وغیرہ پر حضرت

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوق عامۃ المسلمین میں خیانت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے اونٹ بکری گھوڑے کپڑے وغیرہ میں خیانت کی تو یہ تمام اشیاء قیامت کے دن ان کی گردن پر ہوں گی اور اپنی اپنی آواز ظاہر کرتی ہوں گی۔ اور ایسا خائن وہاں کہے گا یا رسول اللہ اغثنی فاقول لا املک بک شیئا قد ابلغتک ۔ اے اللہ کے رسول میری مدد کیجئے اور میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا تھا۔ یہ حدیث اپنے مدلول پر بالکل واضح حجت ہے کہ جناب رسول اللہ کا حکم تبلیغ مسائل اور تبلیغ دین ہے آپ کسی کے مالک نہیں اور نہ قیامت کے دن ہوں گے، بہر حال جب سید الناس والانبیاء کو یہ مقام حاصل نہیں تو پھر اولیاء اللہ اور بزرگان دین انکے سامنے کیا ہیں۔

چند الزامات کے جوابات

خاں صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کے حوالے سے یہ لکھا کہ وہ، ایاک نستعین کے تحت فرماتے ہیں کہ وہاں اگر کسی مقبول بندہ کو واسطۂ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (جاء الحق: ص:۱۹۱)

جواب (۱): دراصل خاں صاحب شیخ الہند ملقب بہ شیخ العالم کی عبارت سمجھ ہی نہیں پائے۔

بہر حال شیخ العالمؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مقبول اور صالح بندے کے واسطے سے باری تعالیٰ دعاء خیر فوراً قبول فرمالیتے ہیں پس اس عبارت مذکورہ کا مطلب یہ نہیں نکلتا کہ بزرگان دین کے "واسطہ" کو فرض یا واجب سمجھنے لگیں اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے لگیں:

جواب (۲): خود حضرت شیخ العالمؒ کی مذکورہ پیش کردہ عبارت، خاں صاحب کے عقیدے کی تردید کرتی ہے، چنانچہ حضرتؒ نے فرمایا "غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے" یعنی حضرتؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ مستقل استعانت یا

واسطہ طلب کرے بلکہ غیر مستقل فرمایا۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لیے ایسا کریں تو بہتر ہے۔ اس کو ضروری نہ سمجھا جائے لیکن اور اگر کوئی اس کو اپنا پیشہ بنالے تو ناجائز ہے۔

جواب (۳): خود باری تعالیٰ کے ارشاد مبارک سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا درست نہیں، چنانچہ فرمایا۔ ایاک نستعین کہ ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تیرے علاوہ کسی سے نہیں، کیوں کہ یہاں تاکید در تاکید ہے، (دیکھئے تفسیر بیضاوی) پھر آگے خاں صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ کسی نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ یارسول کبریا، یا محمد مصطفےٰ فریاد کرنا کیسا ہے تو آپؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "ایسے الفاظ پڑھنے جلوت اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرمادیوے، یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہے (ایضاً: ص: ۱۹۱ تا ۱۹۲)

جواب: حضرت گنگوہیؒ کی عبارت میں جواب موجود ہے بایں معنی کہ یارسول اللہ کہنا بلا کسی خیال کے جائز ہے یعنی پکارنے والے کے اندر یہ خیال نہ ہو کہ مدعو ہمارے پرسان حال ہوں گے، یا ہماری مدد کریں گے تو یہ جائز ہے بطور یادگار کے۔ لیکن خاں صاحب یارسول اللہ۔ یا محمدؐ اس غرض سے کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پرسان حال ہوں گے، یا ہماری مدد کریں گے تو یہ درست نہیں۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ "مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے دریافت کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے؟

یا رسول اللّٰہ انظر حالنا ☆ یا رسول اللّٰہ اسمع قالنا

اسی طرح دو اشعار اور مذکور ہیں، بہر حال اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے یہ دیا کہ ایسے کلمات خواہ نظم ہوں یا نثر میں ان کا ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔ (ایضاً: ص: ۱۹۲)

جواب: مکروہ تنزیہی اس وقت ہے جب کہ داعی کے دل میں یہ بات نہ ہو کہ

جس کو ہم پکار رہے ہیں وہ ہمارا معاون ہے لیکن اگر داعی کے دل میں یہ بات ہو کہ مدعو حقیقی معنی میں ہمارا معاون و مددگار ہے اللہ کے مقابلے میں تو یہ تو حرام ہے اور حضرت گنگوہی کے جواب کا یہی مفہوم ہے اسی طرح آگے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا ایک شعر خاں صاحب نے پیش کیا۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اس میں آپ نے حضور ﷺ سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے کہ آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں (جاء الحق: ج:۱: ص:۱۹۲)

جواب: خاں صاحب نے شعر کی اصل عبارت کو سمجھا ہی نہیں ہے، بہر حال شعر کی اصل عبارت یہ ہے۔

مدد کر اے کرم رب احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اب شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ اے محمد عربی ﷺ کے معبود آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی کار نہیں۔ اسی طرح آگے حضرت مولانا اسماعیلؒ کی عبارت پیش کی، اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناہب رفیع کے صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تصرف سے مراد تصرف وفیض اور روحانی ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے بغیر کسی کتاب کے حوالے کے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے حوالے سے شعر پیش کیا ہے سو یہ غیر معتبر ہے۔

پھر فتاویٰ رشیدیہ کے حوالے سے خاں صاحب نے عبارت پیش کی۔ اعینونی یاعباد اللہ، یعنی اے اللہ کے بندے میری مدد کرو (ایضاً: ص:۱۹۲)

جواب (۱): پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں اعینونی کا مخاطب باحیات آدمی ہے نہ کہ بے حیات۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ۔ اعینونی یا عباد اللہ کی تقدیر عبارت ہے اعینونی یا رب عباد و جمیع ما کان ومایکون۔

یعنی اے بندوں کے رب اور جمیع ما کان ومایکون کے رب میری مدد فرما۔ پھر

آگے خاں صاحب نے حضرت مولانا محمد حسن صاحب کے حوالے سے عبارت پیش کی "آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم (ایضاً ص ۱۹۳)

جواب یہاں پر مالک سے مراد مالک حقیقی نہیں بلکہ مالک مجازی ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ دنیا میں ایک کافر و مشرک بھی اپنے اپنے سامان کا مالک ہوتا ہے تو کیا یہ حقیقت میں اپنے سامان کا مالک ہے ہرگز نہیں بلکہ اس قدر بھی کہ باری تعالیٰ جمیع ما کان و مایکون کا مالک حقیقی ہوں گے اور غیر اللہ مالک مجازی ہے اس میں بھی تھوڑی دیر کے لیے نہ کہ دائمی طور پر۔

پھر آگے خاں صاحب نے حضرت تھانویؒ کے حوالے سے عبارت پیش کی ہے چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ استمداد من حی ہو یا میت۔ (ایضاً ص ۱۹۳)

جواب: یہاں موضع استشہاد "استمداد من حی اور میت ہے" سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں استمداد میت سے مراد فیوض و برکات اور ایصال ثواب ہے یعنی بزرگان دین تو آرام فرما ہوتے ہیں: لیکن ان کی قبروں سے فیوض و برکات عیاں ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے یہ بات نہیں ہوتی ہے کہ وہ حقیقی معنی میں ہمارے معاون و مددگار ہیں پھر آگے خاں صاحب نے حضرت تھانویؒ کے حوالے سے کچھ اشعار پیش کیے ہیں سو اس کا جواب اظہر من الشمس ہے۔

اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے لمبی چوڑی تمہید باندھی آخر میں خلاصۂ کلام کے طور پر یہ کہا کہ سلطنت الٰہیہ ذات باری تعالیٰ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے ہی پورا فرما دے گا مگر ایسا نہیں کرتا: بلکہ انتظام عالم کے لیے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیے، جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل

ہیں، اسی طرح انسانوں کی حفاظت ان کو رزق پہنچانا، بارش نہ برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا ان کی تقدیر لکھنا، مدفون میتوں سے سوالات کرنا صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا اور قیامت قائم کرنا پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا غرضیکہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔ پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیار خصوصی عطا فرمائے (براہین حق ص ۱۹۳ تا ۱۹۵)

جواب (۱) خاں صاحب نے انسان کو جس چیز پر قیاس کیا ہے وہی غلط ہے چناں چہ جب مقیس علیہ خود غلط ہو تو مقیس کا کیا حال ہوگا؟ یعنی خاں صاحب نے اپنے عقیدہ کو جس چیز پر قیاس کیا ہے وہی غلط ہے بایں طور کہ خاں صاحب نے کہا کہ ملائکہ کا کام ہے انسان کی حفاظت، اسی طرح رزق پہنچانا، اسی طرح ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ پس یہ تمام عقائد قرآن و احادیث کے آئینے میں باطل ہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "حفیظ علیم" کہ وہی حفاظت کرنے والا ہے اور وہی جاننے والا ہے اسی طرح کہا گیا تھا کہ رزق پہنچانا بھی ملائکہ کا کام ہے حالانکہ ارشاد باری ہے۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا ویعلم مستقرھا ومستودعھا الخ اور کوئی نہیں چلتا زمین پر مگر اللہ کے حکم سے، وہ اس کی روزی جانتا ہے جہاں وہ ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ ملائکہ کا کام ماؤں کے پیٹ میں بچہ بنانا ہے حالانکہ ارشاد باری ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام الخ بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر وہ اتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے، پس ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا عقیدہ باطل ہے نیز خاں صاحب نے جس پر قیاس کیا تھا تو خود مقیس علیہ باطل ہے تو مقیس بدرجہ اولی باطل ہوگا۔ نیز یاد رہے کہ اس سے میں اس بات کا منکر نہیں ہوں کہ ملائکہ کے ذمہ کام نہیں ہے کام ہے مگر ملائکہ اس کام کا مالک مجازی طور پر ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے انبیاء کو قیاس کیا ہے اولیاء اللہ پر یہ درست نہیں ہے بایں معنی کہ ملائکہ اب بھی باحیات ہیں (اور انبیاء اولیاء

اللہ بے حیات) اور جس وقت ان کے ذمہ کام سپرد کیے گئے تھے اس وقت بھی باحیات تھے لہٰذا کسی باجان کو جاندار پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

جواب (۳) ارشاد باری ہے: قل من بیدہ ملکوت کل شیی وھو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ، وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کے اختیارات ہیں اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو وہ لوگ ضرور کہیں گے کہ یہ سب صفتیں اللہ کی ہیں۔

اس آیت سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ مشرکین عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ تمام چیزوں کا اختیار رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کا کوئی شریک نہیں پھر آگے خود رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فانی لا املک لکم من اللہ شیئا (بخاری شریف: ج:۲: ص: ۷۰۲، مسلم: ج:۱: ص:۱۱۴، مسند احمد: ج:۶: ص:۱۸۷) کہ بیشک میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔

بہر حال ان تمام جوابات سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ، انبیائے کرام میں سے کسی کو بھی اختیار کلی حاصل نہیں۔

پہلی اور دوسری آیت کے جوابات

حضرت جبرئیل نے مریم سے فرمایا "قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا" ۔اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں، میں اس لئے آیا ہوں تا کہ تم کو فرزند دوں معلوم ہوا کہ حضرت جبرئیل بیٹا دیتے ہیں (نعوذ باللہ) جاء الحق: ص:۱۹۵)

جواب: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبرئیل اللہ کی جانب سے یہ خوش خبری لے کر آئے تھے اور ان کو منجانب اللہ عیسیٰؑ عطا کیا۔ یعنی خود حضرت جبرئیل نے نہیں دیا۔ کیوں کہ حضرت جبرئیل اللہ کے قاصد ہیں اور ان کو ان کے ذریعہ اولاد دی۔ پھر خاں صاحب نے ایک آیت اور پیش کی۔ واخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ.

میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل میں بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا

کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الٰہی بے جان کو جان بخشتے تھے اسی طرح آگے آیت پیش کی قل یتوفکم ملک الموت الخ،

جواب: جس کو خاں صاحب نے پیش کیا وہ معجزہ ہے اور معجزہ کو مختار کل پر محمول کرنا وقار علم کے خلاف ہے کیوں کہ معجزہ بھی انبیائے کرام کے اختیار میں نہیں ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اور چند مسائل آپ سے پوچھے آپ ﷺ نے وحی کے بھروسہ پر زبان سے انشاء اللہ کہے بغیر وعدہ فرمایا لیکن تین یا چند روز تک وحی نازل نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو بڑا غم ہوا پھر ارشاد باری یوں نازل ہوا، ولا تقولن لشای انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللہ ،اور آپ کسی کام کو کرنے کے سلسلے میں یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کردوں گا۔ مگر خدا کے چاہنے سے (یعنی انشاء اللہ) کو ساتھ ملا لیا کیجئے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کرام خواہ محمد عربی ﷺ کیوں نہ ہوں مختار کل نہ تھے۔

پھر آگے خاں صاحب نے جو حضرت عزرائیل کے سلسلے میں آیت پیش کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کا ایک عمل ہے جس کو باری تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔

چند آیات کریمہ کے جوابات

"ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ" ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں آگے ارشاد ربانی ہے۔ "اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ" ۔ان کو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کردیا، آگے کہا "نحاء من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا" آپ ﷺ ان کے مالوں سے صدقہ وصول فرمایئے۔ اور ان سے ان کو پاک فرمادیجئے، معلوم ہوا کہ خدا کو وہی عمل قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں قبول ہے۔ (جاء الحق ص ۱۹۵ تا ۱۹۶)

جواب (۱) سب سے پہلے اغنٰھم اللہ ورسولہ، کا جواب ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان سے مالا مال کردیا اور رسول اکرم ﷺ ان کے سامنے ممکن جانب اللہ تعالیٰ صدقہ ہوکر تشریف لے گئے، تو مالداری کا سبب حضور اکرم ﷺ اور مسبب الاسباب باری تعالیٰ ہوئے۔

قارئین کرام اب جو آیات رہ جاتی ہیں ان دونوں کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کے اندر باری تعالیٰ نے بندوں پر حکم نافذ کیا ہے کہ آپ ﷺ ان کو پاک کریں خواہ کفر و شرک کے اعتبار سے ہو یا مالی اعتبار سے۔ تو گویا کہ باری تعالیٰ نے اپنے حبیب پر حکم نافذ کیا۔ اب غور کریں کہ جس پر حکم نافذ کیا جائے گا تو کیا وہ مختار کل ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، کیوں کہ جو مختار کل ہوگا تو اس کو دوسروں کے حکم کی ضرورت ہی کیا ہے۔

جواب (۲) (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۳، مسلم ج ۱ ص ۱۷۰، ترمذی ص ۱۵۰ وغیرہ) میں مروی ہے کہ ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آنحضرت ﷺ نے بڑی شفقت اور محبت سے ابو طالب کے سامنے کلمہ طیبہ پیش کیا، لیکن انہوں نے ابو جہل اور عبد اللہ ابن ابی امیہ کی ملامت کے خوف اور ڈر سے کلمہ نہ پڑھا آخر کار باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ﷺ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ جناب رسول اکرم ﷺ اپنے حقیقی چچا اور مجازی سرپرست اور طبعی طور پر محبوب کو بھی ہدایت نہیں دے سکتے ہیں، حضرات انبیائے کرام کا کام تو صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ لوگوں کو بتلا دیتے ہیں۔ ہدایت دینا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے جب آپ ہدایت دینے والے نہ ہوئے تو مختار کل کیسے ہوں گے۔

پھر آگے خاں صاحب نے آیت پیش کی ولو انهم رضوا ما اتاهم الله ورسوله الخ، اس سے خاں صاحب نے یہ استدلال کیا کہ رسول علیہ السلام ہر کچھ دیتے ہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی نسبت حضور اکرم ﷺ کی طرف کرتے ہوئے اراءۃ الطریق مراد ہوگا باری تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں تو ایصال الی المطلوب مراد ہے، نہ کہ آپ ﷺ مختار کل ہیں۔ پھر خاں صاحب نے ولو انهم اذ ظلموا (الآیۃ) والی آیت پیش کی سو اس کا جواب مکمل ماقبل میں گذر چکا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے آپ شرح تہذیب، مرقات، قنیہ، علم العلوم وغیرہ کا مطالعہ کیجئے) پھر آگے خانصاحب نے یہ کہا کہ منکر نکیر قبر میں تین سوال کرتے ہیں اور آخری سوال ہوتا ہے کہ اس

نے تجھ والے آقا کے متعلق کیا کہا ہے؟ جب یہ صریح لکھا ہوا ہے کہ (اس میں ان کی
پہچان ہوں کہ یہ میرے نبی محمد ﷺ ہیں تب ہی آپ کو ماننے والے قیامت کے دن ان کے سلام
کی امداد سے نجات ہوگی (ایضاً ص ۱۹۲)

جواب: ٹھیک ہے ہم تھوڑی دیر کے لئے بفرض محال مانتے ہیں کہ محمد عربی ﷺ کے
ہم نام ہونے سے نجات ملی تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ان کو حاضر و ناظر سمجھ کر
مرادیں مانگو؟ ان کے سامنے دعائیں مانگو؟ ان سے فریاد کرو؟ اگر ان کو حاضر و ناظر
جانو؟ یہ تمام باتیں کہاں سے ثابت ہو رہی ہیں۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ صرف حضور
اکرم ﷺ ہی کے نام کی وجہ سے نجات ملی کیوں کہ سب سے پہلے رب کریم کی معرفت کو
پوچھا جائے گا، پھر اسلام کے سلسلے میں پوچھا جائے گا آخر میں محمد عربی ﷺ کے بارے میں
تفتیش کی جائے گی۔ بہر حال اس دن محمد عربی ﷺ کو دل و جان سے پہچان لینے کی
محض اپنے کامل ایمان کی وجہ سے۔ پھر آگے خاں صاحب نے آیت قرآنی کی وابتغوا الیہ
الوسیلۃ کہ تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو (ایضاً ص ۱۹۶ تا ص ۱۹۸)

پہلا جواب: یہ ہے کہ وسیلہ کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض
نے کہا کہ وسیلہ کے معنی نیکی کے ہیں بعض نے کہا وسیلہ کے معنی واسطہ کے ہیں اور جب
جب وسیلہ کے معنی میں اختلاف ہو گیا تو پھر اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا
کیوں کہ قاعدہ ہے کہ مختلف فیہ مسئلہ سے استدلال کرنا درست نہیں ہوتا۔

جواب (۲): وسیلہ کو ہم بھی مانتے ہیں لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ بغیر وسیلہ کے
دعا قبول نہیں ہوتی؟ یعنی ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک وسیلہ کوئی ضروری نہیں ہے
البتہ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ شیطان بلا
واسطہ انبیاء تک پہنچ جاتا ہے تو شہاب سے مار دیا جاتا ہے اگر وہ بغیر کے راستہ سے جاتا تو
ہرگز نہ مارا جاتا۔ (ایضاً ص ۱۹۷)

جواب (۱): خاں صاحب کے نزدیک شیطان راہ راست پر ہے کیوں کہ

انہوں نے یہ کہا کہ اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا) حالانکہ شیطان کے سلسلے میں قرآن نے اعلان کر دیا۔ "واذ قلنا للملئکة اسجدو الآدم فسجدوا الا ابلیس ابیٰ واستکبر و کان من الکفرین" ۔ بہر حال یہ واقعہ عندالناس اظہر من الشمس ہے کہ شیطان گمراہ اور مردود ہے۔ پھر اس کو راہ راست پر تصور کرنا علامت گمراہی ہے۔ (خواہ مدینہ کے راستہ سے گذرے یا افریقہ کے راستہ سے)

جواب ۲: دوسرا جواب یہ ہے کہ شیطان ہر ایک جانب سے جانے کی کوشش کرتا ہے خواہ مدینہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن اس کے ساتھ گوش مالی کی جاتی ہے۔ بہر حال واسطہ کوئی ضروری نہیں ہے البتہ ایسا کسی نے کیا ہے تو صحیح ہے پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ جب حضور اکرمؐ معراج میں تشریف لے گئے تو ۵۰ اوقات کی نمازیں ہدیہ میں دی گئیں تو یہ نماز موسیٰ کی مدد کی وجہ سے کم ہوئیں تو گویا کہ موسیٰ کی مدد حضور اکرمؐ کے ساتھ شامل حال رہی۔ (ایضاً: ۱۹۷)

جواب (۱): یہاں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل حال نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا مشورہ تھا کہ آپؐ ایسا ایسا کریں۔ پس مشورہ کو امداد پر محمول کرنا تحقیق کے خلاف ہے۔

دوسرا جواب ماقبل میں بھی دیا جا چکا ہے کہ یہاں باحیاتی میں کلام ہو رہا ہے۔ لیکن خاں صاحب بے حیاتی میں مدد طلب کرنے کے قائل ہیں۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے جوابات اور ان کی تردیدات

اس باب میں فریق مخالف نے ہمارے دلائل کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے، پس احقر سب سے پہلے فرداً فرداً دلیل نقل کرتا ہے۔ اس کے بعد فریق مخالف کی غلط تاویلات کا جواب دیا جائے گا۔

(۱) ہماری سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہراؑ سے فرمایا کہ: "لا اغنی عنک من اللہ شیئا" کہ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ جب آپؐ سے

یا فاطمہ زہرا کی مدد نہیں ہو سکتی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا (جاء الحق: ج ۱: ص ۱۹۸)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ یہ تبلیغ کا واقعہ ہے تو ہم خاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا فاطمہ زہرا راہ راست پر العیاذ باللہ نہ تھی کہ آپ ﷺ کو تبلیغ کرنے کی ضرورت پڑی، بہر حال اس جواب کی تردید یہ ہے کہ حضرت سیدنا فاطمہ زہرا سمجھتی تھیں کہ ہم آل رسول میں سے ہیں لہٰذا آخرت میں ہماری مدد رسول اکرم ﷺ فرمائیں گے۔ لیکن فوراً ہی رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

"ایاک نعبد و ایاک نستعین" "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے خاص ہے۔ جب غیر خدا کی عبادت شرک تو غیر خدا سے استمداد بھی شرک ہی ہوگا۔

اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے مدد مانگتے ہیں، رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض وسیلہ فیض الٰہی سمجھ کر ہے۔ (ایضاً: ص: ۱۹۸)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ مدد حقیقی اور کارساز باری تعالیٰ ہیں اور بندوں سے مدد مانگنا وسیلہ ہے۔ تو کیا خاں صاحب کو نحو و صرف سے واقفیت نہیں ہے کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین، میں حصر کے معنی پائے جاتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ حقیقی معنی سے دوسرے معنی کی طرف اس وقت عدول کیا جاتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو! حالانکہ قرینہ تو درکنار قرینہ کی بو بھی نہیں ہے، چنانچہ قرآن کہتا ہے ان الحکم الا للہ اسی طرح آگے کہا لہ ما فی السموت و ما فی الارض۔

رد: دوسری تردید یہ ہے یہ بات صحیح ہے کہ بزرگان دین کی قبروں سے فیض جاری رہتا ہے، لیکن امداد و معاونت نہیں، چونکہ امداد و معاونت یہ عبادت کے قبیل سے

ہے اور عبادت صرف باری تعالیٰ کے لیے زیبا ہے اس کے علاوہ کسی کے لیے نہیں، ایاک نعبدو ایاک نستعین. اھدنا الصراط المستقیم.

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

رب تعالیٰ فرماتا ہے، وما لکم من دون اللہ من وَلیّ وَلا نصیر، معلوم ہوا کہ رب کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی مددگار (جاء الحق: ص:۱۹۹)

خاں صاحب نے جواب یہ دیا کہ ولی اللہ کی نفی نہیں بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے جنہیں کفار نے اپنا صرف مددگار مان رکھا تھا (ایضاً: ص:۱۹۹)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ ولی اللہ کی نفی نہیں؛ بلکہ من دون اللہ کی نفی کی ہے، پس اس کی تردید خود باری تعالیٰ نے کر دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا، اللہ خالق کل شیئ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے خواہ ولی اللہ ہوں یا ولی من دون اللہ، گویا کہ باری تعالیٰ نے تمام ولی کی نفی کی۔ خواہ ولی اللہ ہو یا ولی من دون اللہ ہو۔

رد: دوسری تردید یہ ہے کہ ولا نصیر میں لا لائے نفی جنس ہے اور نصیر نکرہ ہے۔ نیز ایک قاعدہ کلیہ اظہر من الشمس ہے کہ جب نکرہ تحت النفی واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اب یہاں یہی کہا جاویگا کہ باری تعالیٰ نے ہر ایک ولی کی نفی کی خواہ یار خاں ہوں یا ولی اللہ ہوں یا ولی من دون اللہ ہو یا احمد رضا خاں یا صابر کلیری تمام کی نفی کر دی کہ کسی کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے سلسلے میں آیت پیش کی سو اس کا جواب ماقبل میں دیا جا چکا ہے۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

درمختار باب المرتد میں ہے "قول شیئا للہ قیل یکفر" معلوم ہوا کہ، یا عبد القادر جیلانی شیئا للہ، کہنا کفر ہے، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہاں شیئا للہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لیے کچھ دو، رب تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے، یتیم کے لیے کچھ دو اور یہ معنی واقعی کفر ہے، اس کی شرح میں شامی نے فرمایا، "اما ان قصد

لمعنی الصحیح فا الظاهر ان لا باس به "یعنی اگر اس سے صحیح معنی کی نیت کی کہ
ئے کے لیے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے شیئا للہ کا یہی مطلب ہے۔

رد: خال صاحب اس بات کے قائل ہو گئے کہ اللہ کے لیے مانگنا کفر ہے اب
ئے خاں صاحب نے شامی کی عبارت پیش کی سو اس عبارت سے خود ہمارا مدعا ثابت
ہے، اس طور کہ شامی نے کہا کہ، "اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر ان لا
باس به" اس عبارت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر اس سے سائل کی صحیح نیت ہو یس ظاہر ہے
کہ اس میں کوئی حرج نہیں یعنی سائل کی نیت اگر یہ ہو کہ جس سے ہم طلب کر رہے ہیں وہ
ہمیں کچھ نہیں دیتا بلکہ صرف اللہ دیتا ہے۔

رد: دوسری تردید یہ ہے کہ حضرت عبداللہ دنیا سے چلے گئے اور شامی نے جو
فرمایا ہے وہ باحیات کے سلسلے میں نہ کہ بے حیات کے سلسلے میں۔

پانچویں اور چھٹی دلیل کا جواب اور اس کا رد

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ☆ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

اس کا جواب خاں صاحب نے دیا کہ

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے ☆ جسے تم مانگتے ہو انبیاء سے
تو کر نہیں سکتے خدا سے ☆ اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے
(جاء الحق ص ۲۰۰)

ہماری طرف سے تردید قرآن واحادیث کے آئینے میں

رد اول:

تمہیں ہر چیز مل جائے خدا سے ☆ توسل بھی نہ مانگو اولیاء سے
خدا کو مان لو تم دل سے ورنہ ☆ پھسل جاؤ گے صراط مستقیم سے

رد ثانی:

لا تشرک بہ اللہ شیئا ☆ ولا تطلبوا الا من اللہ (الآیۃ)
(قرآن)

چھٹی دلیل یہ بیان کی گئی کہ خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں ہم اس کے بندے ہیں چاہتے ہیں کہ اسی سے حاجتیں مانگیں اس کا جواب خانصاحب نے یہ دیا کہ ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندے کے پاس جاتے ہیں۔ (ایضاً ۲۰۰)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہم خدا کے حکم سے بندوں کے پاس جاتے ہیں محض مدد لینے کے لیے تو میرا چیلنج ہے کہ ابھی سے لیکر قیامت تک ایسی کوئی صریح آیت پیش کردے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ باری تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا ہو کہ تم اولیاء اللہ مدفون شدہ سے مدد طلب کرو۔

ساتویں اور آٹھویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

قرآن کریم نے کفار کو کفر یہ بھی بیان کیا کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء اللہ سے، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ "تم بھی مشرک ہوئے انبیاء اور حاکم اور پولس سے مدد مانگ کر (جاء الحق، ص: ۲۰۰)

رد: ہم انبیاء اور پولس سے مدد نہیں مانگتے بلکہ تھوڑی دیر کے لیے عارضی طور پر تعاون چاہتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ خانصاحب کی طرح باضابطہ نہ سجدہ کرتے ہیں نہ جھک کر اس سے دعاء مانگتے ہیں اور نہ پھول چادر چڑھاتے ہیں بلکہ تھوڑی دیر کے لیے (انبیاء سے) بطور قرض روپے لیتے ہیں اور ادا کر دیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں نیز پولس انبیاء اور اولیاء اللہ و انبیاء میں کافی فرق ہے لہٰذا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہوگا۔

رد: دوسری تردید یہ ہے کہ اگر ہم لوگ ایسا کرتے بھی ہیں تو زندہ با حیات سے نہ کہ مردہ بے حیات سے۔

آٹھویں دلیل یہ تھی کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبرئیل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبرئیل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ نے جبرئیل سے کیوں مدد طلب نہ کی اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ وقت امتحان تھا اندیشہ تھا کہ حرف شکایت نکلنا رب کو ناپسند ہوا اسی لیے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعاء نہ کی الخ (ایضاً ص: ۲۰۰)

رد: قارئین کرام! یہ بات دنیا میں بھی پائی جاتی ہے کہ لوگ امتحان کے وقت اوروں کی مدد چاہتے ہیں تا کہ امتحان میں کسی طرح پاس ہو جائیں فیل نہ ہوں۔ تو پھر خلیل اللہ نے حضرت جبرئیل سے مدد طلب کیوں نہ کی۔ پس معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنا حرام ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی یا استغفر اللہ، ارے جناب! انبیائے کرام کی زبان ہر وقت ذکر اللہ سے جاری رہتی ہے اور ہمیشہ باری تعالیٰ کی مدد کے محتاج ہوتے ہیں، بہر حال حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل سے یقیناً مدد طلب نہ کی لیکن باری تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوا، یانار کونی بردا وّ سلاماً علی ابراھیمؑ۔

نویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

زندہ سے عارضی طور پر مدد مانگنا جائز ہے مردوں سے نہیں، کیوں کہ زندہ میں مدد کی طاقت ہوتی ہے مردہ میں نہیں، لہٰذا یہ شرک ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ قرآن میں ہے، وایاک نستعین، ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اس میں زندہ اور مردوں کا فرق کہاں ہے؟ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ الخ

رد: زندہ سے عارضی طور پر مدد مانگنے کے سلسلے میں خود باری تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے "واجعل لی وزیراً من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری" "مولیٰ ہارون کو میرا وزیر بنا دے، جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔ پس معلوم ہوا کہ مردوں سے مدد مانگنا یا ان سے دعائیں مانگنا شرک ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے معراج کا واقعہ پیش کیا کہ موسیٰ کی مدد کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس وقت کی نمازیں پانچ وقت کی ہوئیں تو اس کا جواب ماقبل میں بھی دیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی مدد نہ تھی بلکہ مشورہ تھا۔ اور مزید بات یہ ہے کہ اس وقت باحیاتی میں بات ہوئی تھی۔ پھر آگے خانصاحب نے یہ کہا کہ قرآن کہتا ہے کہ شہداء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو، ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون۔

رد: شہید کی دو قسم ہیں شہید حقیقی، شہید مجازی، پس شہید حقیقی وہ ہے جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے گئے ہوں، اور وہی زندہ رہتے ہیں اور اسی کے سلسلے میں بل احیاء کہا گیا، اب رہی بات شہید مجازی کی تو وہ بل احیاء کے مصداق تو نہیں ہے البتہ شہید حقیقی کو جو ثواب دیا جاتا ہے اس ثواب کا مستحق ہے۔ اور جتنا ثواب شہید حقیقی کو ملتا ہے اتنا ہی ثواب شہید مجازی کو بھی ملتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ شہید حقیقی بل احیاء میں شامل ہے اور مجازی شامل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہید حقیقی زندہ تو ہے لیکن اس طرح نہیں کہ جیسے کہ عام طور پر لوگ دنیا میں زندہ رہتے ہیں؛ بلکہ اس کی خبر اللہ ہی کو ہے۔ اور شہید حقیقی یا مجازی جب قبر میں چلے گئے یا دنیا سے کسی بھی طرح رخصت ہو گئے تو وہ کسی کا معاون و مددگار نہیں ہو سکتے ہیں۔ پھر خاں صاحب نے، ولا تدع مع اللہ الھاً آخر والی آیت پیش کی اور اس کی تشریح میں تفسیر صاوی کی عبارت پیش کی غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے، سو اس کی تردید یہ ہے کہ تفسیر صاوی کا مطلب دعاء کے درمیان واسطہ دینا ہے نہ کہ فی نفسہ مانگنا مراد ہے۔

دسویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں، پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے الخ، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لیے طاری ہوئی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں بلکہ بعد موت اور زیادہ قوت ہو جاتی ہے الخ (جاء الحق: ص: ۲۰۲)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ کمزوریاں جسم خاکی پر طاری ہوتی ہیں نہ کہ روح پر پھر جب جسم ہی نہ رہا تو مدد کس طرح کریگا کیا روح سے کریگا حالانکہ روح کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے اور استدلال میں ایک آیت پیش کی۔ وللاخرۃ خیر لک من الاولی۔ تو یہ آیت اس سلسلے میں ہے کہ جس کے لیے جنت کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور مزید یہ بات ہے کہ خواہ اولیاء

اللہ ہی کیوں نہ ہوں ہر ایک بعد الموت نفسی نفسی کے عالم میں ہوتا ہے تو پھر یہ میت دنیا والوں کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ خاں صاحب کے تمام اقوال واعتقادات، واہیات پر مبنی ہیں۔

پھر آگے رب تعالیٰ نے ان لغو اعتقادات کی تردید میں ارشاد فرمایا، وان یسلبھم الذباب شیئا لا یستنقذوہ منہ کہ اولیاء اللہ اپنی قبروں سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے ہماری کیا مدد کریں گے۔

گیارہویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

حضرت علیؓ اور امام حسینؓ میں اگر کچھ طاقت ہوتی تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی مگر طاقت کا استعمال نہیں کیا، کیوں کہ رب تعالیٰ کی ایسی ہی مرضی تھی (ایضاً: ص:۲۰۳)

رد: تاریخ واحادیث کثیرہ اس بات پر شاہد وعادل ہیں کہ حضرت علیؓ اور امام حسینؓ میدان جنگ کے لیے اپنے اسلحہ کے ساتھ نکلے تھے۔ لیکن زہے قسمت شکست ہوئی: لہٰذا یہاں استعمال پایا گیا جو کہ خاں صاحب کا جواب کی تردید ہے۔

غیر اللہ سے مدد مانگنا حرام ہے

اس سے قبل خاں صاحب کے دلائل کے جوابات دیئے گئے پھر خاں صاحب نے ہمارے دلائل کے جوابات اپنی کتاب میں نقل کئے تھے سو اس کی بھی تردید کی گئی اور ہمیں اب قوی امید ہے کہ قارئین مطالعہ کے بعد صحیح فیصلہ فرمائیں گے اب ہم اہل سنت والجماعت کے موقف کی وضاحت کے لئے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

پہلی دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیئ قدیر" (سورہ انعام، پ:۷، ع:۲)

اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ تکلیف پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کوئی نہیں اور اگر وہ تجھ کو نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوب واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر یہ سب اشیاء محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں چونکہ مشرکین عموماً اس خیال سے کہ فلاں سے مجھے ضرر پہنچے گا یا نفع اس کو اس عقیدہ کے مطابق پکارا کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسکی بھی صاف صاف ممانعت اور تردید فرمادی ہے۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلا تَدْعُ من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فان فعلت فانك اذا من الظلمين. وان يمسسك الله بضر فلا كاشف له الا هو، وان يردك بخير فلا راد لِفَضْله (سورۂ یونس: پ:۱۱: ع:۱۱)

اور تو مت پکار اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک تیرا شمار ایسا کرنے پر ظالموں میں ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو ضرر پہنچائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر احسان کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اس مضمون میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہایت وضاحت سے بیان فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے غیر اللہ کو اس خیال سے پکارا کہ وہ میری پریشانی دور کر سکتے ہیں یا مجھے کچھ دے سکتے ہیں تو ایسا شخص ظالم ہوگا! کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حق غیر کو دے دیا اور اس کی صفت غیر میں تسلیم کی ہے۔

تیسری دلیل

مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ: ج:۲: ص:۴۵۳: ترمذی: ج:۲: ص:۷۴: اور ابن سنی: ص:۱۳۶، وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے پیارے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پابندی کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا جب بھی سوال کرنا

ہوتو اللہ تعالیٰ ہی سے کرو، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لیے دکھ مقدر ہے تو تمام کائنات بھی جمع ہوکر اس کو نہیں ٹال سکتی اور اگر تیرے لیے آرام مقدر ہے تو تمام کائنات اس کو روک نہیں سکتی قلم تقدیر جو کچھ لکھ چکا وہی ہوگا اور تقدیر کے رجسٹر بھی خشک ہو چکے ہیں انتہی امام سندی فرماتے ہیں ھذا حدیث صحیح اس حدیث سے بھی آفتاب نیم روز کی طرح یہ ثابت ہوا کہ نافع اور ضار اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی بھی نہیں وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتا ہے اور کائنات کا اس میں کچھ دخل اور بس نہیں عام اس سے کہ وہ انسان ہوں یا فرشتے جن یا کوئی اور مخلوق۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور (فتوح الغیب: ص:۴۷ میں) لکھتے ہیں ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے ظاہر اور باطن اور کردار کا آئینہ بنائے۔

اور حضرت ملا علی القاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے مافوق الاسباب طور پر سوال نہ کیا جائے؛ کیوں کہ غیر نہ تو دینے پر قادر ہے اور نہ منع کرنے پر اور نہ دفع ضرر پر اور نہ جلب نفع پر؛ کیوں کہ وہ دوبارہ کی زندگی ان کے اختیار میں ہے۔ مرقات علی المشکوٰۃ:۲۶:۴۵۳۔ چوں کہ حدیث غیر صحیحین کی ہے اس لیے اصول حدیث کے لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ اس روایت کی توثیق کتب اسماء الرجال سے کریں تاکہ حدیث کی صحت بے غبار ہو جائے یہ حدیث مختلف اسانید سے مروی ہے۔

چوتھی دلیل

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الارض ءالہ مع اللہ (پ:۲، نمل: ع۵) آیا کون ہے وہ ذات جو بے کس اور بے بس کی آہ و پکار کو سنتی ہے اور اس کی تکلیف کو دور کرتی ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی الٰہ ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے بس کی کسی پکار کو سننا اور پھر اس تکلیف کو دور کرنا صرف اللہ کا کام ہے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور سے بھی حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ بھی تکلیف دور کر سکتے ہیں تو وہ ان کو الٰہ بناتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جس کی نفی روز اول سے مسلمان یوں کرتا ہے لا الہ الا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی الٰہ نہیں۔ نیز اس

آیت کریمہ سے بصراحت یہ بھی معلوم ہوا کہ الٰہ معنی فریادرس، حاجت روا اور مشکل کشا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بغیر نہ تو کوئی فریادرس ہے اور حاجت روا اور نہ ہی مشکل کشا ہے الٰہ مع اللہ؟ توبہ توبہ ہرگز نہیں۔

پانچویں دلیل

لیس لک من الامر شیئ ویتوب علیھم الخ (پ:۴ آل عمران: ع:۱۳) آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہو جائے یا ان کو سزا دے کیوں کہ وہ ظلم کر رہے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختار کل بنا دیا گیا تھا تو آپ ﷺ ان کے لیے بددعا سے کیوں روکا اور منع کیوں کیا گیا؟ اور کیوں یہ فرماتے کہ آپ کو کوئی دخل نہیں۔ مشرکین نے جب آنحضرتؐ سے فرمائشی اور من مانے معجزات صادر کرنے کا مطالبہ کیا تو چوں کہ آپ کے دل میں شفقت اور رحمت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اس لیے آپ نے بارہا اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان معجزات کو میرے ہاتھ پر صادر کر دے تو اس سے کیا چیز بعید ہے اور مشرکین بھی شاید کہ ان مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی صداقت پر اور بے شمار معجزات ظاہر کر دیئے تھے، کئی مصلحتیں اور حکمتیں اس کی متقاضی تھیں کہ مشرکین کے ایسے فرمائشی معجزات پورے نہ کئے جائیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کے دل مبارک میں انکے ظاہر ہونے کا خیال کبھی کبھار پیدا ہو جایا کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ کے آیت نازل فرمائی۔

چھٹی دلیل

وان کان کبر علیک اعراضھم فان استطعت ان تبتغی نفقاً فی الارض او سلما فی السماء فتاتیھم بآیۃ (پارہ:۷، انعام: رکوع:۴)

اگر آپ کو ان کا اعتراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو پھر کوئی معجزہ لے آؤ تو کرو، یہ آیت بھی اس

بات پر شاہد وعادل ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مختار کل نہ تھے ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وعظ اور محبت کے یہ تنبیہ نازل نہ ہوتی اور آپ از خود ہی کفار کا یہ مطالبہ پورا کر دیتے۔ (تفسیر معالم التنزیل حدیث: ۳، ص: ۳۱۴۔ وصحیح مسلم: ج: ۲، ص: ۲۸۱، وتاریخ بغدادی: ج: ۱، ص: ۱۵۱ وابن کثیر: ج: ۳، ص: ۲۱۵، وروح المعانی: ج: ۷، ص: ۱۳۷) وغیرہ میں مسند احمد اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ کی خدمت اقدس میں حضرت صہیبؓ حضرت عمارؓ حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ جیسے دولت ایمان سے مالا مال لیکن دولت دنیا سے تہی دست حضرات حاضر ہوتے تھے یہ دیکھ کر کہ مشرکین کے چند ایک سردار خدمت میں آئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے باہر نکال دیں گے تو ہم آپ کی تقریر اور وعظ سن لیں گے آپ کے دل میں یہ خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ اگر یہ لوگ توحید سن لیں اور اپنے رفقاء کو اس مصلحت کے لیے مجلس سے کھڑا کر دوں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو غرباء سے وہ محبت ہے، جو عموماً سرمایہ داروں سے نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ ایسا ہرگز نہ کریں، بلکہ آخر میں فرمایا کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں، قرآن کریم کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ماعلیک من حسابھم من شیئ وما من حسابک علیھم من شیئ فتطردھم فتکون من الظلمین۔ (پارہ: انعام: رکوع: ۶) اور آپ ان لوگوں کو نہ نکالیے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں ان کا حساب ذرا بھی آپ سے متعلق نہیں اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر کچھ ہے ورنہ آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل نہ تھے ورنہ تنبیہ نازل نہ ہوتی۔

ساتویں دلیل

جناب رسول اللہ ﷺ نے جب توحید رسالت کے مضامین مشرکین عرب کے

سامنے بیان فرمائے تو مشرکین نے ان کو انوکھی بات سمجھ کر جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں اور ہم آپ کی مخالفت کرتے ہیں تو آپ ہمارے اوپر (آسمان سے پتھر یا کوئی دوسرا) عذاب کیوں نہیں اتار دیتے؟ مشرکین کے اس متعصبانہ سوال کا جواب قرآن کریم میں مختلف انداز سے متعدد مقامات میں مذکور ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ قل انی علی بینة من ربی و کذبتم به ماعندی ما تستعجلون به ان الحکم الا لله یقص الحق وهو خیر الفاصلین قل لو ان عندی ماتستعجلون به لقضی الامر بینی وبینکم. آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا ہے جس چیز کا تم تقاضا کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے وہ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کرتے ہو تو میرا اور تمہارا معاملہ (کبھی کا) حل ہو چکا ہوتا الحاصل قرآن کریم میں مشرکین کے اس مطالبہ کا جواب کئی اسالیب سے دیا گیا ہے۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ عالم الغیب نہ تھے۔

آٹھویں دلیل

قل انما الآیت عند الله (پ:۷، انعام: رکوع:۱۱) آپ کہہ دیجئے کہ نشانی تو سب خدا ہی کے قبضہ میں ہیں ان آیات سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند تھے نشانات اور فیصلوں کا صادر اور ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے نبی کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا۔

نویں دلیل

ترمذی حدیث:۲، ص:۱۳۴، اور مستدرک حدیث:۲، ص:۳۲۹۔ میں حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ سے مروی ہے جس کی تصحیح پر امام حاکم اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہے کہ جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کے لشکر نے ستر کافر قتل کر دئے اور ستر کو گرفتار کیا

آنحضرت ﷺ نے گرفتار قیدیوں کے متعلق حضرات صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا حضرت عمرؓ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام نے ان سے جرمانہ وصول کر کے چھوڑ دینے کی رائے دی، چناں چہ آپ نے ایسا ہی کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

ما کان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرة واللہ عزیز حکیم (پارہ:۱۰، انفال: رکوع:۹) مستدرک حدیث:۲، ص:۳۲۹ میں صحیح حدیث مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد جناب رسول اللہؐ نے حضرت عمرؓ کو فرمایا قریب تھا کہ تیری مخالفت کی وجہ سے ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ مختار کل نہیں تھے اگر ہوتے تو آپ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ نہ ہوتی۔

دسویں دلیل

آنحضرت ﷺ نے جب غزوۂ تبوک کے سفر کی تیاری کی تو چند منافقین نے باوجودیکہ وہ معذور نہ تھے جناب رسول اللہ ﷺ سے جھوٹی باتیں کہہ کر اپنے کو معذور کرلیا اور آپ کے ساتھ شریک جہاد نہ ہوئے آپ نے ان کو سچا تصور فرما کر از راہ شفقت ان کو گھروں میں رہنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفرت آمیز لہجہ میں ارشاد ہوا:

عفا اللہ عنک لم اذنت لهم حتی یتبین لک الذین صدقوا وتعلم الکاذبین (پارہ:۱۰، سورۂ توبہ: رکوع:۷) اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو اجازت کیوں دے دی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں کو آپ معلوم نہ کر لیتے اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ اگر آپ مختار کل ہوتے تو جو آپ نے کیا تھا اس پر آپ کو تنبیہ کیوں کی جاتی کیوں کہ آپ نے جو کچھ کیا تھا حاصل شدہ اختیار سے ہی کیا تھا۔

قارئین کرام! ان تمام جوابات، تردیدات اور ہمارے دلائل سے یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہم علمائے دیوبند کا مذہب حق اور ان بریلوی حضرات

کا عقیدہ باطل سے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ باری تعالیٰ ان کو اس کتاب کے ذریعہ ہدایت دے اور وہ صحیح عقیدہ کو اختیار کرنے والے بن جائیں۔ (آمین) محمد نسیم رحمانی

پہلے اس کی تمہید ملاحظہ کریں

قارئین! بدعت کی تعریف خاں صاحب یہ کرتے ہیں کہ "وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے ہوں" (جاء الحق جلد ۱ ص ۲۰۴) (اس کا جواب آگے آئے گا) اسی طرح خاں صاحب بدعت عملی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جو کام دینی اور دنیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا ان کے بعد (جاء الحق، ج ۱ ص ۲۱۲) (اس کا بھی جواب اپنے موقع پر دیا جائے گا)۔

اور ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک بدعت کی لغوی تعریف یہ ہے: والبدعة فی المذهب الخ (مفردات القرآن ص ۳۷ مصنفہ امام راغب اصفہانی المتوفی ۵۰۳) مذہب میں بدعت کا اطلاق ایسے قول پر ہوتا ہے کہ جس کا قائل یا فاعل صاحب شریعت کے نقش قدم پر نہ چلا ہوا ور شریعت کی سابق مثالوں اور اسکے محکم اصولوں پر گامزن نہ ہوا ہو اسی طرح بدعت کی تعریف اردو کی مشہور لغت فیروز اللغات ص ۱۹۴ پر یہ کی گئی کہ دین میں کوئی نئی بات یا نئی رسم نکالنا، نیا دستور، نیا رسم ورواج، سختی، ظلم، جھگڑا، فساد، شرارت۔

اسی طرح ہمارے نزدیک اصطلاح شریعت میں بدعت ایسی چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے سمجھی جائے مگر دلیل شرعی سے اسکا ثبوت نہ ملتا ہو، نہ کتاب سے نہ احادیث نبوی سے نہ اجماع امت سے اور نہ قیاس شرعی سے۔ (تحفۃ الاحباب، ص: ۹۵)

اسی طرح بدعت کا اطلاق ہمارے یہاں حضور اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ (اور سلف صالحین) کے بعد جو نئی نئی چیزیں ایجاد ہوں گی اس پر ہوگا۔

پس بدعت مذکورہ کی تمام تعریفات کو ذہن میں رکھتے ہوئے خان صاحب کی پیش کردہ عبارات کے جوابات ملاحظہ کریں۔

پہلا باب: بدعت کے معنی اور اس کے اقسام واحکام میں

خاں صاحب نے بدعت کے لغوی معنی، ایجاد کرنا، نیا بنانا کئے ہیں اور اس لغوی تعریف کی تائید میں آیات قرآنیہ پیش کی ہیں قل ما کنت بدعا من الرسل، بدیع السمٰوٰتِ والارض وغیرہ۔

جواب :۔ ذکر کردہ لغوی تعریف سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور اکرمؐ کے بعد جو بھی نئی چیز صحابہ کرام اور تابعین تبع تابعین کے دور میں ایجاد ہو وہ بدعت ہیں البتہ تبع تابعین کے بعد جو چیزیں ایجاد ہوں وہ بدعت ہیں اسی طریقے سے مذکورہ لغوی تعریف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دنیا میں نئی چیزیں بدعت کی تعریف میں شامل ہوں اور قرآن کے اندر جو لفظ بدعا اور بدیع آیا ہے وہ امور دینیہ میں نئی چیز ایجاد کرنے کے سلسلے میں ہے جیسے کہ قیام محفل میلاد ہے۔

اس کے بعد خاں صاحب نے بدعت کی شرعی تعریف یہ کی کہ وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے (جاء الحق، ج:۱، ص:۲۰۴)

جواب (۱) گویا کہ خاں صاحب نے بدعت کا اطلاق اعمال صحابہ کرام تابعین تبع تابعین پر بھی کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے سلسلے میں خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اسی طریقے سے حضور اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کو اور صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین کے زمانے کو خیر القرون سے تعبیر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم ان بعدذالک لقوماً یشھدون ولا یستشھدون الخ اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانے خیر کے ہیں اور حضور اکرمؐ کے علاوہ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کا، قرآن وحدیث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ بدعت کا اطلاق حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے بعد سے ہوگا اگر کوئی شخص صحابہ کرام کے زمانے میں ایجاد شدہ چیز کو بدعت کہتا ہے تو وہ عنداللہ مستحق عتاب ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ بدعت شرعی

دو طرح کی ہوئی بدعت اعتقادی اور بدعت عملی الخ۔ (ایضاً ص:۲۰۴)

جواب: آپ نے اس کو دو قسموں میں منقسم کیا ہے حالاں کہ دونوں قسموں پر وعیدیں وارد ہوئی ہیں یہ الگ بات ہے کہ بدعت اعتقادی پر وعید شدید آئی ہے اور بدعت عملی پر صرف نفس وعید وارد ہوئی ہے مگر وعید کی زد میں دونوں بدعتیں آتی ہیں بدعت اعتقادی ہوں یا بدعت عملی دونوں کی زد میں محفل میلاد اور قیام وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے بعد خاں صاحب نے یہ کہا کہ دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں اور آگے مثال دی کہ دیوبندی کہتے ہیں کہ العیاذ باللہ خدا جھوٹ پر قادر ہے حضور ﷺ غیب سے جاہل۔ یا حضور ﷺ کا خیال نماز میں بیل گدھے، سے بدتر ہے۔ (جاء الحق ص ۲۰۴)

پہلے دو الزامات کے مدلل اور مکمل جوابات ماقبل میں دیے گئے ہیں اب رہی بات کہ حضور ﷺ کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے دل میں کلمہ طیبہ مستحکم ہے تو واقعتاً اس کو حضور اکرم ﷺ سے لگاؤ اس قدر شدید کہ اس کے نام پر لوگ جان و مال قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں پس اگر اہل ایمان کو نماز میں حضور اکرم ﷺ کا نام یاد آ جائے تو بجائے باری تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے حضور اکرم ﷺ کو سجدہ کر بیٹھے گا جو کہ حرام ہے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے کے لیے بیل وغیرہ سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری غلط فہمی کا ازالہ

خاں صاحب نے آیت "وجعلنا فی قلوب الذین اتبعوہ رافۃ ورحمۃ ورھبانیۃ ن ابتدعوھا" الخ پیش کی اور خاں صاحب نے یہ استدلال پیش کیا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اجر بھی دیا ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا فرمایا گیا "فما رعوھا حق رعایتھا" دیکھو ایجاد بدعت عتاب نہیں ہوا بلکہ نہ نبھانے پر معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب ہے مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا ہے خیر الامور اوسطھا لہٰذا چاہیے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ (جاء الحق ص:۲۰۴)

جواب (۱) ابتدعوھا سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ تعریف لغوی پر تو صادق آتا ہے لیکن خود خاں صاحب کی تعریف شرعی پر صادق نہیں آتا کیوں کہ خانصاحب نے خود کہا ہے کہ بدعت اس نئی چیز کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کے زمانے کے بعد ایجاد ہو۔

پس غور کریں کہ مسئلہ مذکورہ جو کہ قرآن میں موجود ہے وہ حضورؐ سے قبل ہی کا مسئلہ ہے پھر ان کو دلیل میں پیش کرنا درست نہ ہوگا۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "لا رھبانیۃ فی الاسلام" کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے پس خاں صاحب کا رہبانیت پر اپنی محفل میلاد کو قیاس کرنا باطل ہے۔

جواب (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے بدعت حسنہ کے اندر محفل میلاد کو شامل کیا حالانکہ یہ نادانی پر مبنی ہے بایں طور کہ بدعت حسنہ اس بدعت کو کہتے ہیں جس کو اختیار کرنے سے اسلام پر کوئی حرف نے آئے اور اس کو کرنے سے اسلام کو تقویت پہنچے، لیکن میلاد کرنے سے مذہب اسلام کو کوئی تقویت نہیں پہنچتی بایں معنیٰ کہ اس بدعت کو اختیار کرنے سے لوگ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین کی زد میں آتے ہیں اور آگے باری تعالیٰ نے خاں صاحب جیسے آدمی کو مخاطب کیا ہے ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون. اور آپ نادانوں کی خواہش پر مت چلیے اور محفل میلاد چوں کہ خواہشات پر مبنی ہے، اس لئے اس سے گریز کرنا چاہیے۔

تیسری غلط فہمی کا ازالہ

خاں صاحب نے مشکوٰۃ "باب الاعتصام" کے حوالے سے پہلی حدیث پیش کی "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردّ" جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو کہ دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے ہم نے ما کے معنیٰ عقیدے اس لیے کئے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع ہیں نیز حدیث کی تائید میں خاں صاحب نے مرقات کی عبارت پیش کی والمعنیٰ انّ من احدث فی الاسلام رایاً فھو مردودٌ علیہ اقول فی واصف امرنا بھذا اشارۃ الیٰ انّ امر الاسلام کمل معنیٰ یہ

ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ امرنا کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا ہے۔
(جاء الحق، ج:۱، ص:۲۰۴ تا ۲۰۵)

جواب خاں صاحب سے دریافت کیجئے کہ آپ نے محض اپنی طرف سے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین کے خلاف کرتے ہوئے کیوں دین کی قید اگائی خصوصاً جب کہ بقول آپ کے "اشعۃ اللمعات" اور مرقات کی عبارتوں میں بھی دین کی قید نہیں لگائی گئی۔ فرمایئے کیا داعیہ پیش آیا ہے؟ اور پھر یہ بھی خوب کہا کہ دین عقائد ہی کا نام ہے، اعمال فروع ہیں بلاشک، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اور جہاد وغیرہ احکام عقائد کے لحاظ سے فروع ہیں مگر اپنے مقام پر وہ ارکانِ اسلام اور اصول دین بھی ہیں اور قرآن کریم اور احادیث میں نماز اور جہاد وغیرہ احکام پر صراحت کے ساتھ لفظ دین کا اطلاق کیا گیا ہے اس کے ثبوت میں بے شمار مثالیں اس پر پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہمارا مقصد ابھی بہت وسیع وعریض ہے لہٰذا اشارہ ہی کافی ہے الغرض عقائد ہوں یا اعمال کسی میں بدعت نہیں ہوتی۔

چوتھی غلطی کا ازالہ

خاں صاحب نے یہ لکھا کہ حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے فرمایا: "بلغنی انہ قد احدث فان کان احدث فلا تقرئہ منی السلام" مجھے خبر ملی کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا بدعتی کیسے ہوا فرماتے ہیں "یقول یکون فی امتی خسف ومسخ او قذف فی اھل القدر الخ" پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہی ہیں الخ۔ (جاء الحق ص:۲۰۵)

جواب (۱) بلاشک وعید شدید ایسی ہی بدعت پر وارد ہوئی ہے جو عقائد کی بدعت ہے مگر خاں صاحب ہی بتائیں کہ کیا علم غیب، حاضر وناظر، مختار کل اور نور وبشر وغیرہ

کے مسائل عقائد میں شامل ہیں یا محض دل لگی کا سامان اور ایسی شدید وعید اسکی بدعت اعتقادیہ پر آئے گی یا نہیں؟ خیر القرون میں تو یہ عقائد کسی کے نہ تھے پھر کیسے ہوا کہ اگر وعید شدید کا اطلاق بدعت اعتقادیہ پر ہوا ہے احکام اور فروع اور غیر اعتقادی امور پر نفس بدعت کا اطلاق ہی نہ ہو اور ان پر نفس وعید بھی نہ ہو۔ متعدد حوالے پیش کئے گئے ہیں کہ بدعت، اعتقاد اور عمل دونوں میں ہوتی ہے حافظ ابن کثیر کی عبارت میں قول و فعل کے الفاظ اور صاحب قاموس کی عبارت میں اہواء و اعمال کی قید اور علامہ شمنی وغیرہ محققین کی عبارت میں علم و عمل کی قید اور ابن دقیق العید کی عبارت میں احکام فرعیہ اور اصول اعتقادیہ کی قید خاص طور پر مذکور ہیں حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ: "فکل من احدث شیئاً ونسبہ الی الدین ولم یکن لہ اصل من الدین یرجع الیہ فھو ضلالۃ و الدین بری منہ وسواء فی ذلک الاعتقادات والاعمال او الاقوال الظاھرہ والباطنۃ واما ماوقع فی کلام السلف من استحقاق بعض البدع فانما ذالک فی البدع اللغویۃ لا الشریعیۃ". (جامعہ العلوم والحکم، ص: ۱۹۳)

جس نے بھی کوئی چیز ایجاد کی اور اس کو دین کی طرف منسوب کیا جب کہ اس کے دین میں کوئی اصل نہیں جس کی طرف وہ راجع ہو تو وہ گمراہی ہے اور دین اس سے بری ہے برابر ہے کہ وہ ایجاد کردہ چیز اعتقادات ہوں یا اعمال یا اقوال ظاہرہ اور باطنہ سے رہا سلف کے کلام میں بعض بدعات کے حسن کا ثبوت تو بجا ہے مگر وہ حسن لغوی بدعات میں ہے نہ کہ شرعی بدعات میں۔

جواب (۲) دوسرا جواب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے دیا چنانچہ (مکتوبات شیخ ص: ۹۴ بر حاشیہ اخبار الاخیار) لکھتے ہیں کہ جو چیز جناب رسول کریم ﷺ کی سنت کی مغیر اور مخالف ہو وہ بدعت ضلالت اور مردود ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر نوایجاد اور احداث مردود نہیں ہوتی خواہ دنیوی ہوں یا دینی بلکہ وہ احداث مردود ہیں جو کہ سنت کا مغیر اور مخالف ہو دوسرا یہ امر واضح ہوا کہ عبادات عادات اور اعتقاد تمام قسموں میں سنت کی پیروی لازم ہے اور اس کی مخالفت بدعت اور مردود ہے تیسرا یہ امر

واضح ہوا کہ کل بدعت ضلالۃ سے ہر نیا کام مراد نہیں جیسا کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ناسمجھی سے لکھ دیا ہے۔

پانچویں غلطی کا ازالہ

خاں صاحب نے یہ کہا کہ بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا ہو خواہ، وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ اور اس کی تائید میں مرقات کی یہ عبارت پیش کی: ''وفی الشرع احداث عالم یکن فی عهد رسول الله ﷺ'' بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو (جاء الحق: ص: ۲۰۵ تا ۲۰۶)۔

جواب (۱) گویا کہ خاں صاحب نے اس عبارت کے ذریعہ صحابہ کرام اور تابعین، تبع تابعین کے دور میں نئی ایجاد شدہ چیزوں کو بدعت قرار دیا ہے حالانکہ خود آقائے نامدار محمد مصطفےٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اصحابی کالنجوم فبایتهم اقتدیتم اهتدیتم'' میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہو لو ہدایت پالو گے معلوم ہوا کہ اصحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہٰذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں کیوں کہ بدعت تو گمراہ کن قول و عمل ہے۔ پس اگر آپ کہیں گے کہ صحابہ کرام کا دور بدعت کا ہے تو یہی کہا جاوے گا کہ آپ حدیث مذکورہ کے انکار کے ساتھ ساتھ گستاخان صحابہ میں سے بھی ہیں۔

جواب (۲) دوسرا جواب پھر آگے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم'' اس عبارت سے بالکل یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ جو چیز حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے ایجاد کی ہو، اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو وہ بدعتی ہوگا۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے، نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ، پس احقر تو صحابہ کرام کے سلسلے میں دو جوابات دے چکا ہے پھر صحابہ کرام کے سلسلے میں [illegible] خاں صاحب نے

جو مرقات کی عبارت پیش کی "وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول اللّٰہ ﷺ" دراصل مذکورہ عبارت یوں ہے "وفی الشرع احداث مالم یکن فی عهد رسول الله ﷺ واصحابی وتابعهم" کہ بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو اور نہ میرے صحابہ کرام اور تبع تابعین کے زمانہ میں، پس اس تقدیری عبارت نے تو خاں صاحب کا پتہ ہی کاٹ دیا۔ اب رہی بات کہ اسکے اندر دینی کام کی قید نہیں ہے اس کا جواب خود حضور اکرمؐ نے دے دیا چنانچہ (مشکوۃ جلد ا ص ۳۱ مسند احمد جلد ۴ ص ۱۰۵) پر ارشاد ہے "قال قال رسول الله ﷺ من احدث قوم بدعة الارفع مثلها من السنة فتمسک السنة خیر من احداث، بدعة" کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد تو نہیں کرے گی مگر اس کے مقدر میں سنت ان سے اٹھالی جائے گی سو سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بھی بدعت کا تقابل سنت سے کیا ہے اگر سنت دینی کام ہے تو بدعت بھی دینی کام ہوگا اگر بدعت دنیاوی کام ہو جیسا کہ خاں صاحب کو دھوکا ہوا ہے تو اتحاد محل نہ رہا پھر بدعت کے لیے احداث سے سنت کیسے رفع ہوگی؟

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی صحیح تحقیقات

خاں صاحب نے بدعت عملی کی دو قسمیں کی (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ کی تعریف یہ کی کہ وہ نیا کام جو کہ کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد وغیرہ اور بدعت سیئہ کی تعریف یہ کی وہ کام جو کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والا ہو جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ وغیرہ دینا۔ (جاء الحق: ص ۲۰۴)

جواب خاں صاحب نے بدعت حسنہ کے اندر محفل میلاد کو شامل کیا ہے سو اس کے جواب سے قبل بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق سن لیں دراصل بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعت لغوی (۲) بدعت شرعی۔ لغوی بدعت ہر اس نو ایجاد کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی ہو عام اس سے کہ وہ عبادت کی قبیل سے ہو یا عادت اور اس کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) مندوب (۳) حرام (۴) مکروہ

(۵) مباح اور شرعی بدعت وہ ہے جو قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوئی ہو اور اس پر قولاً فعلاً صراحتاً اور اشارتاً کسی طرح بھی شارع کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو یہی وہ بدعت ہے جس کو بدعت ضلالۃ اور بدعت قبیحہ اور بدعت سیئہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور علماء نے اس کی تصریح اس طرح کی ہے: ''ان البدعة علىٰ قسمين بدعة لغوية وبدعة شرعية فالاول هو المحدث مطلقاً عادتاً كانت او عبادتاً وهى التى يقسمونها الىٰ الاقسام الخمسة والثانى وهو ما ازيد علىٰ ماشرع من حيث الطاعة بعد القراض الازمنة الثلاثة بغير اذن من الشارع لاقولاً ولافعلاً ولاصريحاً ولا اشارتاً وهى المراد بالبدعة المحكومة عليها بالضلالة''. (ایضاً ص ۱۳۱)

بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک لغوی بدعت دوسری شرعی بدعت، لغوی بدعت ہر نو ایجاد کا نام ہے جو عبادت یا عادت کے قبیل سے ہے اور اس بدعت کی پانچ قسمیں کی جاتی ہیں اور دوسری وہ بدعت ہے جو طاعت کی مد میں کسی مشروع امر پر زیادہ یا کمی کی جائے مگر وہ قرون ثلاثہ کے ختم ہونے کے بعد ہو اور یہ زیادتی شارع کے اذن سے نہ ہو نہ اس پر شارع کا قول موجود ہو اور نہ فعل، اور نہ صراحت اور نہ اشارہ اور بدعت ضلالۃ سے یہی مراد ہے۔

اس کے بعد آگے حافظ ابن حجرؒ فتح الباری (جلد ۴ ص ۲۱۹) پر لکھتے ہیں کہ ''تحقیق یہ ہے کہ بدعت شریعت کی پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعت حسنہ ہوگی اور اگر وہ شریعت کی کسی غیر پسندیدہ دلیل کے تحت داخل ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہوگی ورنہ مباح ہوگی اور بدعت پانچ احکام میں منقسم ہے۔

جواب: خاں صاحب نے بدعت حسنہ کے اندر محفل میلاد کو شامل کیا تھا سو اس کا جواب یہ ہے کہ، خود خاں صاحب نے بدعت حسنہ کی تعریف کی تھی کہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو، تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کم خرچ کرنا حضور اکرم ﷺ کی سنت نہیں، کیا فیشن کرنا حضور ﷺ کی سنت ہے؟ پس حضور کی سنت یہ بھی ہے کہ آپ نے مذہب اسلام کو سادہ قرار دیا آپ اپنے عمل سے اس کا نمونہ پیش کر کے چلے گئے۔

بہر حال میلاد میں طرح طرح کے اخراجات وخرافات ہوتے ہیں در و دیوار کو رنگ پھول سے سجایا جاتا ہے پھر خاں صاحب جیسے کوئی مولوی آتے ہیں اور مصطفٰے جان رحمت پر لاکھوں سلام کہتے ہیں پس معلوم ہو کہ یہ تمام خرافات "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" کے خلاف ہے۔

چھٹی غلطی کا ازالہ

خان صاحب نے مشکوٰۃ باب العلم کے حوالے سے ایک عبارت پیش کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملیگا اور ان کو بھی جو کہ اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص کہ اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو کہ اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے طریقے کا ایجاد گناہ کا موجب ہے۔ (جاء الحق، ص:۲۰۶)

جواب (۱) عبارات مذکورہ سے یہ بات خود بخود عیاں وبیاں ہو رہی ہے کہ محفل میلاد، قبروں پر چادریں چڑھانا، پھول چڑھانا، غیر اللہ سے دعا مانگنا یہ تمام چیزیں سنت ہی کے خلاف نہیں بلکہ قرآن واحادیث، قیاس، اجماع کے بھی خلاف ہیں چناں چہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" اس کے ذریعہ باری تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ ہم نے دین مکمل کر دیا اور مزید بات یہ کہی کہ میں نے اپنی نعمت کو بھی مکمل کر دیا ہے وغیرہ ذالک پھر اگر کوئی شخص اس دین کے اندر نیا دین مثلاً محفل میلاد، قبروں پر چادریں چڑھانا وغیرہ کا رواج دے تو وہ یقیناً قابل عتاب ہے۔ بہر حال خاں صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اچھائی کو فروغ دے مثلاً اسلام کے موافق اشاعت کتب کا کام کرے اسی طرح اسلام کی دعوت دینا بطریق تبلیغ جماعت وغیرہ اور پھر آگے عبارت پیش کی گئی کہ جو شخص اسلام میں برا طریقہ رائج کریگا وہ گناہ کا مستحق ہے پس اس کے مصداق حضرات بریلوی اور اس کے علاوہ مختلف فرقۂ باطلہ ہیں اسی طرح آگے خاں صاحب نے

شامی اور مشکوٰۃ کی عبارت پیش کی، مگر یہ عبارتیں بھی ہمارے موافق اور خاں صاحب کے مخالف ہیں جیسا کہ احقر ماقبل میں جوابات دے چکا ہے غور کرلیں تو تمام ہی مسئلہ حل ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے احکامات

اس عنوان کے تحت خاں صاحب نے بدعت کے اقسام وغیرہ بیان کیے ہیں لیکن اس عبارت سے قطعاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی ہے کہ محفل میلاد منعقد کرنا یا مزارات پر چادریں پھول چڑھانا وغیرہ بھی جائز ہوجائیں۔ یا ان عبارات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اگر کوئی نئی چیز صحابہ کرامؓ اور تابعین وتبع تابعین نے ایجاد کی تو بدعت ہے یا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی دنیاوی نیا کام شامل ہے۔

بدعت کی قسمیں اور علامتیں

خاں صاحب نے اس عنوان کے تحت یہ لکھا کہ بدعت کی پانچ قسمیں کی گئیں اب علامتیں معلوم کرو چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے یہ کہا کہ،، بدعت جائز، ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔ (جاء الحق ج ۱ ص ۲۰۹)

جواب: دراصل چند کھانے کو بدعت پر محمول کرنا ہے بایں طور کہ چند کھانا کھانے حضرت سیدنا آدمؑ کی سنت۔

حضرت سلیمانؑ کی سنت۔ حضرت یوسفؑ کی سنت۔ حضرت عیسیٰؑ کی سنت۔

حتی کہ حضور اکرم ﷺ نے بھی چند کھانے کھائے ہیں اور انہوں نے ایسے ایسے کھانے کو پسند بھی فرمایا ہے۔ اس کے بعد بھی چند کھانے کو بدعت پر محمول کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

اس کے بعد آگے خاں صاحب نے بدعت مستحبہ کا عنوان قائم کیا اور کہا کہ بدعت مستحبہ وہ نیا کام ہے جو شریعت میں منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد اور فاتحہ۔ (ایضاً ص: ۲۰۹)

جواب خود خاں صاحب نے بدعت مستحبہ کی تعریف کی کہ وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کو عام مسلمان کارِ ثواب جانتے ہوں۔ تو کیسے محفل میلاد اور قرآن طور پر کرنا کہ لوگ اس کو واجب تصور کرنے لگیں تو اس سے منع کیوں کیا گیا حالانکہ منع کیا گیا ہے۔ جیسا کے احقر ماقبل میں بھی عرض کر چکا ہے کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم الخ" پس میلاد اور عرارات پر چادریں چڑھانا بدعت سیئہ ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے بدعت واجبہ کا عنوان قائم کیا اور کہا کہ بدعت واجبہ وہ نیا کام ہے جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں خرابی واقع ہو جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا (ایضاً ص ۲۰۹)

جواب: خاں صاحب نے بدعات میں قرآن کے اعراب اور دینی مدرسے اور علم نحو کو شامل کیا ہے حالانکہ یہ بھی قطعاً درست نہیں بایں طور کہ قرآن کے صحیح طور پر پڑھنے اور اعراب کی اور دیگر مخارج کو صحیح طور پر ادا کرنے کے سلسلے میں خود قرآن نے اعلان کر دیا "ورتل القرآن ترتیلاً" اسی طرح دینی مدرسے کوئی نیا کام نہیں بلکہ سنت ہے پوری دنیا کا سب سے پہلا مدرسہ آدم کا ہے کہ باری تعالیٰ نے آپ کو دینی ضروریات کے نام سکھلائے ارشاد باری ہے "وعلم آدم الاسماء کلھا" اسی طرح دینی مدرسے کا رواج خود حضور اکرم ﷺ نے صفہ کا مدرسہ قائم کر کے کیا۔ بہر حال! ان تمام باتوں اور جوابات سے معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا قول و فعل غلط ہے۔

دوسرا باب

خاں صاحب نے ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے بدعت کی تعریف کی، کہ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو حضور علیہ السلام کے بعد ایجاد کئے جائیں دنیاوی نئے کام بدعت نہیں ہیں لہٰذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار ٹیلیفون، ریل، موٹر کی سواری بدعت نہیں کیوں کہ حدیث میں آیا ہے "من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے "امرنا" سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام

ہیں کیوں کہ حدیث میں سب کو کہا گیا ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء وفقہاء اور محدثین کے خلاف ہے حدیث میں ہے "کُلُّ محدث بدعة" ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی و دنیاوی کی قید نہیں۔ (جاء الحق ج:۱،ص:۱۱۲)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ فی امرنا میں دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے سو اس کا جواب ہم چند احادیث اور اقوال علمائے اسلام کے ذریعہ دیتے ہیں چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "من احدث فی امرنا هذا مالیس منهُ فهو ردّ" (بخاری جلد۱،ص۳۷۱۔ مسلم، جلد۲،ص ۷۷۔ ابوداؤد، جلد:۲،ص:۲۷۹، ابن ماجہ، جلد۳، مسند احمد، جلد۲،ص ۷۳)

نہایت ضروری ہوتا ہے کہ ہم فی امرنا هذا کی قدرے تشریح کر دیں تا کہ کسی کوتاہ فہم کو مغالطہ نہ ہو جائے حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔ "کل من احدث فی الدین مالم یاذن به الله ورسوله فلیس فی الدین فی شیٔ" (جامع العلوم الحکم طبع مصر ص ۴۲)

جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا اذن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ موصوفؒ یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہر احداث مردود نہیں بلکہ جو احداث "فی الدین" ہو وہ مردود ہے نیز لکھتے ہیں اسی حدیث کے بعض الفاظ میں "فی امرنا هذا" کی جگہ صریح طور پر دین کا لفظ آیا ہے "وفی بعض الفاظه من احدث فی دیننا مالیس منهُ فهو ردّ" (ص:۴۲) اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں "فی دیننا" کے الفاظ آئے ہیں، یعنی جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی تو وہ مردود ہوگی جب جناب نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اسی روایت کے اندر دوسرے الفاظ میں "فی امرنا هذا" کی جگہ "فی دیننا" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں تو پھر اس سے بڑھ کر صحیح تفسیر اور کیا ہو سکتی ہے حافظ ابن حجر فی امرنا کی تشریح میں لکھتے ہیں "المراد امر الدین" (فتح الباری، ج:۵،ص:۳۲۱) "فی امرنا هذا" سے

دین کا امر مراد ہے، یعنی جس نے دین میں کوئی نئی چیز نکالی تو وہ مردود ہے۔ اسی طرح علامہ عزیز لکھتے ہیں "من احدث فی امرنا هذا ای فی دین الاسلام" (السراج المنیر ج:۳،ص:۳۲۰) یعنی "فی امرنا هذا" سے دین اسلام مراد ہے۔ ان تمام اقوال سے یہ بات کالشمس علی نصف النہار ہوگئی کہ امرنا سے مراد دین اسلام ہے کہ جس نے دین اسلام میں نیا قول وعمل ایجاد کیا وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور دنیاوی ایجادات "فی امرنا" سے خارج ہیں اور مزید ایسے ایجادات بدعت نہیں کہلا سکتے ہیں جیسا کہ احقر مفصل بحث کر چکا ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے بیان کیا، محدثة بدعة کہ ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی ودنیاوی کی قید نہیں نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقات کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی گئی۔ (جاء الحق ص ۱۱۲)

جواب: خاں صاحب کا یہ ارشاد کم علمی پر مبنی ہے **اولاً** اس لیے کہ سابق عبارات میں اس کی پوری تحقیق عرض کی جا چکی ہے کہ شرعی بدعت میں جو مذموم اور قبیح ہے وہ دین کی قید ملحوظ ہے؛ بلکہ ایک روایت میں فی دیننا کے الفاظ آئے ہیں **ثانیاً** اگر بالفرض مرقات اور اشعۃ اللمعات کی عبارتوں میں دین کی قید اور صحابہ کرام کا ذکر نہیں تو کیا کسی اور کی عبارت میں بھی اس کا ذکر نہ ہوگا؟ لیجئے خاں صاحب کو مرقات اور اشعۃ اللمعات سے دین کی قید بتاتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی ایک بدعتی کے سلام کا جواب نہ دینے کی روایت باحوالہ پہلے عرض کی جا چکی ہے اس روایت میں "بلغنی قد احدث" کی شرح کرتے ہوئے علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ "قد احدث ای ابتدع فی الدین مالیس منه" (مرقات علی المشکوٰۃ: جلد:۱،ص:۲۳)

یعنی اس نے دین میں ایسی چیز نکالی ہے، جو دین سے نہیں ہے، اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ۔ رسیدہ است مرا کہ وے احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے را کہ نمودہ است (اشعۃ اللمعات، جلد:۱،ص:۱۰۲) لیجئے خاں صاحب کی منھ مانگی مراد پوری ہوگئی اور مرقات واشعۃ اللمعات کی عبارتوں میں دین کی قید نقل آگئی، اور آگے خاں صاحب نے کل محدث بدعة والی حدیث پیش کی سو اس کا جواب

یہ ہے کہ لفظ کل کے اندر ہر دینی اقوال و افعال مراد ہیں جیسے کہ محفل میلاد، مزارات پر چادریں چڑھانا وغیرہ وغیرہ۔ پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے اب بتاؤ کہ بیت خیر سے پلاؤ کھانا بدعت ہے یا نہیں۔ (ایضاً ص ۲۱۲)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ ہر دنیاوی کام تو دینی نہیں ہوتا مثلاً بیڑی، سگریٹ، کھینی، اس طرح باضابطہ پکے گھروں میں لگانا ہیٹر چلانا وغیرہ وغیرہ دنیاوی کام تو ہیں لیکن دینی کام نہیں۔ ثانیاً یہ کہ خاں صاحب نے کہا کہ ہر دنیاوی کام دینی ہوتا ہے۔ پس اس عبارت کے اندر اجتماع نقیضین لازم آتا ہے جو کہ عند العلماء درست نہیں۔ ثالثاً یہ کہ بعض دنیاوی امور ایسے ہیں مثلاً اپنی اولاد کی پرورش کرنا اپنی اہلیہ کے حقوق ادا کرنا یہ سب سنت رسول ﷺ ہیں اور ان پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ ذکر و اذکار اور مراقبات بزرگان دین کے درمیان رائج ہیں نیز ہر وقت کے مناسب اشغال اور ہر ہر قرن کے مطابق حال ریاضات جدا جدا ہیں اس کے بعد خاں صاحب نے اپنی طرف سے یہ کہا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تصوف میں اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے۔ (چہار الحق ص ۲۱۲)

جواب: اذکار و اذکار تو حضور اکرم ﷺ کا عمل ہے جیسا کہ قرآن و احادیث کثرت سے اس بات پر دال ہیں اسی طرح آپ ﷺ مراقبہ بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کا ذکر و مراقبات ممتاز تھا اور صوفیہ کا اونی ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

پہلی دلیل کا جواب اور اس کا رد

"فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الخ" تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم سے مضبوط پکڑ لو اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا ہے اور اس کے پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کے کام جو ان کے دور میں ایجاد ہوئے وہ قابل

فعل بدعت نہیں۔ (جاء الحق، ج ۱، ص ۲۱۱) اس کا جواب یہ ہے کہ خان صاحب نے یہ کہا کہ خلفائے راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنی سے سنت فرمایا گیا یعنی اسے مضبوطی سے تھامنا اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو۔ (ایضاً ص ۲۱۲)

ج: تعجب اور حیرت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ خلفاء راشدین کے عمل کو سنت فرمائیں اور حضرات صحابہ کرام کو ہدایت کی قرار دیں اور شیخین کے بعد ان کے عمل کی پیروی کی وصیت فرمائیں لیکن خان صاحب نے کہا کہ خواہ وہ صحابہ ایسی ایجاد (شروع) کریں یا ان کے بعد کی سب بدعت ہیں (استغفر اللہ) اور خان صاحب نے یہ کہا کہ خلفائے راشدین کے اقوال و افعال کو لغوی معنی کے اعتبار سے سنت فرمایا گیا ہے جو بے لطف ہے۔ بایں طور کہ یہ الخلفاء الراشدین کی تشریح میں حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب فتح الباری میں سنت سے مراد سنت اصطلاحی لی ہے اور فرمایا کہ خلفائے راشدین کے طور طریقے کو اختیار کرو۔ پھر آگے خان صاحب نے یہ کہا "من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا" اور فرمایا "ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ" اور کہا کہ اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے اور جو یہ حضرات نئے نئے اپنے ہی گھڑے ہوئے معنی استعمال کیا کرتے ہیں۔ (جاء الحق ص ۲۱۲)

پس اس کا جواب یہ ہے کہ [illegible] ہے اور اس لیے کہ حضرت کا ہر ارشاد [illegible] ہوں اور حضرت کے [illegible] میں ہے جناب رسول کریم ﷺ نے [illegible] تمسک بسنتی" جس نے میری سنت سے تمسک کیا اور عنقریب [illegible] تمسک بسنۃ الخلفاء الخ" سنت کے ساتھ تمسک کرنا [illegible] ہدایت میں ہے "من سن فی الاسلام" کے بارے میں [illegible] نحو الحدیث" کہ جس نے اچھی بات کی طرف [illegible] ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ" [illegible] حسنۃ من سنی فقد اخذت بھدی [illegible]

پیش کی اس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کا شریعت میں دلالۃ اشارۃ ثبوت موجود ہو اس کے اجراء کرنے میں ثواب ہوگا۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

خانصاحب نے ہماری دوسری دلیل بیان کی، خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم الخ اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانے خیر کے ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا اور تبع تابعین کا اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ زمن کے اندر ایجاد شدہ چیزیں بدعت نہیں اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے۔ (جاء الحق، ص ۲۱۵، ۲۱۷)

رد: خانصاحب نے سنت اور خیر کا مفہوم سمجھا ہی نہیں کیونکہ سنت سے زیادہ ابلغ لفظ خیر ہے اور جہاں خیر کا لفظ مذکور ہو تو لازماً سنت کا ذکر ہوگا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جہاں جہاں بلیغ کا ذکر ہوگا تو اس بلیغ کے ضمن میں فصیح بھی آئے گا۔ پس اب خیر امتی کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان تینوں زمانوں میں سنت تو درکنار بلکہ خیر ہی خیر ہے۔ اب رہا سوال جبریہ قدریہ اور خوارج کا تو ان کا تعلق تابعین وغیرہ کے زمانے سے ہے تو کیا ان کا عمل سنت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو خود تابعین وغیرہ کی مخالفت کی پس اس کو مردود کہا جا سکتا ہے۔

تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

"ما انا علیہ و اصحابی" اور دوسری حدیث اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہو لو ہدایت پالو گے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کی پیروی باعث نجات ہے لہٰذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں ہوں گے کیوں کہ بدعت تو گمراہ کن ہے (جاء الحق ص ۱۱۵)۔

جواب: پنجر خاں صاحب نے جواباً یہ کہا کہ حدیث مذکور سے یہ کہاں لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہے (ایضاً ص ۱۱۷) تو میری طرف سے تردید یہ ہے کہ حدیث مذکور سے یہ کب اور کہاں لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی نہیں ہے۔ بہر حال! جواب کی

ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً اصحابی کالنجوم سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہے بایں معنیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ستاروں کی طرح فرمایا یعنی جس طرح ستارے صاف ستھرے ہیں اسی طرح صحابہ کرام بھی ہر فتنہ وفساد اور دیگر عیوبات سے صاف ستھرے ہیں۔ نہ ان کے اندر باری تعالیٰ کی نافرمانی کی بو پائی جاتی ہے اور نہ میری مخالفت۔ پس اب کیوں کر ان کا طور طریقہ سنت نہ ہو۔

پھر آگے خاں صاحب نے چند احادیث وآیات پیش کیں جن کا مفہوم یہی نکلتا ہے جیسا کہ خود خاں صاحب نے بیان کیا کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہو ان سے جدا نہ ہو ورنہ جدا ہونے والے کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (ایضاً ص: ۲۱۷)

اس سے بھی یہی لازم آیا کہ مسلمانوں کی سب سے پہلی جماعت حضور اکرم ﷺ کی ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ پھر تابعین وتبع تابعین کی سنتوں کو مضبوطی سے پکڑے اور ان کو بدعت پر محمول نہ کرے۔

ہدایت ضروریہ کا جواب

خانصاحب نے قاعدہ بیان کیا چنانچہ سب سے پہلے یہ کہا "الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" کہ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہو یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کردے تو وہ حرام یا منع شدہ ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگئی نہ کہ نئے ہونے سے اور اس قاعدہ کی تائید میں خاں صاحب نے قرآن واحادیث کو پیش کیا ہے۔ (جاء الحق: ص: ۲۱۸)

اور کہا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا ہی حلال ہونے کی دلیل ہے۔ (ایضاً: ص ۲۱۹)

جواب: گویا کہ خاں صاحب راستہ نکالنا چاہتے ہیں کہ محفل میلاد مزارات پر چادریں چڑھانے کی حرمت نہ ہوئی ہے لہٰذا جائز ہوا پس ان کے جوابات مکمل اور مدلل اپنی اپنی جگہ پر عیاں ہو گئے۔ اور خاں صاحب نے جو آیت پیش کی وہ اس جگہ سیٹ کرنا قطعاً درست نہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ ریل میں سفر کرنا اور مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے حلال ہے۔ (ایضاً: ص: ۲۱۹)

جواب ریل کا سفر تو دنیاوی امور میں شامل ہے، جس کو بدعت کے اندر شامل نہیں کیا جا سکتا یا اس کو حرام پر محمول نہیں کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بدعات کی تعریفات کے اندر بحث گذر چکی، اب رہی بات کہ مدارس کا قیام! تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدارس کے کہتے ہیں جواب یہی ملے گا کہ جہاں تعلیم ہوتی ہے تو تعلیم کا مشغلہ باری تعالیٰ نے خود جاری کیا چنانچہ ارشاد ہے وعلم آدم الاسماء کلھا اسی طرح مدارس کے بانی بانی خود نبی اکرمؐ ہیں جیسا کہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اس باب کے تحت خاں صاحب نے میلاد کے ثبوت پر گیارہ، دلائل پیش کئے ہیں لہٰذا احقر نمبروار تمام دلائل بیان کرنے کے ساتھ جوابات دے رہا ہے۔ (۱) ثبوت میلاد پر خاں صاحب نے سب سے پہلی دلیل یہ بیان کی" واذکروا نعمة اللّٰه علیکم" اور حضور ﷺ کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہٰذا محفل میلاد کرنے سے اس آیت پر عمل ہے۔ (جاء الحق، جلد:۱، ص:۲۴۰)

جواب (۱) اس آیت کا ربط ماقبل کی آیت سے ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کی پریشانیوں کے مدنظر آیت کریمہ نازل کی اور دیگر انعامات کے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا" واذکروا نعمة اللّٰه علیکم" کہ اللہ کی نعمت کو یاد کرو جس کو تمہارے اوپر انعام کیا۔ پس اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس سے محفل میلاد کا جواز نکلے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ دیا جائے گا کہ محفل میلاد میں شرعی نقطۂ نظر سے بہت بڑی خرابی ہے اور اس خرابی کے باوجود اس کے ثبوت پر آیت واحادیث پیش کرنا نہایت مذموم عمل ہے دوسری بات یہ ہے کہ کسی غیر ضروری عمل کو ضروری کے درجہ میں رکھنا یا کسی مستحب و مباح کام کے کرنے کو بڑھا کر فرض یا واجب قرار دے دینا۔ سو عند التحقیق

[illegible] جب تم میں سے کوئی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کرے کہ دائیں طرف سے
نہ جھکے ہم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کرے کہ دائیں طرف سے
ذات کے بعد دائیں جانب مڑنے کو ہی ضروری سمجھ لے کیوں کہ میں نے حضور ﷺ
کو بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے بریلوی حضرات بھی اس شرعی اصول کے مانے
میں ہمارے ساتھ پوری طرح متفق ہیں چنانچہ بریلویوں کے علامہ سید محمود احمد رضوی
بانی مدرسہ "خزب الاحناف لاهور" رقمطراز ہیں،، "فقہاء احناف" کی تصریح
فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض یا واجب سمجھنے لگے یا کسی امر مستحب کو فرض
واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ
میں (حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا کے ذیل میں) لکھتے ہیں، اس
کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو
شیطان کا داؤ چل گیا (کہ شیطان نے اس کو گمراہ کر دیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے
کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگائیے کہ کسی بدعت یا منکر (بری بات) کو ضروری سمجھنے والے کا
کیا حال ہوگا؟ (بصیرت از سید محمود احمد رضوی ص ۲۳ بحوالہ مرقات جلد ۲ ص ۲۵۲)۔

دوسری دلیل کے جوابات

"واما بنعمة ربک فحدث" اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو اور حضور ﷺ
کی دنیا میں تشریف آوری تمام رحمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر
"احسان جتلایا ہے کہ اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو
ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے کسی کو سلطنت ملے تو ہر سال اس تاریخ
کا جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا
کیوں ممنوع ہوا؟ (ایضاً ص ۲۲۰ تا ۲۲۱)

جواب و اما بنعمة ربک فحدث یہ آیت دراصل ماقبل کی چند آیت کی توضیح کرتی ہے بایں طور کہ باری تعالیٰ نے کہا الم یجدک یتیماً فاوی کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا اور ٹھکانا دیا۔ یعنی نبی اکرم کی پیدائش ایسی حالت میں ہوئی کہ والد محترم کا سایہ قبل الولادت اٹھ چکا تھا پھر آگے ارشاد فرمایا ''ووجدک ضالاً فھدیٰ'' اور پایا تجھ کو بھٹکتا ہوا پھر راہ سمجھائی یعنی باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شریعت مطہرہ سے ناواقف پایا پس آپ ﷺ کو واقف کرایا پھر آگے ارشاد باری ہے ''ووجدک عائلاً فاغنی'' اور پایا تجھ کو مفلس پھر بے پرواہ کر دیا یعنی آپ ﷺ کو مالدار کر دیا بہر حال ان تمام نعمتوں کی یاد دہانی کے لیے باری تعالیٰ نے کہا اما بنعمة ربک فحدث کہ جو احسان ہے تیرے رب کا سو بیان کر اور بیان کرنے کی شکل درس و تدریس اور بصورت ثانی تبلیغی جماعت ہے پس اس آیت کریمہ سے محفل میلاد کو ثابت کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔

جواب: نیز خاں صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا گویا کہ بارہ ربیع الاوّل کو محفل میلاد کی تعیین ضروری ہے اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت شاہ صاحب سے کسی نے سوال کیا تھا۔

سوال: پختن طعام در ایام ربیع الاول برائے خدا ثواب آں بروح پرفتوح حضرت سرکار کائنات ﷺ یا حضرت امام حسین در ایام محرم و دیگر آل اطہار سید مختار ﷺ است یا نہ۔

جواب: حضرت شاہ صاحبؒ نے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ''برائے اس کار وقت و روز تعیین نمودن و ماہے مقرر کردن بدعت است آرے اگر وقتے بعمل آرند کہ در آں ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان کہ عمل بندۂ مومن بہ ہفتاد درجہ ثواب زیادہ دارد مضائقہ نیست زیرا کہ پیغمبر بر آں ترغیب فرمودہ اند بقول حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ و ہر چہ کہ بر آں ترغیب صاحب شرع و تعیین وقت بنا شد آں فعل عبث است و مخالف سنت سید الانام و مخالف سنت حرام است پس ہرگز روا نہ باشد و اگر دلش خواہد فحی خیرات کند و ہر

روز کہ باشد تا نمود و نشود" (فتاوی عزیزی ص ۹۳) ایک عقلمند صاحب انصاف کے لیے یہ جواب کافی ہے اور نہ ماننے والوں کے لیے کوئی بھی دلیل سود مند نہیں۔

تیسری دلیل اور اس کا جواب

"لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً" اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول کو بھیج دیا "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلّہ" وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا غرضیکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت ہے الخ۔ (ایضاً ص ۲۲)

جواب (۱) آیات مذکورہ میں باری تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان جتایا ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے مومنین پر بڑا ہی احسان کیا ان میں سے اپنے رسول ﷺ کو بھیج دیا۔ تو گویا کہ اس آیت کریمہ سے رسول اکرم ﷺ کی بعثت ثابت ہوئی نہ کہ جواز محفل میلاد اور نہ بارہ ربیع الاوّل کی محفل کا تعیین۔

جواب: (۲) فرائض وواجبات کے لیے دعوت دینا اور لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور فرض ہے لیکن نفلی کاموں کے لیے فرائض وواجبات جیسا اہتمام کرنا شرعاً ناجائز ہے چنانچہ عبدالحق محدث دہلوی نماز چاشت کو مسجد میں اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ ان لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے۔ مطلب یہ کہ یہ نماز (چاشت کی نماز) حد ذات میں (یعنی بذات خود) تو مشروع ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع فرائض جیسا کرنا بدعت ہے اس لیے کہ نوافل میں سنت (طریقہ) اور اس کی فضیلت چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے (مدارج النبوۃ اردو جلد ۱ ص ۶۸۰) اسی طرح نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا گویا جائز ہے مگر لوگوں کو بلا کر اور اکٹھا کر کے اہتمام کے ساتھ نوافل کی جماعت کرنا مکروہ ہے چنانچہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ ائمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت ابتدائی (لوگوں کو بلا کر اکٹھا کر کے)

مکروہ ہے (فتاوی رضویہ، جلد: ۳، ص: ۴۸۰) بہر حال ان حوالہ جات سے یہ بات معلوم اور واضح ہوگئی کہ نوافل کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور کسی مقام پر جمع کر کے باجماعت ادا کرنا شرعاً جائز نہیں معلوم ہوا کہ فریقین ہی اس غیر ضروری کام کے لیے اہتمام کرنے اور لوگوں کو بلا کر اس کو سرانجام دینے کو شرعاً جائز سمجھتے ہیں مگر پھر بھی بدعتی حضرات محفل میلاد، (ساتویں صدی ہجری کی پیداشدہ ایک رسم) کو فرض وواجب قرار دے کر فرائض سے بھی زیادہ اس کے لیے اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ پھر آگے خاں صاحب نے حضرت عیسیٰ اور موسیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے تذکروں کا ذکر کیا اور کہا کہ اس سے محفل میلاد کا ثبوت نکلتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے لیے انبیائے سابقین نے باضابطہ محفل لگائی، دوسری بات یہ ہے کہ اس کا تذکرہ بایں طور درست ہے کہ اس کا ذکر درس وتدریس اور تعلیم وتعلم اور تبلیغی جماعت کی شکل میں ہو۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا" یعنی اللہ کے فضل ورحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔ (ایضاً: ص: ۲۲۳)

جواب - اللہ کے فضل ورحمت کے اندر بہت ساری چیزیں شامل ہیں مثلاً انبیاء کرام کا مبعوث ہونا اچھے کھانے کھانا اچھے کپڑے پہننا وغیرہ وغیرہ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیائے کرام کی نعمت کی خوشی میں محفل میلاد سجائیں اور طرح طرح کے آرام وآسائش کی چیزیں مہیا کریں کیوں کہ اس صورت میں خوشی کے بجائے غمی ہو جاتی ہے اور مزید باری تعالیٰ کا فرمانا "ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین" کی واضح تصویر بن جاتی ہے پس باری تعالیٰ کی رحمت پر خوشی منانے کی شکل یہ ہے کہ زکوۃ وخیرات وصدقات اور اوامر ونواہی پر عمل کریں، مزید حسب گنجائش غریب غربا، کو کھانا کھلائیں۔ نہ کہ ایک مذموم عمل محفل میلاد سجائیں کیوں کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔

چوتھی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے "مواہب لدنیہ" اور "مدارج النبوۃ" کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ شب

ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتونؓ کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا ہاں آزمی راندہ ہوا شیطان رنج وغم میں بھاگا پھرا اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے انؑ۔ (ایضاً ص ۲۲۲)

جواب (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ ملائکہ کا آمنہؓ کے دروازے پر جانے اور میلاد کے درمیان کوئی ربط وتعلق نہیں کیوں کہ حضور اکرم ﷺ کی آمد کی وجہ سے خود ملائکہ حضرت میمونہ کے یہاں تشریف لے گئے لیکن محفل میلاد میں حضرات بریلوی حضور کو حاضر وناظر کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اب بھلا بتایئے کہ کون حضور اکرمؐ کے ساتھ گستاخیاں کرتا ہے۔ بہر حال معلوم ہوا کہ محفل میلاد سنت ملائکہ نہیں بلکہ خلاف ملائکہ ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ بلا دلیل یہ اعتقاد قائم کر لینا کہ حضور پر نور ﷺ ہماری محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں اسی لئے ان کیلئے کھڑا ہونا ضروری ہے نہ حنفی اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ تمام اہل حق لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی قطعی دلیل کے بغیر کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی ارشاد فرماتے ہیں: "ولا عبرة بالظن فی باب الاعتقادات" (شرح عقائد نسفی ص ۵۸) اعتقادات میں ظنی چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں یعنی اعتقادات کے لیے قطعی دلیل درکار ہے اس اصول کو حضرات بریلوی بھی تسلیم کرتے ہیں چناں چہ مولوی احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ احادیث احاد در بارۂ اعتقاد نا قابل اعتماد (فتاوی رضویہ جلد ۲، ص ۱۵۱) لیکئے علامہ تفتازانی اور خود حضرات بریلوی کے پیر ومرشد نے فیصلہ کر دیا کہ جو اعتقادات ظنی ہوں مثلاً میلاد، قیام، زیارت پر چادریں چڑھانا یہ تمام کے تمام اعتقادات ناقابل اعتماد ہیں۔ عقائد حقہ نظریات سے ثابت نہیں ہوتے ہیں۔

پانچویں دلیل کے جوابات

خود حضور اکرم ﷺ نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے، جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ثابت ہوتا ہے۔ اور آگے خاں صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث پیش کی کہ لوگ حضور

اکرم ﷺ کے نسب میں طعن کرتے ہیں پس آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں کون ہوں تو تمام حضرات نے یہی کہا آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (ایضاً: ص: ۲۲۳ تا ۲۲۴)

جواب (۱) خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اپنے اوصاف کا ذکر فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ابتدا تا انتہا مسجد میں صحابہ کرامؓ کو کھڑے ہو کر ہی نصیحت فرمائی۔ لیکن حضرات بریلوی کا میلاد عجیب ہے کہ وہ پہلے تو بیٹھ کر میلاد پڑھتے ہیں پھر درمیان میں کھڑے ہوتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سنت رسول اللہ نہیں ہے، اگر تم اس حدیث سے استدلال کرتے ہو تو ابتدا، تا انتہا، محفل میلاد میں کھڑے رہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہو کر جو ارشاد فرمائے تھے وہ فرمانا غضب اور غصے کے عالم میں تھا کیوں کہ بعض لوگ آپ ﷺ پر طعن کیا کرتے تھے تو اس سے استدلال کرنا قطعاً درست نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ نے ایسا کیا تو امت کو بھی کرنا چاہئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ عمل صحیح ہوتا تو جیسے آپ منبر پر تقریر فرما رہے تھے تو ضرور اس عمل پر گامزن رہنے کی صحابہ کرامؓ کو نصیحت فرماتے لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا جس سے بلا تصور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ عمل صرف حضور اکرم ﷺ کے لیے تھا۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ محفل میلاد کے سلسلے میں علامہ احمد ابن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں قد اتفق علماء المذاهب الاربعة بدم هذا العمل (القول المعتمد) چاروں مذاہب کے علماء اس عمل میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔ لیجئے علامہ احمد بن محمد مصری ؒ نے فریقین کے درمیان فیصلہ کر دیا۔

چھٹی دلیل کے جوابات

صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور اکرم ﷺ کی نعت سناؤ معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے الخ۔ (ایضاً: ص: ۲۲۳)

جواب (۱) صحابہ کرامؓ کبھی کبھی کہیں دو چار بیٹھ جاتے تو دلچسپی کے طور پر فرماتے کہ ہم کو حضور اکرمؐ کے اسلامی اشعار سناؤ۔ بہر حال خاں صاحب نے جس حدیث سے

استدلال کیا ہے وہ درست نہیں بایں معنی کہ "صحابہ کرامؓ باضابطہ اشعار سننے کے لیے محفل نہیں لگاتے تھے بلکہ چلتے پھرتے کہیں خواہش ہوئی تو اشعار سن لیتے تھے لیکن حضرات بریلوی تو اس کو مستحب سمجھنے لگے جو کہ حدیث کے خلاف ہے ثانیاً یہ کہ صحابہ کرامؓ صرف حضور اکرم کی زبان سے نکلے ہوئے عربی اشعار پڑھا کرتے تھے لیکن حضرات بریلوی مجموم مجموم کر عجمی اور غیر مذہبی اشعار پڑھتے ہیں، بہر حال اگر کوئی بریلوی یہ کہتا ہے کہ ہم حدیث مذکور پر عمل کرتے ہیں تو آئے اور ہمارے سامنے صحیح صحیح ۱۰ اشعار سنا دے جو کہ حضور اکرم کی زبان سے نکلے ہوئے ہوں؟ بہر حال اس سے محفل میلاد کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب (۲) علامہ عبدالرحمٰن مغربیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں "ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله ﷺ والخلفاء والائمة (كذا في الشرعة الالهيه) بہ تحقیق میلاد کرنا بدعت ہے نہ تو آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا اور نہ آپ ﷺ کے حضرات خلفاء راشدینؓ ائمہ مجتہدینؒ نے ایسا کیا بلکہ ان حضرات نے ایسے فعل کو نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر بدعت سے مراد بدعت مردودہ ہے، قبیحہ جو کہ ناجائز ہے، نیز یہ عمل "كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار" میں شامل ہے۔

ساتویں دلیل کے جوابات

خان صاحب نے کہا کہ "یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا کہ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر لیا پھر آگے خاں صاحب نے ابولہب کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ابولہب مرا تو جہنم میں رہنے کے باوجود اپنی انگلی سے پانی کا چشمہ پاتا ہے بوجہ تو بیہ کی خبر دینا کہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے اور اس پر ابولہب نے خوشی منائی۔ پس معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کی خوشی منانے پر ثواب ہی ثواب ہے"۔ (ایضاً، ص ۲۲۳ تا ۲۲۴)

جواب (۱) ہم اہل سنت والجماعت بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی منائی جائے۔ اور منانا بھی چاہئے کہ ان کی وجہ سے باری تعالیٰ نے بہت

ساری مصیبتوں کو دنیا سے ختم کر دیا۔ لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی یوم ولادت کی وجہ سے محفل میلاد سجائی جائے؟ محفل میلاد سجا کر ان کو تکلیف دینا لازم آتا ہے بایں طور کہ یہ عمل حضور اکرم ﷺ نے نہیں کیا۔

☆ نہ صحابہ کرامؓ نے کیا۔

☆ نہ تابعین کرام نے کیا۔

☆ نہ تبع تابعین نے کیا۔

☆ نہ سلف صالحین نے کیا۔

☆ لہٰذا محفل میلاد لگانا بدعت ہے۔

جواب (۲) قارئین کرام محفل میلاد کا رواج خیر القرون میں نہ تھا؛ بلکہ چھٹی صدی کے بعد یہ ایجاد ہوا ہے اور بادشاہ وقت جو کہ دین سے ناواقف تھا اس نے میلاد کی سرپرستی اٹھائی اور "بحسب الناس علی دین ملوکھم" عوام کا اس سے متاثر ہونا ہرگز بعید از قیاس نہ تھا عوام تو کیا بلکہ بعض خواص بھی اس کے عالم گیر پروپیگنڈا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان مسلمانوں کے لئے اس عمل کو جائز قرار دینے کی غرض سے شرعی دلائل کی تلاش اور جستجو شروع کی گئی اور دور دراز کے قیاسات سے کام لے کر اس گاڑی کو چلانے کی کوشش کی گئی چناں چہ امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) جیسے وسیع النظر عالم کو بھی کہنا پڑا "لیس فیہ نص ولکن منہ قیاس" (احسن المقصد فی عمل المولد) اس کے جواز پر تو کچھ نہیں البتہ قیاس ہے گویا کہ انہوں نے پس اس کا صاف لفظوں میں اقرار کر لیا کہ قرآن کریم، حدیث اور اجماع کوئی نص اس میلاد کے جواز پر موجود نہیں ہاں البتہ قیاس ہے اور قیاس سے عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوا کرتا۔

آٹھویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے کہا کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء اور اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہیں جس ملک میں بھی جاؤ مسلمانوں

ہیں یہ عمل پاؤ گے الخ۔ (زہاق الحق ص ۲۲۴)

جواب (۱) خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء اور اولیاء مشائخ میلاد منایا کرتے تھے حالاں کہ یہ غلط ہے اور خاں صاحب "لعنة اللہ علی الکاذبین" کی زد میں ہیں کیوں کہ محفل میلاد ہر زمانے میں نہیں رہا بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ اس بدعت کا کہیں مسلمانوں میں رواج نہ تھا اس عمل کو نہ کسی صحابی نے اپنایا نہ تابعی نے نہ کسی محدث نے اور نہ فقیہ نے نہ کسی بزرگ اور نہ کسی ولی نے۔ یہ بدعت تو ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین بن اربل (المتوفی ۶۳۰ھ) کے حکم سے وجود میں آیا۔ اور خاں صاحب نے یہ بھی کہا کہ حرمین شریفین میں بھی محفل میلاد منعقد ہوتی ہے خاں صاحب سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ آپ ہمیں حرمین شریفین کے کسی بھی معتمد فرد سے یہ تصدیق کروادیں۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا الخ"۔ کہ میں نے دین مکمل کر دیا اب دین کے اندر کوئی قسم بیوند نہ ہوگی لیکن حضرات بریلوی نے تو "الیوم اکملت لکم" کے بعد بھی دین میں ایجادات کرتے ہیں اور آیت مذکورہ کو بالائے طاق رکھ کر میلاد اور قیام میلاد کے قائل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔

پھر آگے خاں صاحب نے امام سیوطیؒ کے حوالے سے کچھ عبارت پیش کی کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے اور آگے کہا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنے اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے الخ۔ (ایضاً ص: ۲۲۵)

جواب (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ علامہ جلال الدینؒ نے یہ بات کس کتاب میں لکھی ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور بغیر حوالے کے بات قطعاً معتبر نہیں۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے ہم مانتے ہیں کہ یہ قول جلال الدینؒ سیوطی کا ہے تو ان کا قول تو صرف اتنا ہے حضور اکرم ﷺ کی ولادت پر شکریہ ادا کرنا

مستحب ہے اور ہم اس کو تسلم کرتے ہیں لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ اس کے لیے باضابطہ محفل میلاد منعقد ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ آگے خود علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کہا "قال السخاوی" تو گویا کہ یہ قول وعقیدہ علامہؒ کا نہیں ہے بلکہ سخاویؒ کا ہے جو کہ اس معاملے میں ہمارے نزدیک غیر معتبر ہیں۔ پس اقوال مذکورہ سے استدلال کرنا درست نہیں۔

نویں دلیل کے جوابات

فرمایا کہ عقل کا بھی تقاضہ ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے اس میں چند فائدے ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ کے خصائل اور تاریخ ولادت بیان کیے جاتے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد ہیں۔ (ایضاً، ص: ۲۲۶)

جواب (۱) ان چیزوں کے لیے محفل میلاد منعقد کرنا ضروری نہیں کیوں کہ محفل میلاد میں خیر کے بجائے شر کی بات ہونے لگی ہے (مثلاً عورتوں کا ہجوم، نعت کے بجائے عشقیہ اشعار، بے ریش کا نعت پڑھنا وغیرہ) اور لوگ ان ہی چیزوں میں ملوث ہو کر نیک اعمال سے محروم رہ جاتے ہیں، اب رہی یہ بات کہ خصائل النبی وغیرہ کا ذکر کیسے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی صورت درس وتدریس اور خطابت ہے نیز تبلیغی جماعت کی شکل بھی بہت ہی عمدہ ہے کہ اس کے ذریعہ خصائل رسول ﷺ وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس قدر اہتمام کے ساتھ یہ محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے کہ جس سے ناواقف عوام کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ نماز روزہ وغیرہ فرض امور سے زیادہ محفل میلاد کی شرکت ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ جمعہ کی نماز بھی نہ پڑھنے والے لوگ اس محفل میلاد میں ضرور شریک ہوتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر خاں صاحب نے خود فرمایا بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمعہ نہیں ہوتا ہے (جاء الحق، جلد: ۱، ص: ۲۳۷) عوام کو غلط عقائد ونظریات سے بچانا بھی ضروری ہے اس لیے اگر کسی غیر ضروری کام کرنے کے باعث لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہوں تو غیر ضروری کو اپنی جگہ اچھا ہی کیوں نہ ہو ترک کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال محفل میلاد کو لوگ واجب، سنت کا درجہ دینے لگے ہیں لہٰذا اس کا ترک کرنا واجب ہے اور اس کو اپنانے والا شخص گنہگار ہوگا۔

دسویں دلیل کا جواب

خاں صاحب نے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ آپؒ نے میلاد کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کو مسلمانوں کے کرنے کے لئے باعث برکت بھی قرار دیا۔ (جاء الحق ص: ۲۲۷)

جواب: یہاں میلاد سے مراد میلاد لغوی ہے، یعنی بلا کسی تاریخ متعین کئے ہوئے چند آدمیوں کا جمع ہو کر خصائل نبوی کا تذکرہ کرنا سو یہ شکل جائز ہے جیسا کہ بندہ ناچیز امسال رمضان المبارک کے موقعہ سے بعد نماز عصر (اپنے آبائی وطن منورہ میں) شمائل ترمذی کا ترجمہ و تشریح لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ پس ایسی ایسی شکلیں جائز ہیں۔

گیارہویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہو سکتا حرمت تو بہت بڑی بات ہے اور آگے خاں صاحب نے یہ بھی کہا کہ محفل میلاد کو حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کوئی سی بھی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائیں گے۔ (جاء الحق ص: ۲۲۷)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہم عرس کی بحث میں بیان کریں گے تو ہم بھی عرس کی بحث ہی میں مدلل اور مکمل جوابات دیں گے، اب رہی بات کہ محفل میلاد کی حرمت پر کوئی آیت یا احادیث لائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے پر باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا الخ" یعنی باری تعالیٰ نے دین مکمل کر دیا پھر بھی ۶۰۴ھ کے بعد دین کا ایجاد کرنا آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا آنا اس بات کی علامت ہے کہ اب دین مکمل ہو گیا یعنی میرے بعد نہ کوئی نیا دین ہے اور نہ نبی، پس معلوم ہوا کہ محفل میلاد ایک بدعت عملی ہے یاد رہے کہ ہم اس کی حرمت کے قائل نہیں ہیں البتہ اجتناب ضروری ہے۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراض و جواب اور ان کی تردیدات

اس باب کے تحت خاں صاحب ہمارے دلائل کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے جوابات دیتے ہیں چناں چہ احقر نمبروار ہر ایک جواب کی تردید کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) خاں صاحب نے سب سے پہلے ہماری طرف نسبت کرتے ہوئے یہ دلیل بیان کی کہ محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کے زمانہ میں ہوئی اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور ہر بدعت حرام ہے لہٰذا مولود حرام (جاء الحق ص ۲۲۷)

اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت الٰہ، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ سنت صحابہ کرام سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے پھر بدعت کیسا۔ (ایضاً ص: ۲۲۸)

رد: جس جگہ خاں صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ہمارا جواب بھی گذر چکا ہے جس سے خاں صاحب کے ثبوت کی بہتر پور تائید ہوتی ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کا خلط ملط، ڈاڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا، غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ محفل حرام باتوں کا مجموعہ ہے لہٰذا حرام ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں نہیں ہوتی بلکہ اکثر عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں اور مرد علیحدہ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں اور صحیح روایات کی یہ عکاسی کرتے ہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ حرام چیز کے شامل ہونے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا ورنہ سب کی دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیوں کہ وہاں بھی ڈاڑھی منڈواتے ہیں اور احادیث پڑھتے قرآن پڑھتے ہیں الخ۔ (ایضاً ص: ۲۲۸)

رد: میلاد کو مدرسے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ میلاد کا ثبوت نہ

باری تعالیٰ سے ہے، نہ کسی انبیاء سے، نہ سلف صالحین سے اور نہ ائمہ سے پھر اس کو صرف دو نہ کہا جائے تو کیا۔ اب رہا سوال کہ مدرسہ میں ڈاڑھی کیوں منڈواتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بھی لڑکوں پر شیطان سوار ہوتا ہے اور اساتذہ اپنی چھڑی کے ذریعے تنبیہ کرتے ہیں اور آخر کار لڑکے راہ راست پر آجاتے ہیں اور ایسے لڑکے اس وقت تک نہ کسی مجمع میں جاسکتے ہیں اور نہ تقریر کرسکتے ہیں۔ جب تک کہ سنت رسول اللہ کے پابند نہ ہو جائیں، لیکن حضرات بریلوی کے یہاں پائنچہ لخنہ سے نیچے اور ڈاڑھی پر استرا چلائے ہوئے میلاد میں یا نبی سلام علیک کہتے ہیں اور ہمارے مدرسے کے بچے ڈاڑھی تو چھوٹا کرواتے ہیں لیکن استرا نہیں چلاتے اسی طرح میلاد میں عورتوں کے ساتھ آنکھ مچولی ہوتی ہے لیکن مدرسے میں عورتیں نہیں آتیں۔ اسی طرح میلاد میں قوالیاں، تالیاں ہوتی ہیں لیکن مدرسے میں ایسا نہیں ہوتا، اسی طرح میلاد میں کثرت خرچ اور زرق و برق اور شہنائیاں ہوتی ہیں لیکن مدرسے میں ایسا نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل کا جواب اور اسکا رد

محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضاء ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہٰذا میلاد حرام (جاء الحق ص: ۲۲۸)

اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اولاً میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتے بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے، اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ دینی مدرسے کے جلسے جلوس دیر تک ہوتے ہیں، اسی طرح نکاح اور سفر ریل گاڑی راتوں رات ہوتے ہیں تو کیا یہ حرام نہیں؟

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ میلاد جہاں رات کو ہوتا ہے، وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے سو یہ سفید جھوٹ ہے، اور خاں صاحب لعنة الله علی الکاذبین کے مصداق ہیں؛ کیوں کہ میلاد کم از کم ۱۲ بجے رات تک ختم ہوتا ہے اور ۱ بجے تک مٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ اور فجر و عشاء کی نماز کا ان لوگوں کو خیال بھی

نہیں رہتا، اس چیز کا احقر کو مشاہدہ بھی ہے۔ آگے خاں صاحب نے دینی مدرسے کے جلوس پر قیاس کیا سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جلسہ سال میں ایک دفعہ ہوتا ہے اس کے اندر بھی تمام لوگ پوری رات جاگتے ہیں اور تہجد اور فجر کی نماز کے بعد سو جاتے ہیں نیز اس میں مٹھائیوں کا نظم نہیں رہتا اسی طرح خاں صاحب نے نکاح اور سفر پر استدلال کیا سو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح اور سفر کا بھی یہی حال ہے کہ لوگ فجر کی نماز کے بعد سوتے ہیں ورنہ عشاء کے فوراً بعد نکاح کی مجلس ختم کر لیتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ نکاح اور اسفار شرعی حکم میں داخل ہیں نہ کہ میلاد۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

علامہ شامی نے شامی جلد ۲ / کتاب الصوم بحث "نذر اموات" میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ میں محفل میلاد کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بری چیز ہے (جاء الحق: ص:۳۲۹) اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ شامی نے مجلس میلاد کو حرام نہیں کہا جس مجلس میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں کار ثواب سمجھیں اس سے منع فرمایا۔ (ایضاً: ص:۳۲۹)

رد: قارئین کرام! خاں صاحب نے کہا کہ محفل میلاد میں گانے بجانے نہیں ہوتے یہ بھی ان کا سفید جھوٹ ہے کیوں کہ آپ کلیر، بریلی اور بہار کے علاقے میں مدھے پورہ سیتامڑھی وغیرہ جا کر دیکھیں تمام جگہوں پر میلاد اور جلسہ جلوس میں گانے بجانے کو ترجیح دیتے ہیں اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ میلاد کو بھی نماز پر ترجیح دینے لگے ہیں (نعوذ باللہ) انہی تمام خرابیوں کی طرف باری تعالیٰ نے اشارہ کیا "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" اور شامی نے "واقبح منہ النذر بقراءۃ المولد فی المنائر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب الخ" فرمایا پس اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ محفل میلاد ایک قبیح اور بری چیز ہے نیز خاں صاحب حتی الامکان اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کے متبعین اس کو اپنانے میں لگے ہیں۔

پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

نعت خوانی حرام (درست نہیں) ہے کیوں کہ یہ بھی ایک طرح کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے۔ (جاء الحق ص ۲۳۰) (خاں صاحب نے اس دلیل کی نسبت ہم اہل سنت والجماعت کی طرف کی ہے حالاں کہ یہ قول ہم میں سے کسی کا بھی نہیں ہے کیوں کہ نعت گوئی ہمارے یہاں بھی جائز ہے جب کہ وہ مہذب انداز کا ہو اور اس میں کوئی شرک کی بو نہ ہو) خاں صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ نعت کہنا اور پڑھنا بہترین عبادت ہے اور کہا کہ سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے اسی طرح آگے انہوں نے یہ کہا حضور اکرم ﷺ نے حضرت حسانؓ کو نعت پڑھنے کا حکم دیا الخ۔ (ایضاً ص: ۲۳۰)

رد: نعت گوئی تو جائز ہے لیکن ہر ایک نعت جائز نہیں اور ہر وہ نعت جائز نہیں ہے جس سے شرک کی بو آتی ہو۔ مثلاً موجودہ دور میں حضرات بریلوی ایسی نعتیں مزین کر کے پڑھتے ہیں، جو کہ حضور اکرم ﷺ اور باری تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں ہوتی ہیں، مثلاً محفل میلاد میں یہ لوگ کہتے ہیں، مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام، تو اب یہاں غور کیجئے کہ اس شعر میں مولوی احمد رضا خاں نے مصطفےٰ سے اپنے لخت جگر نور نظر لڑکے کو مراد لیا ہے۔ اور رحمت سے ان کی معشوقہ مراد ہے تو گویا کہ اب خاں صاحب سلام بھیج رہے ہیں اپنے لڑکے مصطفےٰ پر اور اپنی معشوقہ رحمتی پر لیکن قوم اور جاہل عوام سمجھنے لگے کہ مصطفےٰ سے مراد کالی کملی والے ہیں۔ پس ایسی نعت کے سلسلے میں ہمارا کہنا ہے کہ نعت گوئی ناجائز ہے۔ اور خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور اکرمؐ نے حضرت حسانؓ کو نعت سکھلائی تو وہاں نعت سے مراد نعت شرعی ہے اور اس کے جواز کے قائل ہم بھی ہیں: لیکن یاد رہے کہ غیر شرعی نعت کہنے کے لیے محفل میلاد منعقد کرنا بدعت اور ناجائز ہے کیوں کہ حضور اکرمؐ نے جو نعت فرمائی یا کہنے کا حکم دیا سو وہ شرعی نعت تھی اب اگر کوئی شخص نعت گوئی کے لیے باضابطہ محفل لگائے اور پھر اسراف کرے تو یہ قطعاً درست نہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ سارا قرآن حضور اکرمؐ کے لیے نعت ہے یہ بھی درست نہیں کیوں کہ یہ کفریہ

کلمات ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ پورا قرآن شعر سے بھرا ہوا، اور احکام نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسے عقیدے رکھنے والے عند الشریعۃ قابل عتاب ہیں۔ پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے پس اس سے مراد مہذب اور اسلامی اشعار ہیں نہ کہ مزاری اشعار، پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے خوشی کے موقع پر کھانا، کھلانا، مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے الخ۔ (جاء الحق، ص ۲۳۱)

رد: خاں صاحب نے کہا کہ تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بہت اچھا کام تو نہیں ہے البتہ جواز کا فتویٰ ہے لیکن اگر کوئی ضروری سمجھ کر شیرینی تقسیم کرنے لگے تو یہ قطعاً درست نہیں کیوں کہ ایسی صورت میں لوگ اس کو مستقبل میں واجب یا فرض تصور کر بیٹھیں گے دوسری بات یہ ہے کہ شیرینی تقسیم تو کریں لیکن اتنا خرچ نہ کریں کہ آپ "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطن" کے مصداق بن جائیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ حضرات بریلوی کے علماء کا ذہن بن چکا ہے کہ جب تک شیرینی نہ ہو تو میلاد ہی نہیں پڑھتے، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے یہاں غریب غرباء میلاد جیسے فتنے سے محفوظ ہیں۔

چھٹی دلیل کا جواب اور اس کا رد

محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ مجلس وعظ دعوت ولیمہ، مجالس امتحان، و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بولو یہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے الخ۔ (جاء الحق، ص: ۲۳۲)۔

رد: خاں صاحب کا محفل میلاد کو مجلس وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیوں کہ وعظ وغیرہ فرائض اسلامی میں سے ہیں پس اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنا جائز ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعظیم رسول ﷺ اہم فرائض ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم رسول اکرم ﷺ کے لیے مجمع لگانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بغیر مجمع کے بھی ایسا کام ہو سکتا ہے بایں معنی کہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ

اوران کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا تو یقیناً ان کے دل میں حد درجہ کی تعظیم ہوگی اب تعظیم رہنے کے باوجود پھر تعظیم کی دعوت دینا تحصیل حاصل ہے اور یہ عند العلماء ناجائز ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قول سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ خود خاں صاحب اجہل ہیں بایں معنی کہ جہاں نفل نماز کے لیے مجمع نہیں لگا سکتے تو ایک غیر معتبر عمل میلاد کے لیے مجمع کیسے لگا سکتے ہیں۔

ساتویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

خاں صاحب نے ہماری طرف نسبت کرتے ہوئے کہا کہ کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہٰذا یہ بھی شرک ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون الخ۔ (جاء الحق: ص: ۲۳۳ تا ۲۳۴)

رد: پہلی بات یہ ہے کہ یہ قول ہمارا ہرگز نہیں کہ کسی کی یادگار منانا اور تاریخ مقرر کرنا شرک ہے بلکہ خاں صاحب نے جھوٹ کی نہروں میں غوطہ لگاتے ہوئے مذکورہ باتوں کی نسبت ہم اہل سنت والجماعت کی طرف کر دی ہے۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ کسی اولیاء اللہ کے یوم ولادت یا یوم وفات پر کافی خرچ کرنا محفل لگانا در و دیوار کو زینت بخشنا یہ نہایت ہی مذموم عمل ہے اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ بہر حال ہمارا موضع استشہاد یہ ہے کہ حضرات بریلوی خاں صاحب کے مزار اور کلیر شریف جاتے ہیں یہ شرک ہے اور اسی کی طرف اشارہ بھی ہے۔ اور خانصاحب نے یہ کہا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا قاسم نانوتوی کی یادگار منائی جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قطعاً درست نہیں کیوں کہ ہمارے یہاں باضابطہ کسی بھی علماء کے لیے ایسا نہیں کیا جاتا جیسا کہ آپ حضرات کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اکمل نمونہ ہے

اس سے قبل احقر نے نمبر وار مخالف کے دلائل اور اعتراضات کے جوابات دیئے تھے

اب ایسے ایسے اقوال و افعال پیش کرتا ہے جس سے یہ بات مکمل طور سے عیاں ہو جائیگی کہ اب کوئی نئی بات یا نئے افعال کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ رب کریم نے ببانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا، "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" حضور ﷺ کی ذات اقدس میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "قل اِنْ کُنْتُم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم"۔ اے جی! آپ لوگوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اس کی وجہ سے اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ کو معاف کر دے گا سورۃ الاحزاب ۲۱ر۳۳ سورہ آل عمران ان دونوں آیتوں سے معلوم ہو گیا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے ہمارے لیے حضور ﷺ کو ایک مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو کامل ترین نمونہ کے مطابق بنالیں اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کریں۔ اگر ہم نے نمونہ کی مکمل اتباع کر لی تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائینگے اور وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا ورنہ سوائے دنیا و آخرت کے گھاٹے اور بدبختی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک اور درود و سلام

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "لقد مَنَّ اللّٰہُ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ"۔ قسم ہے پروردگار کی کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا، اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پرنور ﷺ کی بعثت کو ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے اور احسان کا فطری تقاضہ ہے کہ اس پر محسن کا شکریہ ادا کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ "لئن شکرتم لازیدنکم" اگر تم نعمتوں پر شکریہ ادا کرو گے تو میں نعمت میں ضرور اضافہ کرونگا۔

اسی طرح ایک جگہ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ واما بنعمۃ ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ حضور اکرم ﷺ کی آمد سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی نعمت ہوگی جنہیں رحمۃ للعالمین کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے یعنی

ان کی ذات اقدس سراپا نعمت ورحمت ہے اور چونکہ نعمت کا شکریہ اس میں مزید اضافہ کا موجب ہے لہٰذا بندے کے نزدیک حضور پرنور ﷺ کا ذکر جمیل سے ایمان کی پختگی ثابت ہے اور اتباع سنت کا سبب ہے حضور پرنور ﷺ کن حالات میں اس دنیا میں تشریف لائے؟ ماحول کیا تھا خاندان کون اور کیسا تھا کب نبوت ملی؟ پیغمبرانہ زندگی کیسے گزری؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام عطا فرمایا؟ اور آپ کو کن معجزات سے نوازا گیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ موضوعات ہیں جو آپ کے ذکر جمیل کے ذیل میں آتے ہیں، حضور کی ولادت باسعادت اور اس وقت یا اس سے پہلے اور بعد ظاہر ہونے والے معجزات کے بیانات پر ہمارے اکابر نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، حضور پرنور کے معجزات کے بیان کے لیے لکھی گئی ہے۔

یہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور پرنور ﷺ کے فضائل ومناقب بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر مبارک ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ حضور ﷺ کے حالات خواہ قبل از ولادت کے ہوں یا اس کے بعد کے تذکرے کرنا نیک بختی و سعادت کی علامت ہے اور اس سے روگردانی اعراض محرومی وبدبختی کی باعث ہے، درود وسلام کا معاملہ تو اس کے فضائل اس کثرت سے احادیث میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کی تفصیل کے لیے سیکڑوں نہیں ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ جس مجلس میں حضور پرنور ﷺ کا نام نامی لیا جائے اس وقت نہ صرف نام لینے والے پر بلکہ ہر سننے والے پر ضروری ہے کہ آپ پر درود بھیجے ہمارے اکابرؒ نے درود شریف کے فضائل پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں مثلاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "زاد السعید" شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مشہور کتاب فضائل درود شریف نیز درود شریف کی ایک مشہور زمانہ کتاب دلائل الخیرات، کی ایک منزل کا روزانہ پڑھنا ہمارے بے شمار بزرگوں کا معمول رہا ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے درود شریف کی بدولت حاصل کیا ہے الغرض یہ کوئی نزاعی چیز نہیں ہے اسی طرح منظوم کلام کے ذریعے حضور ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرنا اور بجائے نثر کے نظم میں آپ کے حالات وکمالات اور معجزات وغیرہ کا بیان کرنا بھی باعث اجر وثواب ہے

اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت منظوم کلام میں آپ کی نعت بیان فرمایا کرتے تھے۔ مگر شرعی اور مہذب انداز میں، یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں نزاع صرف مروّجہ محفل میلاد میں ہے۔ اس لیے اب ہم مروّجہ محفل میلاد کی حقیقت مختصراً ذکر کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے جواز و عدم جواز پر بحث کریں گے۔

میلاد کیا چیز ہے؟

عوام سے چندہ جمع کر کے ایک مجلس منعقد کی جاتی ہے جس میں ضرورت سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے؛ بلکہ مسجد وغیرہ کی بیرونی دیواروں کو دلہن کی طرح بجلی کے چھوٹے چھوٹے قمقموں سے سجایا جاتا ہے، نیز مسجد کے اندر جھنڈیاں کثیر تعداد میں لگائی جاتی ہیں۔ غرض عام حالات کی بہ نسبت کہیں زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور کثیر رقم خرچ کر کے اس جگہ کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے اسلام جیسے سادے اور فطری مذہب میں اس قسم کے فضول اور غیر ضروری اخراجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے سوائے نمود و نمائش کے اس کا کوئی فائدہ نہیں پھر انتہائی اہتمام کے ساتھ لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے پھر اردو کا درود شریف جو احمد رضا خاں صاحب نے نظم کیا ہے بلند آواز سے سب لوگ ملکر پڑھتے ہیں یعنی (شعر)

مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام

نیز ایک شخص کچھ مخصوص اشعار پڑھتا ہے کچھ دیر بعد اشعار ہی میں سب سے کہتا ہے کہ اب اٹھ کھڑے ہو کیونکہ حضور تشریف لا رہے ہیں پھر سب اس عقیدے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور پرنور تشریف لے آئے ہیں؛ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

☆ مچی ہے دھوم پیغمبر کی آمد آمد ہے
☆ حبیب خالق اکبر کی آمد آمد ہے
☆ خوشی کے جوش میں ہیں بلبلیں بھی نغمہ کناں
☆ چمن میں آج گل تر کی آمد آمد ہے

☆ دوزانو ہو کے ادب سے پڑھو صلوٰۃ وسلام
☆ عزیز خلق کے مصدر کی آمد آمد ہے
☆ جمیل قادری کہتے کھڑے ہوں ذیل سنت۔ ہمارے حامی ویاز کی آمد آمد ہے
(ایضاً) نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے
☆ یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے
☆ خریدے گا عصیاں کو رحمت کے بدلے
☆ خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے
☆ یہ عالم بنایا ہے جس کا برائی
☆ ہویدا دولہا ہوا چاہتا ہے
☆ خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم
☆ شہ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے
☆ اٹھو بہر تعظیم اے اہل محفل
☆ نبی جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے

اس کے بعد بزعم خویش حضور ﷺ کی موجودگی میں بلند آواز سے سب لوگ ملکر کھڑے کھڑے اردو کا دور دشریف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اس مخصوص شکل کے ساتھ جو محفل میلاد دراصل ہے بریلوی حضرات اس کو واجب اور فرض کفایہ قرار دیتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں ان عبارات اور فتاوی علماء سے یہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں مولود شریف کا ذکر نا صرف مستحب اور مسنون تھا لیکن اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے (۲) انوار آفتاب صداقت ج:۲، ص:۳۹۸۔ جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خاں صاحب اور دیگر بریلوی علماء نے کی ہے اس محفل میں ذکر ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات اس قدر ضروری خیال کرتے ہیں کہ جو شخص اس موقع پر کھڑا نہ ہوا سے یہ لوگ دائرۂ اسلام ہی سے خارج سمجھتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں اگر کوئی شخص

ذکر ولادت باسعادت کے وقت مولود شریف میں تعظیم آنحضرت کے لیے کھڑا ہونا آیت قرآنی کا منکر شقی القلب بدبخت دل والا ہے (اہانت کرنے والا آنحضرت ﷺ کا ہے) (انوار آفتاب صداقت جلد ۲ ص ۳۲۶)

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر چالیس (۴۰) بریلوی علما نے کی ہے ایک اور مقام پر قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ترک کرنا قیام کا حضور سرور عالم ﷺ کی جناب میں استخفاف اور توہین ہے جو کفر ہے (انوار آفتاب صداقت جلد ۲ ص ۳۳۴) جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب نے کی ہے۔

مروّجہ محفل میلاد کے بارے میں ہمارا عقیدہ

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم سب سے بہتر زمانہ میرا ہے (یعنی صحابہ کرام کا زمانہ) پھر وہ لوگ جو ان کے ساتھ متصلاً بعد میں آئیں گے یعنی تابعین عظام پھر وہ لوگ جو متصلاً ان کے بعد آئیں گے یعنی تبع تابعین۔

ہمارا عقیدہ مروجہ محفل میلاد کے بارے میں یہ ہے کہ نہ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اور نہ ہی اس کا پتہ حضور ﷺ کی سنت میں ملتا ہے اور نہ ہی صحابہ تابعین و تبع تابعین کے زمانوں میں اس کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ باوجودیکہ ربیع الاول کا مہینہ اور اس کی مخصوص تاریخیں ان حضرات کی نظروں سے اوجھل نہ تھیں۔ جنہیں آج فریق مخالف مروجہ محفل میلاد کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہے اور ان میں عشق رسول ﷺ ہم لوگوں سے کہیں زیادہ اور وافر مقدار میں پایا جاتا تھا اور اس عمل کو انجام دینے سے کوئی رکاوٹ بھی اس دور میں موجود نہ تھی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بدعت ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ مروجہ محفل میلاد قرآن و سنت سے ثابت نہیں اور صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعینؒ کے زمانوں میں اس کا وجود نہ تھا اور اہل سنت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہ امام شافعی و امام مالک امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے ہاں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ تو پھر یہ رسم شروع کب ہوئی، کون اس کو شروع

کرنے والا تھا؟ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی ابتدائی تاریخ ذکر کر دیں۔

مروجہ محفل میلاد کی ابتداء کب ہوئی اور کس نے کی بجائے اس کے کہ ہم اپنی جانب سے اس کے متعلق کچھ لکھیں بریلویوں کے مشہور عالم کی تحریر پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں چنانچہ بریلویوں کے معتبر عالم مفتی احمد یار خاں صاحب ایک عربی عبارت کے ترجمے میں لکھتے ہیں جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور عمر بن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسے ہزار اشرفیاں نذر کیں بریلیوں کے ایک اور عالم جناب قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس کی ہیئت کذائیہ مخصوص شکل سے یہ عمل خیر و برکت و نعمت و رحمت ۶۰۴ھ میں بادشاہ اربل المظفر نے جاری کی ہے (۲) اس کتاب کی بریلویوں کے امام احمد رضا خاں صاحب سمیت بڑے بڑے علماء نے تصدیق کی ہے ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ بریلوی علماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس مخصوص شکل کے ساتھ میلاد کی ابتدا حضور ﷺ کے چھ سو سال بعد ساتویں صدی میں ہوئی ہے اور شاہ اربل اور عمر بن دحیہ نے مل کر اس کو ایجاد کیا ہے اور بریلویوں کے اقرار سے یہ بات بھی ثابت ہو گی کہ اربل شاہ ابو سعید مظفر الدین کے لیے سب سے پہلے میلاد کی کتاب ایک سرکاری درباری مولوی عمر بن دحیہ نے لکھی اور بادشاہ سے بطور انعام ایک ہزار اشرفیاں حاصل کیں اس عالم کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ بیان کئے ہیں۔ مذہب ظاہری تھا اہل سنت کے علاوہ یہ ایک باطل فرقہ ہے ائمہ اہل سنت اور دوسرے معتقدین پر اعتراض کیا کرتا تھا گندی زبان والا بے وقوف اور بہت متکبر تھا۔ لسان المیزان جلد ۴، ص: ۲۹۶) (۱) نیز محدث ابن نجار مروجہ محفل میلاد کے بانی مولوی عمر ابن دحیہ کے بارے میں فرماتے ہیں میں نے سب لوگوں کو اس کے جھوٹے ہونے اور ناقابل اعتماد ہونے پر متفق پایا (ایضاً: ج ۴، ص: ۹۵۴) (۲) ایک اور محدث اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایسی ایسی باتوں کا دعویٰ کیا کرتا تھا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی تھی (۳) جلد ۴، ص: ۲۹۴، اس محفل میں جو شاہ اربل اور عمر ابن دحیہ جیسے مولوی نے ایجاد کی تھی اس میں ذکر ولادت باسعادت

کے وقت کھڑا ہونا داخل نہ تھا کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں یہ قیام مزید ڈیڑھ سو سال بعد میں ایجاد ہوا تھا چنانچہ زمانہ حال کے مشہور بریلوی عالم جناب احمد سعید شاہ صاحب کاظمی لکھتے ہیں مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکیؒ اور ان کے ہم عصر مشائخ علماء کی اقتدا کافی ہے (۱) کتاب میلاد النبی ص ۵۸ جناب تقی الدین سبکی کا انتقال ۷۵۶ھ میں ہوا ہے بریلی کے احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کی عبارت بالا سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ کے ذکر مبارک کے وقت کھڑا ہونا تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ کے دور سے شروع ہوا ہے۔ رہا ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی قرار دینا تو یہ تو ابھی اسی صدی کی بات ہے سب سے بڑی عمر کے لوگ اس دن کو ۱۲ ر وفات کہا کرتے تھے اس کو عید میلاد النبی قرار دینا محمد نور بخش توکلی کا کام ہے چنانچہ زمانہ حال کے ایک بریلوی عالم محمد عبدالحکیم اشرف قادری لکھتے ہیں آپ محمود نور بخش توکلی ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہند پاک میں ۱۲ ر وفات کے بجائے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی تذکرہ اکابر اہل سنت ص: ۵۵۹۔ یاد رہے کہ محمد نور بخش توکلی کا انتقال ۱۳ ر جمادی الاول ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ ر مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا دوسرا بریلوی والے علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے موصوف رقم طراز ہیں کہ آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے سرکاری کاغذات میں ۱۲ ر وفات غلط العوام اصطلاح کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل منظور کرائی آج یہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیان پاکستان کے یہاں اہم تقریب میں تبدیل ہو گئی ار مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم ص: ۱۲۸، ربیع الاول کی تاریخ جو مشہور قول کے مطابق حضور ﷺ کی تاریخ وفات ہے۔ اس کو نور بخش توکلی صاحب نے عید میلاد النبی بنا دیا باوجودیکہ نبی کریم ﷺ کی ولادت وسعات بروز دو ہوئی اور تقویمی اصول کے مطابق پیر کا دن دو ربیع الاول یا پھر ۹ ر ربیع الاول کو آتا ہے از روئے حساب ۱۲ ر ربیع الاول کو پیر کا دن درست ثابت ہی نہیں۔ ۲ ر حوالہ کے لیے دیکھئے رحمت الصالحین جلد ۱، ص ۴۰۰۔ ۱۲ ربیع اول کی تاریخ گویا اس فارسی ضرب المثل

کا مصداق ہے کہ ابتدائے ظلم وہ جہاں انداز کو پڑ کے آمد باں مزید کرد۔ یعنی ظلم کی ابتداء جہاں میں معمولی سی ہوتی ہے لیکن جو بھی آتا ہے اس پر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ مروجہ محفل میلاد میں بدعت ہونے کے علاوہ دیگر شرعی خامیاں موجود ہیں مروجہ محفل میلاد کی اس حیثیت جس کو تو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی موجودہ ہیئت وصورت صحابہ اور فقہاء کے دور میں کسی تاریخی حوالہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے ہیں یہ باتیں بدعت ہیں لیکن بدعت ہونے کے علاوہ اس میں شرعی خامیاں ایسی ہیں تو اس کے ناجائز ہونے کے لیے بجائے خود بہت کافی ہیں۔

مُقدّمہ

بحث قیام میلاد

قارئین کرام! قیام ہم اہل سنت والجماعت کے یہاں بھی جائز ہے اور جائز ہی نہیں بلکہ بعض بعض اوقات واجب وسنت بھی ہے مثلاً عمارت بنانے کے لیے قیام کرنا نماز کے لیے قیام کرنا وغیرہ ذالک۔ اسی طرح جب کسی کی نظر استاد پر پڑ جائے تو تعظیماً اپنی جگہ سے کھڑا ہو جانا، مگر تعظیماً ہمارے یہاں اس وقت جائز ہے جب کہ آنے والا شخص باحیات ہو ایسا نہ ہو کہ بے حیات کو باحیات تصور کر لیں اور قیام میں مصروف ہو جائیں یہ قطعی طور پر درست نہیں۔ اسی طرح میلاد میں قیام کرنا بھی درست نہیں ہے بایں طور کہ محفل میلاد میں کوئی شخص نظر نہیں آتا، لہٰذا اس قیام کو ناجائز قرار دیا جائے گا۔ رہی بات کہ (خاں صاحب کے نزدیک) حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اس لیے قیام کرتے ہیں؟ تو اس کا مفصل جواب تو بحث حاضر وناظر میں گذر چکا ہے لیکن یہاں پر ہم ان سے درخواست کریں گے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر شروع میلاد ہی کے وقت سے آخر میلاد تک کھڑے کیوں نہیں رہتے؟ لیکن شروع میلاد میں حضور اکرم محفل میلاد میں حاضر نہیں اگر حاضر نہیں تو پھر آپ حاضر وناظر کی رٹ کیوں لگاتے ہیں؟ اور اگر حاضر وناظر ہیں تو پھر محفل میلاد میں بیٹھتے کیوں ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر آپ گھر ومکان میں کیوں بیٹھتے ہیں، وہاں بھی کھڑا ہی رہنا چاہیے؟ اب رہا سوال کہ اللہ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ اجسام سے مبرہ ومنزہ ہیں لہٰذا ان کے لیے اگر ایسا عمل کیا جائے تو شریعت میں ایک پریشانی اور مصیبت لازم آئے گی حالاں کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لا اکراہ فی الدین بہر حال خود خاں صاحب کے عقیدے کے ذریعہ ان کا دوسرا عقیدہ ھباءً منثورا ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ محفل میلاد کے وقت قیام کرنا ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک قطعی طور پر درست نہیں البتہ ضروریات کے تحت دوسرے امور میں قیام درست ہے۔

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت اور ان کے جوابات میں

خان صاحب نے فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے عبارت پیش کی: یقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ کانہ نائم الخ روضۂ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑے ہوں جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں الخ پھر خاں صاحب نے کہا کہ قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی ہے؟ (جاء الحق جلد ۱ ص ۲۳۷)

جواب (۱) پہلی بات اس جگہ نماز کی طرح کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم جس طرح نماز میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں کرتے اور ہمیشہ ذکر واذکار میں مصروف رہتے ہو پس اسی طرح جب تک روضۂ مطہرہ کے پاس ہو درود وسلام پڑھتے رہو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں نماز کی طرح رکوع وسجدہ بھی کرتے رہو۔

جواب (۲) دوسری بات یہ ہے کہ خود صاحب عالمگیری نے اس کا جواب دے دیا کیوں کہ فرمایا یقف کما یقف فی الصلوٰۃ الخ یعنی ٹھہرے رہو جیسا کہ تم ٹھہرتے ہو نماز میں یعنی "یقف" کے معنی ٹھہرنے کے ہیں نہ کہ قیام کرنے کے (دیکھو المسجد ص ۲۱۲۔ مصباح اللغات: ص ۱۵۱) پس اب عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ٹھہرو! خواہ بیٹھ کر خواہ کھڑے ہو کر پس اس سے قیام کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قبر مومن یقیناً متبرک ہے، تعظیم اس کی ہم بھی کرتے ہیں لیکن تعظیم کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں جا کر ہمیشہ قیام پذیر رہیں بلکہ وہاں جا کر آرام سے بیٹھ بھی سکتے ہیں؛ نیز ان موقعوں پر کھڑا ہونا مستحب ہے نہ کہ سنت۔

دوسری دلیل کا جواب

خاں صاحب نے کہا کہ "جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جانا سنت ہے" پھر آگے خاں صاحب نے اس کی تائید میں مشکوٰۃ کی حدیث پیش کی کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے انصار کو حکم دیا "قوموا الیٰ سیدکم" اپنے سردار کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ قیام تعظیمی تھا الخ۔ (ایضاً ص ۴۲۷)

جواب (۱) حضرت ابن معاذ زخمی تھے اور آپ نے ان کو گدھے سے اتارنے کے لیے فرمایا تھا چنانچہ مسند احمد کی روایت میں "قوموا الیٰ سیدکم فانزلوہ من الحمار" یہی وجہ ہے کہ آپ نے قوموا الیٰ سیدکم فرمایا لسیدکم نہیں فرمایا اگر آپ الیٰ سیدکم کے بجائے لسیدکم فرماتے تو کوئی بات قابل غور تھی، معلوم ہوا کہ حضرت سعدؓ کی مدد کے لیے حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا کہ اپنے سردار کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ (اب رہا خاں صاحب کا سوال کہ باری تعالیٰ کا قول اذا قمتم الی الصلوٰۃ کا کیا جواب دو گے، کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لیے کھڑا ہوتا ہے؟ (جاء الحق، ص ۴۳۸)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں الیٰ بمعنی لام کے ہیں اب مفہوم یہ ہوگا کہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور قرینہ یہاں پر یہ موجود ہے کہ صلوٰۃ کی امداد نہیں کی جاتی ہے بلکہ نماز بحکم الٰہی پایۂ تکمیل تک پہنچائی جاتی ہے۔ اور الیٰ سیدکم میں کوئی قرینہ نہیں بلکہ آپ زخمی تھے اس وجہ سے وہاں امداد کے لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا الیٰ سیدکم۔

جواب (۲) حضرت انسؓ فرماتے ہیں لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ ﷺ وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک (رواہ الترمذی جلد ۲ ص ۱۰۰ وقال ہذا حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۴۰۳ ومسند احمد جلد ۳ ص ۱۵۱) حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تھے تو قیام نہ کرتے تھے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس قیام کے عمل کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ

آنحضرت ﷺ اپنے لیے قیام کو پسند کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ سے انتہائی محبت تھی قیام کرتے تھے کیونکہ بات ہے کہ اس چیز کو آنحضرت ﷺ پسند نہ کرتے اول وہ آپ کے جاتا ہو سکتا ہے جب کہ آپ کا کسی مجلس میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو۔

تیسری دلیل کے جوابات

خان صاحب نے مغالطہ دینے کے لیے حدیث میں "فاذا قام فصلوا" جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ حجرہ کی دیوار پر کے گھر میں داخل ہو گئے۔

جواب (۱) اس حدیث کا مفہوم یہ نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے تعظیم کے لیے قیام کرتے تھے بلکہ اس سے ظاہر ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ مجلس سے اٹھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے کہاں تشریف لے جا رہے ہیں کیا اچھا ہوں کے پاس جا رہے ہیں یا اور کسی ضروریات کے تحت جا رہے ہیں وہ اس بات کو دیکھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے کیونکہ اس سے قبل حدیث گزر چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا انتظار کرتے تھے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مالک کی حدیث (جو کہ ہم آگے ذکر کریں گے) سے کمزور ہے نیز مالک کی حدیث کو تابعی اور ان کو مرسل قرار دیا جاتا ہے (کیونکہ "فاذا قام فصلوا" والی حدیث پہلے گزر چکی ہے اور مالک کی حدیث بعد کی ہے) اگر خان صاحب نے بھی الدعوات کی عبارت پیش کی کہ جس میں علماء نے حدیث کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے تو ہم ان سے کہیں گے کہ ان کی تعریف آدمی کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے (ایضاً ص ۳۳۶) اور اس تعظیم کی بھی اباحت (جائز) ہونے پر علماء کرام نے اجماع نقل کیا ہے تو کیا یہ بھی بات کہہ دیں گے کہ علماء کرام کی تعریف آدمی کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کرام

بزرگان دین جب تشریف لائیں تو ان کی حسب گنجائش تعظیم کی جائے اور ایسا ہم اہل سنت والجماعت بھی کرتے ہیں، جیسا کہ دن رات کا مشاہدہ ہے۔ (لیکن باحیات کے لیے نہ کہ بے حیات کے لیے)

پھر آگے خاں صاحب نے عالمگیری کی عبارت پیش کی "تجوز الخدمة لغير الله تعالىٰ بالقيام واخذ اليدين والانحناء" غیر خدا کی عظمت کرتا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے ہر طرح جائز ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ خاں صاحب نے اس عبارت کا مفہوم سمجھا ہی نہیں بایں معنی کہ یہاں پر فرمایا گیا کہ خدمت جائز ہے اللہ کے علاوہ کے لیے اب آگے خدمت کی شکل بتا رہے ہیں کہ خدمت کھڑے ہو کر کریں یا ہاتھ پکڑ کر یا جھک کر یعنی جب مخدوم سوار ہے ہوں تو ان کے سروں پر تیل لگا کر خدمت کریں یہ تمام شکل جائز ہے لیکن اس عبارت سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس سے قیام میلاد جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ عالمگیری کی عبارت عیادت پر مبنی ہے کہ شریعت نے عیادت کی بھی فضیلت رکھی ہے۔

چوتھی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ "تیسرے جب کوئی اپنا یار آجائے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے اس کی تائید میں مشکوٰۃ کی حدیث پیش کی کہ زید بن حارثہ دروازہ پاک مصطفےٰ ﷺ پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا فقام اليه رسول الله ﷺ عريانا فاعتنقه وقبله ان کی طرف حضور اکرم ﷺ بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر انکو گلے سے لگایا اور بوسہ لیا۔ (ایضاً ص:۳۳۹)

جواب (۱) قارئین کرام! حدیث مذکور سے قبل یہ کہا گیا کہ جب کسی کا پیارا آجائے تو ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے۔ حالانکہ حدیث مذکور تو اس بات پر شاہد ہے کہ حضور اکرم ﷺ یا زید ابن حارثہ نے ہاتھ پاؤں نہیں چوما، البتہ یہ ضرور ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے غایت محبت میں زید ابن حارثہ کا بوسہ لیا وہ بھی رخسار کا بوسہ لیا نہ کہ ہاتھ پاؤں کا، اس کی مثال ایسی ہے کہ جب کسی کا لخت جگر و نور نظر کہیں سے آتا ہے

تو والدین گالوں کا بوسہ لیتے ہیں پس اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے زید ابن حارثہ کا بوسہ لیا کیوں کہ یہ بھی حضور اکرم ﷺ کے بیٹے تھے۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہاتھ پاؤں کا بوسہ لینا سنت ہے بلکہ ایسا کرنے والا قابل عتاب کے ساتھ ساتھ لعنة الله علی الکاذبین کا مصداق ہے۔

جواب (۳) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تو یہ بات پائی گئی کہ صرف اپنے لخت جگر کے رخساروں کا بوسہ لیں نہ کہ اولیاء اللہ بزرگان دین پیر و مرشد کا اور خاں صاحب کے متبعین اپنے مرید کو دعوت دیتے ہیں کہ اپنے پیر کے ہاتھ پاؤں کا بوسہ دیا کریں سو یہ بالکل غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بحث چل رہی ہے قیام میلاد کی لیکن خاں صاحب دلیل دے رہے ہیں بوس و کنار کی، پھر آگے خاں صاحب نے مشکوٰۃ کی حدیث پیش کی کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا آتی تو آپ ﷺ بوسہ دیتے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ ان کی صاحبزادی تھیں۔ اور خاں صاحب کا جھگڑا پیر و مرشد کے ساتھ بوس و کنار کرنے میں ہے۔ آگے خاں صاحب نے کہا کہ چوتھے جب کوئی پیار کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو ایسے وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہؓ اور سنت سلف ہے، اس کی تائید میں خاں صاحب نے مشکوٰۃ کتاب الایمان کی حدیث بھی پیش کی کہ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبرؓ نے ایک خوشخبری سنائی "فقمت الیه وقلت بابی انت وامی انت احق بها" میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں (جاء الحق، ص: ۲۳۰)

جواب (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور کسی معتبر کتاب کی نہیں ہے چوں کہ یہ حدیث نہ بخاری کی ہے نہ مسلم نہ ترمذی نہ ابن ماجہ نہ ابوداؤد نہ نسائی نہ طحاوی نہ مؤطا امام محمد نہ مؤطا امام مالک نہ مستدرک کی بلکہ یہ حدیث احمد کی ہے اور احقر اس سے قبل ترمذی و مسلم وغیرہ کی احادیث نقل کر چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ قیام کو مکروہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا خاں صاحب کی پیش کردہ حدیث قابل استدلال نہیں ہو سکتی ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کہتے ہیں کہ کسی پیارے کا ذکر ہو

تو کھڑا ہو جانا چاہئے تو حضور اکرم ﷺ کا ذکر ہمیشہ ہوتا ہے آپ کھڑے رہا کریں بالخصوص حالت تشہد میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر ہوتا ہے، لہٰذا تمام حضرات بریلوی حالت تشہد میں کھڑے ہو جایا کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو پھر پوری زندگی نماز پڑھتے رہیں کبھی بھی نماز نہ ہوگی لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ کسی پیارے کے ذکر سے قیام کرنا نہ مستحب ہے نہ سنت ہے نہ سنت سلف صالحین ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے امام سبکیؒ کی عبارت پیش کی سو یہ قول شاذ و نادر پر محمول ہوگا اور اس قول سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت پیش کی کہ کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لیے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے (جاء الحق، ص: ۲۴۰) **جواب**! اس عبارت سے قیام فی میلاد یا قیام تعظیم ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل کا جواب

خاں صاحب نے یہ کہا کہ چند جگہوں پر قیام مکروہ یا حرام ہے اوّلاً آبِ زم زم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے پھر آگے یہ بھی کہا کہ دنیاوی لالچ کی وجہ سے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ (جاء الحق، ص: ۲۴۰)

جواب: یہ بات تو ہمیں بھی تسلیم تھی کہ آب زم زم اور وضو ء کے پانی کے علاوہ کھڑے ہونا مکروہ ہے خاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب بھی کوئی دنیادار شخص آپ ﷺ کے بزرگان دین کے مزار پر پہنچتا ہے تو آپ حضرات دنیاوی لالچ کی غرض سے کیوں کھڑے ہو جاتے ہیں، درحقیقت آپ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نوٹ آئیں معلوم یہ ہوا کہ آپ حضرات مکروہ و حرام قیام کے مرتکب ہیں۔

چھٹی دلیل کا جواب

خاں صاحب نے یہ کہا کہ جس چیز کو لوگ اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ برا ہے، لہٰذا میلاد کو لوگ مستحب سمجھتے ہیں پس یہ مستحب ہوگا الخ۔

(جاء الحق، ص: ۲۴۱ تا ۲۴۲)

جواب: بعض لوگ تو شراب اور جوا کو بھی اچھا اور عمدہ سمجھتے ہیں لہٰذا شراب اور جوا مستحب ہونا چاہئے اسی طرح بعض حضرات زنا کاری کو بھی صحیح سمجھ کر اس کا ارتکاب کر لیتے ہیں پس اس کو بھی اچھا ہونا چاہئے۔ حالانکہ شراب جوا، زنا کے سلسلے میں کافی وعیدیں آئی ہیں پس اسی طرح محفل میلاد اور قیام میلاد کے سلسلے میں بھی ناجائز کا فتویٰ آیا ہے پس یہ بھی ناجائز ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے یہ کہا کہ لوگ جس کو اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے پس محفل میلاد اور قیام کو ہم اہل سنت والجماعت ہی نہیں بلکہ جمہور علماء و بزرگان دین و سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ برا سمجھتے ہیں پس یہ برا ہوگا۔

ساتویں دلیل کا جواب

رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وتعزروہ وتوقروہ اے مسلمانوں ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ (جاء الحق: ص: ۲۳۲)

جواب (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ بات عیاں اور بیّن ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تعظیم غایت درجے کی کی جائے اور اس عمل کے جواز پر ہم لوگ بھی متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ہی نہیں بلکہ ان کے اقوال و افعال کی تعظیم تک کرتے ہیں اور جو شخص ان کی تعظیم نہیں کرتا بلکہ اہانت کرتا ہے تو وہ کافر ہے چنانچہ ہم اہل سنت والجماعت جب بھی حضور اکرم ﷺ کے مزار اقدس پر جاتے ہیں تو مہذب انداز میں بغیر یا نبی سلام علیک کہتے ہوئے، درود ابراہیمی اور سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ لیکن اس آیت مذکورہ سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ جب بھی کسی محفل میں جب ایھا النبی ﷺ کا ذکر آئے تو کھڑے ہو جاؤ پس اگر ایسا کرو گے تو پوری زندگی نماز پڑھتے رہو کبھی بھی نماز ادا نہیں ہو سکتی اور گناہ کے مرتکب ہوتے رہو گے۔ (چوں کہ تشہد میں ایھا النبی آیا ہے)

جواب: اس آیت سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیام میلاد یا محفل میلاد درست ہے۔

آٹھویں دلیل کے جوابات

رب تعالیٰ فرماتا ہے "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب اور

جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے۔ (جاء الحق: ص:۲۴۳)

جواب (۱) شعائر اللہ مثلاً انبیائے کرام اور بعض مقامات مثلاً خانہ کعبہ ماہ رمضان شب قدر وغیرہ کی تعظیم کرنی چاہئے لیکن تعظیم کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرادیں جیسا کہ عام طور پر حضرات بریلوی کرتے ہیں کہ شوق محبت میں آکر شعائر اللہ کو باری تعالیٰ کے شریک ٹھہرادیتے ہیں سو یہ قطعاً جائز نہیں۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ سے نہ محفل میلاد کا ثبوت ملتا ہے اور نہ قیام میلاد کا کیونکہ اس آیت سے شعائر اللہ کی تعظیم مقصود ہے اور اس کے قائل ہم بھی ہیں بہر حال خاں صاحب کے عقیدے پر داد دینا چاہئے کہ ان کی دلیل بے سود رہتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کہا کہ "مارے گھٹنا پھوٹے سر"، "کہیں کا اینٹ کہیں کا روڑا" یعنی خاں صاحب کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے آیت پیش کی "وتعاونوا علی البرّ والتّقویٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان" اس آیت سے بھی یہی بات ثابت ہورہی ہے کہ جو چیز نیک ہو یعنی قرآن وحدیث سے مزین ہو اس کے لیے مدد کرو اور نہ مدد کرو گناہ اور تجاوز کرنے والوں کی یعنی بدعات وخرافات کی مدد نہ کرو ورنہ عنداللہ قابل عتاب ہوگے تو گویا کہ یہ آیت بھی خاں صاحب کے عقیدے کے خلاف جارہی ہے۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض وجواب اور اس کی تردیدات

اس باب کے تحت خاں صاحب نے ہمارے دلائل پیش کرنے کے بعد اس کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے چناں چہ احقر اس غلط جواب کی تردید کرتا ہے ملاحظہ کیجیے: (۱) چونکہ میلاد کا قیام اوّلاً تین زمانوں میں نہیں تھا لہٰذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے حضور ﷺ کی وہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بمقابلہ صحابۂ کرام حضور ﷺ سے زیادہ محبت ہے جب

انہوں نے یہ (قیام میلاد) نہیں کیا تو ہم کیوں کریں؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ بدعت کا جواب تو بار ہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ حضور ﷺ کی وہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو۔ تو کیا یہ قاعدہ صرف حضور ﷺ کی تعظیم کے لیے یا دیگر علماء دیوبند وغیرہ کے لیے بھی یعنی عالم، کتاب، مدرسہ تمام چیزوں کی وہی تعظیم ہونی چاہئے سنت سے ثابت ہو تو علماء دیوبند کی آمد پر اسٹیشن جانا، ان کے گلے میں پھول ڈالنا، جلسہ جلوس کرنا، وغیر ہم الخ کہ صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کی ایسی تعظیم کی ہے ہرگز نہیں تو یہ تعظیم حلال ہے یا حرام الخ۔ (جاء الحق، جلد: ۱، ص: ۲۴۳)

رد: (۱) خاں صاحب نے یہ کہا کہ بدعت کا جواب بار ہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں تو میرا بھی کہنا یہی ہے کہ آپ نے جو بھی جواب دیا ہر ایک کی تردید ہو چکی ہے کہ ہر بدعت حرام ہے کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔ رہا آپ کا سوال کہ حضور علیہ السلام کی وہی تعظیم کی جائے جو سنت سے ثابت ہو تو کیا یہ قاعدہ صرف حضور اکرم ﷺ کی تعظیم کے لیے ہے یا دیگر علمائے دیوبند کے لیے بھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ حضور اکرم ﷺ اور عالم و کتاب و مدرسہ کے لیے بھی ہے حضور اکرم ﷺ کے لیے کیسے اور کیوں خاص ہے وہ تو مکمل بحث ماقبل میں گذر چکی ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے نہ محفل میلاد کیا اور نہ قیام میلاد تو پھر یہ تعظیم کیسی؟ اب رہی بات کہ عالم کی تعظیم کیسے ثابت ہے تو اس سلسلے میں خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا العلماء ورثة الانبیاء اسی طرح آگے باری تعالیٰ نے علماء کتاب مدرسہ وغیرہ کی تعظیم کے لیے ارشاد فرمایا: ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب. پس علماء اور مدارس و کتاب شعائر اللہ کے اندر شامل ہیں۔ اب رہی بات کہ علماء دیوبند کی آمد پر اسٹیشن جانا ان کے گلے میں ہار پھول ڈالنا ان کے لیے جلوس نکالنا، جھنڈیوں سے راستہ گاہ اور جلسہ گاہ سجانا، کرسیاں لگانا، وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا الخ تو گویا کہ یہ بھی بدعت ہے۔ (جاء الحق، ص ۲۴۳)

جواب: احقر نے اس سے قبل بدعت کی تعریف کی تھی کہ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو حضور ﷺ اور صحابۂ کرامؓ تابعین تبع تابعین کے بعد ایجاد ہو۔ تو علماء کی

آمد پر اسٹیشن جانا جلسہ سجانا مجمع لگانا وغیرہ وغیرہ یہ تمام چیزیں دینی امور سے خارج ہیں جب دینی امور سے خارج ہیں تو پھر بدعت کیسے ہو سکتے ہیں جب بدعت نہ ہوئے تو حرام کیسے ہو سکتے ہیں جب حرام نہ ہوئے تو حلال کیوں نہ ہوں؟ ہاں ہم اس وقت مجرم ہوتے جب کہ بدعت کی تعریف کے اندر دینی کام کے ساتھ دنیاوی کی قید لگاتے۔ اب رہی بات کہ عالم اور کتاب اور مدرسہ کی تعظیم کیسی ہے؟ تو اس سلسلے میں احقر ابھی ابھی دوسرے صفحے پر گفتگو کر چکا ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے ''مرقات اور اشعۃ اللمعات'' کے حوالے سے یہ عبارت پیش کی کہ ''امام مالک مدینہ پاک کی زمین میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور وقار سے بیٹھتے تھے کہئے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟''

جواب: یہ تعظیم صحابہ کرام تو نہیں کیا (واللہ اعلم بالصواب) لیکن یہ تعظیم کرنے والے خود امام مالکؒ ہیں جیسا کہ ابھی ابھی بحث ہوئی پس یہ امام مالک تبع تابعین میں سے ہیں اور بدعت کی تعریف میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے جو حضور اکرم صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے بعد ایجاد ہوا ہے، اب رہا سوال کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا محمد سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے، ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں کہتے۔

جواب: سلطان محمد نے ان آیات پر تعظیماً عمل کرنے کی کوشش کی کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: یاایھا المزمل، یاایھا المدثر، یٰسٓ، طٰہٰ، وغیرہ یعنی جب اللہ نے آپ ﷺ کا نام لیکر (چند آیات کے علاوہ) نہ پکارا تو پھر ہم اگر نام بھی لیں تو باوضو پس اس کے ذریعہ اب اعتراض کرنا نادانی پر مبنی ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

اگر ذکر رسول ﷺ کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو اور میلاد شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے

ہو گئے؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے اگر کسی کو اللہ توفیق دے؟ اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے خواہ ہر وقت کھڑے ہو یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ (جاء الحق: ص: ۲۴۴)

د: خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہر وقت کھڑا رہے سو جائز ہے قارئین یہ جواب بالکل شریعت کی نظر میں درست نہیں اور یہ جواب باری تعالیٰ کا قول لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہے کیوں کہ حضرت حق جل مجدہٗ نے فرمایا کہ دین میں کوئی پریشانی و مشقت نہیں حالاں کہ خاں صاحب نے جواب میں کہا کہ جب حضور اکرم ﷺ کا ذکر ہو تو کھڑا رہنا چاہئے تو اللہ کا ذکر ہو تو کیا کرنا چاہئے کیا آسمان پر چلا جانا چاہئے؟ بہر حال انسان کی زبان پر اللہ کا نام ہمیشہ رہتا ہے سوتا ہے تو بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو کیا جب اللہ کا نام لیا تو نہ سوئے بلکہ کھڑا رہے اگر ایسا ہی عمل ہے تو پھر انسان نہ سوئے نہ بیٹھے بلکہ دن رات کھڑا ہی رہے۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہٰذا قیام میلاد ناجائز ہے (جاء الحق، ص: ۲۴۵) اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں گویا کہ خاں صاحب نے واجب نہ ہونے کا انکار کیا۔

د: اس کا رد یہ ہے کہ اگر آپ کے یہاں قیام میلاد واجب نہیں ہے تو پھر قیام میلاد پر اس قدر بحث کیوں کرتے ہیں؟ (۲) دوسری بات اگر واجب نہیں ہے تو اس عمل کو کرنے میں اس قدر زور کیوں دیتے ہیں؟ (۳) تیسری بات یہ ہے کہ اگر قیام واجب نہیں ہے تو پھر اس کو کرنے پر اس قدر پابندی کیوں کرتے ہیں تو اس کا جواب حضرات بریلوی یہ دیتے ہیں کہ مشکوٰۃ کی حدیث ہے احبُّ الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل، اس حدیث کو قیام میلاد پر سیٹ کرنا نہایت ہی جہالت پر مبنی ہے کیوں کہ یہ حدیث کار خیر مثلاً تلاوت کلام اللہ نماز وغیرہ کے پڑھنے والوں کے لیے ہے نہ کہ کسی بدعت کے عمل کو رائج کرانے کے لئے۔ پھر آگے خاں صاحب نے سیدنا عبداللہ ابن عباس کی حدیث

پیش کی جس کے ذریعہ ثابت کیا کہ جس میں دس ۱۰ عادات پائی جائیں وہ سنی ہے: (۱) تفضیل الشیخین (۲) توقیر الختنین (۳) تعظیم القبلتین (۴) الصلوۃ علی الجنازتین (۵) الصلوۃ خلف الامامین (۵) ترک الخروج علی الامامین (۷) المسح علی الخفین (۸) والقول بالتقدیرین (۹) والامساک عن الشہادتین (۱۰) واداء الفریضتین۔ بہرحال ان دس باتوں کو ہم اہل سنت والجماعت بھرپور انداز میں تسلیم کرتے ہیں البتہ خاں صاحب اس طرح تسلیم کرتے ہیں باری تعالیٰ کو بھی کسی دوسرے کے ساتھ شریک ٹھہرالیتے ہیں البتہ ہم لوگ اپنی حدود میں رہ کر تسلیم کرتے ہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیوبندی کی ہے من تشبہ بقوم فھو منھم لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔ (جاء الحق ص ۲۳۶)

جواب خاں صاحب نے یہ کہا کہ مجلس میلاد میں الگ بیٹھا رہنا علامت دیوبندی نہیں جناب والا یہ علامت تو حضور اکرم ﷺ کی ہے۔

☆ یہ علامت صحابہ کرام کی ہے۔

☆ یہ علامت تابعین کی ہے۔

☆ یہ علامت تبع تابعین کی ہے۔

☆ یہ علامت سلف صالحین کی ہے۔

☆ یہ علامت ائمہ کرام کی ہے۔

☆ یہ علامت مجتہدین کی ہے۔

☆ یہ علامت محدثین کی ہے۔

☆ یہ علامت مفکرین کی ہے۔

☆ یہ علامت جملہ اہل سنت والجماعت کی ہے جیسا کہ احقر مفصل بحث کر چکا ہے کہ قیام میلاد کا ثبوت کہیں سے نہیں۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

اس جگہ ہمارے چوتھے دلائل کا خاں صاحب نے تذکرہ کیا ہے (۱) پہلی دلیل کسی کی

تعظیم کے لیے کھڑا ہونا منع ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ اعلان کرنے پر لو کانوا اذا رآوھم لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک صحابہ کرامؓ جب حضور ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیوں کہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کو یہ ناپسند ہے (۲) مشکوٰۃ اسی باب میں ہے من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈ لے (۳) مشکوٰۃ باب القیام میں ہے لاتقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم بعضھم بعضا لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔ پہلی حدیث کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانے اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اس لیے حضور ﷺ کے لیے صحابہ کرامؓ نے کبھی قیام کیا اور کبھی نہ کیا۔

رد: آج تک کسی بھی کتاب کے ذریعہ یہ بات ثابت نہ ہوئی کہ آپ ﷺ کی ہمہ سے صحابہ کرامؓ کھڑے ہوئے ہوں جیسا کہ ظاہری حدیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے حدیث کا جواب یہ دیا کہ یہ تو اضع پر محمول ہے حوالہ کا رد یہ ہے تواضع ایک یا دو بار ہوتی ہے نہ کہ بار بار حالاں کہ عدم قیام میں یہ احادیث اور اقوال صحابہ و حضور اکرم ﷺ کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ قیام درست نہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ احادیث تو اضع پر محمول ہے تو کیا باری تعالیٰ کے قول قل ھو اللہ احد الخ بھی تو اضع پر محمول ہے ہرگز نہیں جب باری تعالیٰ کا قول حقیقت پر عیاں ہے تو اسی طرح حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا قول حقیقت پر دال ہے نہ کہ تواضع پر۔

پھر آگے خاں صاحب نے "قوموا الی سیدکم" والی حدیث پیش کی سو اس کا مکمل اور مدلل جواب ماقبل میں گذر چکا ہے ملاحظہ کر لیں۔

نوٹ: خاں صاحب اب تک کوئی صریح آیت یا احادیث نہ پیش کر سکے جس سے قیام میلاد ثابت ہوتا ہو: بلکہ جو بھی دلیل پیش کی وہ موضوع کے خلاف اور مناسب نہ تھی۔ پھر آخر میں خاں صاحب نے یہ کہا کہ لوگ علماء دیوبند کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں یہ کیوں؟ سو اس کا جواب یہ ہے علماء کے علم کی حوصلہ افزائی اور علم کی قدر کرنے کے لئے ساتھ ہی ساتھ یہ کام باحیات کے لئے ہے لیکن قیام میلاد میں جو آپ کھڑے ہوتے

ہو وہ بے حیات ہیں۔

مجلس میلاد میں قیام کرنا

کسی بزرگ کے لیے جو بنفس نفیس آئے بعض حالات میں بشرطیکہ افراط اور تفریط نہ ہو قیام درست ہے اور اس پر حضرت امام نوویؒ وغیرہ نے قوموا الی سیدکم کی حدیث سے استدلال کیا ہے (شرح مسلم جلد ۲ ص ۹۵) بعض دوسرے حضرات اس کا مطلب یہ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن معاذ زخمی تھے اور آپ نے ان کو گدھے سے اتارنے کے لیے یہ فرمایا تھا چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے قوموا الی سیدکم فانزلوہ من الحمار یہی وجہ ہے کہ آپ نے قوموا الیٰ سیدکم فرمایا ہے لسیدکم نہیں فرمایا مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل اس موقع پر کیا تھا اور جناب نبی کریم ﷺ اس موقع پر کس عمل کو پسند اور کس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ ﷺ و کانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذالک (رواہ الترمذی، جلد ۲، ص: ۱۰۰، ومشکوۃ: جلد: ۲، ص: ۴۰۳، ومسند احمد: جلد: ۳، ص: ۱۵۱، وادب المفرد، ص: ۱۳۸) اس صحیح حدیث سے یہ ثابت ہوگیا کہ آنحضور ﷺ اپنے لیے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ باوجودی کہ ان کو آپ سے انتہائی محبت تھی قیام نہ کرتے تھے عجیب بات ہے کہ جس چیز کو آنحضور ﷺ بھی پسند نہ کرتے ہوں اور کمال محبت کے باوجود حضرات صحابہ کرامؓ اس پر عمل نہ کرتے ہوں جب کہ بنفس نفیس آپ موجود بھی تھے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو نظر بھی آتے تھے۔ تو پھر آج جب کہ آپ کا کسی مجلس میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اور نہ آپ کسی کو نظر آتے ہیں تو پھر کس طرح قیام کو جائز اور مستحب قرار دیا جاتا ہے۔ بلکہ واجب اور فرض کہا جاتا ہے اور قیام نہ کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔

مقدمہ

بحث فاتحہ تیجہ، دسواں چالیسواں

تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ میت کے لیے ایصال ثواب درست اور جائز ہے خواہ بدنی عبادت ہو یا مالی، البتہ بدنی عبادت مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ میں حضرت امام مالکؒ اور حضرات امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہیں (شرح فقہ اکبر ص: ۱۵۷۔ وکتاب الروح، ص: ۱۳۵ وغیرہ) مگر اکثر حضرات شوافع اور حضرات مالکیہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ کا ساتھ دیتے ہیں حافظ ابن القیمؒ نے کتاب الروح از ص ۱۴۵ تا ۱۷۷۔ میں اس کی نقلی اور عقلی طور پر مبسوط بحث کی ہے حق اور اقرب الی الصواب یہی بات ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جا سکتا ہے مگر اس کے لیے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں جب تک یہ نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ **اولاً**: میت مومن اور مسلمان وصحیح العقیدہ ہو گو کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اور اسی طرح ایصال ثواب کرنے والا بھی مومن اور مسلمان ہو ورنہ سب محنتیں رائیگاں ہوں گی **ثانیاً**: اپنی کسی عبادت میں ریا نہ ہو **ثالثاً**: جس مال کا صدقہ وخیرات دیا جائے وہ حلال اور طیب ہو **رابعاً**: جس مال کا صدقہ دیا جائے اس کا کوئی وارث غائب اور نابالغ بچہ نہ ہو ورنہ اس کا صدقہ وخیرات کرنا بلا خلاف حرام اور موجب عذاب خداوندی ہے **خامساً**: جتنا بھی قرآن کریم میت کو پڑھ کر بخشا جائے وہ بلا معاوضہ اور بلا اجرت پڑھا جائے۔ **سادساً**: اپنی طرف سے دنوں کی اور خاص کیفیتوں کی تعیین نہ کی جائے اور نہ کھانے کے اقسام میں یہ تعیین ہو **سابعاً**: یہ کھانا صرف فقراء اور مساکین کو دیا جائے برادری کو اور اغنیاء کو نہ کھلایا جائے۔

ان میں بعض ایسے امور ہیں جن میں کسی ادنی کلمہ گو کو بھی شک وشبہ نہیں ہو سکتا اور ان کا ثبوت قرآن کریم اور صحیح احادیث سے بخوبی واضح ہے۔ چناں چہ قرآن کریم

میں آتا ہے "لاتقبل الا الخبیث" کہ میت اور ناپاک اور بری چیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی کوشش نہ کرو حدیث شریف میں آتا ہے "لایقبل اللّٰہ صدقہ من غلول" (ترمذی، جلد:۱، ص:۳) یعنی اللہ تعالیٰ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا اور حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں "ولو علم الفقیر انہ من الحرام ودعا لہ وامن المعطی کفرا" (شرح فقہ اکبر، ص:۲۳۳ کانپوری) یعنی اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال جو مجھے دیا جارہا ہے حرام ہے اور اس نے دینے والے کے حق میں دعاء کی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائینگے یہی عبارت فتاوی عالمگیری جلد۲ ص۲۹۹، میں بھی موجود ہے امام قاضی خاں صاحب لکھتے ہیں "وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا کانوا بالغین فان کان فی الورثۃ صغیراً لم یتخذ واذلک من الترکہ" (قاضی خاں جلد۳ ص۷۸۱) کہ میت کے ترکہ سے فقراء کے لیے کھانا تیار کرلیا جائے تو اچھا ہوگا جب کہ وارث سب بالغ ہوں اور اگر وارثوں میں کوئی ایک بھی نابالغ ہو تو ترکہ سے یہ کھانا تیار نہیں کیا جاسکتا۔ اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں حدیث "جریرؓ یدل علی الکراھۃ ولاسیما اذا کان فی الورثۃ صغار او غائب" (شامی، جلد:۱، ص:۸۳۱) حضرت جریرؓ کی روایت کراہت پر دلالت کرتی ہے خصوصاً جب کہ وارثوں میں چھوٹے بچے یا کوئی وارث غائب ہو۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: "بل اصح عن جریرؓ کنا نعدہ من النیاحۃ وھو ظاھر الی التحریم قال الغزالی ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذا لم یکن من مال الیتیم والغائب والا فھم حرام بلاخلاف" (مرقات: جلد۱، ص:۱۵۱) بلکہ حضرت جریرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ وہاں کے کھانے کو حضرات صحابہ کرام نوحہ کی طرح سمجھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کھانا حرام ہے امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ ایسا کھانا مکروہ ہے میں کہتا ہوں کہ یہ کراہت اس وقت ہوگی جب کہ میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا غائب نہ ہو ورنہ یہ بلا اختلاف حرام ہوگا۔ ان عبارات سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ میت کے وارثوں میں اگر سب ہی بالغ اور حاضر ہوں تب بھی ایسا کھانا مکروہ بلکہ بظاہر حرام ہے اور اگر میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا کوئی وارث غائب ہو تو بالاتفاق ایسا کھانا حرام ہوگا اور فقراء کے لیے بھی ایسا کھانا ناجائز ہوگا۔

پہلا باب

فاتحہ کا ثبوت اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے سورۂ انعام کی آیت "وھذا کتٰب انزلنٰہ مبارک" کے تحت تفسیر روح البیان کی عبارت پیش کی کہ حضرت انس رضی سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں شام سے صبح تک یہی سلسلہ اسی قسم کا مضمون نووی کی "کتاب الاذکار کتاب تلاوۃ القرآن" میں بھی ہے معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے، اور ایصال ثواب بھی دعا ہے پھر الحمد للہ اثبات کے حوالے سے خاں صاحب نے یہ کہا کہ جمعرات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ لوگ کرتے ہیں یا نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد الموت سات روز تک یا ہر روز ایسی خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں اس کی اصل یہ ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور ﷺ نے امیر حمزہ رضی کے لیے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دلایا یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔ (جاء الحق، جلد ۲، ص ۲۵۰)

پہلا جواب یہ ہے کہ خاں صاحب نے سورۂ انعام کی آیت پیش کی اور اس کے تحت روح البیان کی عبارت بھی ذکر کی سو اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے نیز ایصال ثواب کا بھی ثبوت ملتا ہے سو ہمارے تو اہل سنت والجماعت بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم لوگ میت کے لیے ایصال و مغفرت بھی کرتے ہیں اور ختم قرآن کے بعد دعائیں بھی مانگتے ہیں لیکن اس عبارت سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ تیجہ دسواں، چالیسواں اور اسی طرح خاں صاحب نے شرائع کے اندر حضرت امیر حمزہ رضی کا واقعہ پیش کیا ہے یہ قول محدثین کے یہاں مختلف ہے۔

جواب (۲) خاں صاحب نے "تفسیر الخازن" اور حاشیہ الجمل کی عبارت

پیش کی تھی سو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے مسالک کے حضرات فقہاء کرامؒ نے ان بدعات کا انکار کیا ہے اسی طرح؛ بلکہ ان سے بڑھ کر حضرات فقہاء احناف نے ان کا انکار کیا ہے چنانچہ علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ لکھتے ہیں۔ "ولا یباح اتخاذ الضیافة عند ثلاثة ایام لان الضیافة یتخذ عند السرور" (خلاصۃ الفتاوی: جلد:۳، ص:۳۴۲) کہ اہل میت کی طرف سے تین دن تک ضیافت مباح نہیں ہے کیوں کہ ضیافت خوشی کے موقعہ پر ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح آگے امام حافظ الدین محمد ابن شہاب کردری الحنفیؒ لکھتے ہیں: "ویکرہ اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام واکلها لانها مشرعة للسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل اطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقرأة سورة الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراة القرآن لاجل الاکل یکرہ" (فتاوی بزازیہ: جلد:۴، ص:۸۱، طبع مصر) تین دن تک ضیافت مکروہ ہے اور اس کا کھانا بھی کیوں کہ ضیافت تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے اور پہلے دوسرے تیسرے دن طعام تیار کرنا بھی مکروہ ہے اور اسی طرح ہفتہ کے بعد اور عیدوں کے موقع پر بھی اور اسی طرح موسم بموسم قبروں کی طرف طعام لے جانا بھی مکروہ ہے اور قرآت قرآن کے لیے اور صلحاء اور قراء کو جمع کر کے ختم قرآن کے لیے دعوت کرنا بھی مکروہ ہے وہذا القیاس سورہ انعام یا سورۂ اخلاص کی قرات کے لیے طعام تیار کرنا بھی مکروہ ہے، حاصل یہ ہے کہ قرات قرآن کے وقت کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔

قارئین کرام ! لیجئے مذکورہ عبارات کے ذریعہ علماء نے مسئلہ ہی ختم کر دیا کہ نتیجہ، دسواں، چالیسواں شریعت کی نظر میں صحیح نہیں ہے۔

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے نوویؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ انس بن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے، حکم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع مجاہد وعبدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم

کر رہے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت جمع ہوا کرتے تھے اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے لہٰذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ (ایضاً ص ۲۵۰ تا ۲۵۱)

جواب! یہ بات پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میت کے لیے ایصال ثواب کرنا چاہیے: لیکن ایسے نہیں جیسے کے یہود کرتے تھے، بہر حال مذکورہ عبادات ختم قرآن اور ایصال ثواب پر دال ہیں اور اس کے قائل ہم بھی ہیں لیکن آخر میں خاں صاحب نے یہ کہا کہ تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے سو یہ جملہ محض سلف پر بہتان ہے کیوں کہ سلف صالحین ائمہ کرام و محدثین سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں کہ تیجہ اور چہلم وغیرہ وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ امام نووی شرح منہاج میں لکھتے ہیں کہ "الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشهر والسادس والسنة بدعة ممنوعة" (بحوالہ انوار ساطعہ ص: ۱۰۵) قبر پر تیسرے دن اجتماع کرنا اور کلاب واگر بتیاں تقسیم کرنا اور مخصوص دنوں کے اندر روٹی کھلانا مثلاً تیجہ، پانچواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، دن اور چھٹا مہینہ اور سال کے بعد یہ سب کے سب امور بدعت ممنوعہ ہیں۔ اس عبارت سے بالکل یہ بات معلوم ہو گئی کہ تیجہ دسواں، چالیسواں وغیرہ، ناجائز ہے۔ اسی طرح آگے خاں صاحب نے درمختار اور شامی کی عبارت پیش کی جس سے ایصال ثواب ثابت ہوتا ہے سو اسکا جواب ماقبل میں گذر چکا لیکن آگے خاں صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ کے حوالے سے یہ کہا کہ جس کھانے پر حضرات حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اس کا کھانا بہت اچھا ہے، اسی طرح اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلاوے تو جائز ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (جاء الحق ص: ۲۵۱)

جواب: صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھانے پر بسم اللہ بھی پڑھی ہے بطور برکت اور دعاء کے مختلف کھانے کی چیزوں پر قرأت بھی کی ہے اور

چیزوں میں اضافہ کے لیے بھی اشیاء کو سامنے رکھ کران پر دعائیں پڑھی ہیں۔ یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں جھگڑا صرف اس امر کا ہے کہ میت کے لیے ایصال ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر بھی کچھ پڑھنا صحیح ہے (یعنی بطور نیاز کے) اور کیا آنحضرت ﷺ نے اور حضرات صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا ہے اس کا آسان اور صحیح جواب صرف یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے چنانچہ فتاویٰ سمرقندیہ میں ہے کہ۔

"قراة الفاتحه والاخلاص والكافرون على الطعام بدعة" (الجنہ: ص:۱۵۵)

سورہ فاتحہ اور اخلاص کافرون کا طعام پر پڑھنا بدعت ہے (نیز حضرت مولانا عبدالحیؒ سے سوال کیا گیا کہ) حضرت مولا عبدالحیؒ صاحب لکھنویؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ فاتحہ مروّجہ یعنی نیاز کرنا تیجہ کرنا کیسا ہے تو اس کا جواب حضرت لکھنویؒ نے یہ دیا کہ قطعاً درست نہیں (مجموعہ فتاویٰ) پس ان دونوں عبارتوں نے فیصلہ کردیا کہ نیاز کرنا کھانے پر قل وغیرہ پڑھنا درست نہیں اسی طرح کسی بزرگ کے نام پر مالیدہ وغیرہ بنانا بھی درست نہیں۔

تیسری غلط فہمی کا ازالہ

خاں صاحب نے یہ کہا کہ "حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا چنانچہ تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں"۔ (جاء الحق: ص:۲۵۱)

جواب: ایک ہوتا ہے کرنا دوسرا ہوتا ہے خود بخود ہونا، تو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حضرت شاہ صاحب کے لیے صورت کے سلسلے میں کچھ کیا نہیں تھا؛ بلکہ خود بخود لوگ عقیدت مندی کی وجہ سے آگئے تھے پس وہ حضرات محبت میں ایسا عمل کر گئے تو اس کو تیجہ نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ اپنی اپنی عقیدت مندی کا اظہار کہہ سکتے ہیں برخلاف خاں صاحب کے کہ وہ باضابطہ لوگوں کو بلاتے ہیں اور مجمع لگا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں سو یہ جائز نہیں دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی محبت میں آکر اکیاسی مرتبہ قرآن ختم کیا تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ عیب کی بات وہ ہے کہ قرآن لوگ اجرت پر پڑھتے ہیں جیسا کہ خاں صاحب وغیرہ۔

اسی طرح آگے خاں صاحب نے حضرت نانوتویؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا، آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں تو حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا، یوں سمجھ کر کہ بعض روایات میں اس قدر کلمے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ دی بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے آپ نے سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی الخ

(جاء الحق: ص: ۲۵۱ تا ۲۵۲)

اس کا جواب خود عبارت مذکورہ ہی میں موجود ہے بایں معنی کہ جب مرید نے دیکھا کہ میری ماں دوزخ میں ہے تو پیر جنیدؒ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ دی بالآخر اس کی ماں کی مغفرت ہو گئی پس اس سے تو تیجہ دسواں، چالیسواں کی نفی ہوتی ہے کیوں کہ تیجہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا جاتا ہے اور باضابطہ محفل لگتی ہے لیکن صورت مذکورہ کے اندر بغیر تیجہ وغیرہ کئے ہوئے اس کی ماں کی مغفرت ہو گئی، لہٰذا تیجہ چالیسواں، دسواں وغیرہ درست نہیں۔

کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کی تردید

اس سے قبل فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، وغیرہ کے مکمل و مدلل جوابات دیئے جا چکے اب اس بات کا رد کیا جاتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا درست نہیں ہے، لیکن خاں صاحب کے یہاں یہ بات ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا مسنون ہے چناں چہ اس بات پر خاں صاحب مختلف دلائل پیش کریں گے اور احقر ان تمام دلائل کا تحقیقی جائزہ پیش کرے گا۔

چند دلائل اور ان کے جوابات

مشکوٰۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ

خرمے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لیے دعاء برکت فرمادیں فضمهن ثم دعالی فیهن بالبرکة آپ نے ان کو بلایا اور دعاء برکت کی، اسی طرح غزوۂ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانا کم ہوگیا حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اسی پر یہ سب رکھا گیا، فدعا رسول اللہ ﷺ بالبرکة ثم قال خذوا الخ پس اس پر دعاء فرمائی اور فرمایا کہ اب اس کو اپنے برتنوں میں رکھ لو پھر آگے ایک حدیث ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ نے نکاح کیا حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا فرایت النبیؐ ﷺ وضع یدہ الخ اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور ﷺ نے کچھ پڑھا۔ (جاء الحق: ص ۲۵۲، ۲۵۳)

جواب (۱) خاں صاحب نے ص ۲۵۲ پر دعوی یہ کیا تھا کہ کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگنا جائز، حالانکہ ابھی ابھی جو حدیثیں گذری ہیں ان سے صرف یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بغیر ہاتھ اٹھائے کھانے میں برکت کے لیے دعائیں کیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیشہ دعاء کی بلکہ آپ نے وقتاً فوقتاً ایسا کیا ہے، جس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر دعائیں مانگی جائیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں حضور اکرم ﷺ نے تنہائی میں دعاء کی تھی نہ کہ اجتماعی صورت میں لیکن خاں صاحب اس کے لیے باضابطہ محفل لگانے کے قائل ہیں، قوالیاں ہوتی ہیں لاؤڈ اسپیکر لگتے ہیں پھر خاں صاحب دعاء کرتے ہیں سو یہ باتیں خود حدیث مذکور کے مخالف ہیں چوتھی بات یہ ہے کہ مذکورہ شکل میں حضور اکرم ﷺ نے سرا دعاء کی تھی نہ کہ جہراً حالانکہ خاں صاحب وغیرہ زور زور سے دعاء کرتے ہیں۔

جواب (۲) یہ جواب خود خاں صاحب کے مسلک کے ماننے والے نے دے دیا بہرحال مشہور بریلوی عالم مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ،، یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ممالک میں رائج نہیں (انتهى بلفظه تحفة الاحباب ص: ۱۲۲) جب یہ امر آنحضرت ﷺ اور حضرات

صحابہ کرامؓ بلکہ خیر القرون سے ثابت نہیں نیز اس کو فقہاء کرام بدعت کہتے ہیں اور خاں صاحب بریلوی کی بے کار بات ہے اور بقول مولوی صالح صاحب ہندوستان کے علاوہ کسی اسلامی ملک میں یہ رسم جاری اور رائج نہیں پس اس کو ضروری سمجھنا اور اہل السنت اور حنفیت کی علامت قرار دینا اور نہ کرنے والوں کو وہابی کہنا ملامت کرنا یہ کہاں کا انصاف اور دیانت ہے؟ بلکہ قرین قیاس اور انصاف یہی ہے کہ ہندوستان میں یہ رسم ہندوؤں سے ماخوذ ہے وہ کھانے پر وید پڑھتے ہیں اور کلمہ گو مسلمان قرآن پڑھتے ہیں۔

جواب (۳) کھانا سامنے رکھ کر اور مزید ہاتھ اٹھا کر اور اجتماعی شکل کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے دعاء مانگنا ہندوؤں کا عمل ہے لہٰذا اہل ایمان کو چاہئے کہ اس عمل سے فوراً خود کو روک لیں چونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے **من تشبہ بقوم فھو منھم** کہ جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی سو وہ اسی میں سے ہے لہٰذا ہندوؤں کے عمل سے علماء بریلوی کو چاہئے کہ فوراً لوٹ جائیں۔

اس طرح خاں صاحب نے پھر مشکوٰۃ کی ایک حدیث پیش کی کہ آپ ﷺ کے سامنے گندھا آٹا پیش کیا گیا تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعاء برکت دی (جاء الحق: ص: ۲۵۲) اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پکا ہوا کھانا پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے دعا کی پس یہاں کچے آٹے کا ذکر ہے جو کہ ہمارے موضوع کے خلاف ہے۔

چند خلجان کے جوابات

خاں صاحب نے **وشفاءٌ ورحمة للمومنین** اور **ولایزید الظلمین** والی آیات پیش کیں سو اس سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا ہے کہ کھانے کو سامنے رکھ کر دعائیں مانگی جائیں یا اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ تیجہ، دسواں، چالیسواں، جائز ہوں اسی طرح خاں صاحب نے یہ کہا کہ کھانے کو سامنے رکھ کر دعاء کی تو کون سی خرابی ہے اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ (جاء الحق: ص: ۲۵۳ تا ۲۵۴)

جواب: خان صاحب نے اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ جنازہ اور قبر کو سامنے رکھ

کر دعا کرنے کا آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ سے ثبوت ملتا ہے؛ لیکن ایصال ثواب کے لیے کھانا سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھنے کا ہرگز ثبوت نہیں ملتا ہے بلکہ یہ بدعت ہے اور بقول خاں صاحب بیکار بات ہے اور بدعت بے کار اور لایعنی کام میں ضرور حرج ہوتا ہے حضرت علیؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ بے کار امر اور فعل عبث حرام ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں، وہ ہر چیز کی برائی ترغیب صاحب شرع و تعین وقت نباشد آں فعل عبث است ومخالف سنت خیر الانام ومخالف سنت حرام پس ہرگز روا نہ باشد (فتاویٰ عزیزی، جلد: ۱، ص: ۹۸) پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہے تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہئے (جاء الحق: ص: ۲۵۳)

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ کھانے سے قبل لوگ بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ پڑھتے ہیں یا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں اور یہ تمام جملے مکمل طور سے قرآن کی آیت نہیں ہیں، لہٰذا قرآن کا پڑھنا منع نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بسم اللہ جو قبل الطعام پڑھی جاتی ہے تو اس کے لیے باضابطہ نہ مجلس لگتی ہے اور نہ محفل اور اس سے قبل نہ کسی قسم کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ برخلاف خاں صاحب کے کہ ان کے یہاں کھانا سامنے رکھ کر طرح طرح کی دعائیں ۱۰ منٹ سے ۱۵ منٹ تک پڑھتے رہتے ہیں یہ تحقیق عمر کے خلاف ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ مذبوحہ جانور کو سامنے رکھ اللھم ھذا من امۃ محمد اور حضرت ابراہیمؑ کے کعبہ کی عمارت سامنے رکھ کر دعا عربیا فتقبل منا مانگی (ایضاً: ص: ۲۵۳)

جواب حضور اکرم ﷺ نے مذکورہ صورت میں بغیر پکے ہوئے مذبوحہ جانور کے سامنے دعاء کی نہ کہ پکے ہوئے کھانے کے سامنے اور حضرت ابراہیمؑ نے عمارت کے سامنے دعاء کی نہ کہ پکے ہوئے کھانے کے سامنے اسی طرح عقیقہ کا حال ہے کہ مذبوحہ جانور کے سامنے لوگ دعاء پڑھتے ہیں نہ کہ پکے ہوئے کھانے کے سامنے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ عقیقہ یا دیگر جانور کے سامنے دعاء پڑھنا کوئی

ضروری نہیں ہے بلکہ ذبح کرنے کے بعد کچھ فاصلہ پر بھی جا کر دعاء پڑھ سکتے ہیں برخلاف حضرات بریلوی کے کہ وہ لوگ بالکل کھانا آنکھوں کے سامنے رکھ کر دعائیں پڑھتے ہیں سو یہ عقیدہ قابل تردید ہے۔

نیز اس دعاء کے لیے نہ محفل لگانی پڑتی ہے اور نہ مجلس بلکہ بغیر کسی نظم وضبط کے دعائیں پڑھ لیتے ہیں لیکن خاں صاحب کے یہاں کافی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں پھر مجلس لگتی ہے اور نہایت ہی اہتمام کے ساتھ کھانے پر دعائیں پڑھتے ہیں۔ اور اب تو بعض حضرات بریلوی اس عمل کو واجب سمجھنے لگے ہیں لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض وجواب اور اس کی تردیدات

بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیے کھانا پکانا منع کیا ہے بلکہ برزازیہ نے تو لکھا ہے وبعد الاسبوع یعنی ہفتہ کے بعد پکانا منع ہے اس میں بڑی ششماہی پیلسم سب شامل ہیں نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی مذکورہ صورت نہ کرنا نیز حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام دلائل کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ فقہاء نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہیں کیا بلکہ حکم دیا ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز اور ہے وہ میت کے نام پر برادری کی روٹی یعنی قوم کے صدقے بچے کیلئے جو میت کے تیجہ، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لیے نام ونمود کیلئے ہے اور صورت نام ونمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے الخ۔ (ایضاً ص ۱۱۱)

ز: خود خان صاحب میت کے نام پر اہل میت سے دعوت طلب کرتے ہیں روٹی مانگتے ہیں اور آخرکار اسی میت کی دسویں چالیسویں وغیرہ کرواتے ہیں حتیٰ کہ خاں صاحب نام نمود کے لیے اہل میت کے ذریعہ جلسہ جلوس کرواتے ہیں یعنی میلاد النبی

چالیسواں، وغیرہ اب بتلائے کہ فقہاء کرام نے منع کس چیز سے کیا۔ پھر آگے خاں صاحب نے خود شامی کی عبارت پیش کی ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیوں کہ یہ تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔ پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ دعوت لینے کے دو ہی معنی ہیں (۱) برادری مجبور کرے کہ روٹی کر (۲) اہل میت فقراء کے لیے کھانا پکائیں۔ (ایضاً ص:۳۵۶)

اولاً: قارئین کرام غور کریں کہ پہلی صورت تو ناجائز ہے اور دوسری صورت جائز ہے اور دوسری شکل میں یہ بھی کہا گیا کہ کھانا فقراء کے لیے بنتا ہے لیکن پھر بھی اس کھانے کو خاں صاحب ضرور کھاتے ہیں اور خاں صاحب نے لوگوں کا مزاج ایسا بنا دیا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر خاں صاحب میرا کھانا نہ کھائیں گے تو میری میت کی بخشش نہ ہوگی۔

بہر حال میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے پھر آگے اعلیٰ حضرت کے حوالے سے مولوی یار خاں صاحب نے لکھا کہ "جب بھی اعلیٰ حضرت تشریف تعزیت میت کے لیے تشریف لیجاتے تو وہاں پان حقہ وغیرہ بھی استعمال نہ فرماتے۔" (ایضاً ص:۳۵۶)

ثانیاً: یہ مسئلہ تو ہمارے یہاں ہے کہ اہل میت کے یہاں سے کچھ نہ کھایا جائے لیکن آپ ﷺ نے جو یہ کہا وہ سفید جھوٹ ہے کیوں کہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جہاں کہیں بھی خاں صاحب جیسے پیر ۳ دن کے بعد یا دو دن کے بعد اپنا دھرنا ان کے یہاں رکھ دیتے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ بھائی آج تم میلاد کرو آج تیجہ آج دسویں آج بارہویں چالیسویں وغیرہ وغیرہ کراؤ اور ہر ایک مجلس میں خاں صاحب شریک ہو کر کھانا پینا مٹھائی تو درکنار روپے پیسے بھی کافی اہل میت سے لیتے ہیں اور نہ دینے پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

فاتحہ کیلئے تاریخ مقرر کرنا جائز نہیں، گیارہویں تاریخ یا تیسرا، دسواں بیسواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے قرآن فرماتا ہے "وھم عن اللغو معرضون" مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ کسی جائز کام کے

ہے اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے وقت کے لیے [illegible]

(باقی حاشیہ [illegible])

[illegible] کہ تاریخ متعین کرنے کی اصل [illegible] ہے جس میں ایک سے زیادہ باتیں حاصل ہونے کی امید ہو یہ مقصد اصلی حاصل نہ ہونے کی [illegible] ہے ہاں موت کی ایک چیز ہے کہ اس کے لیے تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی [illegible] جب آدمی [illegible] کہتا ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ جتنا جلد ہو سکے اس کے لیے خیر [illegible] چالیسواں متعین کئے ہوئے ایصال ثواب کریں کیونکہ اگر یہاں تاریخ متعین کی جائے تو مقصد اصلی حاصل نہیں ہو سکتا جو اس کی یہ ہے کہ ایصال ثواب سے عذاب کے اندر تخفیف ہوتی ہے اور اگر تاریخ متعین کی جائے تو ایصال ثواب کے اندر تاخیر ہوگی جب ایصال ثواب میں تاخیر ہوگی تو عذاب کے اندر جلد از جلد تخفیف نہیں ہو سکتی، پس اب یہی کہا جائیگا کہ بغیر دسویں تیجہ، چالیسواں متعین کئے ہوئے ایصال ثواب کیا جائے۔

دوسری تردید یہ ہے کہ چالیسواں وغیرہ کا رواج صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھا اب اگر ایسا کیا جائے تو یہ کھلم کھلا بدعت ہے اور اس سلسلے میں ہم مکمل بحث کر چکے ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے آدم، یونس، یعقوب، اسمٰعیل وغیرہ کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ تاریخ متعین کرنا ضروری ہے سو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ہر چیز میں تاریخ متعین نہیں کی جا سکتی ہے البتہ واقعات انبیاء میں جو تاریخ راجح متعین ہے اس کے اندر کچھ اور بات ہے اور ایصال ثواب کے اندر کچھ اور بات ہے ماقبل کا رد ملاحظہ کریں۔

تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

فاتحہ وغیرہ میں ہندوؤں سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرہویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان میں سے ہے لہٰذا یہ فاتحہ منع ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ ہر چیز میں کفار کی مشابہت اختیار کرنا منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے، پھر یہ بھی

ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہو جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں الخ۔

وہ خاں صاحب نے جواب یہ دیا کہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ شریعت میں بدعت سے زیادہ بری بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ سب بری بدعت ہے اس سلسلے میں آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔

دوسری تردید یہ ہے کہ دسواں، ساتواں، چالیسواں وغیرہ مذموم عمل ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے جاہل قوم جلد از جلد مردہ کے لیے ایصال ثواب نہیں کر پاتی، اور گنہگار مردہ کو عذاب ہوتا رہتا ہے پس کیا وہ عمل شریعت کی نظر میں اچھا ہو سکتا ہے کہ جس کی تاریخ متعین کرنے سے جلد از جلد مردہ عذاب سے نجات نہ پا سکے، دوسری بات یہ ہے کہ کھانے پینے میں بھی ہم لوگ کفار و مشرکین کے مشابہ نہیں ہیں کیوں کہ وہ جانوروں کی طرح کھاتے ہیں جس کے سلسلے میں باری تعالیٰ نے کہا "لا تاکل کما الانعام" اور ہم اہل سنت والجماعت مہذب انداز کے ساتھ اچھی جگہوں پر کھاتے ہیں البتہ وہ مسلمان بھائی جو شہروں میں اور راستوں پر کھاتے ہیں وہ کفار و مشرکین کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے بچائے اسی طرح ہندو لوگ گنگا ندی سے پانی لاتے ہیں اور ہم مکہ معظمہ سے آب زم زم لاتے ہیں سو اس میں بھی ان کی مشابہت نہیں ہے کیوں کہ ان کے پاس گنگا ندی سے پانی لانے کے سلسلے میں کوئی نص قطعی نہیں لیکن ہمارے پاس نص قطعی ہے دوسری بات یہ ہے کہ گنگا ندی میں مردے اور غلاظتیں ڈالی جاتی ہیں لیکن ہمارا آب زم زم ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ نیز چوتھی دلیل خاں صاحب نے پیش کی اور نسبت ہم اہل سنت والجماعت کی طرف کی ہے سو یہ گندی باتیں اور غیر مہذب کلمات ہم لوگ کبھی ادا نہیں کر سکتے ہیں کہ گوبر وغیرہ پر فاتحہ کیوں نہ پڑھتے۔

کیا ایصال ثواب کے لیے دن متعین ہے؟

میت کے لیے دعاء و استغفار کرنا اور صدقہ و خیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن

کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا اسی طرح نفلی نماز روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے لیکن ایصال ثواب کے لیے شریعت حقہ نے دنوں اور تاریخوں کی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے اور پہلے یہ حوالہ یہ گذر چکا ہے کہ اپنی طرف سے اس کی تعیین کرنا بدعت ہے دلائل اربعہ میں سے کوئی دلیل اس پر دال نہیں ہے کہ ایصال ثواب کے لیے دنوں کی تعیین ضروری ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ رسم مسلمانوں نے ہندوؤں سے لی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایصال ثواب کے لیے دنوں کی تعیین ہے چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونی الخوارزمی ۴۳۰ھ کہتے ہیں کہ اہل ہنود کے نزدیک میت کے وارث پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارھویں اور بارھویں روز کی یا کھلانا اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے اسی طرح انتظام سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ کو روزانہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح بیمار ہوگی اور بھوک پیاس کی حالت میں ہی گھر کے ارد گرد پھرتی رہے گی اور پھر جس دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب نمک دیا جائے اور اسی طرح گیارھویں تاریخ کو بھی نیز لکھا ہے کہ ماہ وار دو حصہ پکا کر دیئے جائیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب الہند البیرونی سنہ ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۰۱) اور یہی کچھ برائے نام مسلمان کرتے ہیں کہ چاول اور پانی بھی سامنے رکھا جاتا ہے اور ان کے برتن بھی الگ ہوتے ہیں جنکی اور دسویں کی بھی تعیین کی جاتی ہے خصوصاً دسویں گیارھویں اور اختتام سال کے بعد برسی جو عرس مشہور ہے تو مسلم عالم (جو پہلے پنڈت تھے) مولانا عبید اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ برہمن کے مرنے کے بعد گیارھواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دن اور ویش یعنی بنئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سولھواں دن اور شودر یعنی باقی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے ان میں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے ان میں بھی ایک کا دن ہے اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں ان میں جملہ ایک دن دسہرہ کا ہے مردے کے مر جانے سے چار برس پیچھے ان میں جملہ سورج کے مہینے کے نصف اول میں برسی

اپنے بیٹے کو ثواب پہنچاتے ہیں لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے ہیں اور کھانے کا ثواب پہنچانے کا نام مراد ہے اور جب مرا دیہ پہنچانا ضروری جانتے ہیں اور کھانے کا ثواب پہنچانے کا نام مراد ہے اور جب مرا دیہ کھانا تیار ہو جائے تو اول سامنے پنڈت کو بلوا کر کچھ پیسا پڑھواتے ہیں جو پنڈت اس کھانے پر پیسہ پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں بھشر من کہلاتا ہے اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں۔ (ملفوظ لحظۃ البصیر ص ۹۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (المتوفی ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہے اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ ہنود کے تتبع کو دیکھ شیع ہوا ہے (براہین قاطعہ ص ۱۰۱) اور یہی کھچڑی کو مسلمان کرتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ پنڈت کی جگہ مفتی ملانے لے لی ہے اور کھانے پر بیٹھ کی جگہ قرآن کریم پڑھا جانے لگا افسوس اور صد افسوس کہ ان تمام غیر اسلامی رسموں نے اسلامی شکل اختیار کر لی ہے اور اب اس پر تنقید کرنا گویا اسلام پر تنقید کرنا ہے میت کے گھر اجتماع اور کھانا پکانے پر یہ ان حدیث اور فقہ کی عبارت شاہد ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جائے تو اس کے گھر والے چونکہ صدمہ میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے اہل محلہ اور رشتہ دار اہل میت کا کھانا تیار کریں اور جو نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکا ہو وہ تعزیت بھی کر سکتا ہے۔ لیکن میت کے گھر اجتماع اور اہل میت کا لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا ایک بہت بڑا گناہ ہے اور بہت سے غلاتے اس قبیح حرکت کا شکار ہو کر مقروض ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات سود پر قرض لینے کی بھی نوبت آجاتی ہے اور اس طرح وارثوں کا اور خصوصاً یتیموں کا مال برباد کیا جاتا ہے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "کنا نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ" (ابن ماجہ: ص ۱۱۷، ومسند احمد ترجمہ ۴ (یعنی صحابہ کرامؓ) میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔ اور منتقی الاخبار: ص ۱۲۲ میں وصنعۃ الطعام بعد دفنہ اظن النیاحۃ کے الفاظ آئے ہیں مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ میت پر آواز کے ساتھ رونا اور نوحہ کرنا اہل جاہلیت کا کام ہے اور نوحہ کرنا جمہور سلف وخلف کے نزدیک حرام ہے اسی طرح میت کے گھر کے کھانے کو بھی

[illegible]

ہیں کہ "یہ اصلاح اہل البیت طعاما وجمع الناس للمیت فیہ
نسی وھو بدعۃ غیر مستحب اھ ھل" (ص ۱۳۸ ج ۱) اہل میت کا کھانا تیار کرنا
اور لوگوں کا جمع ہونا ان میں کوئی چیز منقول نہیں ہے بلکہ یہ بدعت غیر مستحب ہے نیز لکھتے
ہیں کہ "انما احدثہ بعضھم من اھل الثالث للمیت وعملھم الاطعمۃ فیہ
حتی صار عندھم کانہ امر معمول بہ" (ایضاً ص ۱۳۸ ج ۱) کہ کچھ لوگوں نے یہ
بدعت نکالی ہے کہ میت کے تیجہ پر طعام تیار کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک ایک معمول بہ کام
بن گیا ہے امام ابن حجر مکی شافعی سے سوال کیا گیا کہ "عما یعمل یوم الثالث من موتہ من
تھیئۃ اکل واطعامہ للفقراء وغیرھم وعما یعمل یوم السابع" میت کے
تیسرے دن فقراء وغیرہ کے لیے کھانا تیار کیا جاتا ہے اور اسی طرح ساتویں دن اس کا کیا
حکم ہے؟ جواب میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ "جمیع ما یفعل منذ ذکر فی السؤال
من البدع المذمومۃ" (الفتاوی الکبری ص ۲۰۳ ج ۲) سوال میں جتنی چیزیں ذکر کی گئی ہیں وہ
سب کی سب بدعات مذمومہ ہیں علامہ محمد بن محمد حنفی (الدر المنضد فی ادعیۃ الصلاۃ ص ۱۱۰)
حنبلی اور امام شمس الدین قدامہ حنبلی متوفی ۶۸۲ھ۔ شرح المقنع ص ۲۰۲ ج ۲) حنبلی اور امام
موفق الدین ابن قدامہ حنبلی (المتوفی ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ "والظاھر انہ انما صنع اھل
المیت طعاما للناس فمکروہ لان فیہ زیادۃ علی مصیبتھم وشغلا لھم الی
شغلھم وتشبھا بصنع اھل الجاھلیۃ" (ص ۲۰۳ ج ۲) کہ اہل میت جو لوگوں کے

لیے کھانا تیار کرتے ہیں وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل میت کو مزید تکلیف اور شغل میں مبتلا کرنا ہے نیز اس سے مشرکین اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ۔ "منها و مذهب غيرنا كالشافعية الخ" (جلد ۱ ص ۸۳۶) ہمارا اور حضرات شوافع اور حضرات حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے چونکہ ہمیں ایک ایسے طبقہ سے واسطہ پڑ چکا ہے جو خود کو حنفی کہلاتا ہے اس لیے ہم فقہ حنفی کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے واسطے سے، مسلم حضرات کو فقہاء احناف کے نظریہ کو سامنے رکھ کر غور فکر کا موقع مل سکے اس سلسلے میں وضاحت یہ ہے کہ میت کے گھر کے گھر والوں کا تیجہ یا ساتواں اور چالیسواں وغیرہ کرنا جس طرح دوسرے مسالک کے حضرات فقہاء کرامؒ نے ان کو بدعات قرار دے کر ان کا انکار کیا ہے اسی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر حضرات فقہاء احنافؒ نے انکار کیا ہے چنانچہ علامہ طاہر ابن احمد بخاری لکھتے ہیں کہ "ولا يباح اتخاذ الضيافة عند ثلاثة ايام لان الضيافة يتخذ عند السرور" (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۳۰۰) کہ اہل میت کی طرف سے تین دن تک ضیافت مباح نہیں ہے، کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے، صورت مروجہ اور اسی طرح بعض دیگر خلاقوں میں یہ بدعت رائج ہے کہ میت کو دفن کر چکنے کے بعد پہلی رات تمو اسب گاؤں کی بلا امتیاز روٹی پکائی جاتی ہے جس کو وہ لوگ اپنی زبان میں تماشا شوشہ اور ٹھی وغیرہ کہتے ہیں اس میں امیر بھی ہوتے ہیں اور غریب بھی اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر لوگوں کو بلاوا لگی اور کھانڈ سے تواضع کی جاتی ہے اس عبارت میں اسی کھانے کو حضرات فقہاء کرامؒ نے غیر مباح بھی کہا ہے اور مکروہ و بدعت بھی قرار دیا ہے۔ صد افسوس ہے کہ بڑے بڑے علماء بردار مولوی بھی اس قبیح ترین بدعت میں مبتلا ہیں۔ "اعاذنا الله تعالىٰ منها وجميع البدعات" امام قاضی خانؒ لکھتے ہیں "ويكره اتخاذ الضيافة في ايام المصيبة لانها ايام تاسف فلا يليق بها ما كان للسرور" فتاویٰ خانیہ جلد ۳ ص ۷۸۱) یعنی مصیبت کے دنوں میں ضیافت کرنا مکروہ ہے کیونکہ جو کام خوشی کے وقت ہو وہ غمی کے وقت مناسب نہیں ہے۔ اور علامہ قہستانی لکھتے ہیں کہ۔ ويكره اتخاذ الضيافة في هذه الايام وكذا كلها

(فتاویٰ تجرید الفتاویٰ و جواہر الفتاویٰ جلد ۳ ص ۳۳۳) ان دونوں میں میت کے گھر کھانا تیار کرنے اور کھانا دونوں مکروہ ہیں جیسا کہ تجرید الفتاویٰ میں مذکور ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ "ویکرہ اتخاذ الطعام ثلاثة ایام کذا فی التاتارخانیہ" (عالمگیری ص ۱۶۵ ج ۱) تین دن تک کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اسی طرح فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے۔ اور امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری الحنفی لکھتے ہیں کہ۔ ویکرہ اتخاذ الضیافة ثلاثة ایام لانها لاتلیق بمشروعة المسرور ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم وقرأة سورة الانعام والاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاکل یکرہ (فتاویٰ بزازیہ بر حاشیہ ہندیہ جلد ۴ ص ۸۱) تین دن تک ضیافت مکروہ ہے اسی طرح اس کو بھی کھانا ضیافت تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے اور پہلے زمانہ میں اور تیسرے دن طعام تیار کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح ہفتہ کے اور مہینوں کے موقع پر بھی اور اسی طرح موسم میں قبروں کے طرف جو کھانا لیجاتے ہیں اور قرأت قرآن کے لیے بھی اور قرآن ختم کے لیے دعوت دینا بھی مکروہ ہے (فتاویٰ ہندیہ جلد ۵ ص ۳۵۰) اسی طرح سورہ انعام اور اخلاص وغیرہ پڑھنے کے لیے طعام تیار کرنا بھی مکروہ ہے اور اسی طرح ہفتہ کے دن اور مہینوں کے موقع پر بھی اور اسی طرح موسم میں قبروں کے طرف جو بھی

حضرت ملا علی قاریؒ حضرت عاصم ابن یکب کی روایت کو نقل کرتے وقت یہ بھی لکھتے ہیں کہ۔ قرر اصحاب مذ ھبنا من انه یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاوّل و الثالث وبعد الاسبوع (مرقات، جلد:۴، ص:۳۸۲) ہمارے مذہب (حنفی) کے حضرات فقہاء کرام نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح ہفتہ کے بعد طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔

ان عبارات میں اس امر کی پوری صراحت موجود ہے کہ میت کیوجہ سے دنوں کی تخصیص کر کے کھانا پکانا (اور خصوصاً تیسرے دسویں اور چالیسویں وغیرہ دنوں میں اس طرح کا عمل کرنا بدعت اور مکروہ ہے اور ایسے کھانے سے بہر حال پرہیز کرنا چاہئے چنانچہ مولانا لکھنویؒ لکھتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور جامع برکات نے لکھا ہے: دانکہ اورا سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند و درمیان مرادران بخشش کنند واں را بھاجی میگویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نہ خورند۔ انتہی (مجموع فتاوی، جلد:۳۔ص:۷۲) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ۔ وعادت ہنود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند بر سر گور و نہ غیر آن وایں مجموع بدعت است اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر و صرف احوال بے وصیت از حق تیامیٰ بدعت است وحرام (مدارج النبوت، جلد ۱، ص:۴۳۱ طبع نولکشور) شیخ صاحب موصوف نے شرح سفر السعادت ص ۲۷۳ اور اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۷۴۵ میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور شیخ الاسلام کشف الغطاء میں لکھتے ہیں کہ آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم قسمت نمودن آں میان اہل تعزیت واقربان غیر مباح و نامشروع است وصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شریعت دعوت نزد سرور است ونزد شرور۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ۔ بعد مردن رسوم دنیوی مثل دہم وستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند (وصیت نامہ مع مالہ بدمنہ، ص:۱۹۱) اور حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب نقشبندی لکھتے ہیں کہ (سوال ششم آنکہ طعام بروح میت بروز سوم و دہم وکل دادن روز سوم از کجاست؟) مخدوما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں را بمیت گزرانیدن بسیار خوب است وعبادت بزرگ اما تعیین وقت اصل

معتد علیہ ظاہر نمی شود و روز سوم گل دادن نمبراں بدعت است (مکتوبات مکتوب ۱۱) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ دیگر از عادات شنیعہ ما حرام اسراف است در ماتمہا و سیم و چہلم و شماہی و فاتح سالسینہ و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلح آں است کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ روز و اطعام شاں یک شب و روز رسم نباشد (تفہیمات، جلد ۲، ص ۲۲۷، وصیت نامہ ۱۳) اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت المتوفی ۸۰۰ھ کے ملفوظات میں ہے کہ اس زمانہ میں سیوم کے روز میت کے واسطے شربت و برگ میوہ جاتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ صندوق لے جاتا ہے اور سیپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ ہے (الدر المنظوم ص ۱۲۱) اور علامہ محی الدین برکلی نقش بندی الحنفی (المتوفی ۹۸۱ھ) لکھتے ہیں ان بدعات میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے ان یا اس کے بعد طعام کا وصیت کرنا اور قرآن وکلمہ پڑھنے والے کو پیسے دینا یا تیجہ پر چالیس روز تک یا کم وبیش ایام تک آدمی بٹھانا یا تیجہ پر لگانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں (طریقہ محمدی صفحہ آخری) حضرت مولانا یوسف صاحب مرید خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی دمشقی (المتوفی فی حدود ۸۰۰ھ) قبور کی زیارت کے لیے بھی از خود دوران کی تعیین (مثلاً تیسرے یا ساتویں روز) کو بدعت شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مسیدان زیارت سنت است لیکن زیارت روز و شب معہود سیوم ہفتے داں بدعتے لیکن حذر اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں کہ مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و اور اضروری نگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب (مولانا ضیاء الدین عمر ابن محمد ابن عوض سنانی الحنفی معاصر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء المتوفی ۷۲۵ھ) آں را مکروہ نوشتہ و راہ تخصیص بگذارند و ہر روز نے خواہند ثواب بروح میت رسانند۔ (مجموعہ فتاوی جلد ۳، ص ۷۷)

قارئین کرام ! آپ نے جماعت احناف کثر اللہ تعالیٰ سوادہم کے ذمہ دار حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات صوفیاء عظامؒ کی عبارتیں ملاحظہ کر لی ہیں کہ وہ میت کے گھر کھانا تناول کرنے، سوم، دہم، چہلم، اور برسی وغیرہ کو بدعت اور مکروہ (بلکہ بعض حرام) کہتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ فریق مخالف کی گنگا ہی الٹی چلتی ہے۔ حضرات! جو

لوگ یہ بدعات نہیں کرتے، ان کو وہ وہابی وغیرہ کے خطابات سے نوازتے ہیں اور عوام الناس کو انکے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ فوا اسفاہ!

لطیفہ: فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ۔ حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے، اللہ توفیق دے، بلفظہ (وصایا شریف ص ۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا دین اور مذہب شریعت اسلامی سے جدا ہے اور اس دین پر جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے، مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے شریعت حقہ کا اتباع تو حتی الامکان بتایا مگر ان کا مذہب اور دین ہر فرض سے اہم فرض ہے سبحان اللہ تعالیٰ! اور بات بھی صحیح ہے کیونکہ عقائد سے لیکر اعمال تک اور عبادات سے اخلاق تک خاں صاحب کا دین و مذہب شریعت اسلامی سے بالکل جدا ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں یار زندہ صحبت باقی! لیکن فاتحہ کے سلسلے میں خاں صاحب کے اتباع سے گذارش ہے کہ ان کی وصیت شریفہ پر عمل کر کے ثواب دارین حاصل کریں اور اس گرانی اور مہنگائی میں ان ازید چیزوں کا خوب لطف اٹھائیں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت اور اس کے جوابات میں

جب اہل ایمان دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے کفن دفن کا نظم وضبط کیا جاتا ہے نیز سب سے پہلے غسل پھر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اب اختلاف اس بات میں ہے کہ بعد نماز جنازہ اور قبل الدفن اس کے لیے اجتماعی طور پر دعاء کر سکتے ہیں یا نہیں (یعنی بعد نماز جنازہ دفن سے قبل اجتماعی طور پر میت کو روک کر دعاء کرنا بدعت ہے تو اس سلسلے میں ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دعاء نہیں کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ عمل نہ رسول اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ و تبع تابعین سے ثابت ہے لہٰذا اب اگر اس کو اختیار کیا جائے تو بدعت ہوگا اور خاں صاحب کا عقیدہ ہے کہ دعاء کر سکتے ہیں۔

پس اسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے خاں صاحب اس باب کے تحت دلائل پیش کریں گے اور احقر نمبروار ہر دلیل کا جواب دے گا۔

چنانچہ خاں صاحب نے سب سے پہلی دلیل مشکوٰۃ کے حوالے سے پیش کی اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدُعاءَ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خالص دعا مانگو "ف" سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے گی۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لیے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں صلیتم شرط ہے ماضی اور فاخلصوا ہوا ہے جزاء شرط اور جزاء میں تغایر چاہیے نہ کہ اس میں داخل ہو پھر صلیتم ہے ماضی اور فاخصلوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے جیسے فاذا طعمتم فانتشروا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان اور "اذا قمتم الیٰ الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم" میں نماز کے لیے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ لفظ الی سے معلوم ہوا لہٰذا یہاں بھی دعا ارادۂ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں (جاء الحق: جلد:۱، ص:۲۶۲)

جواب (۱) خاں صاحب نے حدیث کا ترجمہ کیا ہے کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لیے خاص دعا مانگو، سو یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہ معنی اس حدیث کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ تو یہ تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ میت پر جب تم نماز جنازہ پڑھو تو اس میں نہایت اخلاص سے دعاء کرو یہ مطلب نہیں کہ نماز جنازہ تو بغیر اخلاص کے پڑھو اور اس کے بعد اخلاص سے دعاء کرو۔

جواب (۲) آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے یہ واضح کر دیا کہ یہ اخلاص نماز جنازہ کے اندر ہی ہونا چاہیے۔ آپ ایسے پر خلوص دل اور رقت آمیز الفاظ سے جنازہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے کہ زندہ صحابی یہ آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش یہ جنازہ ہمارا ہوتا دیکھئے حضرت عوف بن مالک وغیرہ کی روایت مسلم، جلد:۱، ص:۳۱۱۔ اور مشکوٰۃ: جلد:۱، ص:۱۳۵۔ وغیرہ میں ہے اور سنن الکبریٰ: جلد:۴۔ ص:۳۹، میں آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو

نماز جنازہ کا طریقہ بتایا جس میں یہ بھی فرمایا کہ درود شریف پڑھنے کے بعد اخلاص کے ساتھ میت کے لیے دعا کرے (اور بالجہر و نعت خوانی نہ کرے) (ثم یسلم سرًا فی نفسہ) پھر آہستہ سے دل میں سلام کہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ اخلاص فی الدعا سلام پھیرنے سے پہلے ہے۔ لیکن خاں صاحب سلام پھیرنے کے بعد ذکر بالجہر تو درکنار قوالیاں نعت وغیرہ کے جواز کے قائل ہیں۔

جواب (۳) اگر روایت کا یہی مفہوم ہوتا جو خاں صاحب نے بیان کیا ہے تو جنازہ کے بعد کی دعاء کو حضرات فقہاء کرامؒ اور خصوصاً فقہاء احنافؒ خلاف مسنون اور مکروہ کیوں کہتے؟ کیا حضرات فقہائے کرام سے یہ جسارت ہو سکتی ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے فعل اور قول کو بھی خلاف سنت اور مکروہ کہہ دیں۔

جواب (۴) باوجودیکہ یہ حدیث حضرات فقہائے کرامؒ کے پیش نظر ہے مگر پھر بھی وہ جنازہ کے بعد دعا کرنے کی اجازت نہیں دیتے اگر اس حدیث کا وہی مطلب ہوتا جو خاں صاحب اور اس کی بدعت پسند پارٹی نے گھڑا ہے تو حضرات فقہاء کرامؒ کیوں لایدعوا اور دعا نخواند سے اس کو منع کرتے؟ عجیب بات ہے کہ حضرت ملا علی قاری وغیرہ جب اس حدیث کی شرح کرتے ہیں تو ان کو خاں صاحب کا یہ معنی سمجھ میں نہیں آتا اور جب اس کے صرف ایک صفحہ بعد حضرت مالک احسن ابن ہبیرہ کی حدیث کی شرح کرتے ہیں تو صاف لکھتے ہیں کہ جنازہ کی نماز کے بعد میت کے لیے دعا نہ مانگے کیوں کہ یہ نماز جنازہ کے اندر زیادتی کے مشابہ ہے (مرقات: جلد: ۲، ص: ۲۱۹) الغرض کوئی اندرونی اور بیرونی قرینہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت اس حدیث کا وہ مطلب صحیح ہو جو خاں صاحب نے کیا ہے۔

اب رہا خاں صاحب کا یہ کہنا کہ شرط اور جزاء میں تغایر رہنا چاہئے؟ تو یہ مسلم ہے مگر یہ تغایر کبھی ذات اور صفات کا ہوتا ہے جیسے "فاذا طعمتم فانتشروا" میں کھانا الگ ایک حقیقت ہے اور انتشار الگ اور کبھی یہ تغایر جز و کل کا ہوتا ہے جیسے "واذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم" قرآن کا پڑھنا کل ہے اور صرف

"اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کا پڑھنا جزو ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اعوذ باللہ الخ قرآن کریم کے بالکل مغایر ہے۔ اسی طرح کبھی یہ تغایر اطلاق وتقیید کا ہوتا ہے جیسے "اذا سالتموھن متاعاً فاسئلوھن من وراء حجاب" میں جملہ شرطیہ کے اندر جو سوال ہے وہ مطلق ہے اور جملہ جزائیہ میں جو سوال ہے وہ "من وراء حجاب" کے ساتھ مقید ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جملہ شرطیہ میں جو سوال ہے وہ اس سوال کے بالکل مغایر ہے جو جملۂ جزئیہ میں ہے جیسا کہ کسی بھی اہل علم پر یہ مخفی نہیں ہے اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ مطلق نماز جنازہ (جس میں ثناء اور درود شریف وغیرہ کا پڑھنا اور باوضو ہو کر قبلہ رخ ہو کر قیام کرنا وغیرہ سبھی کچھ ہے) کل ہے اور میت کے لیے دعا جزو ہے، اور شرط وجزاء میں اتنا تغایر کافی ہے اور اگر خاں صاحب "اذا قمتم الی الصلوٰۃ اور اذا قرأت القرآن"۔ اور "اذا سالتموھن" وغیرہ میں ارادہ وغیرہ مقدر تسلیم کرتے ہیں تو فرمائیں کہ "اذا صلیتم علی المیت" میں اس ارادہ کے نکالنے سے کیا چیز مانع ہے؟ وجہ فرق واضح ہونی چاہئے؟ الغرض خاں صاحب کی جواب دہی پر موقوف ہے کہ اگر وہ ان آیات میں کوئی مقدر نکالتے ہیں تو حدیث میں بھی تسلیم کریں یا جزو وکل وغیرہ کا تغایر مانتے ہیں تو وہ مان لیں یہ ان کی مرضی ہے باقی حرف الی نماز کے قیام کے لیے بھی آیا ہے سینکڑوں حدیثیں اس پر پیش کی جاسکتی ہیں مگر بخوف طوالت ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے رہا خاں صاحب کا یہ کہنا کہ ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں تو ان کا یہ کہنا اصول سے بے خبری پر مبنی ہے اولاً اس لیے کہ جیسے تاخیر وتعقیب زمانی ہوتی ہے ایسے ہی مرتبی بھی ہوتی ہے اور جزاء کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ زمانہ کے لحاظ سے شرط سے متاخر ہو: بلکہ بسا اوقات جزاء شرط کے لیے علت ہوتی ہے اور علت کا معلول پر مقدم ہونا ایک بین امر ہے علماء اصول نے اس کی تصریح کی ہے "کہ اذا لجزاء قد تکون علۃ للشرط کان وجد النھار فالشمس طالعۃ" (شرح تلویح ص ۲۴۱) کبھی جزا شرط کے لیے علت ہوتی ہے جیسے کہ یہ مثال (ان وجد النھار فالشمس طالعۃ) کہ اگر دن موجود

ہے تو سورج ضرور نکلا ہوگا۔ **ثانیاً**: اس لیے کہ میت کے لیے نماز جنازہ میں جو دعا کی جاتی ہے تو وہ ثناء اور درود شریف کے بعد کی جاتی ہے اور اس میں جملہ جزائیہ کی جملہ شرطیہ سے زمانی تاخیر بھی متحقق ہے اور علماء نے تصریح کی ہے "التراخی بزمان وان قلّ" (باش تکویح: ص: ۲۳۱) کہ تراخی بہت قلیل زمانہ سے بھی متحقق ہو جاتی ہے۔ **ثالثاً**: اس میں حقیقی معنی کسی نے ترک ہی نہیں کیا تا کہ ان پر یہ الزام صحیح ہو کہ بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں علاوہ بریں اگر خاں صاحب وغیرہ کے پاس ارادہ وغیرہ نکالنے کے لیے کوئی قرینہ اور منطق موجود ہے تو شاید کسی اور کے پاس بھی کوئی ایسا ہی حربہ ہو۔

دوسری اور تیسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوۃ کے حوالے سے حدیث پیش کی قرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب حضور ﷺ نے جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھی پھر آگے خاں صاحب نے اشعۃ اللمعات کی عبارت پیش کی کہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے سورۂ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لیے پڑھی ہو۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۲)

جواب (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ خود حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت کا ترجمہ خاں صاحب نے ممکن سے کیا ہے جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کوئی متحقق اور متعین بات نہیں ہے کہ حضور اکرمؐ نے نماز جنازہ کے بعد یا پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی ہو۔ اس طرح گویا کہ اس میں شکوک وشبہات پیدا ہو گئے، سو اس سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب نماز جنازہ شروع کی تو دوران صلوٰۃ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جیسا کہ ظاہر حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی نماز جنازہ میں نہ کہ بعد الصلوٰۃ یا قبل الدفن پھر آگے خاں صاحب نے فتح القدیر کے حوالے سے حدیث پیش کی کہ حضور اکرم ﷺ نے منبر پر قیام فرما کر غزوۂ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی پس ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعاء مغفرت فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرو۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۲)

جواب: نماز جنازہ کے لیے سب سے پہلے نیت کی جاتی ہے پھر ثناء پڑھا جاتا ہے پھر درود شریف اس کے بعد دعاء پھر سلام پھیر دیا جاتا ہے، پس یہاں پر جو حضور ﷺ نے دعاء کی تھی اور دوسروں کو ترغیب دی تھی اس سے مراد دعاء ماثورہ ہے کہ اے لوگو بعد درود شریف دعاء ماثورہ پڑھ لینا۔ اور دعا سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو دعاء ماثورہ پڑھنے کی ترغیب دی نہ کہ بعد الصلوٰۃ دعاء پڑھنے کا حکم دیا۔

پھر خاں صاحب نے ثُمَّ قال استغفروا لہٗ کی عبارت پیش کی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعاء مغفرت جائز ہے۔ (جاء الحق)

جواب: اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جب لوگ مردہ کو دفن کر کے گھر تشریف لائیں تو ان کے لیے دعاء مغفرت کریں نہ کہ بعد نماز جنازہ اور یہی طریقہ احادیث سے بھی ثابت ہے۔

چوتھی دلیل کے جوابات

منتخب کنز العمال "کتاب الجنائز" میں ابراہیم ہجری کی روایت ہے کہ میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا (یہ بیعت رضوان والے صحابی ہیں) کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کے بقدر کھڑے ہو کر دعاء کی اور فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعاء مانگی۔ اسی طرح مدونۃ الکبریٰ میں ہے کہ ہر تکبیر پر اسی طرح کہے اور جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے اللّٰھُمَّ صَلِّ علی محمدؐ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ (جاء الحق: ص ۲۶۳)

جواب (۱) کنز العمال کی مذکورہ حدیث سے استدلال قطعاً درست نہیں کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم ہجری واقع ہے اور حضرات محدثین کرام ان کی روایت کو بہت ہی ضعیف سمجھتے ہیں، امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث محض ہیچ ہے۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ امام ابو حاتمؒ اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں، امام نسائی اور امام نسائی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام ترمذی کہتے ہیں کہ وہ حدیث

میں ضعیف ہے۔ امام احمد الحاکمؒ کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ حدیث میں ضعیف ہے علامہ ابن عدیؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے علامہ ابن سعد امام سعدیؒ اور ابو حربیؒ وغیرہ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب: جلد:۱، ص:۱۶۵) لہٰذا یہ روایات سے استدلال قطعی طور پر درست نہیں۔

جواب (۲) یہ تمام دعائیں نماز جنازہ کے ختم ہونے کے بعد کی دعائیں ہے جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے لکھا ہے:

پھر نماز جنازہ ختم کرنے کے بعد آپ وہیں کھڑے رہے اندازاً دو تکبیروں کے مابین کی دعا فرماتے رہے (مقیاس ص ۵۲۶) بلکہ یہ دعا چوتھی تکبیر اور سلام پھیرنے کے درمیان کی دعاء ہے جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا تھا اور حضرات شوافعؒ کا اس پر عمل بھی ہے اور حضرات احناف چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے قبل دعا کے قائل نہیں ہیں: چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں "وفی روایۃ کبر اربعاً فمکث ساعۃً حتی ظننتُ انہ سیکبر خمساثم سلم عن یمینہ و عن شمالہ الخ" (ریاض الصالحین: ص:۳۶۹، وکتاب الاذکار: ص:۱۴۵) ایک روایت میں ہے آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے چار تکبیریں کہیں اور ایک ساعت ٹھہرے رہے حتی کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ وہ پانچویں تکبیر بھی کہیں گے مگر پھر انہوں نے دائیں اور بائیں سلام پھیر دیا حضرت امام بیہقیؒ اس روایت پر یوں باب قائم کرتے ہیں باب ماروی فی الاستغفار للمیت والدعاء لہ مابین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام (سنن الکبریٰ، جلد:۴، ص:۴۲) وہ باب جس میں ان کا ذکر ہوگا میت کے لئے چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا اور استغفار کرنا چاہئے اس روایت سے نماز جنازہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد کی دعا ثابت کرنا جہالت یا خیانت پر مبنی ہے۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ حضرت علیؓ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔ (جاء الحق: ص:۲۶۳)

جواب: یہ بھی خاں صاحب کی کوتاہ فہمی کا ایک کرشمہ ہے ورنہ بیہقی کی روایت

میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک نماز جنازہ پڑھائی اور چند حضرات نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکے فقالوا یا امیر المؤمنین لم نشهد الصلوة عليه فصل بهم فكان امامهم قرظة بن كعب (سنن کبریٰ: جلد:۴،ص:۴۵) انہوں نے کہا اے امیر المومنین ہم اس کے جنازے میں شریک ہو سکتے ہیں تو انہوں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی انکے امام قرظہ بن کعب تھے۔ دوسری روایت میں آتا ہے فجاء قرظة بن كعب واصحابه بعد الدفن فامرهم ان يصلوا عليه (سنن الکبریٰ، جلد:۴،ص:۴۵) قرظہ بن کعب اور انکے ساتھی دفن کے بعد آئے اور انہوں نے ان کو صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اس روایت سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ دوبارہ جنازہ پڑھنا یا دفن کے بعد جنازہ پڑھنا ہے اس مقام پر اس کا جھگڑا نہیں ہے پس اس روایت سے دعا بعد الجنازہ اور قبل الدفن کا اثبات بالکل بے بنیاد امر ہے۔

پانچویں دلیل کا جواب

خاں صاحب نے مبسوط شمس الائمہ کے حوالے سے یہ کہا کہ عبداللہ ابن عمرؓ ایک جنازہ پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا: "ان سبقتمونی بالصلوة عليه فلا تسبقونی بالدعاء" اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعاء میں تم مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔ (جاء الحق: ص:۲۶۳)

جواب: اس روایت سے خاں صاحب کا اس سلسلے میں استدلال کرنا باطل ہے اس لیے کہ اس میں کوئی جملہ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو کہ "آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو" یہ خاں صاحب کی ذاتی اور خانہ زاد اختراع ہے جو کہ ہرگز قابل التفات نہیں، یہ دعاء کب ہوئی دفن سے قبل یا بعد؟ قبرستان میں یا مسجد میں یا گھر میں؟ اس روایت میں اس کی کوئی تعیین نہیں ہے پھر اس کی بھی کوئی تعیین نہیں ہے کہ اس میں سبقت زمانی یا کیفی اور کمی؟ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر چہ میں نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکا مگر میں کثرت سے ایسی پر اخلاص دعا کروں گا کہ اس کی تلافی ہو جائے گی اور اس میں تم مجھ سے ہرگز سبقت نہیں لے جا سکتے۔

چند شکوک وشبہات کا ازالہ

خاں صاحب نے طحاوی کے حوالے سے یہ کہا کہ "جب امام ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے"۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۴)

جواب: امام اعظمؒ پر جو ختم قرآن کیا گیا تھا وہ صرف دفن سے قبل نہیں بلکہ نماز جنازہ سے بھی قبل ستر ہزار بار قرآن ختم کیا گیا اور یہ مسئلہ ہمارے یہاں بھی متفق علیہ ہے کہ جب کوئی انتقال کر جائے تو نماز جنازہ سے قبل لوگ جتنا چاہیں قرآن و دعاء پڑھیں، نہ کہ بعد الجنازہ قبل الدفن. پس امام اعظمؒ کا بھی یہی حال ہوا تھا کہ ان پر جو بھی قرآن اور دعاء پڑھی گئی تھی وہ قبل الدفن اور قبل الصلوٰۃ پڑھی گئی۔

پھر خاں صاحب نے کشف الغمہ اور میزان کبریٰ وغیرہ کی عبارت پیش کی کہ "تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت بہتر ہے یعنی تمام عبارتیں اسی بات پر دال ہیں کہ تعزیت دفن سے پہلے اولیٰ ہے۔ (جاء الحق، ص: ۲۶۴)

جواب: تعزیت للنفسہ دعاء نہیں ہے بلکہ تعزیت تو اظہار افسوس کا نام ہے یعنی کسی کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس میت کے حسن واخلاق کو بیان کیا جاتا ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ بعد نماز جنازہ اور قبل الدفن دعاء کرنا جائز ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے "مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ" کے حوالے سے ایک حدیث پیش کی کہ حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے بعد کیوں دعا نہ کی جاوے۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۵)

جواب: حضور اکرم ﷺ کے فرمان مذکور کے مصداق جملہ پانچوں وقت کی نماز مفروضہ وغیرہ ہیں جن کے اندر رکوع وسجود ہیں اور اس سے نماز جنازہ ہرگز مراد نہیں لیا جا سکتا، کیوں کہ نماز جنازہ بالکلیہ فرض نہیں؛ بلکہ فرض کفایہ ہے بہر حال حضورؐ کے مذکورہ قول سے مراد اگر نماز جنازہ بھی ہوتی تو صحابۂ کرام تابعین، تبع تابعین ضرور اس راہ پر گامزن رہتے لیکن آج تک کسی نے بھی ایسا نہیں کیا کہ بعد صلاۃ الجنازہ اور قبل

الدفن میت کے لیے دعائیں کی ہوں پھر خاں صاحب نے حدیث پیش کی الدعاء ھو العبادۃ اور آگے الدعاء مُخُّ العبادۃ کہ دعا عبادت بھی ہے، یا دعا اصل عبادت ہے۔ (جاء الحق، ص: ۲۶۵)

جواب: یہاں پر دعاء کو عبادت یا اصل عبادت قرار دیا ہے، تو کیا بعد صلاۃ الجنازہ (میت کے لئے) عبادت بھی کی جائے گی؟ پس اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ خاں صاحب کے یہاں میت کی نماز کے بعد لوگ سجدہ میں گر جائیں۔ بہر حال یہاں دعاء کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ دعاء کریں لیکن بعد صلاۃ الجنازہ اور قبل الدفن نہ بالجہر دعا ہے اور نہ نعت خوانی وقوالیاں کیوں کہ یہ بدعت ہے۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات

یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے نیز یہ دعاء شرک اور بے دینی ہے، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول وفعل مبارک سے ہو چکا ہے نیز صحابہ کرامؓ کا اس پر عمل رہا، فقہاء نے اس کی اجازت دی جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گذر چکی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ بدعت ہے تو بھی ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ (جاء الحق: جلد: ۱، ص: ۲۶۵)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ یہ بدعت نہیں ہے مزید یہ بھی کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل مبارک سے ثابت ہو چکا ہے تو میرا جواب یہ ہے کہ یہ بدعت ہے اور آپ نے جو ماقبل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال یا صحابہ کرام یا فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت کیا تھا، سو اس کی تردید وجوبات بھی گذر گئے اور مزید تردید یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کُلُّ بدعۃٍ ضلالۃ وکل ضلالۃٍ فی النار" اسی طریقے سے امام ابوبکر بنؒ حامد الحنفیؒ فرماتے ہیں:

"ان الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ" مکروہ (محیط باب الجنائز) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے قارئین کرام اب آپ پر فیصلہ موقوف ہے کہ اگر بعد صلوۃ

الجنازہ دعاء جائز ہوتی تو کیا امام ابوبکرؒ یہ فرماتے کہ یہ دعا مکروہ ہے؟

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

نماز جنازہ میں خود دعاء ہے پھر دوبارہ (قبل الدفن المیت) دعا مانگنا بدعت ہے پس پہلی دعاء کے بعد قبل الدفن دعاء نہیں مانگ سکتے ہیں البتہ بعد الدفن مانگیں اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعاء ہے، نماز استخارہ، نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعاء کے لیے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے الخ۔ (جاء الحق ص: ۲۶۵)

رد: دعاء مانگنا کوئی بری چیز نہیں بلکہ دعاء انسان خوب خوب مانگے لیکن ہر ایک چیز کا موقع اور محل ہوتا ہے مثلاً جب انسان شادی کرتا ہے اور شب زفاف منانے جاتا ہے تو جب بیوی کے پاس پہلی ملاقات کے لیے جاتا ہے تو کیا وہاں پر رو رو کر دعا مانگنے لگے ہرگز نہیں: بلکہ وہاں پر موقع ہے اپنی خواہشات کو مکمل کرنے کا ہاں جب خواہشات مکمل ہو گئیں تو پھر تمام ضروریات سے فراغت کے بعد دعاء کریں، پس یہی مثال ہے میت کی کہ جنازہ کی نماز سے پہلے دعاء کریں پھر بعد الدفن دعاء کریں اس میں کوئی مضائقہ نہیں، رہا سوال خاں صاحب کا کہ انہوں نے دیگر نمازوں پر صلوٰۃ جنازہ کو قیاس کیا ہے، سو یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے، کیوں کہ دیگر نمازوں میں رکوع وسجود ہیں لیکن اس میں نہیں اسی طرح نماز ظہر عصر مغرب عشاء فجر وغیرہ کو لوگ خوشی ومسرت سے پڑھتے ہیں اس میں غمی کا شائبہ بھی نہیں رہتا لیکن صلوٰۃ جنازہ میں لوگ غموں کے سمندر میں تیرتے رہتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ اگر لوگ بعد صلاۃ الجنازۃ دعاء میں مصروف ہو جائیں گے تو جنازے کو دفنانے میں تاخیر ہوگی اور ممکن ہے کہ میت کا پیٹ پھٹ جائے اور بدبو آنے لگے پس انہیں تمام وجوہات کی بناء پر بعد الدفن دعاء میں مصروف ہوں تو بہتر ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے حدیث پیش کی اکثر الدعاء کہ دعاء بکثرت مانگنا چاہیے تو اس سے مراد ہے کہ قبل صلاۃ الجنازہ اور بعد الدفن نیز پوری زندگی خوب خوب دعا مانگو۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے یہ حرام (ناجائز) ہے لہٰذا یہ دعا بھی حرام (ناجائز) ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لیے کہ آپ تو اس دعاء کو بہر حال منع کرتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں، تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہو اور نماز جنازہ ہو جائے تو اس وقت دعا وغیرہ پڑھیں یا نہیں۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۶)

رد: خاں صاحب نے قبر کے جلد تیار نہ ہونے پر قیاس کیا یا اسی طرح کوئی حادثہ ہو گیا کہ قبر ناپید ہو گئی تو اب کیا کریگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے واقعات شاذ و نادر ہیں یعنی یہ سب باتیں کبھی کبھی پیش آتی ہیں، لہٰذا اس کو شاذ و نادر کے تحت رکھا جاوے گا اور شاذ و نادر کے سلسلے میں معدوم کا فتاویٰ دیا جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ سور کا گوشت کھانا حرام ہے لیکن جب انسان کی جان جانے والی ہو اور امید قوی ہے کہ اگر سور کا گوشت کھائیگا تو جان بچ جائیگی تو اس سلسلے میں فیصلہ اور فتویٰ یہ ہے کہ انسان اس حرام کو کھا کر جان بچالے، پس اس کا مطلب یہ نہیں کہ حرام کھانا ہمیشہ کے لیے جائز ہے۔ پس مذکورہ صورت کو دائمی پر قیاس کرنا غیر دانش مندی کی علامت ہے۔ اسی طریقے سے دوسرے اہم وجوہات کی بنیاد پر جنازہ کو دفن کرنے میں تاخیر کرنا جائز ہے۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

نماز جنازہ کے بعد دعا کو فقہاء منع کرتے ہیں چنانچہ (۱) جامع الرموز میں ہے "لایقوم داعیاً لہ" نماز کے بعد دعا کے لیے نہ کھڑا رہے (۲) ذخیرۃ کبریٰ اور محیط میں ہے "لایقوم بالدعاء بعد الصلوۃ الجنازۃ" نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے نہ کھڑا رہے (۳) عالمگیری میں ہے "لایدعوا بعدہٗ فی ظاھر المذھب" اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں (۴) مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے "ولایدعو اللمیت بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہٗ یشبہ الزیادہ فی صلوٰۃ الجنازۃ" نماز جنازہ کے بعد

میت کے لیے دعا نہ کرے کیوں کہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے (۵) کشف الغطاء میں ہے کہ نماز کے بعد دعاء کے لیے کھڑا نہ رہے کیوں کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے (۶) جامع الرموز میں ہے "ولایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ" نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے کھڑا نہ رہے کیوں کہ یہ زیادتی مشابہ ہے ابوبکر ابن حامد سے مروی ہے "ان الدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ مکروۃ" نماز جنازہ کے بعد دعاء مکروہ ہے (۷) جامع الرموز میں ہے "ولایقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ لانہ تشبہ الزیادۃ" نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے نہ کھڑا ہو کیوں کہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء وغیرہ ناجائز ہے ان تمام دلائل اور شیر ببر کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اس دعاء سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوالخ تیسرے اسی طرح صف بستہ نماز میں دعاء کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے کہ نماز ہو رہی ہے الخ نیز خاں صاحب نے تفصیلی جواب بھی دیا ہے لیکن اجمالی اور تفصیلی کا مفہوم ایک ہی ہے۔ (جاء الحق: ص: ۲۶۷ تا ۲۶۸)

رد: (۱) پہلی تردید یہ ہے کہ مذکورہ جملہ دلائل کے اندر نہ چوتھی تکبیر اور نہ زیادہ لمبی دعاء اور نہ صف بندی کا ذکر ہے۔ نیز ذکر تو درکنار اس کی ذرۃ برابر علامت بھی نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اصل معنی سے دوسرے معنی کی طرف منتقل ہونے کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو تو دوسرا معنی مراد لینا یا مفہوم مراد لینا درست ہوتا ہے؛ لیکن خاں صاحب دوسرے مفہوم کی طرف منتقل ہوئے اور کہتے ہیں کہ چوتھی تکبیر یا معنی دعاء یا صف بندی کی وجہ ممانعت ہے سو ان کے پاس نہ قرینہ ہے اور نہ قیاس، لہٰذا خاں صاحب کا جواب مردود ہے ہاں قرینہ و قیاس ان کے مخالف میں ضرور ہے کہ اگر مردہ کو دفن کرنے سے تاخیر کریں گے تو مشقت اور پریشانی بڑھ جائے گی حالانکہ دین میں نہ پریشانی ہے اور نہ مشقت جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لا اکراہ فی الدین" اور پریشانی بایں معنیٰ بڑھے گی کہ میت کا پیٹ پھٹ سکتا ہے اور دیگر حادثات لاحق ہو سکتے ہیں۔

رد: (۲) خانصاحب نے جو ہمارے دلائل کا غلط سلط جواب دیا تھا سو اس جواب کی دوسری تردید یہ ہے کہ خاں صاحب نے دلائل مذکورہ میں جامع الرموز کا تین مرتبہ حوالہ دیا ہے ان کے قائم کردہ نمبروں کے لحاظ سے (۱ر۶ روے ر،) حالانکہ (۱) کی عبارت تو جامع الرموز جلد ۱، ص ۱۲۵، کی ہے اور ۲ روے ر کی عبارت ہی جامع الرموز کی نہیں ہے خدا جانے انہوں نے کس رسالہ یا اخبار سے بدحواسی میں یہ نقل کر دیا ہے؟ کیا ان کی تحقیق ہے؟

نماز جنازہ کے بعد دعا صحیح نہیں

کسی مسلمان کی وفات کے بعد اس کے عزیز و اقارب اور دوست و احباب اس کو جو بہترین تحفہ بھیج سکتے ہیں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کر سکتے ہیں وہ اس کے حق میں دعاء کرنا ہے، انفرادی طور پر جس وقت بھی کوئی چاہے اس کی وفات کے بعد اس کے لیے دعا کرے اس میں کوئی قباحت اور خرابی نہیں بلکہ نصوص شرعیہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے لیکن بصورت اجتماع میت کے لیے دعا کرنے کا ثبوت صرف نماز جنازہ کی صورت میں اور قبر پر تلقین شرعی کی شکل میں ہے اس کے علاوہ جہاں شریعت نے اجتماعی صورت میں دعاء کا طریقہ نہیں بتلایا وہ درست نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ، صحابہ کرامؓ تابعین، تبع تابعینؒ نے ایک دو نہیں سینکڑوں! بلکہ ہزاروں جنازے پڑھے اور پڑھائے مگر یہ کسی سے ثابت نہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اجتماعی صورت میں دعا مانگی ہو۔ لہٰذا اجتماعی شکل میں یا نماز جنازہ کے متصل بعد دعا ثابت کرنا افسوس ناک مغالطہ یا قلت تدبر کا حیرت ناک مظاہرہ ہے، اس کی تفصیل گذر چکی ہے کہ احکام عامہ سے امور خاصہ کا اثبات درست نہیں! بلکہ ایک عیارانہ مغالطہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف نے نماز جنازہ کے بعد دعاء کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مکروہ کہا ہے (۱) چنانچہ امام ابوبکرؒ بن حامد الحنفیؒ فرماتے ہیں "ان الدعا بعد صلاۃ الجنازہ مکروہ" (محیط باب الحدائق) نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے (۲) امام شمس الائمہ حلوانی الحنفیؒ (المتوفی ۴۵۲ھ) اور بخاری کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علامہ سعدی الحنفیؒ (المتوفی ۴۶۱ھ) فرماتے ہیں "لایقوم الرجل بالدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ"

(فقہ، جلد ۱، ص:۵۶) نماز جنازہ کے بعد دعاء کے لیے کوئی آدمی کھڑا نہ ہے (۳) امام ظاہر احمد البخاری الحنفی (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں "لایقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوۃ الجنازۃ وقبلها" (خلاصۃ الفتاوی، جلد:۱، ص:۲۲۵) نماز جنازہ کے بعد اور اس طرح اسی سے قبل میت کے لیے قرآن پڑھ کر دعاء نہ کی جائے (۴) علامہ سراج الدین اوزجی الحنفی لکھتے ہیں کہ "اذا فرغ من الصلوۃ لایقوم بالدعاء (فتاوی سراجیہ، ص:۲۳) جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعاء کے لیے نہ ٹھہرے۔

مُقدّمۃ

بحث مزارات پر عمارت، گنبد بنانا

خاں صاحب نے اپنی کتاب میں اب باب قائم کر رہے ہیں کہ مزارات اولیاء اللہ پر عمارت بنانا درست ہے حالانکہ اس بات کے ثبوت میں نہ تو احادیث موجود ہیں اور قرآن البتہ خاں صاحب نے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے احادیث کے ساتھ خیانت کی ہے جیسا کہ احقر آگے چل کر نشاندہی کریگا، لیکن ہم اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے موافق بالکل صریح احادیث موجود ہیں کہ مزارات پر عمارتیں بنانا ناجائز ہی نہیں؛ بلکہ اس عمل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پس خاں صاحب نے صفحہ ۲۶۹ پر عنوان قائم کیا ہے کہ مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا، حالانکہ میرا کہنا ہے کہ وہ کتب احادیث کے کسی ایک عبارت سے بھی ثابت نہیں کر سکتے، البتہ میرے پاس مذکورہ بات کی نفی کے تحت احادیث کے انبار لگے ہوئے ہیں جیسا کہ احقر بیان کرنے والا ہے۔ پھر خاں صاحب نے ص ۲۶۹ پر یہ کہا کہ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا قبر بنانا منع ہے حالاں کہ انسان مرنے کے بعد ایک ہی صف میں ہوتے ہیں لہٰذا اگر تم مزارات اولیاء اللہ کو پختہ بناتے ہو تو عامۃ المسلمین کی قبروں کو بھی پختہ بناؤ ورنہ دونوں کی قبروں کو پختہ قبر بنانا چھوڑ دو۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت اور اسکے جوابات میں

خاں صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ مزارات اولیاء اللہ پر عمارت وگنبد بنانا سنت ہے اب اسی دعوے کے تحت خاں صاحب سب سے پہلی دلیل بیان کر رہے ہیں بحوالہ مشکوٰۃ کہ جب حضور ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا اور فرمایا کہ "اعلم بها قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی" کہ ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔ (جاء الحق: جلد ۱: ص ۲۷۰)

جواب (۱) قارئین کرام حدیث مذکورہ سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی انتقال کر جائے تو صرف نشاندہی کے طور پر سرہانے میں ایک پتھر نصب کر دیا جائے پس اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزار کو پختہ اور گنبد نما بنانا درست ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو یہ عمل فرمایا تھا محض عارضی طور پر یعنی ایک دو ماہ کے لیے چنانچہ دوسری کتب میں یہ عمل ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے "لامستقلة هذا العمل" کہ حضور اکرم ﷺ کا مذکورہ عمل کوئی مستقل طور پر نہیں تھا بلکہ عارضی طور پر تھا لیکن خاں صاحب جو عمل کرتے ہیں وہ دائمی کے لئے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مذکورہ عمل محض اس بناء پر کیا تھا کہ حضرت عثمان کی قبر مٹ نہ جائے؛ اور اسی اثناء میں اگر ہمارے اہل بیت انتقال ہو جائیں تو ان کو وہیں دفن کیا جائے اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ صرف نشاندہی کے لیے سرہانے میں پتھر رکھ سکتے ہیں! نہ کہ عمارت وگنبد بنایا جائے؟

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے بخاری کے حوالے سے یہ کہا کہ حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ عثمان میں تھے کہ ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو کہ عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ

جاتا۔ بالآخر خاں صاحب کو پہلی مشکوٰۃ کی حدیث اور دوسری مذکورہ مشکوٰۃ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سر کی طرف اس کو (پتھر کو) لگایا ہے۔ (جاء الحق، ص: ۲۷۰)

جواب: اس بات کی وضاحت بالکل نہیں ملتی کہ حضور اکرم ﷺ نے پتھر قبر سے کتنی دوری پر نصب فرمایا لیکن تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال خاں صاحب کی بات تسلیم کرتے ہیں کہ پتھر قبر ہی میں سر کی طرف نصب فرمایا تو پھر بھی اس سے خاں صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جب قبر ہی کے اندر ایسا کیا گیا تو پھر نشان کہاں باقی رہا جب نشان باقی نہیں رہا تو پھر استدلال کرنا کیسے درست ہوگا۔ پھر یہی کہا جاوے گا کہ قبر کے کچھ فاصلے پر ایسا کیا گیا، نیز اس سے عمارت یا گنبد کا ثبوت نہیں ملتا۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ یا مطلب یہ کہ ساری قبر اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ (جاء الحق، ص: ۲۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مذکور کا جو مفہوم بیان کیا ہے درست نہیں۔ بایں معنی کہ جب عثمان بن مظعون کی قبر کو پھلانگ نے کا ذکر خود آیا ہے تو پھر پوری قبر کے اندر عمارت بننے کا کیا سوال ہوتا ہے؟ اگر پوری قبر کے اندر پتھر نصب ہوتا تو پھلانگنا محال ہو محال ہے، پس معلوم ہوا کہ ایک یا دو کلو کا پتھر صرف سرہانے میں حضور اکرم ﷺ نے نصب فرمایا تھا۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ بخاری کی حدیث مذکور سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ صحابۂ کرام مزار کے ساتھ کود پھلانگ کیا کرتے تھے جس سے قبر پوجنے کی نفی ہوتی ہے یعنی اگر اس دور میں قبر پر عمارت یا گنبد بنانے کا رواج ہوتا تو قبر پر پھلانگ مارنے کی کیا ضرورت تھی۔

تیسری دلیل کے جوابات

مشائخ کرام، اولیائے عظام، علماء کرام کے مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے اس کا ثبوت قرآن کریم و صحابۂ کرام اور عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے

فرمایا قال الذین غلبوا علیٰ امرھم لنتخذنّ علیھم مّسجداً وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے الخ (جاء الحق: ص: ۲۷۰ تا ۲۷۱)

جواب، خاں صاحب نے اصحاب کہف کے واقعہ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ کم علمی پر مبنی ہے بایں معنی کہ یہاں پر عمارت بنانے والے کوئی اہل ایمان نہ تھے بلکہ نصاریٰ کی جماعت نے عمارت بنائی تھی اور نصاریٰ کا فعل ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے، بلکہ قابل مذمت ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے مکان یا مسجد صحیح بنائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس زمانے میں اصحاب کہف کا وجود ہوا تھا اس دور کے اندر لوگوں کے درمیان اختلاف تھا کہ بعث بعد الموت صحیح ہے یا نہیں؟ تو بعض لوگ پر زور انداز میں اس کے منکر تھے اور بعض لوگ اس کے قائل تھے کہ بعث بعد الموت صحیح ہے اور اس بات کے قائل اس دور کے بادشاہ بھی تھے پس باری تعالیٰ نے ان تمام متنازع اختلافات کی تردید کرتے ہوئے اصحاب کہف کا واقعہ پیش کیا کہ واقعتاً بعث بعد الموت صحیح ہے نیز اسی بعث بعد الموت کے ثبوت میں مسجد یا عمارت بنائی گئی۔ لیکن آپ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات کو عمارت بناتے ہیں سو کیا وہاں بھی کوئی اہل ایمان بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ وہاں جو عمارت بنائی گئی سو اس پر نہ تو کوئی مجاور ہے نہ کوئی قبر سے مانگنے والا، اور نہ اس کا رواج ہے، لیکن آپ حضرات جو مزار بناتے ہیں محض چادریں چڑھانے کے لیے یا قبر پوجنے کے لیے سو یہ درست نہیں۔

پھر آگے خاں صاحب نے روح البیان کے حوالے سے یہ بات پیش کی کہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو اس کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں جیسے کہ حضور ﷺ کی قبر چار دیوار سے گھیر دی گئی الخ (جاء الحق: ۲۷۱) اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے قبل احقر بیان کر چکا ہے کہ اصحاب کہف پر دیوار محض اس بناء پر بنائی گئی کہ منکرین بعث بعد الموت سے نصیحت حاصل کریں اور بعث بعد الموت کے قائل ہو جائیں، اور اس وجہ سے دیوار نہیں بنائی گئی کہ لوگ اس پر

چادریں چڑھائیں، اگر ایسی بات ہوتی تو کتب تفاسیر خاموش نہ ہوتی لیکن آج تک کسی بھی کتاب سے یہ ثابت نہ ہو سکا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر عمارات بنائیں اور چادریں چڑھائیں، اب رہی بات حضور اکرم ﷺ کی قبر کی تو اس پر نہ مستقل اور شان بان کے ساتھ عمارت ہے اور نہ دیواریں نہ شیشے کے عالی شان گنبد البتہ نشان کے طور پر مزین ہے لیکن اس سے استدلال کرنا بھی غلط ہے کیوں کہ وہ نبی آخر الزماں ہیں اور ہم ان کے غلامان ہیں لہٰذا ان پر امت کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

چوتھی دلیل کا جواب

پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ "حضور اکرم ﷺ کو حضرت صدیقہؓ کے حجرے میں دفن کیا گیا اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے پھر دفن کرتے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر، ولید ابن عبد الملک اسی طرح عبد اللہ ابن زبیر کے زمانہ تک حضور اکرم ﷺ کے مزار مبارک کو پکی اینٹ اور پتھروں سے سجایا گیا۔ اگر آپ کہیں گے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق اکبرؓ بھی دفن ہیں حضرت عمر فاروقؓ بھی دفن ہیں الخ۔ (جاء الحق، ص: ۲۷۱ تا ۲۷۲)

جواب: یہ بات متحقق ہے کہ وہ عمل حضور اکرم ﷺ اور ان کے اصحاب کی خصوصیت ہے رہا سوال کہ صحابہ کرامؓ کی خصوصیت کیسے اور کیوں؟ پس اس کا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے انہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (۲) کرم اللہ وجہہ (۳) اور اصحابی کالنجوم (۴) خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم وغیرہ جیسے سندات سے سرفراز فرمایا۔ کیا خاں صاحب کے لیے بھی منفرداً منجانب اللہ کچھ کہا گیا ہے؟

پانچویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے زیر آیت "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ" کے تحت روح البیان کی عبارت پیش کی، کہ علماء، اولیاء، صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جب کہ اس سے لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا مقصود ہو، تا کہ لوگ اس

قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔ (جاء الحق: ص:۲۷۳)

جواب: یہاں پر عمارت سے مراد یہ نہیں کہ قبروں کو عالی شان گنبد نما اور لمبی چوڑی عمارت کی شکل میں بنایا جائے؛ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قبر کے مسمار ہونے کا اندیشہ ہو تو تھوڑا سا پتھر جو کہ صرف دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ ہاں یہاں قبر ہے اس کو نصب کر دیا جائے جیسا کہ آج ہمارے علماء دیوبند کے مزارات پر کیا ہوا ہے۔ (مزار قاسمی دیوبند، وغیرہ)

جواب (۲) جلالین شریف جلد ا ص ۱۵۶ پر دیکھئے کہ اس مذکورہ آیت کے تحت عمارت بنانے کے سلسلے میں صاحب جلالین خاموش ہیں۔ پس اگر عمارت بنانی جائز ہوتی تو لازماً اس کا تذکرہ صاحب جلالین کرتے۔ پھر آگے خاں صاحب نے مرقات شرح مشکوٰۃ کے حوالے سے یہ عبارت پیش کی کہ "پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تا کہ ان کی لوگ زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں" (جاء الحق ص ۲۷۲)

جواب: خاں صاحب نے مرقات کی عبارت کا خود ترجمہ کیا ہے کہ "پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا" الخ، یہاں پر یہ بات بالکل عیاں ہو رہی ہے کہ پہلے زمانے کے علماء نے کسی مصلحت کے تحت عمارت کے جواز کا فتویٰ دیا تھا لیکن یہ بات اب نہ رہی گویا کہ پہلے زمانے کے علماء کی بات منسوخ اور اس زمانے کے علماء کی بات ناسخ قرار پائی چنانچہ۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے "ولا یربع ولا یجصص ویکرہ ان یبنیٰ علی القبر" قبر کو مربع نہ بنایا جائے اور نہ اس کو پختہ کیا جائے اور قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے (عالمگیری مصری، جلد ۱، ص: ۱۷۶)

چھٹی دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے شامیؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ وقیل لایکرہ البناء الخ کہا گیا ہے کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے پھر درمختار کے حوالے سے یہ کہا لایرفع علیہ بناءٌ وقیل لاباس بہ

وھو المختار کہ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول پسندیدہ ہے۔ (جاء الحق، ص:۲۷۳)

جواب: قیل کے سلسلے میں خاں صاحب نے کہا تھا کہ یہ ضعف کی علامت نہیں ہے عند الفقیہ ٹھیک ہے، ہم مانتے ہیں کہ ضعف کی علامت نہیں لیکن آپ کو بھی یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ قیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے اور تحقیق شدہ بات بھی ہے کہ یہ اقوال شامیؒ کے ہیں اور نہ درمختار کے بلکہ ان کے معاصرین اور دوست احباب کے ہیں جو ہمارے نزدیک مستدل نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ قیل کے قائل کے اندر کون شخص ہے کیا وہ اہل اعلم ہے یا جاہل پتہ نہیں لہٰذا یہ دلیل قابل تردید ہے۔

جواب (۲) حافظ ابن ہمام الحنفی (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں ان النبی ﷺ نھی عن تربیع القبور وتجصیصھا کہ حضور اکرم ﷺ نے قبروں کے مربع (چوکور) بنانے اور ان کو پختہ بنانے سے منع کیا ہے (فتح القدیر، جلد:۱، ص:۴۷۲) اب لیجئے کہ ابن ہمام کے قول نے تو خاں صاحب کا بیڑا ہی غرق کر دیا، کہ حضور اکرم ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔

ساتویں دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے طحاوی علی مراقی الفلاح کے حوالے سے یہ بات پیش کی کہ مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں تاکہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو کچ نہ کی جاوے نہ گھنگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔ (جاء الحق، ص:۲۷۳)

جواب: خاں صاحب نے یہ کہا کہ مصر کے لوگ قبر پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں تاکہ وہ اکھڑنے سے محفوظ رہیں۔ تو اس بات کو ہم اہل سنت والجماعت بھی جائز کرتے ہیں کہ بطور حفاظت قبر کے مردوں کے سرہانے کی طرف تھوڑا سا پتھر رکھ دیا جائے، لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ قبروں کو گنبد نما یا باضابطہ عمارت بنانا جائز ہے، اسی طرح آگے خاں صاحب نے میزان کبریٰ کے حوالے سے یہ کہا کہ "اسی طرح

سے دیگر اماموں کا یہ کہنا بھی ہے کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اس کو پختہ کی جاوے باوجودیکہ امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔ (جاء الحق: ص:۲۷۳)

جواب: یہ عبارت ائمہ کرام کے درمیان بھی مختلف فیہ ہیں جیسا کہ خود خاں صاحب کے مذکورہ ترجمہ سے بات واضح ہو رہی ہے۔ گویا کہ مذکورہ عبارت مختلف فیہ ہے اور مختلف فیہ عبارت سے استدلال کرنا جہالت پر مبنی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ قبروں پر عمارت بنانا بالکل درست ہے البتہ امام اعظمؒ نے اپنے قیاس کے مطابق سختی اور نرمی فرمایا۔ سو یہ بات قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

جواب (۲) طحاوی علی مرقی الفلاح اور میزان کبریٰ کی عبارتوں کا دوسرا جواب یہ ہیکہ امام قاضی خان الحنفیؒ المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں کہ ولا یجصص القبر لما روی عن النبی ﷺ انه نهی عن التجصیص الخ. قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے قبر کے پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے سے اور قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ قبر پر عمارت بنانا ناجائز ہے ہاں بطور نشاندہی کے قلیل انداز میں سرہانے کی طرف (پتھر) رکھنا جائز ہے بشرطیکہ چادر وغیرہ چڑھانے کا ارادہ نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس جواب کے ذریعہ خان صاحب کی رجسٹری رد ہو جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ امام اعظم کے قول کی وجہ سے عقیدہ رجسٹری ہو گئی۔

الحمدللہ مذکورہ تمام جوابات سے یہ بات کالشمس علی نصف النہار ہو گئی کہ مزارات پر عمارت بنانا یا گنبد نما کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ اس بات کا مقتضی عقل بھی ہے کہ اگر مزارات پر گنبد نما یا عالیشان عمارت بنائی گئی تو لوگ بجائے مسجد کے قبر پوجنے لگیں گے جیسا کہ آج بھی حضرات بریلوی کے یہاں ایسا ہی ہوتا ہے کہ مسجد کو چھوڑ کر قبر پر چادر چڑھاتے ہیں پھول ڈالتے ہیں اور بالآخر سجدہ بھی کرتے ہیں اگر مشاہدہ کرنا ہو تو کلیر اور بریلی جا کر دیکھیں۔ اب رہی یہ بات جیسا کہ خان صاحب کہتے ہیں کہ اگر کسی قبر کو پختہ

لوگ دیکھتے ہیں تو اس کی عزت کرتے ہیں پس پختہ کرنا چاہئے۔ (جاء الحق: ص: ۲۷۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ ایسے بھی قبروں کی عزت کافی کرتے ہیں حتی کہ ہندو لوگ بھی دیکھ کر تعظیم کرتے ہیں، اور گنبد نما اور عمارت نہ بنانے سے لوگ اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ نیز لوگ جس طرح باحیات کی صورت میں بزرگان دین وعام وخاص کی عزت کرتے ہیں اس طرح مرنے کے بعد بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا عمارت وگنبد بنانے کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں مٹھائی کھانے کی خواہش ہو اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان کی نافرمانی کرنے کی تمنا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، تمہارے اعمال تمہارے ساتھ ہمارے اعمال ہمارے پاس۔ پھر آگے خاں صاحب نے درمختار شامی وغیرہ کے حوالے سے یہ کہا کہ قرآن اور مسجد کو زینت بخشنی چاہئے جب قرآن اور مسجد حسن وجمال سے مزین ہوتی ہیں تو لامحالہ مزارات کی بھی زیب وزینت ہونی چاہیے۔ (جاء الحق: ص: ۲۷۵)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ کوئی قرآن کو معبود نہیں سمجھتا، یا اس کو عالم الغیب، حاضر وناظر یا مختار کل تصور نہیں کرتا اور نہ اس میں روح ہے لہٰذا اسے لیکر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اب رہی بات مسجد کی تو مسجد عبادت گاہ ہے اور مسجد کا تذکرہ قرآن واحادیث میں کافی آیا ہے نیز مسجد بنانے پر تاکید بھی آئی ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّما یعمر مسجد اللّٰہ مَنْ اٰمَنَ باللّٰہ پس عبادت گاہ کو زینت بخشنا کوئی بری شئی نہیں ہے لیکن مزارات پر عمارت بنانا بری شئی ہے۔ لہٰذا یہ حرام ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ لیکن اب بھی لوگ پختہ مکان بناتے ہیں پس تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ (جاء الحق: ص: ۲۷۵)

جواب: اس دور کے اندر یا حضور اکرم ﷺ کے بعد جو لوگ پختہ مکان بناتے تھے یا بناتے ہیں وہ بدعت کے اندر شامل نہیں ہے جیسا کہ اس سے قبل احقر نے علماء کی

کتابوں کے حوالے سے بدعت کی تعریف کی تھی کہ بدعت صرف وہ امور دینیہ ہیں (نہ کہ دنیاویہ) جو حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے بعد ایجاد کئے گئے ہیں؟ اب غور کیجئے کہ بدعت کی تعریف سے مکان عمدہ عمدہ بنانا خارج ہو گیا یا نہیں؟ کیوں کہ یہ امور دنیویہ میں شامل ہیں نہ کہ دینیہ سے ہیں اور مزارات وغیرہ پر عمارت بنانا چادریں چڑھانا پھول رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ امور دینیہ ہیں جیسا کہ خاں صاحب بھی اس کے قائل ہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار ۔ لیکن خاں صاحب نے اس حدیث پر اشکال بھی کیا تھا سو احقر بحث بدعت میں اس کا جواب دے چکا ہے۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ مزار پر عمارت بنانا یا گنبد نما کرنا صحیح ہے کیوں کہ یہ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو لوگ بھی مزار پر آتے ہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دور کے اندر اب ایسا کوئی غیر مسلم نہ رہا کہ وہ ایمان لے آئے بجائے اسلام کو نقصان پہنچانے کے (الا ماشاء اللہ) کیوں کہ آج ہندو بجائے تعظیم مزار کے اس پر تنقید کرتے ہیں لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے، اب رہی بات یہ کہ رافضی ایمان لائے تھے سو وہ مزار کی عمارت یا قبہ گنبد دیکھ کر نہیں بلکہ یہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی تبلیغ اور ان کے اخلاص و نیت کا نتیجہ تھا۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ اب کفار مسلمانوں کے اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں لہٰذا چاہئے کہ ہر قبرستان میں دو تین پختہ قبریں ہوں تا کہ کفار کا قبضہ قبرستان پر نہ ہو سکے۔ (جاء الحق: ص: ۲۷۶)

جواب: اگر کفار قبضہ کرنا چاہیں تو وہ اپنے ظلم و تشدد کی بناء پر مزارات کو بھی ھبا منثورا کر کے قبضہ کر سکتے ہیں جیسا کہ ہندوستان ہی کے اندر تمام حضرات کا مشاہدہ ہے کہ بابری مسجد عالیشان تھی لیکن پھر بھی کفار نے اسے توڑ کر قبضہ کر لیا ہے۔ لہٰذا مزار پر عمارت بنانا یا گنبد بنانا، یہ کم دینی کمزوری کی علامت ہے اور ایسے لوگوں پر باری تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مزارات کی حفاظت کے لیے بطور نشاندہی کے صرف سرہانے کی طرف پتھر رکھنا درست ہے جیسا کہ

ماقبل میں بیان ہو چکا ہے اور یہی حفاظت کے لیے کافی ہے۔

خاں صاحب نے کہا کہ میں نے اپنے وطن میں مزارات بنتے دیکھے ہیں اس کا سوا اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مدینہ، مکہ، سمرقند، نیشاپور وغیرہ میں دیکھا ہے کہ کسی بھی مزار پر نہ باضابطہ عمارات ہیں اور نہ گنبد نما، لہٰذا مدینہ، مکہ، سمرقند، نیشاپور کی بات معتبر ہوگی نہ کہ خاں صاحب کے وطن کی بات۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان تمام امور سے تاجدار بطحی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ نے منع فرمایا ہے چناں چہ ارشادِ رسول ﷺ ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ قال نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر وان يبنى عليه وان يقعد عليه (مسلم: جلد: ۱، ص: ۳۱۲، مشکوۃ: جلد، ۱: ص: ۱۴۸) آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے (یعنی مجاورین کو بیٹھنے سے) منع کیا ہے جب خود امام الانبیاء سید الرسل ﷺ نے اس سے منع کیا ہے تو کون بے دین ہے جو آپ ﷺ کی منع کی ہوئی چیز میں کوئی مصلحت اور فائدہ ثابت کر سکے منھ کے ساتھ بات بنانے اور قلم خواہش کے ساتھ کچھ لکھ دینے کا نام ثبوت نہیں۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں حالانکہ اس مسئلہ پر ہمارے دلائل و اعتراضات لاتعداد اور لاتحصیٰ کے مثل ہیں، جیسا کہ احقر کچھ بیان کر چکا ہے اور بیان کر رہا ہے۔

بہر حال خاں صاحب نے ہماری پہلی دلیل بیان کی نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبور وان يُبنىٰ عليه وان يقعد عليه حضور ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔ نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ يكره البناء على القبور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں، قبر کو پختہ بنانا، قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاورین کا بیٹھنا۔

اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ کیا جاوے، تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف، یا فخر کے لیے پختہ کیا جائے، یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لیے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے (جاء الحق ص ۲۷۶ تا ۲۷۷)

رد: پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیث سابق مطلق ہے کہ مزارات پر عمارت بنانا اور اس پر مجاور کا بیٹھنا ناجائز ہے اور اس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا نیز اس کے اندر کوئی قید نہیں لیکن خاں صاحب کی یہ عادت سابقہ ہے کہ ہر ایک چیز میں تصرف باطل کر بیٹھتے ہیں کبھی قرآن کے اندر تو کبھی احادیث کے اندر، کیوں کہ ابھی ابھی خاں صاحب نے تین صورتوں کو ممتنع کیا ہے سو اس کی حدیث میں قید نہیں ہے لہٰذا مطلقاً قبر پر عمارت بنانا گنبد نما کرنا اور مجاور کا بیٹھنا ناجائز ہے۔

رد: (۲) خاں صاحب نے پہلی شکل میں یہ کہا کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کرنے سے منع فرمایا اور دلیل میں کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ان یجصص القبور" اور نہ فرمایا علی القبور تو اس کا جواب ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ اگر حضور اکرمؐ کے فرمان سے مراد قبر کا اندرونی حصہ ہوتا تو ان یجصص فی القبور فرماتے! اب رہی بات کہ پھر علی القبور نہ فرمایا سو اس کا جواب۔

جواب (۳) ملاحظہ کریں۔ پھر خاں صاحب نے تیسری صورت بیان کی کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان سابق کا مطلب یہ ہے کہ قبر کو سجاوٹ اور فخر یہ طور پر نہ بنایا جائے تو اس کا جواب یہ ہیکہ خاں صاحب بریلی اور کلیر جا کر دیکھیں کہ خود یہ لوگ سجاوٹ اور فخر یہ طور پر مزارات بنائے ہیں یا نہیں کیوں کہ اس بات پر احقر کا مشاہدہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں اور دیگر حضرات کے مزارات شیشے اور پتھروں اور پھول پتیوں سے سجے ہیں جس کی وجہ سے لوگ وہاں کلمہ کیا پڑھیں گے بلکہ فاتحہ اور کلمہ بھول جاتے ہیں چنانچہ ہمارے استاذ محترم فرید العصر حضرت مولانا فرید الدین صاحب استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند ایک مرتبہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مزار پر

مشاہدے کے لیے تشریف لے گئے اور سوچا کہ ہم بھی سورۂ فاتحہ پڑھیں سو حضرت استاذ محترم اس سجاوٹ اور فخریہ کارناموں کو دیکھ کر کلمہ اور فاتحہ بھی بھول گئے۔ اور آخر کار حضرت لاحول کی ضرب لگاتے ہوئے واپس تشریف لائے۔ پس معلوم ہوا کہ خاں صاحب خود اس ممانعت میں شامل ہیں۔

رد: (۳) خاں صاحب نے حدیث سابق (نهى رسول الله ﷺ) کی تین طرح سے تاویل کی اور ان تاویلوں کی تردید کی گئی پھر خاں صاحب نے اس حدیث کی تردید میں اب تک اپنی کتاب میں کسی شرح کی عبارت نہیں پیش کی البتہ مختلف کتب کی عبارت پیش کر کے بھاگنے کی سعی کی ہے خیر حدیث سابق کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: والبناء عليه فان كان في ملك البانى فمكروه وان كان في مقبرة مسلمة فحرام نص عليه الشافعي والاصحاب قال الشافعي في الام ورايت الائمة بمكة يامرون بهدم مايبنى ويؤيد الهدم قوله ولا قبرا مشرفا الاسويته (شرح مسلم: جلد ۱، ص: ۳۱۲) قبر پر عمارت بنانا اگر وہ جگہ عمارت بنانے والے کی ملک میں ہے تو مکروہ ہے اور اگر عام مقبرہ میں ہے تو حرام ہے، حضرات امام شافعیؒ اور دیگر اصحاب نے صراحت سے بیان کیا ہے اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں تحریم فرمایا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اماموں کو قبر پر عمارت کو ڈھانے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے اور "ولا قبرا مشرفا" والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ خاں صاحب سے پوچھیے کہ حضرت امام شافعیؒ جو مکہ مکرمہ میں حضرات ائمہ کو قبروں پر عمارت ڈھانے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے، یہ کون امام تھے؟ کیا یہ نجدیوں اور وہابیوں کے امام تھے جو مکہ مکرمہ جیسی پاک سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں اور حضرات اولیا کرامؒ کی قبروں کی حضرت امام شافعیؒ کے زمانے میں توہین کرتے تھے۔

قارئین کرام! خاں صاحب نے، ص: ۲۷۷، پر مختلف عبارت پیش کی ہیں تمام عبارتیں ہمارے موافق اور خاں صاحب کی مخالفت میں عیاں ہیں پس غور کریں۔ اسی طرح خاں صاحب نے یہ کہا کہ بہت سے صحابہ کرامؓ نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں مثلاً فاروق اعظمؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کے گرد عمارت بنائی

سیدنا ابن زبیرؓ نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی الخ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنفیہ نے عبداللہ ابن عباسؓ کی قبر پر قبہ بنایا (بحوالہ منتقی) پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے مزار پر لوگ جاتے تھے اور اب بھی جاتے ہیں جن کے وہاں مجاور متعین ہیں کسی نے بھی ان کو ناجائز نہیں کہا (جاء الحق: ص: ۲۷۸ تا ۲۷۹)

رد: حضور اکرم ﷺ نبی، رسول، اور محسن امت، شہنشاہ کونین، شفیع محشر، سید الانبیاء، آخر الزماں ہیں پس عام لوگوں کا حضور اکرم ﷺ پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور ان کی تردیدات

مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے وعن ابی ھیاج الاسدی قال قال لی علیؓ الا ابعثک علی مابعثنی رسول اللہ علیہ السلام ان لا تدع تمثالاً الا طمستہ ولا قبراً مشرفاً الا سویتہ، ابوہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور ﷺ نے بھیجا تھا، وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو بخاری جلد: ۱: "کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر" میں ہے "ورای ابن عمر فسطاطاً علی قبر عبدالرحمٰن فقال انزعہ یا غلام فانما یظلہ عملہ ابن عمرؓ" نے عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اس کو علیحدہ کر دو۔ کیوں کہ ان پر ان کے عمل سایہ کر رہے ہیں ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہئے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علیؓ نے حکم دیا تھا وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی۔ (جاء الحق ص ۲۷۹ تا ۲۸۰)

رد: خاں صاحب نے جواب یہ دیا کہ جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علیؓ نے حکم دیا تھا وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ مسلمین کی تو اس کا رد یہ ہے کہ حدیث "نھی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر ان یبنی علیہ وان یقعد علیہ" اور اس حدیث کی

تائید میں امام نووی نے شرح کی (جیسا کہ احقر پہلے بھی بیان کر چکا ہے لیکن روانی میں پھر بیان کر رہا ہے) "والماء علیه فان کان فی ملک الباني فمکروه وان کان فی ملبرة مسلمة فحرام نص علیه الشافعي والاصحاب قال الشافعي في الام ورایت الائمة بمکة یامرون بهدم ما یبنی ویؤدالهدم قوله ولا قبرا مشرفا الاسویته" (شرح جلد ۱، ص ۳۱۲) قارئین کرام اب غور کریں کہ آخری جملے کے اندر امام نووی نے فرمایا کہ قبر کی حرمت اور مکروہ ہونے پر "ولا قبرا مشرفا" والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ اب مطلب یہ نکلا کہ حضرت علی کا حکم واقعتاً اس بات پر دال ہے کہ قبر کو ھامنثورا کرنا جیسا کہ ابھی شرح مسلم کی عبارت سے پتہ چلا کہ امام شافعی نے اس پر حرمت کا فتویٰ لگایا ہے نیز یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ امام نووی کی مذکورہ تشریح اور حضرت علی کا امر دونوں ہی اس پر ہیں کہ قبر پر عمارت وگنبد تو درکنار بلکہ ھامنثورا کر دیا جائے۔

نوٹ ضروری! کا جواب لازمی ہے

خیال صاحب نے نوٹ ضروری کا عنوان قائم کرکے یہ کہا کہ اس سے (ناقل) حدیث کو آلہا کرنے والوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے عمارات کو گرانے پر استدلال کیا ہے (ص ۲۷۶) پہلی اس کے جواب کے لیے امام نووی کا قول پھر سے "ولا نعرف بین علماء حرج منه وکرهه ان یحصص او یطین الی ان قال ان النبی ﷺ نهی عن تربیع القبور والجصیص قال محمد وبه نأخذ وهو قول ابی حنیفة" (کتاب آثار ص ۷۹ ط ۲) ہم آپ کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں اب ہم کہتے ہیں کہ نوٹ ضروری کے لکھنے والے نے یہ کہا ہے کہ (آگے ۔۔۔) اس لیے کہ جناب نے [illegible]

باقی امت مکمل بیدار رہیں گے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱) پھر آگے خیال صاحب نے یہ لکھا کہ عیسائی کی قبر اڑا دی گئی اور حضور ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو حکم دیا کہ انہیں اکھیڑ دی گئیں (اشعۃ اللمعات ص ۲۸۰) یہاں اس کا جواب ہو چکا کہ ہاں جس طرح عیسائی اور کفار و مشرکین کی قبروں کو اکھیڑ لینے کا حضور ﷺ نے حکم دیا تھا اسی طرح جملہ قبروں کو بھی برابر کر لینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ماقبل میں بحث گذر چکی ہے۔ پھر آگے خیال صاحب نے یہ لکھا کہ شیخ ابن حجر مکی فتح الباری، جلد ۳ ص ۲۱۰ میں فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ سے مشرکین کی قبریں اکھیڑ دی جائیں (باب) فرماتے ہیں یعنی ان کی قبروں کو اکھیڑ دیا جائے جن سے کہ ان کی قبر پرستی کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کی اجازت ہے الخ پھر آگے خیال صاحب نے لکھا کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ قبر کے ساتھ تعلق کیوں کرنے سے علماء نے قبر پرستی کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کی اجازت ہے الخ پھر آگے خیال صاحب نے لکھا کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کفار کی قبریں اکھیڑ دی جائیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر [illegible] اس لیے کیا ہے فرمایا ہے کہ [illegible] (اشعۃ اللمعات ص ۲۸۰)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

صاحب ہی فرمائیں کہ کیا آج کل مسلمانوں کے گھروں میں بھی فوٹو اور تصویریں ہوتی ہیں؟

د: (۴) خاں صاحب نے خوب کہا کہ اونچی قبروں کو زمین کے برابر کردو حالانکہ ہم علامہ ماردینی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ زمین کے ساتھ برابر کرنا مراد نہیں بلکہ معتاد قبروں کے ساتھ برابر کرنا مراد ہے۔

د: (۵) خاں صاحب کی یہ تحقیق بھی قابل داد ہے کہ قبر زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے نہ معلوم کہ یہ کس حدیث کا ترجمہ ہے کہ قبر زمین سے ایک ہاتھ اونچی ہو یہ بدایونی تحقیق بھی بہت ہی نرالی ہے پہلے سنن الکبریٰ اور عالمگیری کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ قبر صرف ایک بشر (بالشت) کے قریب اونچی ہونی چاہئے۔

د: (۶) لیجئے ہم ایک صحیح روایت پیش کرتے ہیں جس سے خاں صاحب اور اسی طرح ان حضرات کی بخوبی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی مذکورہ حدیث مشرکوں کی قبروں سے متعلق ہے چنانچہ مشہور و معروف تابعی حضرت ثمامہ بن شفی روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت فضالہ بن عبید المتوفی ۵۳ھ کے ساتھ روم کی سرزمین روس کے مقام پر تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا حضرت فضالہ نے ان کی قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے (مسلم: ج:۱، ص۳۲۔ نسائی: ج:۱، ص۲۲۱۔ ابوداؤد، ج:۱، ص:۱۰۵) پھر آگے خاں صاحب نے (ص:۲۸۱ تا ۲۸۲) پر لغو باتیں کی ہیں کیوں کہ ان عبارات سے صرف اولیاء اللہ کے مزارات کی تعظیم و توقیر عیاں ہو رہی ہیں اور ہم اہل سنت والجماعت بھی پرزور انداز میں اولیاء، بزرگان دین کے مزار کی تعظیم کرتے ہیں اور ان پر سورۂ فاتحہ اور درود شریف کو اچھا اور کرتے ہیں لیکن شریعت اور سنت رسول وصحابۂ کرامؓ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یعنی ہم لوگ شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے ہیں، لیکن حضرات بریلوی تجاوز کر کے اولیاء اللہ کی قبر کو مسجد اور اولیاء اللہ کو معبود تسلیم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے آمین۔

مُقدّمہ

بحث مزارات پر پھول، چادر وغیرہ ڈالنا

مزارات پر پھول چادر وغیرہ چڑھانا نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے اسی طرح ان کا ثبوت نہ اقوال رسول سے ثابت ہے اور نہ اقوال صحابہ و تابعین تبع تابعین سے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور ایسا کرنے والے دینی امور میں نئی ایجادات کرتے ہیں لہٰذا وہ بدعتی ہیں اور بدعت کے سلسلے میں آقائے نامدار تاجدار مکی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار۔

دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے اول باب سے قبل قبر پر چراغاں کرنے کے سلسلے میں یہ کہا کہ اس کی ضرورت تین وجہ سے ہے: (۱) مردے کو رات میں دفن کیا جائے، روشنی کی ضرورت ہے یہ جائز ہے (۲) قبر راستے کے کنارے پر ہے تو اس پر اس لیے چراغ جلا دینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔ (۳) یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے تو روشنی کرے تو جائز ہے الخ (جاء الحق: جلد ۱، ص: ۲۸۲) اب احقر نمبروار ہر ایک کی تردید کرتا ہے، ملاحظہ ہو سب سے پہلے خاں صاحب نے یہ کہا کہ مردے کو رات میں دفن کرتے ہیں۔ لہٰذا روشنی کی ضرورت ہے پہلی بات یہ ہے کہ ابھی تو قبر تیار ہوئی ہی نہیں ہے اور مردے باہر ہی ہیں تو قبر کے اوپر چراغاں کیسے کیا جائے گا؟ کیوں کہ سر میں درد ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سر ہو پھر درد ہوگا جب سر ہی نہیں تو درد کہاں ہوگا، پس اسی طرح جب لوگوں نے مردہ کو دفن کیا نہیں تو قبر کہاں سے ہوگی جب قبر نہ ہوگی تو چراغاں کیسے کیا جائے گا؟ دوسری بات یہ ہے کہ ہر ایک مردہ کو رات ہی میں دفن نہیں

کیا جاتا۔ بلکہ شاذ و نادر کالمعدوم کے تحت یہ بات پیش آتی ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ہم بفرض محال تسلیم کرتے ہیں کہ جب مردہ کو رات میں دفن کیا جاتا ہے تو لائٹ کی ضرورت پڑتی ہے لیکن دفن کے بعد تو وہاں کوئی بھی نہیں رہتا بلکہ اپنے اپنے گھر چلے آتے ہیں تو پھر وہاں چراغاں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اس روشنی کی فرشتے کو ضرورت ہے؟۔

بہر حال ان تینوں باتوں سے معلوم ہوا کہ قبر پر چراغاں کرنا لغو ہے (۲) دوسری وجہ خاں صاحب نے یہ بتائی تھی کہ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس پر اس لیے چراغ جلا دیا جاتا ہے کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے، سو پہلی بات یہ ہے کہ قبرستان عام طور پر راستے پر نہیں ہوتا اگر ہوتا بھی ہے تو محلے والے قبرستان کو گھیر کر رکھتے ہیں یعنی قبرستان کی چہار جانب دیواریں ہوتی ہیں تا کہ اس کے اندر کوئی جانور داخل نہ ہو سکے دوسری بات یہ ہے کہ جب لوگ چلتے ہیں تو خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہاں قبرستان ہے لہٰذا قبر ضرور ہوگی تیسری بات یہ ہے کہ لمبی رات میں لوگ باہر نکلتے بھی نہیں ہیں۔ اگر نکلتے بھی ہیں تو اپنے پاس روشنی کے انتظامات مثلاً ٹارچ وغیرہ کے ساتھ چلتے ہیں۔ لہٰذا قبر کو چراغاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں (۳) تیسری وجہ خاں صاحب نے یہ بیان کی تھی کہ روشنی پا کر لوگ قرآن دیکھ کر پڑھ سکتے ہیں (اس سلسلے میں) پہلی بات تو یہ ہے کہ عام طور پر جو بھی آدمی قبرستان جاتا ہے تو سورۃ فاتحہ اور چاروں قل اور درود شریف پڑھتا ہے اور یہ سورتیں اور درود ہر ایک آدمی کو یاد ہی رہتا ہے لہٰذا اس جگہ قرآن دیکھنے کی ضرورت نہیں دوسری بات یہ ہے کہ جب بھی لوگ قبرستان جاتے ہیں تو دن ہی کو جاتے ہیں اور اس وقت روشنی رہتی ہے لہٰذا مزید روشنی کی ضرورت نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شوقین رات میں وہاں قرآن پڑھنے جاتا ہے تو اپنی روشنی کا انتظام کر لیتا ہے چوں کہ کوئی آدمی یہ تصور نہیں رکھتا ہے کہ ہم اپنے آباء و اجداد کے مزار پر قرآن پڑھیں اور دوسرے کی روشنی جلائیں، پس ان تمام جوابات سے معلوم ہوا کہ قبر پر چراغاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پہلا باب

خان صاحب کے دلائل اور ان کے جوابات

خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے وَمَنْ یعظم شعائر اللّٰہ فانہا من تقوی القلوب اس تعظیم میں کوئی قید نہیں۔ ہر رسم جس ملک اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروّج ہو وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہٰذا جائز ہے۔ (جاء الحق، جلد ۱، ص: ۲۸۳)

جواب خاں صاحب نے کہا کہ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ بہر حال جواب کی تفصیل یہ ہے کہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تعظیم شعائر اللہ چار بتلائے ہیں: (۱) قرآن (۲) کعبہ (۳) نبی (۴) نماز (بحوالہ: حجۃ اللہ البالغہ، جلد: ۱، ص: ۷۰) وہاں قبور کا ذکر نہیں ہے اور کسی امام سے بھی قبور کا شعائر اللہ ہونا منقول نہیں مگر خاں صاحب کی تحقیق سے مزارات بھی شعائر اللہ ٹھہرے علماء عقائد نے صراحت سے لکھا ہے کہ جس کے خاتمہ بالخیر ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے اور جناب نبی کریم ﷺ نے دی ہو ہم صرف اس کے متعلق حسن ظن ہی رکھ سکتے ہیں۔ قطعیت سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تو یقین کے ساتھ کسی کو ولی کیسے کہہ سکتے ہیں؟ اور پھر ان کی قبر کو شعائر اللہ کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اور خاں صاحب کے نزدیک ان شعائر اللہ کی تعظیم یہ ہے کہ ان کی قبروں پر پھول ڈالے جائیں، چادریں چڑھائی جائیں، اور چراغاں کیا جائے۔ تو پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ نے کسی نیک اور صالح آدمی کی قبر پر شاخیں نہیں رکھیں، حضرت بریرہؓ کا معاملہ ہی الگ ہے، بلکہ گناہ گار کی قبر پر رکھی تھیں یہ عجیب شعائر اللہ کی حفاظت کرنے والے ہوئے کہ ہم پہلے ان کو گناہ گار تصور کریں اور پھر ان کی قبروں پر پھول وغیرہ چڑھائیں۔ (العیاذ باللہ) اور کیا شعائر اللہ کی تعظیم چراغاں جیسے کام سے ہوگی جس پر سردار دو جہاں ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔

سبحان اللہ عجیب محکمہ افتاء مفتی خاں صاحب کے ہاتھ آیا ہے اور پھر یہ سب کچھ ان کے نزدیک قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے ثابت ہے (معاذ اللہ) نہ تعظیم کا پتہ اس آیت سے جناب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو سکا اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ اگر ان کو معلوم ہوتا تو تعزیر پر اتفاق کرنے پر آپ لعنت نہ کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ اس کے خلاف وصیت نہ کرتے مگر کیا کیا جائے اہل بدعت کا جو ہر حق کو باطل ان کے نزدیک ایک مستحب اور کار ثواب ہے۔

خاں صاحب نے مفتی توقیر صاحب آداب الخلاء کے حوالے سے مدینہ منورہ کی ایک بار حضور ﷺ کو دشنام دی گئی ہو فرمایا کہ ان دونوں مجرموں کو قتل کر دیا جائے اس سے ایک تو نبی کی بے ادبی سے کسی بچتا تو دوسرا اچھل خونریزی کیا کہتے تھے آپ نے تو ان کو قتل کر دیا ہے ایک کافر نے دی دو مسلمانوں نے مرتکب کیا آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ حکم نہ ہو تب تک ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ خاں صاحب نے حدیث کو ترجمہ اور مفہوم کو سمجھا ہوتا تو ایسی بات نہ کہتے۔

جواب (۱) یہ ہے کہ تنقیص عذاب کا سبب آنحضرت ﷺ کی اہانت تھی اس کی علامت اور نشانی عذاب دینے والے فرشتوں کو آنحضرت ﷺ سے ہے کسی صورت سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ کی اہانت کی ہے تو اس کے لئے عذاب ہے "الحکم یدور مع العلۃ وجودا وعدما" (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۲۸) کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی اہانت کی ہے تو اس کے لئے عذاب ہے اس کی اہانت کی علامت اور نشانی کیا ہے یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ تنقیص عذاب کا سبب آنحضرت ﷺ کی اہانت تھی اس کی علامت اور نشانی کیا تھی۔

جواب (۲) یہ ہے کہ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی اہانت کرنے والے کو قتل کر دیتے تھے آپ کے پاس قتل کرنے کی

اور پھر اپنے اپنے مقام پر چلا گیا تھا۔

جواب (۳) اس روایت سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ ٹڈیوں کو پکڑنے اور کھانے کا ثبوت کہاں سے ملا؟

جواب (۴) اگر بفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اصل میں یہ تخلیق عذاب کے طور پر ہوئی تھی تو یہ بات کہاں لکھی ہوئی ہے کہ اس عذاب کے ختم ہونے کے بعد بھی ان کا کھانا حرام ہی رہے گا۔ اس کا ثبوت کہاں ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ ٹڈیوں

میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں، فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہئے نہ کہ قبور اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں جس سے پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گناہ گار کے لیے رفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں۔ (جاء الحق ص ۲۸۴)

جواب: خاں صاحب کو یہ نسخہ ہاتھ آیا مگر اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ یہ مسئلہ جناب نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کو بھی معلوم تھا پھر انہوں نے صالحین کی قبروں پر پھول کیوں نہ ڈالے۔ اور صالحین کو رفع درجات کے فائدہ سے کیوں محروم رکھا؟ بہر حال ادراک و شعور و تہلیل تو ہر ایک چیز سے شرعاً ثابت ہے اور قرآن کریم اس پر ناطق ہے پھر خشک و تر کا فرق کیوں؟ علاوہ بریں یہ مسئلہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام کو بھی معلوم تھا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا مزید براں چادروں میں کونسی تری ٹھہری اور زندگی ہے جو اس حدیث سے وہ بھی قبروں پر ڈالنی جائز ہو گئی۔ باقی کسی غیر معصوم اور غیر مجتہد کی بات حجت نہیں ہے رہا امام شامیؒ وغیرہ کا یہ قول کہ قبر پرستی درست ہے، کیوں کہ اس میں صاحب قبر کی تعظیم ہے وغیرہ وغیرہ تو قابل التفات نہیں ہے اس لیے کہ یہ غیر مجتہد کا قول ہونے کے علاوہ بلا دلیل بھی ہے اور قبر اور تعظیم قبر کوئی نیا واقعہ نہیں کہ ہم اس میں متاخرین کے قیاس کو بھی تسلیم کر لیں آنحضرت ﷺ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے زمانے میں قبریں بھی ہوتی تھیں مگر چادروں کا کوئی دستور نہ تھا۔

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے شامیؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ قبروں پر غلاف، پردے، مکروہ ہیں: لیکن ہم کہتے ہیں آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے (ایضاً ص ۲۸۵) اس کا ایک جواب تو گذر چکا ہے لیکن دوسرا جواب یہ ہے کہ خود شامی نے یہ فرمایا کہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں تو جائز ہے حالانکہ دنیا کے غالباً تمام فرقے ایسے مزارات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ

حضور پاک ﷺ کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا کہ اس کو منع نہ فرمایا صدیوں سے حضور ﷺ کے روضۂ پاک پر غلاف منبر ریشمی رومال چڑھا ہوا ہے جو کہ نہایت قیمتی ہے آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے۔ (جاء الحق ص ۲۱۵)

جواب: خاں صاحب کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے جو قابل تسلیم نہیں ہے اس لیے کہ کعبہ کا غلاف تو آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں چڑھتا تھا اور اس میں آپ نے تغییر نہیں کیا لہٰذا وہ عین سنت ہے۔ (دیکھئے بخاری جلد ۲، ص ۲۱۳) اسی طرح مقام ابراہیم کا غلاف بھی اگر ثابت ہو تو بظاہر خیر القرون کا ہوگا ان پر قبور کے غلاف کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو حضرات حج کر چکے ہیں ان سے تحقیق کیجئے کہ کیا مقام ابراہیم پر کوئی غلاف ہے ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس وقت یہ پتھر ایک دو دیڑھ شیشے کے مینار میں رکھا ہوا ہے۔ باقی رہا آنحضرت ﷺ کے روضۂ مبارک کا غلاف تو اگر یہ کسی معتبر دلیل سے ثابت ہو تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے غسل، دفن اور قبر وغیرہ کے متعلق چند اور خصوصیات بھی تھیں ممکن ہے یہ بھی ان ہی میں سے ہو لہٰذا اس پر عام قبروں کا قیاس کرنا باطل ہے چوتھی بات یہ ہے کہ پہلے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب بقول خاں صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ قبر کو ملبوس کرنا یعنی اس پر چادریں وغیرہ ڈالنا بدعت شنیعہ ہے لہٰذا عام حکم یہی ہے۔

تیسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ اظہار عظمت کے لیے قبر کو چراغاں کرنا جائز ہے اور دلیل کے اندر "حدیقہ ندیہ" کے حوالے سے عبارت پیش کی کہ قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جب کہ قاعدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا کہ قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لیے کہ یہ ولی کی قبر ہے

تا کہ لوگ اس سے برکت حاصل کرلیں اور وہاں اللہ سے دعا کرلیں تو چراغ جلانا جائز ہے اسی طرح پھر خاں صاحب نے انما یعمر مساجد اللہ کے تحت روح البیان کی عبارت پیش کی موم بتیاں قندیلیں عظمت کی وجہ سے جلانا ہو تو جائز ہے۔ (جاء الحق: ص: ۲۸۶)

جواب (۱) مذکورہ جملہ عبارات کا جواب اول اسی بحث کے مقدمہ کے اندر گذر چکا ہے لہٰذا ملاحظہ کرلیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ خود عبارت مذکورہ کے اندر یہ صراحت موجود ہے کہ چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔ اس کے بعد حدیقہ ندیہ کی عبارت ہے، واما اذا کان موضع القبور مسجداً یعنی اگر قبرستان کے گرد قبر ہے تو اس قبر کو روشن کرو یعنی اس دور کے اندر بھی لوگ اس بات کو برا اور ناجائز سمجھتے تھے کہ قبر کے پاس روشنی کرنا بدعت ہے لہٰذا مسجد رہنے کے باوجود کیسے وہاں روشنی کی جائے تو اب حدیقہ ندیہ نے فیصلہ کردیا کہ مسجد کو روشن کرنا جائز ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس مسجد کی روشنی کی وجہ سے لوگ اولیاء اللہ کی روح سے مستفیض ہوں گے۔ پس اس کا مطلب عیاں ہوگیا کہ قبر پر روشنی کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اگر اس کے گرد مسجد یا کوئی گھر بن جائے تو جائز ہے کہ مسجد کو اور گھر کو روشن کرے۔ یعنی آج بھی ہندوستان میں عام طور پر ہوتا ہے کہ قبرستان کے گرد مکانات ہوتے ہیں پس اسی مکان کو روشن اور اولیاء اللہ سے مستفیض ہونے کو کہا گیا ہے۔ نہ کہ قبر کو چراغاں کرنے کو، پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ ایک مرتبہ میں حج کو گیا تو دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جل رہے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر روشنی تھی خاص دروازۂ کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی جاتی تھیں جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضۂ رسول ﷺ پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی الخ۔ (جاء الحق: ص: ۲۸۶ تا ۲۸۷)

جواب خاں صاحب نے کعبہ کے گرد یا حضور اکرم ﷺ کے روضہ پر قیاس کیا ہے سو یہ قطعاً درست نہیں **اولاً**: تو اس لیے کہ خود خاں صاحب نے یہ کہا کہ میں حج کو گیا، تو گویا کہ وہاں بھیڑ کافی تھی جس کی وجہ سے روشنی کی ضرورت پڑی تو یہ جائز ہے لیکن دیگر مزارات پر تو رات میں گیدڑ اور دیگر جانور رہتے ہیں تو وہاں روشنی کی کیا حاجت

ہے **ثانیاً:** جب لوگ دنیا کے اردگرد سے خانہ کعبہ یا مدینہ منورہ آتے ہیں تو لوگ دیکھنے کو ترستے ہیں پس اسی ضرورت کی بناء پر روشنی کی ضرورت پڑی لیکن دیگر اولیاء اللہ کے مزارات پر جانے کو کوئی نہیں ہے؟ البتہ اگر کوئی جاتا بھی ہے تو دن میں نہ کہ رات میں، لہٰذا وہاں روشنی کی کیا ضرورت ہے؟

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات

حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا کہ: ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا حجارۃ والطین رب نے ہمیں حکم نہ کیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس سے مکانات کی دیواروں پر بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہے اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے الخ (جاء الحق: جلد:۱، ص:۲۸۷)

رد: (۱) جب مکانات کی زینت خلاف زہد ہے تو کیا قبر کی زینت زہد ہے؟ بہرحال خاں صاحب نے یہ کہا کہ حدیث مذکور سے مراد مکانات کی دیوار پر بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضور اکرم ﷺ کا کوئی مکان یا کسی صحابیؓ کا مقام پتھر سے بھی بنا ہوا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اندر کافی سادگی تھی اور مٹی کے مکانات ہوتے تھے تو پھر ''ان نکسوا حجارۃ'' کا کیا مطلب ہوتا ہے پس یہی کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو آگاہ کیا کہ ایک دور ایسا آنے والا ہے کہ لوگ مزارات کو پتھروں سے زینت دیں گے اور اس پر غلاف کے ذریعے پردہ ڈالیں گے سو آپ کہہ دیجئے کہ اس کا حکم ہمیں رب حقیقی نے نہیں دیا ہے۔

رد: (۲) دوسری تردید یہ ہے کہ خود خاں صاحب نے یہ کہا کہ مکانات کی زینت خلاف زہد ہے تو جب مکانات کی زینت خلاف زہد ہے تو بدرجہ اولیٰ مزارات کی زینت

زہد کے خلاف ہوگی زہد ہی کے خلاف نہیں بلکہ قرآن وحدیث کو ٹھکرانا لازم آتا ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ان اللّٰہ لم یامرنا ان نکسوا حجارۃ والطین۔ پھر خاں صاحب نے کعبہ معظمہ اور حضور اکرم ﷺ کے روضہ پر قیاس کیا ہے سو اس کا جواب ماقبل میں گذر چکا ہے ملاحظہ کریں۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے لہٰذا ممنوع ہے اولیاء کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک پھول ایک چراغ بھی کافی ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہٰذا یہ اسراف نہیں رہا کام چلنے کا عذر تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ کرتہ اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں پھر وہ بھی تہتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک میں چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے، اسی طرح مزید عمارات، خوراک، سواریاں میں بھی کیا اسراف ہے۔ (جاء الحق: ص ۲۸۸)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ پھولوں چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم عرض کر چکے ہیں پس اس کے لئے میری تردید یہ ہے کہ پھولوں، چادروں، چراغوں میں وہ خرابیاں ہیں اس کو احقر ماقبل میں بیان کر چکا ہے لہٰذا یہ اسراف ہی نہیں بلکہ قرآن واحادیث کے برخلاف ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے ببانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین"۔

رد: (۲) خاں صاحب نے اپنے باطل عقیدے کو قیاس کیا ہے واسکٹ اور بہترین عمارات ولذیذ کھانے وسواریاں پر حالانکہ یہ قیاس، قیاس مع الفارق ہے بایں معنی کہ احقر نے اس سے قبل بدعت کی تعریف کی تھی کہ بدعت ہر وہ امور دینیہ ہیں جو کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت نہ ہوں تو غور کیجئے کہ واسکٹ اور عالیشان عمارتیں ولذیذ خوراک وغیرہ امور دینیہ ہیں یا دنیویہ؟ پس یہی کہا جائے گا کہ

یہ تمام اشیاء امور دنیویہ ہیں لہٰذا یہ تمام چیزیں بدعت کی تعریف سے خارج ہوں گی اور مزارات پر پھول، چراغ، چادر وغیرہ چڑھانا خاں صاحب کے نزدیک امور دنیویہ ہیں لہٰذا یہ بدعت کے اندر شامل ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کا قول "کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" کے تحت خاں صاحب کا عقیدہ باطل ہوگا۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھا المسٰجد والسُّرُج یعنی حضور ﷺ نے لعنت فرمائی قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر، اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے فتاوی عالمگیری میں ہے "اعتراج السُّمُوع الیٰ المقابر بدعۃ لااصل لہ" اسی طرح فتاوی بزازیہ میں بھی ہے یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے "اما لو نذر زیتاً لایقاد قندیل فوق ضریح الشیخ او فی المنارۃ کما تفعل النساء من نذر الزیت لسیدی عبدالقادر ویوقد فی المنارۃ جھۃ الشرقِ فھو باطلٌ" لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لیے تیل کی نذر مانی جیسے کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لیے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا کہ چراغاں کرنا بدعت ہے۔ حضور ﷺ نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوی میں ص ۱۱۴ پر ہے، لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیوں کہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جس کا اعتبار نہیں، ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے ان تمام دلائل کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی

فائدے سے ہو تو جائز ہے فوائد کل چار بیان کئے۔ (جاء الحق ص:۲۸۹)

رد: (۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ مزار پر باضابطہ چراغ جلانا کیا فائدہ دیتا ہے کیوں کہ وہاں نہ تو کوئی طالب علم رہتا ہے کہ پڑھے اور نہ کوئی محتاج: لہٰذا مطلقاً چراغاں کرنا حرام ہے اور اسے مطلقاً چراغاں کرنے والوں پر حضور اکرم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے کیوں کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے نیز عام مزارات مثلاً کلیر اور بہار کے کچھ علاقوں میں دیکھا گیا ہے کہ حضرات بریلوی ایسے ہی چراغ جلا دیتے ہیں نہ کوئی پوچھنے والا ہے اور نہ کوئی مزار پر جانے والا، لہٰذا یہ بدعت تو درکنار خود صاحب قبر کی بے حرمتی ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرنے کی اشد ضرورت ہے پس اس عمل کا چھوڑنا گویا کہ قرآن کریم کی آیت ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین پر عمل ہے اور اس عمل پر گامزن رہنا اس آیت کا ٹھکرانا ہے۔

پھر خاں صاحب نے آگے یہ کہا کہ جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اس کی ہے جو بے فائدہ ہو الخ ص ۲۸۹ پس اس کا جواب احقر ماقبل میں دے چکا ہے اور اس سے قبل مقدمہ کے اندر بھی دے چکا ہے کیوں کہ قبر پر چراغ جلانے سے کوئی فائدہ نہیں نظر آتا ہے اور اسی طرح حدیث مذکور (لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے تحت محشی مشکوٰۃ نے اشارہ کیا ہے والنھی عن اتخاذ السرج لمافیہ من تضیع المال کہ حضور اکرم ﷺ نے جو منع کیا ہے کہ قبر کو چراغاں نہ کرو، وہ دراصل اس میں مال ضائع ہوتا ہے اسی طرح حدیقہ ندیہ میں ارشاد ہے "ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبث من غیری فائدۃ" کہ حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر چراغاں کر کے عبث کام کرتے ہیں یعنی قبروں پر چراغاں کرنا عبث کام ہے لہٰذا اس سے بچو ورنہ حضور اکرم ﷺ کی لعنت ہوگی۔

آگے خاں صاحب نے مشکوٰۃ باب الدفن کی حدیث پیش کی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل لیلاً فاسرج لہ سراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک شب دفن میت کے لیے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لیے چراغ جلایا گیا۔

رد: اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ چراغ جلانے کا رواج عنایت فرمایا، بلکہ کسی کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کو رات میں دفنانے کی نوبت آئی تھی تو آپ ﷺ نے اندھیرے کی وجہ سے فرمایا کہ لائٹ کا انتظام کر لو تا کہ مردہ کو قبر میں اتارنے میں سہولت ہو۔ پھر آپ ﷺ دفن کے بعد مع لائٹ گھر واپس آ گئے تو اس سے یہ استدلال کرنا کہ قبر پر چراغ جلایا گیا یہ جہالت اور غیر دانشمندی پر مبنی ہے۔ جیسا کہ خود خاں صاحب نے اسی صفحے میں حدیث نقل کی ہے والمتخذین علیها المسجد والسرج کہ حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی ہے جس نے قبروں پر مسجدیں بنائے اور چراغ جلائے۔

خاں صاحب نے دو مسئلوں کے عنوانات قائم کئے ہیں پہلے مسئلے کے تحت یہ کہا کہ اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہوں تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے الخ (جاء الحق: ص ۲۹۲)

رد: (۱) خاں صاحب نے یہ کہا بالکل صحیح ہے لیکن ہر ایک بات عوام کو کہنے کی نہیں ہوتی ہے کیوں کہ قوم جاہل ہوتی ہے انہیں خبر نہیں ہوتی لہٰذا وہ بزرگان دین کے مسکن کو مسجد بنالیں گے اور مسجد کو ھبا منثورا کر دیں گے لہٰذا عوام سے یہی کہا جائے کہ مسجد میں نماز ادا کرو بہر حال خاں صاحب کا بیان مذکور اس آیت کے خلاف ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ "مسجدوں کو خراب کرنے کی سعی نہ کرو۔" کیوں کہ مذکورہ بیان اس بات پر دال ہے کہ بزرگان دین کی جگہ کو عبادت کی جگہ بناؤ حالانکہ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ رہی یہ بات کہ عبداللہ بن عمرؓ راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے تھے جہاں حضور ﷺ نے کبھی نماز پڑھی تھی۔ تو یہ حضور اکرم ﷺ کے لیے خاص ہے نہ کہ عوام کے لئے۔

مسئلہ: ۲- خاں صاحب نے اثبات نذر کے اوپر کچھ بیان کیا اچھی بات ہے یہ مسئلہ صحیح ہے کیوں کہ قرآن ناطق ہے" انی نذرت لک فی بطنی محرراً." مگر نذر مانگنے کی شکل خاں صاحب نے الگ بنالی کیوں کہ شریعت نے حکم دیا کہ نذر صرف اللہ کے نام پر جائز ہے جیسا کہ قرآن نے کہا "انی نذرت لک مافی بطنی محرراً"

مگر خاں صاحب نے نذر کا رواج غیر اللہ پر بھی دے دیا حالانکہ یہ شرک فی الوحدانیہ ہے اور یہ حرام ہے پھر نذر مانگنا کیسے درست ہوسکتا ہے پتہ چلا کہ خاں صاحب کا یہ ڈھکوسلہ ہے کہ لوگ مرغ، خصی، مٹھائی وغیرہ نذر مانگیں گے اور ہمیں ڈھکوسلہ کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آئے گا۔ اسی طرح نذر کا مانگا ہوا جانور صرف غرباء وفقراء پر صرف کرنا چاہیے مگر خاں صاحب اس نذر کا مال خود کھا لیتے ہیں حالانکہ یہ شریعت کے حق میں جرم عظیم ہے اگر مشاہدہ کرنا ہو تو بریلی شریف کلیر شریف جا کر دیکھیں کہ قوم کا مال کس طرح سلب کرتے ہیں الامان الحفیظ۔ بہر حال یہ ہمارا موضوع نہیں اس وجہ سے اپنے قلم کو روکتا ہوں۔

چوتھے خلجان کا رد

خاں صاحب نے یہ کہا کہ شاہ عبد العزیز وقاضی ثناء اللہ صاحب کوئی مجتہد نہیں تھے لہٰذا ان کو منع کرنے سے حرمت ثابت نہ ہوگی پھر آگے کہا کہ شامیؒ چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ (جاء الحق: ص: ۲۹۴)

رد: جس چیز کی ممانعت خود نبی اکرم ﷺ فرمادیں تو اس کا ثبوت نہ شامیؒ کی عبارت سے ہوگا اور نہ صاحب تفسیر روح البیان کے اقوال سے، کیوں کہ مشکوٰۃ باب المساجد کے اندر روایت ہے "لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیہا المسجد والسرج" یعنی ممانعت تو درکنار ایسے عقائد رکھنے والوں پر حضور اکرم ﷺ نے لعنت بھیجی ہے پھر یہ کیسے درست ہوسکتا ہے نیز یہ دونوں حضرات مجتہد نہ تھے۔ اب رہی بات روضۂ مطہرہ ﷺ اور خانہ کعبہ کے غلاف کے سلسلے میں تو وہ ہم مفصل گذر چکی ہیں۔

پانچویں خلجان کا رد

خاں صاحب نے یہ کہا کہ حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا پختہ اس کے استحباب کی دلیل ہے الخ۔ (جاء الحق: ص: ۲۹۴)

رد: اولاً: حرمین شریفین کے تمام علماء مجتہد نہیں ہیں **ثانیاً**: کیا شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ صاحب کے اقول سے استحباب ثابت نہیں ہوسکتا؟ **ثالثاً**: جب شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ صاحب کے اقوال تمہارے نزدیک قابل قبول نہیں تو پھر آپ نے علماء حرمین شریفین کے اقوال کو کیوں قبول کیا؟ کیوں کہ دونوں ہر ایک اعتبار سے ایک صف کے عالم ہیں، **رابعاً**: ٹھیک ہے حرمین شریفین کے علماء کے اقوال صحیح ہیں تو آپ ہمیں حرمین شریفین کے علماء کا ایک قول بھی دکھائیں کہ انہوں نے مزارات پر باضابطہ عمارات وگنبد بنانے کا حکم دیا ہو۔

جواب بحث خاتمہ

خاں صاحب نے یہ کہا کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے بعض دیوبندی اس کو بھی شرک وحرام کہتے ہیں الخ (جاء الحق ص ۲۹۵)

جواب: اولاً: ہم اہل سنت والجماعت خوشی وغیرہ کے موقع پر مساجد کو چراغاں کرنے کو حرام یا شرک نہیں کہتے بلکہ خاں صاحب نے جھوٹی بات کی نسبت ہماری طرف کی ہے (لعنة الله علی الکاذبین) البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جو بھی شخص مسجدوں میں ایک دو لائٹ سے زیادہ کا نظم کرتا ہے تو وہ اپنی طرف سے خرچ دے کر کرے اور مسجد کے روپے پیسے نہ لے کیوں کہ مسجد کو ضرورت ہے صرف ایک لائٹ کی پھر زیادہ چمک دمک کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اگر قوم کے روپے پیسے سے مسجدوں کے اندر چمک دمک کا انتظام کرتا ہے تو یہ درست نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد کو زینت بخشنا چاہتا ہے مثلاً عالیشان گنبد وغیرہ تو ایسا کرنے والا اپنے روپے پیسے دیکر ایسا کرے اور آگے خاں صاحب نے حضرت سلیمانؑ اور حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا واقعہ پیش کیا کہ ان حضرات نے مسجدوں میں قندیلیں جلائیں تو اس کا جواب ابھی گذر چکا ہے کہ انہوں نے اپنی طرف سے خرچ دیکر ایسا کیا تھا نہ کہ قوم کے روپے پیسے سے اور ہم جو منع کرتے ہیں وہ قوم کے روپے پیسے کو حد سے زیادہ خرچ کرنے سے نہ کہ مساجد کو روشنی کرنے سے اللہ کا فضل ہے کہ مخالفین کے تمام دلائل واعتراضات کے جوابات دیدیئے گئے۔ اور امید قوی ہے کہ باری تعالیٰ ان تمام جوابات کو قبول فرما کر مخالفین کو اپنے باطل عقیدے سے رجوع کرنے کی توفیق بخشیں گے۔ (انشاء اللہ)

مُقَدِّمَة

بحث قبر پر اذان دینا

جملہ بدعات میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے کہ قبر پر بعد الدفن اذان دی جائے چونکہ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ احادیث سے نہ اقوال صحابہ کرامؓ و تابعینؒ سے نہ تبع تابعینؒ سے لہٰذا اس پہ عمل کرنا شرک ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبر پر اذان دینے کے سلسلے میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: وفی الاقتصار علی ماذکر من الزیارۃ اشارۃ الیٰ انہ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد الآن وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواہ بانہ بدعۃ (شامی: جلد ۱، ص ۶۵۹) (زیارت و دعاء پر) اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرتے وقت اذان کہنا جیسا کہ آج کل عادت ہوگئی ہے مسنون نہیں ہے اور امام ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے، گویا کہ علامہؒ نے فیصلہ کر دیا کہ اذان قبر بدعت ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا شرک ہے اسی طریقے سے خاں صاحب پورے باب کے اندر کبھی تو اذان کی فضیلت عیاں کرینگے اور کبھی حضور اکرم ﷺ کا ذکر۔ ہم اہل سنت والجماعت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کلمہ طیبہ اور اذان اور کلمہ شہادت کی کافی اہمیت وفضیلت ہے لیکن خاں صاحب ان کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خاں نے "ایذان الاجر" مستقل کتاب لکھی مگر کوئی صریح ایک حدیث یا اقوال علماء جواز اذان پر پیش نہ کر سکے اب اندازہ کیجئے کہ ان کا عقیدہ کیسا ہے نیز جب مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایذان الاجر لکھی تو ان کے جواب میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے امعان النظر لکھی۔ بہر حال میری فریاد ہے کہ خاں صاحب یا ان کے متبعین اس بات پر کوئی صریح احادیث یا معتمد اقوال علماء پیش کر دیں۔ مگر ہمیں امید کہ نہیں پیش کر سکتے (انشاء اللہ)

پہلا باب

اذان قبر کے ثبوت اور اس کے جوابات میں

خاں صاحب نے کہا کہ قبر پر اذان دینا جائز ہے اور دلیل میں مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز کی حدیث پیش کی "لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ" اپنے مردوں کو سکھاؤ "لا الہ الا اللہ" پھر اگلے صفحے پر خاں صاحب نے یہ کہا کہ اس حدیث کے دو معنی ہیں (۱) ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ (۲) دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں دوسرے معنی حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہٰذا حدیث کا یہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ الخ۔ (جاء الحق، جلد ۱، ص ۲۹۶ تا ۲۹۷)

جواب (۱) **اولاً**: تو اس بات کو ہم اہل سنت والجماعت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جب انسان جاں کنی یعنی مرض الوفات میں ہو تو اس کے پاس کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنا چاہئے کیوں کہ جس کو بھی کلمہ نصیب ہو گیا تو یہ تصور و یقین کر لیں کہ اس کا بیڑا پار ہے اور اگر کلمہ نصیب نہ ہو سکے تو اب اس کا انجام کیا ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ نیز جب انسان ایسی حالت میں مبتلا ہو تو اسے حکم نہ کریں کہ تم کلمہ پڑھو بلکہ ان کے پاس تلقین یعنی کلمہ پڑھنے کو کہا گیا کیوں کہ اگر اس مریض کو یہ کہیں کہ آپ کلمہ پڑھیں، اس وقت کا عالم کچھ اور ہی ہوتا ہے کہیں انہوں نے کلمہ کا انکار کر دیا تو پھر ان کی موت کفر پر ہوگی، لہٰذا صرف کلمہ کی تلقین کریں اور کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کریں (اگر مزید تفصیل دیکھنا ہو تو احقر کی کتاب بصیرت افروز تقریریں ص ۱۴۵ تا ۱۴۷ دیکھیں) بہر حال اس حدیث سے تلقین کلمہ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اذان قبر۔

جواب: (۲) خاں صاحب نے حدیث مذکور کے دو معنی کئے تھے ایک معنی مجازی دوسرے معنی حقیقی یعنی ایک مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ تو جواب یہ ہے کہ دونوں معنی خواہ حقیقی لیں یا مجازی ہر ایک صورت سکھانے یعنی تلقین کرنے کے معنی عیاں ہو رہے ہیں لیکن قبر پر اذان دینے

کہاں ہورہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ جو مر چکا ہے اس کو کلمہ سکھاؤ تو یہاں کلمہ سکھانے کی بات ہے نہ کہ قبر پر اذان دینے کی۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے دوسرے (معنی کو) حقیقی معنی پر محمول کیا ہے سو یہ ہمیں تسلیم ہی نہیں ہے کیوں کہ اولاً یہاں حقیقی اور مجازی کی کوئی بات نہیں اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو معنی ہوگا حقیقی پہلا معنی یعنی جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ، پس وہ ابھی دنیا میں موجود ہے اور روح نکلی نہیں نیز اسی حقیقی معنی کے سلسلے میں شامی جلد ۱: باب الدفن کے اندر فرمایا: امّا عند اھل السنۃ فالحدیث ای لقنوا موتکم محمولٌ علیٰ حقیقتہٖ الخ کہ اہل سنت والجماعت (علماء دیوبند) کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ پھر خاں صاحب نے شامیؒ کی اسی عبارت کے آگے چل کر کہا قد روی عنہ علیہ السلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن فیقول یافلان ابن فلان اذکر دینک الذی کنت علیہا کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا کہ کہے یا فلاں ابن فلاں کے بیٹے یاد کرو تم اپنے دین کو جس پر تھے۔ (ایضاً: ص: ۲۹۷)

جواب (۱) قارئین کرام غور کریں کہ عبارت مذکورہ میں یہ تذکرہ قطعی طور پر نہیں کہ قبر پر کلمہ کی تلقین کرے یا قبر پر اذان دے البتہ تلقین کرنے کا ذکر ہے پس بعد الدفن لوگ گھر میں بھی اس کے لیے تنہائی میں دعاء مغفرت کریں۔

جواب (۲) اگر بعد الدفن قبر پر اذان دینا جائز ہوتا تو لازماً شامیؒ کی عبارت مذکورہ یوں ہوتی امر بالتلقین بعد الدفن علی القبر؟ پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ قبر پر اذان دینا قطعاً درست نہیں۔ پھر آگے خاں صاحب تلقین کلمہ کے ثبوت پر شامیؒ کی عبارت لائے ہیں سو ہم بھی اس عبارت کو تسلیم کرتے ہیں کہ تلقین کلمہ جائز ہے۔

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ نکیرین میت سے تین سوالات کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ دوسرے سوال کا

جواب ہوا: حی علی الصلوٰۃ یعنی میرا وہ دین ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں تیسرے کا جواب اشھد انّ محمداً رّسول اللّٰہ پھر خاں صاحب نے درمختار کے حوالے سے اشعار پیش کئے اس کے بعد، ص:۲۹۸ کے آخری حصہ پر خاں صاحب نے یہ کہا کہ اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ حدیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہوں گے اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ جب نماز کے لئے اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا اور جس طرح کہ بوقتِ موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے تو مجھے خدا کہہ دے اسی بات کی تائید میں خاں صاحب نے نوادر الاصول کی عبارت پیش کی کہ امام محمد بن علی ترمذی فرماتے ہیں کہ شیطان مردے کو بہکاتا ہے۔ (جاء الحق: ص:۲۹۷ تا ۲۹۸ و ۲۹۹)

جواب (۱) (درمیان میں ایک عبارت رہ گئی اور اس کے علاوہ اشعار سوان کے جوابات مذکورہ سوالات کے جوابات کے بعد ملاحظہ کریں) خانصاحب کے یہ ارشادات وسوالات خالص مغالطہ اور قلتِ تدبر کا افسوس ناک مظاہرہ ہے۔

بہرحال پہلا جواب یہ ہے کہ شرعی اصول کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی تکلیفی زندگی جس میں اغوائے شیطانی کا خطرہ رہتا ہے موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے قبر میں اغوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا باقی رہا نوادر الاصول کا حوالہ تو چنداں قابلِ التفات نہیں اس لیے کہ یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں بلکہ ایک تابعی کا موقوف قول ہے اور پھر اس کی سند بھی ذکر نہیں کی گئی اور نوادر الاصول ان کتابوں میں سے ہے جس میں رطب ویابس سبھی کچھ ہے۔

المراح فی المزاح العلامہ بدرالدین غزنوی (المتوفی ۹۸۴ھ کے حاشیہ میں ہے قال السیوطی فی الجامع الکبیر کل ماعزی الی العقیلی وابن عدی والخطیب البغدادی وابن عساکر او للحکیم الترمذی وذکر جماعۃ

غیرھم فھو ضعیف فیستغنی بالذکر الیھا عن بیان ضعفہ (حاشیہ المراح فی المزاح: ص:۱۵) امام سیوطی جامع کبیر میں لکھتے ہیں کہ جو روایت عقیلیؒ اور ابن عدیؒ اور خطیب بغدادیؒ اور ابن عساکرؒ اور حکیم ترمذی اور ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت نے ذکر کی ہے، کہ ان کی طرف روایت کی نسبت کر دینا ہی اس کے ضعف کے لیے کافی ہے اس کے ضعف کے الگ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔

اگر ان کتابوں میں کوئی روایت باسند ہو اور سند بھی متصل ہو اور راوی بھی تمام ثقہ ہوں اور شذوذ و علل قادحہ سے بھی محفوظ ہوں، تو الگ بات ہے ورنہ ان کی طرف کسی روایت کا منسوب کر دینا ہی اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کی دلیل ہے اور یہی وہ کتابیں ہیں کہ جن سے جملہ اہل بدعت اور خصوصاً خاں صاحب اپنے جملہ مسائل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے کہ قبر میں بھی شیطان کا دخل ہوتا ہے اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ سے دفن کے بعد کی دعاؤں میں "اللّٰھمّ اجرہ من الشیطان اور اللّٰھمّ اعذہ من الشیطان" اور اس قسم کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ اپنی حقیقت ہی پر محمول ہیں تو عرض یہ ہے کہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جن میں شیطان کا دخل احادیث سے معلوم ہے مگر ان مقامات پر شاید خاں صاحب بھی اذان کو گوارا نہ کریں چنانچہ بخاری، جلد:۲، ص:۹۴۵۔ وغیرہ کتب صحاح میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت یہ دعا پڑھے "بسم اللّٰہ جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا" (الحدیث بخاری: جلد:۲، ص:۹۵۴) اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور شیطان کو اس چیز (یعنی اولاد) سے جو تو ہمیں دے الگ رکھ۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت مجاہد کی شرح میں نقل کرتے ہیں کہ ان الذی یجامع ولا یسمی یلف الشیطان علی احلیہ الخ (فتح الباری: جلد:۲، ص:۹۲) جو شخص ہمبستری کے وقت یہ دعا نہیں پڑھتا تو شیطان اس کے آلۂ تناسل پر لپٹ جاتا ہے۔ لیجئے اس سے زیادہ

نازک مقام شیطان کو بھگانے کا اور کیا ہوگا ؟ کیا قبر پر اذان دینے والے حضرات کے نزدیک اس موقع پر بھی شیطان کو بھگانے کا کبھی خیال پیدا ہوا ہے؟ ان کے نزدیک اس موقع پر بھی اذان کم از کم مستحب اور سنت ہونی چاہئے بلکہ یہاں صرف مسلمان بھائی ہی نہیں بلکہ مسلمان بہن اور اولاد پر احسان ہوگا کہ شیطان کی خلل اندازی سے محفوظ رہے۔

جواب (۳) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ان ھذا الخشوش محتضرۃ (الحدیث ابوداؤد : جلد:۱، ص:۲، مشکوۃ: جلد: ۱،ص:۴۳) یعنی قضاء حاجت کے مقامات پر شیاطین موجود رہتے ہیں پس جب تم میں سے کوئی پاخانے جائے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے۔ نیز فرمایا: اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث (ترمذی: جلد:۱،ص:۳) کہ اے اللہ مجھے نر اور مادہ جنوں اور شیطانوں سے بچا اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ پاخانوں میں شیطان موجود رہتا ہے کیا قبر پر اذان دینے والوں نے کبھی اس موقع پر اذان کہنے کو مستحب یا سنت کہا ہے؟ اور اس پر کبھی عمل کیا ہے کہ پیر مولوی اور خاں صاحب تو قضاء حاجت میں مشغول ہوں اور باوفا مرید اور شاگرد اذان دیکر شیطان کو بھگانے کی فکر میں ہوں اور اگر ایسا کرتے ہیں تو خوب اور اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے؟

جواب : جناب نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ و تبع تابعینؒ کو بھی معلوم تھا مگر کیا وجہ ہے کہ آپ نے پوری عمر ایک دفع بھی قبر پر اذان نہ کہی اور نہ اس کا حکم صادر فرمایا نہ صحابۂ کرامؓ و تابعین و تبع تابعینؒ میں سے کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ حضرات ائمہ دین میں سے کسی نے یہ راز سمجھا تو آج چودھویں صدی میں کسی شخص کو یہ حق کہاں اور کیسے حاصل ہوگیا کہ وہ اپنی ان بے حقیقت قیاس آرائیوں سے دین میں پیوند کاری کرے؟ قبر پر اذان دے کر مسلمان بھائی کی عمدہ امداد کا یہ جادو اثر نسخہ جناب نبی اکرم ﷺ نے باوجود رؤف اور رحیم ہونے کے اپنی امت مرحومہ کو نہ بتایا اور حضرات صحابۂ کرامؓ وغیرہ کو بھی یہ نسخۂ عجیبہ معلوم نہ ہوسکا اور حضرات ائمہ مجتہدین بھی اس اکسیر اعظم سے محفوظ رہے اور سلف صالحینؒ بھی اس زوردار اثر سے فیض یاب نہ ہوسکے تو پھر آج اس نسخہ کو کون پوچھتا ہے؟

اب رہا شامیؒ کی عبارت کہ نماز کے سوا چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غمزدہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں، جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے، لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت میت کو قبر میں اُتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے، لیکن اس اذان کے سنت ہونے کا ابن حجرؒ نے انکار کیا ہے جن کی سرکشی کے وقت۔ (جاء الحق: ص:۲۹۸)

جواب: اولاً: تو خود اس عبارت کے اندر یہ کہا جا رہا ہے کہ اذان سنت ہے، میت کو قبر میں اتارتے وقت، یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ اذان قبر پر جائز یا سنت ہے، پھر یہ ثابت کرنا کہ قبر پر اذان دینا صحیح ہے کیسے ہو سکتا، اگر اس عبارت کے ذریعہ ایسا عقیدہ رکھا جائے تو علامہ شامیؒ پر کذب بیانی کا بہتان آئے گا اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ایسے برے بہتان سے بچائے۔ ثانیاً علامہ ابن حجرؒ نے اس عبارت کا انکار کیا ہے یعنی ایسے اقوال کی وہ تردید کرتے ہیں پھر قبر پر اذان دینے کا عقیدہ ثابت کرنا جہالت پر مبنی ہے۔

تیسری چوتھی پانچویں دلیلوں کے جوابات

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے، چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے نیز ان تینوں باتوں کی تائید میں خاں صاحب نے احادیث پیش کی ہیں۔ (جاء الحق: ص:۲۹۹)

جواب (۱) اس بات کی نشاندہی احقر ماقبل کے اندر بھی کر چکا ہے کہ خاں صاحب اذان کی فضیلت بیان کر کے اذان قبر کو ثابت کریں گے حالانکہ یہ غیر دانشمندی پر مبنی ہے۔ بہر حال ہمارا پہلا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ تین دلیلیں بیان کی ہیں سو یہ اذان خمسہ کی فضیلت پر مبنی ہیں اور اذان کی کافی فضیلت ہے لیکن اس بات پر قرآن و احادیث و اجماع اور قیاس سب خاموش ہیں کہ مزارات پر اذان دینا کیسا ہے بلکہ اس عقیدے کی نفی پر علمائے اسلام کے اقوال بھی آئے ہیں جیسا کہ احقر مقدمہ کے اندر بیان کر چکا ہے، پس خاں صاحب سے درخواست ہے کہ آپ اثبات اذان قبر پر دلائل دیں نہ کہ نفس اذان پر۔ (چوں کہ ہمارا اور آپ کا جھگڑا قبر پر اذان دینے کے سلسلے میں ہے)

جواب (۲) دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ شیطان لعین انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ انسان کو اغوا کر کے اپنا رفیق اور ساتھی بنا لے۔ بیداری میں وہ بھلا پیچھا کیسے چھوڑتا۔ وہ خواب غفلت میں بھی انسان کو پریشان کئے بغیر نہیں رہتا اور خواب کی ایک قسم تخویف من الشیطان ہے جو اس کی واضح دلیل ہے۔ اہل بدعت کے قاعدہ کی رو سے لازم ہے کہ دن اور رات جملہ اوقات میں اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی عمدہ امداد اس اذان کے ذریعہ کی جائے اور سفر و حضر میں اس عمدہ امداد کو فراموش نہ کیا جائے کوئی اس کو پسند کرے یا نہ کرے یہ کہتے ہوئے اس پر عمل کرنا چاہئے کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان اور یہ کس سے پوشیدہ ہے کہ کلبوں، سینماؤں، کالجوں، اسکولوں اور دفتروں میں آج کل جس طرح شیطان کا دخل ہے وہ کسی اور جگہ ہرگز نہیں لہٰذا اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد اذان کے ذریعہ ہونی چاہئے اور پھر حکومت کے فیصلہ کا انتظار کیجئے کہ وہ اس ہمدردی کا کیا صلہ تجویز کرتی ہے؟ اور آج کون مسلمان ہے جو اس ناپائیدار دنیا میں وحشت اور غم میں مبتلا نہیں، ہر طرف سے بیچارے مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں اور وہ کون سنگدل ہے جس کے ماں باپ بیٹا یا کوئی عزیز فوت ہو جائے اور غم والم سے دوچار نہ ہو، اسکی عمدہ امداد اذان کے ذریعہ کیوں نہیں کی جاتی؟

چھٹی دلیل کے جوابات

چھٹی دلیل یہ ہے کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے چنانچہ حضرت معاذؓ کا واقعہ ہے کہ بعد الدفن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سبحان اللہ سبحان اللہ فرمایا پھر اللہ اکبر فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی لوگوں سے دریافت کیا کہ یا اللہ کے نبی ﷺ یہ کیا ماجرا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی اللہ نے کشادہ کر دی۔ (جاء الحق: ص ۳۰۰)

جواب **پہلی** بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دفن کے وقت تسبیح فرمائی نہ کہ دفن کے بعد قبر پر لہٰذا خاں صاحب کا قیاس باطل ہے **ثانیاً** یہ کہ اس روایت کے اندر یہ موجود ہے "کبّر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم کبّر الناس الخ" کہ

یہاں تکبیر کا تذکرہ ہے نہ کہ اذان کا نیز اس بات کو ہم اہل سنت والجماعت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ذکر اللہ سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے لیکن یہ کہنا کہ بعد الدفن اذان دی جائے سو یہ بدعت ہے۔ چوں کہ ہر ذکر ہر جگہ درست نہیں بلکہ ہر ایک کا محل الگ الگ ہے۔

ساتویں دلیل کے جوابات

اذان میں حضور ﷺ کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة" (جاء الحق: ص: ۳۰۰)

اس کا جواب ماقبل میں بھی دیا جا چکا ہے کہ صالحین کے ذکر سے یقیناً رحمت نازل ہوتی ہے لیکن بعد الدفن اذان دینے کا ثبوت کہاں سے ملتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب اس مقولہ کے مصداق ہیں کہ "مارے گھٹنا پھوٹے سر" "کہیں کا روڑا کہیں کا پتھر" کہ خاں صاحب کو اثبات اذان قبر پر دلائل بیان کرنا چاہئے تو بجائے اس کے ذکر کرنے کے، ذکر صالحین کے ثبوت میں دلائل پیش کر رہے ہیں ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ آپ اثبات اذان قبر پر دلائل پیش کریں؟ پھر خاں صاحب نے مختلف (انحراف موضوع) عبارات پیش کرتے ہوئے شامیؒ کے حوالے سے یہ فرمایا کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ان عبارات سے ثابت ہوا کہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں (جاء الحق: ص: ۳۰۰ تا ۳۰۱)

جواب: لعنة الله على الكاذبين، خاں صاحب کا سفید جھوٹ کہ انہوں نے یہ کہا کہ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ اذان قبر درست ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں تمام کے جوابات دیتے وقت نشاندھی کی تھی کہ ان سے فضائل وغیرہ ثابت ہوتے ہیں نہ کہ اذان قبر۔ اب رہی بات شامیؒ کی عبارت کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اذان قبر اچھی اور بنفسہ عبادت ہوتی تو صحابہ کرامؓ یا حضور اکرم ﷺ ضرور اس عمل کو فرماتے۔ معلوم ہوا کہ شامی کی عبارت کا یہ مفہوم نہیں ہے؛ بلکہ اس عبارت میں دیگر عبادات شامل ہیں۔ اب رہا سوال کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ تلقین ثابت ہے تو اس کا جواب احقر ماقبل میں بالتصریح دے چکا ہے ملاحظہ کر لیں۔

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات

قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت سیئہ حرام ہے لہٰذا یہ بھی حرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح حضور ﷺ سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث میں منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھادے تو جائز ہے (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہٰذا یہ سنت سے ثابت ہے۔ (جاء الحق: جلد ۱، ص ۳۰۱)

رد: (خاں صاحب کا مذکورہ جواب مردود ہے۔ **اولاً** اس لیے کہ پوری تفصیل کے ساتھ عرض کیا جاچکا ہے، یہ سب منافع اور فوائد جناب رسول کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام وغیرہ کو معلوم تھے، مگر انہوں نے اپنی زندگی میں ایک دفع بھی قبر پر اذان نہیں دی لہٰذا سنت ثابتہ کے مقابلہ میں ایسے خود ساختہ عقلی دلائل ہرگز قابل قبول نہیں ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں کہ وہ عقلیات جو شریعت کے معیار اور میزان پر پورے نہ اترتے ہوں، قابل اعتماد ومحل اعتبار نہیں تواند بود۔ (عجالہ نافعہ ص ۳)

رد: (۲) دوسری تردید خاں صاحب نے ہدایہ کے حوالہ سے اتنی بات (جو مفید طلب تھی) نقل کردی ہے کہ "اگر کچھ بڑھادے تو جائز ہے" لیکن صاحب ہدایہ کی دلیل نقل نہیں کی کہ یہ زیادتی کیوں جائز ہے؟ صاحب ہدایہ اپنی عادت کے موافق اس مسئلہ کی نقلی دلیل یوں پیش کرتے ہیں ان اجلاء الصحابۃؓ کابن مسعودؓ وابن عمرؓ وابی ھریرۃؓ زادوا علی المأثورۃ (ہدایہ: جلد ۱، ص ۲۱۷) بڑے حضرات صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت ابن مسعودؓ ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ماثور تلبیہ میں کچھ الفاظ زیادہ پڑھتے تھے۔

یہ وہ صحابی ہیں جو جناب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہر وقت حاضری دینے والے تھے ان کے اس زیادتی والے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے پاس آنحضرت

ﷺ سے کوئی نہ کوئی ثبوت ضرور موجود تھا، ورنہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ بھی جلیل القدر صحابی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کے بدلنے کو گوارا نہیں کرتے تھے۔

نیز اگر ان کے پاس ایسا ثبوت نہ ہوتا تو ہرگز وہ یہ زیادتی نہ کرتے ہم نے جو یہ کہا کہ ان کے پاس ثبوت ہوگا۔ وہ ثبوت یہ ہے چناں چہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: والناس یزیدون لبیک ذالمعارج ونحوہ من الکلام والنبی ﷺ یسمع فلایقول لھم شیأ (ابوداؤد: جلد:۱، ص:۲۵۲، ونصب الرایۃ: جلد:۳، ص:۲۵) کہ لوگوں نے لبیک ذاالمعارج اور اسی طرح اور کلام تلبیہ میں زیادہ کیا اور جناب نبی کریم ﷺ نے اس کو سنا اور ان کو کچھ نہ کہا۔

پھر خاں صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ کے سوالوں کے حوالے سے خاں صاحب نے یہ کہا کہ کسی نے مولانا گنگوہیؒ سے سوال کیا کہ مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور یہ بدعت ہے یا نہیں؟ اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے دیا کہ قرون ثلاثہ میں بخاری کی تالیف نہیں ہوئی تھی۔ جب قرون ثلاثہ میں اس کی تالیف نہیں ہوئی تھی لہٰذا بدعت نہ ہوگا ہاں اس وقت بدعت ہوتا جب قرون ثلاثہ میں تالیف ہو چکی ہوتی اور اس زمانے کے اہل اللہ نہ پڑھتے۔ نیز ختم بخاری کا اصل بھی ہے بایں معنی کہ (۱) بقولہ تعالیٰ: وما ینطق عن الھوا ان ھو الا وحی یوحی. (۲) انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. (۳) فاستبقوا الخیرات گویا کہ خاں صاحب کی تنقید کے جوابات خود حضرت گنگوہی کی عبارت میں مقدر ہیں لیکن ان کے پاس تدبر و تفکر کا مادہ مفقود ہے۔ گویا کہ باطناً ختم بخاری کا ثبوت صحابہؓ اور تابعین درکنار قرآن سے ثابت ہے۔

آگے خاں صاحب نے پھر حضرت گنگوہیؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ کھانا تاریخ معین پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا، پس خاں صاحب کے اشکال کا جواب بھی اسی عبارت کے اندر محذوف ہے بایں طور کہ بدعت سے مراد بدعت حسنہ ہے نہ کہ سیئہ چوں کہ دعوت کا ثبوت اور اس کی تواریخ صحابہ کرام سے ثابت ہیں چنانچہ حسان بن ثابتؓ

نے حضرت علیؓ وغیرہ کی دعوت کی اور ایک تاریخ متعینہ پر کھانا کھلوایا۔ بقولہ تعالیٰ یؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصہ بہر حال کھانے کی تاریخ اور ختم بخاری کا ثبوت نہ صرف تابعین وتبع تابعین اور صحابہ کرام سے بلکہ اس کا ثبوت حضور اکرم ﷺ سے بھی ہے۔ نیز اس بات پر احقر نے کئی کئی قرآنی آیت پیش کی ہیں ملاحظہ کریں۔

دوسرے خلجان کی تردید

شامیؒ نے باب الاذان میں جہاں اذان کے مواقع شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا "لکن ردہ ابن حجرؒ فی شرح العباب" اس اذان کی ابن حجرؒ نے شرح عباب میں تردید کردی ہے معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے (جاء الحق ص ۳۰۲) اسکا جواب خانصاحب یہ دیتے ہیں کہ وہ شافعی المسلک ہیں لہذا ان کی تردید صحیح نہ ہوگی۔

رد: اس معاملہ میں اکثر ائمہ کرام کا یہی قول ہے کہ اذان قبر بدعت ہے کیوں کہ اسحٰق ابن راہویہ جو کہ حنفی المسلک ہیں لیکن وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ گمراہ ہے اسی طریقے سے امام مالکؒ امام حنبل وغیرہ کا یہی کہنا ہے (دیکھئے بحر الرائق) پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجرؒ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کی تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے آگے اس بات کی تائید میں شامی کی عبارت پیش کی۔ (جاء الحق ص ۳۰۲)

رد: علامہ ابن حجرؒ اتنے بڑے امام ہیں وہ کیسے بغیر دلیل کے بول سکتے ہیں چنانچہ ان کی نظر قرآن پر ہے حدیث پر ہے اجماع وقیاس پر ہے مزید اس اشکال کے جوابات ماقبل میں گذر چکے ہیں جیسا کہ احقر نے مختلف علماء امت کے اقوال پیش کردئے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے شامیؒ کی عبارت پیش کی سوا انکی عبارت سے کوئی منفی چیز ثبوت تک نہیں پہنچ سکتی کیوں کہ صاحب عبارت مجتہد نہیں تھے۔

تیسری دلیل کے جوابات اور اس کی تردیدات

فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر بجز فاتحہ کے کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ

ہے لہٰذا حرام ہے چناں چہ بحر الرائق میں ہے "ویکرہ عند القبر کل عالم بعید من السنۃ والمعہود منہا لیس الاذان عندہا والدعاء عندہا فالمراد شمائی کتاب الجنائز میں ہے "لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ہو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر بانہ بدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ فلم یصب الیقین میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں جیسا کہ آج کل مروج ہے اور ابن حجر نے تشریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا اور در المختار میں ہے کہ جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔ تو شیخ شرح تنقیح میں محمود ٹنی فرماتے ہیں الاذان علی القبر لیس بشئی قبر پر اذان دینا کچھ نہیں اور مولوی اسحٰق صاحب فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیوں کہ یہ ثابت نہیں اور جو چیز سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتی ہے۔ ان تمام مذکورہ دلائل حقہ کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا، اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت، یہ زیارت کا وقت نہیں اگر دفن کا وقت بھی شامل ہے تو لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا تلقین کرنا جس کو فتاوی رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہو۔ (جاء الحق ص: ۳۰۳ تا ۳۰۴)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا تھا کہ جو زیارت قبور کے لیے جائے اس کے لیے جائز نہیں اسی طرح یہ بھی کہا کہ یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت کی، تو ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے تردید یہ ہے کہ ہمارے مذکورہ دلائل تمام کے لیے عام ہیں یعنی خواہ زیارت قبور کے لیے جائے یا دفن کے لیے، تمام ہی کے لیے اذان قبر ناجائز ہے اب رہا سوال آپ کا کہ قبر میں میت کو اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا یہ بھی بدعت اور ناجائز ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں میت کا اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا، اور بعد دفن "منہا خلقنکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری" پڑھنا نص

سے ثابت ہے۔ لیکن اذان قبر کی سے ثابت نہیں ہے اور خان صاحب تا قیامت ثابت نہیں کر سکتے۔

نیز میت کو قبر میں اتارنے کے بعد اس کو بند کرنے کے لیے کہتے دینا تلی اذان بعد الدفن منھا خلقنکم والی دعائیں پڑھنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کے ورکنار احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ یہ تمام امور مشہور و معروف ہیں۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے، دفن کے وقت کون سی نماز ہو رہی ہے کہ جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔ خاں صاحب نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لیے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کسی جگہ کہنی چاہیے آخر بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کون سی نماز کا وقت ہے۔ (جاء الحق: ص ۳۰۵)

رد: جہاں خان صاحب نے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، وہاں یہ عبارت تھی "وقیل عند انزال المیت القبر الخ" یعنی یہ کہا گیا کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان یعنی کلمات اذان اللہ اکبر کہا جائے الخ۔

جواب: بعد الدفن اذان دینے کا حکم ہو رہا ہے اس طریقے سے اس عبارت کے جوابات کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی ہے کہ یہ قول علامہ شامی کا نہیں ہے بلکہ ان کے معاصرین میں سے کسی اور کا ہے جیسا کہ لفظ قیل سے اندازہ ہوتا ہے اب رہی بات مصافحہ اور معانقہ کی تو اس کا ثبوت صحابہ کرام تابعین تبع تابعین کے زمانے سے ہے لہٰذا بدعت نہ ہوگا۔ البتہ فجر کی نماز کے بعد مصافحہ تو اس کا بھی واقعتاً کہیں سے ثبوت نہیں ہے۔

مُقدّمہ

بحث عرس بزرگان

حضور اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ، یعنی ہر وہ اہل ایمان جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کے لیے ایصال ثواب کرنا باعث سعادت ہے؛ لیکن باضابطہ کسی بزرگ کے مزار کے لیے عرس کرنا یا سفر کرنا نیز تاریخ متعین کر کے اس پر ہجوم لگانا قطعاً جائز نہیں۔ اور یہ عمل شریعت کی نظر میں مردود ہے کیوں کہ اسکا ثبوت نہ تو قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں، نیز خان صاحب وغیرہ کے متبعین ایسا کرتے ہیں کہ تاریخ متعینہ پر بزرگان دین کے مزار کی زیارت کرنے کے ساتھ ساتھ ہجوم لگاتے ہیں، سو یہ درست نہیں بلکہ عند الشریعۃ المعتدلہ مردود ہے کیوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تجعلوا قبری عیداً" (نسائی شریف ومشکوۃ ص ۸۶) تم میری قبر کو عید نہ بناؤ شراح حدیث نے اسکے متعدد معانی اور مطالب بیان کئے ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ "لا تجعلوا للزیارۃ اجتماعکم کالعید" تم زیارت کے لیے ایسے نہ جمع ہو جیسے کہ تم عید کے لیے مجتمع ہو۔ بہر حال مکمل بحث آگے آرہی ہے "فانتظروا انی معکم من المنتظرین"۔

پہلا باب

ثبوت عرس اور اسکے جوابات میں

خان صاحب نے سب سے پہلی دلیل یہ بیان کی کہ عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی وصدقات کا ثواب

پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے پھر آگے خان صاحب نے شامیؒ کی عبارت پیش کی کہ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور ﷺ ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اسی طرح آگے تفسیر کبیر اور در منثور میں ہے کہ حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (جاء الحق ج:۱، ص:۳۰۷)

جوابات کی تفصیل

اولاً تو نبی اکرم ﷺ کا مسکن شہداء اُحد کی قبروں کے نزدیک تھا جس کی وجہ سے آپ تشریف لے جاتے تھے ایسا نہ تھا کہ ایک مزار بریلی شریف میں ہے تو دوسرا مزار کلیر شریف میں اور ان کے معتقدین کبھی بہار سے آتے ہیں تو کبھی گجرات سے کبھی مہاراشٹر سے تو کبھی بنگلہ دیش سے یعنی زیارت قبور کے لیے لوگ اتنا لمبا سفر کرتے ہیں جس کو نہ حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے اور نہ صحابہ کرام نے اور نہ تابعینؒ اور نہ تبع تابعینؒ نے جب اتنا لمبا سفر ان حضرات نے محض زیارت قبور کے لیے نہیں کیا تو پھر اگر کوئی خان صاحب کے معتقدین ایسے ایسے اسفار کرتے ہیں تو یہ بدعت اور ناجائز ہوگا۔

ثانیاً: حضور اکرم ﷺ شہداء اُحد کے پاس جب تشریف فرما ہوتے تو نہ زیادہ ہجوم ہوتا اور نہ زرق و برق بلکہ سادگی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے اور زیارت فرماتے لیکن اس دور کے اندر خان صاحب کے متبعین باضابطہ آنے کیلئے میٹنگ کرتے ہیں اور کافی روپے پیسے خرچ کرتے ہیں اور وفد در وفد بنا کر تشریف لاتے ہیں سو یہ قطعاً درست نہ ہوگا۔

ثالثاً: جب حضور اکرم ﷺ شہداء اُحد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تو نہ ساتھ کوئی مٹھائیاں ہوتیں اور نہ ہدایا اور نہ کوئی مزاری چادریں اور نہ پھول بلکہ سادے سادے تشریف لے جاتے اور فاتحہ و درود و سلام کے بعد کھڑے کھڑے فوراً تشریف لے آتے لیکن خان صاحب کے متبعین باضابطہ مٹھائیاں اور چادریں پھول وغیرہ لیتے ہیں پھر مزارات پر تشریف لے جاتے ہیں یہ تمام باتیں ضال و مضل کے ساتھ ساتھ امت محمدیہ کو فقر و فاقہ میں مبتلاء کرنا ہے۔ قارئین کرام! اگر ان تمام باتوں کا مشاہدہ

کرنا ہو تو آپ بریلی شریف یا کلیر شریف جا کر کسی گجرات یا چنیوٹ یا لیہ یا بھکر یا ڈیرہ غازی خان جائے گا کہ خان صاحب کے یہاں کیا حال ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ یا خلفاء راشدین وغیرہ کے لیے کوئی ہدیہ تحفہ پیش نہ کرتا تھا کہ فلاں دن ہدیہ حاضر ہو جائے گا۔ بلکہ اب بھی علماء اہل اللہ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کرتا ہے تو کبھی کبھی گھر میں ہی فقراء کو کھانا کھلانے کا اہتمام کرتا ہے۔

دوسری دلیل اور اس کے جوابات

خان صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب کے حوالے سے یہ لکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں اور کھانے شیرینی وغیرہ کا التزام کرکے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے میں مروج نہ تھی لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ فقراء سے مراد ان کو فائدہ حاصل ہوتا ہے پھر خان صاحب نے "بذل المصانع" اور تقسیم شیرینی وطعام سے ان کی مدد کرنا بجماع لکھا ہے۔ (براہین ص ۴۹۸)

جوابات کی تفصیل

(۱) "نصاب الاحتساب" میں لکھا ہے: ان عدم القرآن جهراً بالجماعة ويسمى بالفارسية سپنره خواندن مكروه، اور قرآن کو بیکار کر پڑھ کر جماعت کے ساتھ ختم کرنا جس کو فارسی میں سپارہ پڑھنا کہتے ہیں مکروہ ہے۔

(۲) فتاویٰ بزازیہ میں مرقوم ہے "يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الى القبر في المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم وقراءة سورة الانعام او الاخلاص"۔

(۳) خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مہمانی کا کھانا جو میت کے پیچھے پکاتے ہیں تو یہ خود ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے چہ رسد بخود سے

"الاجتماع للضرار" فالنظر فی الحیثیات والخصوصیات فی المضرار
او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ [illegible]
گھر میں یا مسجد میں یا گھر میں بیٹھ کے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[

رواجوں میں اجتماع کا کہیں ذکر نہیں اور نہ قرآن خوانی اور محفل میلاد منعقد کرنے کا کہیں ذکر ہے۔ الغرض کوئی صحیح نقلی یا عقلی دلیل عرس کے جواز پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ تین سوالات اور اس کے جوابات گذر چکے ہیں۔

چند خلجان کا ازالہ

خاں صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے بارگاہ کا دا گر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ (جاء الحق ص ۳۰۸)

جواب: حضرت حاجی صاحبؒ کی مذکورہ عبارت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ باضابطہ مجلس بنا کر تاریخ متعینہ پر عرس کرے (جیسا کہ عیاں ہے) بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے پیر و مرشد کے تعلقات کو اظہر من الشمس کیا ہے نیز اپنے پیر پر ایصال ثواب کرنے کی ترغیب کی ہے اور قرآن خوانی اور وقتاً فوقتاً مولود یعنی اپنے پیر صاحب کی یادگار کے لیے کھانے کے اچھے فضائل بیان کرتا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ محفل میلاد اور قیام میلاد جائز ہو۔ پھر آگے کہا گیا کہ حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے یعنی جو کچھ بنایا ہوا کھانا موجود ہے کھا کر ایصال ثواب کرے نیز یہاں پر یہ نہیں کہا گیا کہ دیگ وغیرہ کے ساتھ کھانا تیار کیا جائے پھر پیر بھائی کو دعوت دیں اور پھول وغیرہ لے جائیں اور فاتحہ کر کے کھائیں؟ پس معلوم ہوا کہ اس سے خاں صاحب کا استدلال مردود ہے۔ نیز کہا گیا کہ کھانے کھا کر بخش دیا جائے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کھانا پیر صاحب کے نام پر کھا کر بخشے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اطمینان سکون کے ساتھ کھا کر جملہ میتوں کے لیے اللہ سے دعاء کریں۔ پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ خاص کر علماء مدینہ منورہ بھی حضرت امیر حمزہ کا عرس کرتے رہے جن کا مزار مقدس احد پر ہے۔ (جاء الحق ص ۳۰۹)

جواب: یہ عرس نہ تھا اور نہ ہے بلکہ لوگ عقیدتاً زیارت مزار اور ایصال ثواب کے لیے غیر متعینہ تاریخ پر پہنچتے ہیں پس اس کو عرس پر محمول کرنا جہالت ہے۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

جس کو تم موت بعد ولی سمجھتے ہو اور عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین ہو کر مرا پھر کسی مردے کی ولایت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ کفن دفن میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی الخ۔ (براہین حق ج ۱ ص ۳۰۹ تا ۳۱۰)

وہ انسان موت کے بعد خود فنا ہو جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات حقیقی معنی میں کسی کو معلوم نہیں کہ فلاں شخص کی موت کس پر ہوئی، آیا کلمہ طیبہ پر ہوئی یا نہیں؟ لہٰذا ان سے مدد وغیرہ مانگنا چاہے رہی یہ بات کہ ولی کا خاتمہ بالخیر نہیں ہوا تو پھر احکام شریعت مثلاً کفن دفن اور میراث وغیرہ کی تقسیم کیوں ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے تو اس بات کی وضاحت کر دی کہ ظاہر ان کو بعد الموت کفن دفن اور مال کی تقسیم کرو لیکن شریعت اس معاملے میں خاموش ہے کہ آیا اس کا خاتمہ بالخیر ہوا یا نہیں تبھی تو وہ خاموشی ہے یا وہ خاموشی لہٰذا عرس وغیرہ کرنا اسی خاموشی شریعت پر ہے اور میراث کفن دفن وغیرہ وضاحت شریعت پر مبنی ہے پس خاموشی شریعت کے باوجود اس کا اپنانا بدعت اور حماقت کیوں نہ ہوگی۔

اسی طرح خاں صاحب کی یہ بات کہ کفار و مشرکین کی نماز جنازہ پڑھی ہو سکتی ہے کہ ان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہوتو اس سلسلے میں یہ بات کافی ہے کہ ہمیں عذاب الیم اور مسلمان کے سلسلے میں کہا گیا ہو الیم حتماً لیکن جنت تو ہے مگر مصیبات کی وجہ کر سزا پانے کے بعد خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی کامل کیوں نہ ہو۔ پھر خاں صاحب چند آیات کریمہ لائے ہیں (۱) انہم شہداء اللہ فی الارض (۲) ھذا الیوم حق اللہ

حسنٌ (۳) وکذالک جعلنکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس۔

رد: ان تمام آیات واحادیث سے تو امت محمدیہ کی فضیلت عیاں ہو رہی ہیں لیکن شاہد وعادل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ امت محمدیہ معصوم عن الخطاء ہیں جیسا کہ مشہور ہے الانسان مرکبٌ من الخطاء والنسیان کہ انسان نسیان وخطاء سے مرکب ہے جب انسان گناہوں سے مرکب ہے تو کیا اس کو سزا نہیں دی جائے گی؟ جب سزا دی جائے گی تو اب وہ کیا دوسرے کی مدد کرے گا بلکہ خود کا محتاج ہے جب خود کا محتاج ہے تو پھر اس پر عرس کرنا مدد مانگنا بے جا اور لغو ہے۔ (یاد رہے کہ یہ جواب الزامی ہے) رہا یہ سوال کہ پھر یہ امت محمدیہ دوسروں پر کیسے گواہی دیں گے تو اس کا جواب اولاً یہ ہے سزا پانے کے بعد جب امت محمدیہ گناہوں سے مبرہ ومنزہ ہو جائے گی تو شہادت دیں گی۔ ثانیاً حضور اکرم ﷺ کی امت ہونے کی وجہ سے ان تمام فضائل سے مزین کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

حدیث شریف میں ہے لاتتخذوا قبری عیداً میری قبر کو عید نہ بناؤ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا میلا لگانا منع ہے کیوں کہ عید سے مراد میلہ ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہٰذا حرام ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ، یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا اور احادیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا آیا کرو عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت وآرائش ہوتی ہے کھیل کود بھی ہوتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہے۔ (جاء الحق ص ۳۱۱)

رد: قارئین [illegible] خاں صاحب کی عقل وتحقیق پر داد دیجئے کہ انہوں نے کہا کہ "یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ "عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔" حالانکہ یہ بات نہ صرف انسان بلکہ جمیع حیوان ومایکون کو معلوم ہے کہ عید کے موقع پر عیدگاہ وغیرہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور طرح طرح کی گفتگو ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ عید کے اصل معنی ہی جمع ہونے کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث مذکورہ کی اہل علم نے تشریح کی ہے لاتجتمعوا لزیارۃ اجتماعاً لکم للعید پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ تنہا تنہا آیا

کرو اور عید کے دن جو کھیل کود ہوتے ہیں وہ نہ کرو کیوں کہ حدیث میں اسی کی ممانعت ہے۔ لیجئے علماء حق کے لیے بہار آ گئی۔ کیوں کہ عرس کے موقع پر تو لوگ اولاً قبروں پر کافی بھیڑ لگاتے رہتے ہیں **ثانیاً**: اس موقع پر کھیل کود تو درکنار بلکہ آپ حضرات ایسے ایسے مواقع پر عرس دیکھیں کلیر اور بریلی میں کہ وہاں جوان جوان لڑکیاں اپنے سروں کو کھولے رہتی ہیں اور اپنے سینوں پر پردہ نہیں رکھتیں اور یا صابر کلیری یا صابر کلیری کہتی رہتی ہیں اور بدمعاش لڑکے لڑکیوں کے ساتھ آنکھ مچولی کرتے ہیں۔ نیز راتوں میں کلیر شریف کے مزار پر تمام لوگ سوئے ہوتے ہیں پتہ نہیں کہ وہاں کا ماحول کیسا ہوگا۔ استغفر اللہ۔ پھر بھی خاں صاحب یہ کہنے لگے کہ کھیل کود کی ممانعت ہے لیجئے آپ کے یہاں کھیل کود تو درکنار آنکھ مچولی ہوتی ہے یہ ہے عرس کا نتیجہ اب قارئین کرام غور کریں کہ کیا عرس وغیرہ صحیح ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ایسے ایسے عرس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی جاتی ہے غرض کہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لیے یہ حرام ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہی ہے اور حلال حلال الخ۔ (جاء الحق ص ۳۱۱)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ حلال چیز میں حرام کے ملنے سے حرام نہیں ہوتا تو عرس اولاً یہ حلال ہی نہیں ہے جیسا کہ بحث ماقبل میں گذر چکی لیکن بفرض محال اگر اس کو تھوڑی دیر کیلئے حلال تصور کیا بھی جائے تو اس کے اندر خرابیاں ہی خرابیاں عیاں ہوتی ہیں کہ انسان معصیات و گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتا ہے، لیکن خاں صاحب نے شامیؒ کی عبارت پیش کی کہ زیارت قبور لوگ اس لیے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیوں کہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبور کرے اور بدعت کو رد کرے (جاء الحق ص ۳۱۴)

جواب اولاً: تو یہاں زیارت قبور کا تذکرہ ہے نہ کہ عرس کا **ثانیاً**: یہ کہا گیا

کہ زیارت قبور کرے مگر عورتوں کے اختلاط کی وجہ سے نہ روکے لیکن بدعات کو روکے جس کا مطلب صاف واضح ہے کہ بدعات یعنی زیارت قبور کے علاوہ عرس کرنا مجمع لگانا پھول چڑھانا، چادریں چڑھانا، عورتیں کو کثرت سے مزارات پہ آنے دینا، اسی طرح مزارات پر مرغ وغیرہ چڑھانا ان تمام بدعات وخرافات سے محفوظ رکھے گویا کہ خاں صاحب نے اپنی تلوار سے اپنی ہی گردن کاٹ لی کہ شامی کی عبارت ہمارے موافق ہے اور اس کے مخالف نکلی۔ پھر آگے خاں صاحب نے حج وعمرہ پر عرس کا قیاس کیا ہے کہ اگر عرس کے اندر کوئی خرابی مثلاً اختلاط ہو جائے تو کوئی حرج نہیں جیسے کہ حج میں ہوتا ہے (جاء الحق، ص ۳۱۲)

جواب یہ ہے کہ اولاً حج لوگوں پر فرض ہے لہٰذا کسی بدعت کو فرض پر قیاس کرنا جہالت ہے ثانیاً حج کے اندر عورتوں کے سروں پر کپڑے اور مکمل طور سے پردہ پوشی رہتی ہے لیکن تمہارے عرس میں نہ سروں پر کپڑے اور نہ سینہ پر پردہ لہٰذا یہ حرام اور وہ جائز ہے ثالثاً دوران حج لوگ مہذب انداز میں چلتے ہیں ایک دوسرے پر نظر نہیں رہتی اور نہ ان دوران عورتیں بن سنور کے جاتی ہیں برخلاف تمہارے عرس کے کہ لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں بن سنور کر بازار کی طرف نکلتی ہیں۔

اسی طرح رہا سوال کہ سفر، جلسہ، مدارس کے اندر عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی حرام؟

جواب: اولاً: تو یہاں عورتوں کا مجمع الگ اور مردوں کا الگ ہوتا ہے لہٰذا یہاں نگہبان موجود رہتے ہیں لہٰذا اس پر عرس کا قیاس کرنا درست نہیں۔ اسی طرح شادی بیاہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہاں بھی مردوں کا عورتوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے یہاں بھی محفلیں الگ الگ ہوتی ہیں **ثانیاً**: ایک دوسرے مجمع کو جمع ہونے سے منع بھی کیا جاتا ہے اور عورتیں مان بھی لیتی ہیں لیکن عرس وغیرہ میں بیوی بھی شوہر کی بات نہیں مانتی تو کیوں کر حرام نہ ہو۔ رہی بات قوالی کی تو اگر شریعت کی رو سے ہے تو صحیح ورنہ وہ بھی ناجائز ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن الناس من یشتری لھو الحدیث۔ (القرآن)

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حرام نہیں بن جاتا تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے کھیل تماشے، سینما، تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو برے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دسترخوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام ملنے سے حرام ہوگئی اسی طرح عرس بھی ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا، ایک ہے داخل ہونا۔ جہاں کہ فعل حرام اس کا جزو بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دیگا اور اگر فعل حرام اس طرح جزو ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دیگا۔ (جاء الحق ص ۳۱۴ تا ۳۱۵)

رد: خاں صاحب نے یہ کہا کہ جہاں فعل حرام اس کا جزو بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا۔ قارئین کرام! خاں صاحب نے خود اپنے ہی قول سے اپنے عقیدہ کو ہباً منثورا کر دیا بایں معنی کہ جزو کہا جاتا ہے مالا ینفک کو کہ وہ چیز جو کبھی جدا نہ ہوتی ہو تو دنیا کے اندر جو بھی آج تک عرس ہوا ہے تو کیا وہاں مرد کے ساتھ عورتیں نہیں پہنچی ہیں یقیناً عورتیں پہنچی تھیں اور پہنچتی ہیں، ماقبل میں کہا گیا تھا کہ عورتیں اس طرح وہاں رہتی ہیں کہ معصیات کے انبار لگے رہتے ہیں لہٰذا مالا ینفک کے تحت یہ حرام کا ایک جزو بن گیا جب جزو بن گیا تو یہ عرس حرام ٹھہرا، نہ کہ جائز۔

رد: دوسری تردید ہے کہ خاں صاحب کا جواب باطل ہے بایں معنی کہ خاں صاحب نے پیشاب کپڑے وغیرہ کی مثال دیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ مثال اور ممثل لہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے لہٰذا یہ جواب درست نہ ہوگا۔

عرس شریعت ودلائل کے آئینے میں

بزرگان دین کے ساتھ حسن عقیدت اور محبت اکتب فی اللہ کے موافق افضل ترین اعمال میں داخل ہے، ان کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی صحیح معنی میں پیروی کرنا باعث سعادت ہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لیے شرعی قواعد کے تحت ایصال ثواب کرنا اور ان کے رفع درجات کے لیے دعا کرنا، ایک پسندیدہ عمل ہے اگر کسی بزرگ کی قبر قریب ہو تو اس پر حاضر ہو کر دعا کرنا اور سنت کے مطابق سلام کہنا، درست اور جائز ہے، ہاں البتہ دور دراز کی مسافت طے کر کے زیارت قبور کے لیے جانا اہل سنت میں مختلف ہیں۔ بہر حال قرآن کریم نے اعلان کر دیا "لا اکراہ فی الدین" کہ شریعت مطہرہ ایسا ممتاز دین ہے کہ اس میں کوئی مشقت و پریشانی نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی شئی بدعت مثلاً عرس کا ایجاد کرے اور مسلمانوں کو تکلیف دیتے ہوئے [illegible] کے سفر کرا کے مزارات پر بلائے اور مجمع لگائے وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور ناجائز ہیں۔

(۱) "لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد" حضرت ابو ہریرہؓ واپس آئے تو ان حدیث کے راوی حضرت بصرہ بن ابی بصرہ الغفاریؓ سے اسی حدیث سے طور کا سفر اختیار کرنے کی ممانعت ثابت کی اور فرمایا اے ابو ہریرہ! (رضی اللہ عنہ) اگر میں آپ سے آپ کے طور پر جانے سے پہلے ملاقات کر لیتا تو اس حدیث کے تحت میں آپ کو ہرگز وہاں نہ جانے دیتا۔ (نسائی: ج ۱، ص: ۱۹۰)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حق میرے نزدیک یہ ہے کہ قبر اور اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کی عبادت کا محل اور طور سب کے سب اس میں برابر ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ج ۱، ص: ۱۹۲)

(۳) جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتیؒ کی قبر پر یا حضرت سالار مسعودؒ غازی کی قبر یا ان کی مانند کسی اور قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو قتل اور زنا سے بھی بدترین گناہ ہے (تفہیمات الٰہیہ: ج ۲، ص: ۴۵) اور قبروں کی زیارت کے لیے دن مقرر کرنا اور معین دن میں اجتماع کرنا ہرگز شریعت سے ثابت نہیں ہے اور خصوصاً سال کے بعد

جواز مقرر کیا جاتا ہے جس کو عرس کہتے ہیں اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

(۴) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا لاتجعلوا قبری عیدا (نسائی مشکوۃ ج ۱، ص ۸۶) تم میری قبر کو عید نہ بناؤ اس حدیث کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے۔ المراد الحدیث علی کثرۃ الزیارۃ ای لاتجعلوا کالعید الذی لایاتی فی السنۃ الامرۃ (ذکروفی المرقات حاشیہ مشکوۃ، ج ۱، ص ۸۶) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت زیادہ پر آمادہ کیا گیا ہے کہ تم میری قبر کو عید کی طرح نہ بناؤ جو سال میں صرف ایک ہی مرتبہ آتی ہے۔ اور عرس بھی مقررہ طور پر سال میں صرف ایک ہی دفعہ کیا جاتا ہے اور ایسا کرنا اس حدیث کے خلاف ہے جب آپ ﷺ کی قبر پر عرس کرنا اور میلا لگانا درست نہ ہوا تو کسی اور کی قبر پر کیسے صحیح اور درست ہوگا؟

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: لاتجعلوا زیارۃ قبری عیداً اقول ھذا اشارۃ الی سد مدخل التحریف کما فعل الیھود والنصری بقبور انبیاء ھم وجعلوھا عیدا وموسما بمنزلۃ الخ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲، ص ۱۷۷ طبع مصر) میں کہتا ہوں کہ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ میری قبر کی زیارت کو عید نہ بناؤ اس میں اشارہ ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دیا جائے کیوں کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام کی قبروں کو حج کی طرح عید اور موسم عید بنا دیا تھا۔ جیسے حج کیلئے ایام کی تخصیص اور خاص اہتمام کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح یہود اور نصاریٰ نے قبور انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ کیا نیز حضرات بریلوی جیسے مسلمانوں نے حضرات انبیاء کی قبروں کے علاوہ حضرات اولیاء کرام کی قبروں بلکہ (مصنوعی قبروں) سے بھی ان لوگوں نے ایسی مدد مانگی کہ یہود اور نصاریٰ بھی شرما جائیں۔

(۶) اور آگے تحریر فرماتے ہیں کہ "ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوھا عیداً" بڑی بدعتوں میں یہ ہے کہ لوگوں نے قبور کے بارے میں بہت کچھ اختراع کیا ہے اور قبروں کو میلہ گاہ بنا لیا ہے۔ (تفہیمات الٰہیہ: جلد ۲، ص ۶۴)

(۷) قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی لکھتے ہیں لایجوز مایفعلہ الجھال القبور الاولیاء

والشهداء من السجود والطواف حولها وتحاذ السرج والمساجد عليها وبين الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرساً (تفسیر مظہری، جلد ۳، ص ۱۲۵)۔
جاہل لوگ حضرات اولیاء و شہداء کے مزارات کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں وہ سب کے سب ناجائز ہیں، یعنی ان کو سجدہ کرنا اور ان کے گرد طواف کرنا اور ان پر چڑھاوے چڑھانا اور طرف سجدے کرنا، ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا جس کا نام عرس ہے۔

(۸) اور حضرت شاہ محمد اسحٰق لکھتے ہیں کہ مقرر ساختن روز عرس جائز نیست (مسائل اربعین، ص ۳۸) عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

(۹) علامہ تقی الدین لکھتے ہیں: الاجتماع لقراءة القرآن على الميت بالتخصيص في المقبرة او المسجد او البيت بدعة مذمومة (رسالہ ردبدعات) کسی مخصوص کے ساتھ قبرستان میں یا مسجد میں یا گھر میں میت کے لیے قرآت قرآن کے لیے اجتماع کرنا بدعت مذمومہ ہے۔

(۱۰) ولیمہ جیسی دعوت میں جانے سے صحابہ کرامؓ نے منع کر دیا کہ جس میں ناچ رنگ دسترخوان ہو، یعنی فحش اعمال و اقوال وغیرہ عیاں ہوتے ہوں تو دعوت میں جانے سے منع کیا گیا، پس بدرجۂ اولیٰ عرس میں جانے سے منع کیا جائے گا۔ اور کرنے والا گنہگار ہوگا کیوں کہ اس کے اندر اور بھی زیادہ معصیات کے اعمال و اقوال عیاں ہوتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں اختصار بیان کر چکا ہے۔

بحث زیارت قبور کے لیے سفر کرنا: مقدمہ

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا اکراہ فی الدین" کہ دنیا میں بہت سارے دین آئے شریعتیں آئیں لیکن حضور اکرم ﷺ کا دین و شریعت تمام دین کے لیے ناسخ ہوئی اور سابق کے تمام ادیان منسوخ ہو گئے نیز گذشتہ شریعتوں میں افراط تفریط تھی مگر موجودہ شریعت میں اعتدال آ گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یکلف اللہ نفساً الا وسعها اور دوسری جگہ لا اکراہ فی الدین کہ امت محمدیہ کے دین میں نہ کوئی مشقت ہے اور نہ پریشانیاں اور اگر کوئی فرقہ اس کے اندر مشقت و پریشانی کا رواج دیتا ہے تو

بدعتی اور قابل عقاب ہے۔ خود غور کریں کہ قبر کی زیارت کے لیے کیا سے سفر کرنا بلکہ
دیش سے سفر کرنا یہ "الکواکب الدریہ" سے یا کسی کتاب سے کسی کو ثابت کرنا ہے کہ کسی نے
ایجاد کر کے امت کو مصیبت میں ڈالا ہے۔ بہر حال یہ سفر ناجائز ہوگا اور آپ نے
ہی ہے بقول خاں صاحب کے وہ پھر ہوا ایک اور عظیم دلیل ختم ہو گئی
صار اشہر، کرنا تک، وغیرہ کا سفر کرو اور ہر ایک کے فضائل پڑھا کرو اب لوگ ایسے ایسے
عمل کریں گے تو دین کی کیا اہمیت رہے گی۔ اس معلوم ہوا کہ زیارت قبور کے لیے سفر کرنا
قطعاً درست نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں خاں صاحب سے پوچھتا ہوں کہ زیارت
قبور کے لیے لوگ سفر کیوں کرتے ہیں؟ تو یہی جواب ملے گا کہ رضاء خداوند کے لیے
تو حضرت حق جل مجدہٗ ہر جگہ موجود ہیں ان کی رحمتیں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا اس
رحمت کی جستجو کے لیے اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا قطعاً درست نہیں۔ نیز اگر اپنے محلے
اور گاؤں میں مزارات اولیاء ہیں تو وہ بطریق سنت ایصال ثواب کریں۔ بہر حال اب
آگے خاں صاحب کے دلائل و شبہات کے جوابات دیئے جا رہے ہیں ملاحظہ کریں۔

پہلا باب

سفر عرس کے ثبوت اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے یہ کہا کہ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت
ہے لہٰذا اس کے لیے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا اور اس کی دلیل میں خاں صاحب نے
آیت پیش کی ومن یخرج من بیتہ مھاجرا الی اللہ ورسولہ کہ جو شخص اپنے گھر
سے ہجرت کے لیے اللہ و رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کی موت آ گئی تو اس کا اجر عند اللہ
ثابت ہو گیا (جاء الحق جلد: ۱: ص: ۳۱۵ تا ۳۱۶)

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ زیارت قبر سنت ضرور ہے لیکن زیارت قبور کے لئے
سفر کرنا سنت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت اور معصیت ہے کیوں کہ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ملتا
ہے اور نہ احادیث سے اور نہ اجماع سے اور نہ قیاس سے دوسری بات یہ ہے کہ خاں

صاحب نے جو آیت پیش کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف منتقل ہونا اور ہجرت کو آیت مذکورہ کے تحت صحابہ کرام نے اختیار کیا۔ مگر اس آیت کا مطلب یہ نہیں نکلتا ہے کہ زیارت قبور کے لیے سفر کیا جائے۔

چند دلائل اور اس کے جوابات

(۱) لایلاف قریش الفهم رحلة الشتاء والصيف (۲) واذ قال موسى لفتاه لاابرح حتىٰ ابلغ مجمع البحرين او امضي حقبا. (۳) يابني اذهبوا فتحسسوا من يوسف واخيه الخ (۴) اذهبوا بقميصي (۵) فارسله معنا اخانا (۶) اذهب الىٰ فرعون انه طغى . ان تمام آیات سے خاں صاحب نے سفر للزیارت قبور ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے (ایضاً ص ۳۱۶)

جوابات کی تفصیل! قارئین کرام! اس بات پہ تمام اہل ایمان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ سفر کوئی بری چیز نہیں بلکہ سفر کا ثبوت قرآن واحادیث سے ثابت ہے اور اس بات کے قائل ہم اہل سنت والجماعت بھی ہیں۔ لیکن اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا کہ باضابطہ قبور کی زیارت کے لیے ایک ضلع سے دوسرے ضلع ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کیا جائے، جیسا کہ اس سے قبل احقر بیان کر چکا ہے کہ بدعت ہے اور اس کے اندر شرک کی بھی بو پائی جاتی ہے نیز آیت "لا اکراہ فی الدین" کے خلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ خاں صاحب اسی مثل کے مصداق ہیں کہ "مارے گھٹنا پھوٹے سر" یعنی خاں صاحب کے مذکورہ دلائل ان کے اپنے موضوع پر ہرگز دال نہیں ہیں بلکہ مطلقاً سفر کرنے پر شاہد ہیں اور اس کے قائل دنیا کے تمام انسان ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے یابنی اذهبوا الخ کے ارشاد ہے "اذهبوا بقميصي" "اذهب الىٰ فرعون انه طغىٰ" تو یہ تمام آیات مطلقاً سفر پر دال ہیں نہ کہ زیارت قبور کے سفر پر۔ بہر حال اگر زیارت قبور کے لیے سفر جائز ہوتا تو جس زمانہ میں نبی اکرم ﷺ دنیا میں باحیات تھے اس دور کے اندر بھی کافی صحابہ کرام دنیا سے رخصت ہو گئے تھے تو کسی کو آپ ﷺ نے باضابطہ زیارت قبور کیلئے سفر کرنے

کو نہیں کہا ہاں نزدیک والی قبروں کی خود زیارت کرتے تھے۔ بہر حال اگر زیارت قبور کیلئے سفر جائز ہوتا تو حضور اکرم ﷺ ضرور صحابہ کرام کو سفر کرنے کا حکم دیتے۔ لیکن اس کا ثبوت کہیں سے نہیں ملتا ہے لہٰذا یہ بدعت اور شرک ہے، اسی طرح خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے حوالے سے یہ کہا: "من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللّٰہ" جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ حدیث میں ہے اطلبوا العلم ولو کان بالصین علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ (جاء الحق ص ۳۱۶ تا ص ۳۱۷)

جواب (۱) اس کا پہلا جواب تو وہی ہے جو ماقبل میں گذر چکا ہے کہ اس کے اندر طلب علم کے لیے سفر کرنا ثابت ہے نہ کہ زیارت قبور کیلئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کے اندر اطلبو العلم کہا گیا لیکن کتب احادیث اور کتب فقہاء کتب علماء میں کسی بھی کتاب یا حاشیہ یا بین السطور وغیرہ پر یہ نہیں ہے اطلبو القبور الاولیاء و الصلحاء جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ زیارت قبور یا عرس وغیرہ کے لیے سفر کرنا بدعت ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔ لاتسفروا لزیارۃ القبور العلماء و الصلحاء لانھا لاثبت بآیات اللّٰہ والاحادیث و اقول الفقہاء پھر آگے خاں صاحب نے کہا قولہ تعالیٰ: قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین الخ (ایضاً ص ۳۱۷)

جواب: اس آیت کے اندر تو باری تعالیٰ نے کفار و مشرکین کو دھمکی دی ہے کہ تم سے پہلے بڑی بڑی قومیں مثلاً عاد و ثمود ہلاک و برباد ہو گئے سو ان کو زمین میں چل کر دیکھو بہر حال یہاں تو ایمان نہ لانے کی وجہ سے یہ کہا گیا کہ تم چل کر دیکھو۔ لیکن یہ کہاں کہا گیا کہ تم زیارت قبر کر کے دیکھو؟

پھر آگے خاں صاحب نے شامی کی عبارت پیش کی وھل تشد الرحلۃ الیھا کما اعتید من الرحلۃ الی زیارۃ خلیل الرحمن وزیارۃ السید البدوی لم ار من صرح بہ من الممتاو منع منہ بعض الائمۃ الشافعیۃ الخ اور آیا زیارت قبور کے لیے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل اللہ علیہ السلام اور سید بدوی کی زیارت کے لیے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے انمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع

کی تردید کرنی۔ (جاء الحق ص ۳۱۷)

جواب: ناظرین کرام غور کریں کہ حضرت شامیؒ نے تو بغالوگوں کو مستحب کہا ہے کہ کسی زیارت قبور مستحب ہے یا جائز یا ممنوع یا جائز یا مستحب نہیں ہے اس کی مثال انکی ہے کہ کوئی جوان مرد کا نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کے والد محترم تو بغا فرماتے ہیں کہ کیا تمہارے اوپر نماز فرض نہیں ہے تو کیا یہاں اس جوان پر نماز فرض نہیں ہے۔ بس اسی طرح اگر کوئی شخص زیارت قبور کے لیے سفر کرتا ہے تو وہ گویا کہ ناجائز عمل پر گامزن ہے اب رہی یہ بات کہ امام غزالی نے علامہ شامی کی اس توضیح کا رد کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے اس لیے رد کیا ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ مطلقہ زیارت قبور ناجائز ہے یعنی امام غزالی کی زد وہ کا منشاء یہ ہے کہ زیارت قبور مثلاً گاؤں محلے کی قبروں پر جانا درود پڑھنا درست ہے لیکن باضابطہ سفر کر کے ایک ضلع سے دوسرے ضلع ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ جانا درست نہیں ہے اب رہی بات کہ امام اعظمؒ کے بابت امام شافعیؒ سے نقل ہے کہ میں ابوحنیفہؒ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعاء کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ زیارت قبور کے لیے سفر کرنا جائز ہے اسی طرح حضرت گنگوہی کے حوالے سے یہ پیش کیا گیا، زیارت قبور بزرگان کے لیے سفر کر کے جانا اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔ (جاء الحق، ص ۳۱۸)

جواب: اولاً امام شافعیؒ محض اس بناء پر جایا کرتے تھے کہ لوگ کہیں میرے اور امام ابوحنیفہؒ کے اختلاف کو باطل پر محمول نہ کریں کیوں کہ عوام کو یہ شبہ ہو سکتا تھا۔ جن جن مسائل میں شافعیؒ اور احنافؒ کا اختلاف ہے وہ افضل و غیر افضل کا ہے نہ کہ حق و باطل کا۔ اس لئے آپؒ مزار ابوحنیفہؒ پر تشریف لے گئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ امام اعظمؒ تھے ان کی قبر سے علم کی بو آتی تھی تو آپؒ نے ذکاوت کے لیے وہاں دعاء کی تھی۔ رہا حضرت گنگوہیؒ کی عبارت کا جواب تو اس کا فیصلہ حضرت گنگوہیؒ نے خود کر دیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

الجواب [illegible] چاہیے مگر یہاں عرس سے [illegible]

ایک بات اور ملاحظہ کریں آگے مولوی احمد [illegible] شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ سے یہ روایت کی گئی کہ فاتحہ دینی یا علم دینا کہ علم اسی طرح ہے (الورد الفطار الجلیل ص ۳۶۹) بتلیے اب تو اس منع میں [illegible] بھی شریک ہو گئے۔ اور حضرت گنگوہی کی عبارت کا مفہوم اظہر من الشمس ہو گیا۔

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لاتشد الرحال الا الی ثلث مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی ھذا۔ تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے، مسجد بیت اللہ مسجد بیت المقدس اور میری یہ مسجد اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سوا ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہٰذا مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیوں کہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے الخ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۱۸ تا ص ۳۱۹)

جوابات کی تفصیل! خاں صاحب نے کہا کہ زیادتی ثواب مراد ہے اور ان تین مذکورہ مساجد کے علاوہ بنیت ثواب سفر کرنا جائز نہیں تو جب ان تین مقامات کے علاوہ سفر کرنا جائز نہیں تو پھر زیارت قبور کے لیے سفر کرنا کیوں کر جائز ہوگا، کہ تمام ائمہ کرام ملک صالحین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مساجد متبرک اور معظم جگہ ہے تو جب متبرک جگہوں کے

لیے (تین مقامات کے علاوہ) سفر کرنا جائز نہیں ہے تو پھر ایک بدعت چیز زیارت قبور کے لیے دور دراز کے مقامات سے سفر کرنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے **ثانیاً**: جب آپ نے یہ اقرار کر لیا کہ (تین مقام کے علاوہ) دنیا کی ہر ایک مسجد ایک صف میں ہے یعنی ثواب کے اعتبار سے برابر ہے۔ تو پھر مزارات اولیاء اللہ کے سلسلے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں کہ مزارات اولیاء اللہ ایک صف میں ہیں یا ہر ایک کا مرتبہ الگ الگ ہے۔ یقیناً یہی کہا جائیگا کہ مزارات اولیاء اللہ ایک صف میں ہیں۔ نیز دنیا کے ہر ایک قریہ قریہ میں ایک نہ ایک بزرگ آرام فرما ہیں تو پھر لوگ اپنے اپنے گھروں کے بزرگوں کی قبروں کی زیارت کر لیں ! تو سفر کرنے کی کیا ضرورت؟ اور بریلی شریف، کلیر شریف، گجرات شریف جانے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے اشعۃ اللمعات اور مرقات کے حوالے سے یہ پیش کیا کہ نوویؒ کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوا ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا تو حکم ہے اس حدیث کی وجہ کر سے کہ "الا لزورھا" ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں الخ۔ (جاء الحق ص ۳۱۹)

جواب (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ خاں صاحب نے مرقاتؒ کے حوالے سے جو عبارت پیش کی ہے وہ مختلف فیہ ہے بایں معنیٰ کہ خود خاں صاحب نے ترجمہ کرتے ہوئے کہا کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کیلئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں، پس ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ صاحب مرقات کی عبارت مختلف فیہ چیز ہے یعنی علماء زیارت قبور کے لیے سفر کرنے کے منکر ہیں یعنی اس کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔

خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے حوالے ایک حدیث پیش کی کہ دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا۔ کہیے کیا سوائے ان تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے؟ (جاء الحق ص ۳۲۰)

جواب(۱) یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں۔

جواب (۲) یہاں مخصوص سفر کرنے کا آلہ مراد ہے جس پر صرف وہ لوگ سفر کرتے ہیں۔ جب یہ عبارت مختلف فیہ ہوگئی۔ تو اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ مختلف فیہ عبارت سے استدلال درست نہیں ہوتا۔ نیز یہ قیاس امام ہمام کی ہے نہ کہ دیگر علماء کا جیسا کہ خود عبارت سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے۔

جواب (۲) دوسری دلیل کا جواب اور اسکا رد

اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ ہے پھر کسی چیز کو ڈھونڈھنے کے لیے اولیاء اللہ کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا کہ اولیاء اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گذرتی ہے مگر اسکو حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے الخ (جاء الحق ص ۳۲۰)

(رد) اولاً خاں صاحب سے پوچھتے ہیں کہ رحمت رب کا دروازہ صرف اولیاء اللہ کے مزارات ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور دروازے ہیں؟ اگر یہی کہا جائے گا کہ ان کے علاوہ اور دروازے ہیں وہ ہے مساجد اور مسجد میں کوئی لوکل اسٹیشن نہیں ہے جبکہ جنکشن ہے جب جنکشن پر بڑی بڑی لائن کی گاڑیاں مل ہی جاتی ہیں تو پھر لوکل اسٹیشن پر جانے کی کیا ضرورت؟ یعنی رحمت الٰہی تو مساجد میں عبادت کرنے سے مل ہی جاتی ہے تو پھر مزارات اولیاء پر جانے کی کیا ضرورت پڑی۔ **ثانیاً**۔ یہ ہے کہ باری تعالیٰ بسا اوقات اہل ایمان کو جہاں چاہتے ہیں رحمت عنایت کرتے ہیں سوا اسکے ہے کوئی مزارات کی ضرورت نہیں **ثالثاً**: خاں صاحب کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ خاں صاحب نے گاڑی اور اسٹیشن کی مثال دی حالانکہ مثال دینے کے لیے مثال اور ممثل لہ کے اندر کوئی ربط ہونا چاہئے سو مثال مذکور کے اندر کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ لوگ تجارت کے لیے سفر کیوں کرتے ہیں حالانکہ باری تعالیٰ رزاق ہیں وہ ہر جگہ ہے خدا تعالیٰ شائق ہیں لوگ طیب کے پاس کیوں جاتے ہیں (جاء الحق ص ۳۲۰)

(**دوسرا جواب**) یہ ہے کہ بات تو یہ ہے کہ تجارت کے سلسلے میں قرآن کریم نے بالصراحت کہہ دیا وذروا البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون اور آگے ارشاد ہے واذا رأوا تجارۃ الخ۔ پھر آگے ارشاد ہے واللہ خیر الرازقین (پارہ ۲۸ رکوع ۱) اسی طرح پتے سے مطلقاً سفر کرنے کے سلسلے میں خود قرآن ناطق ہے اب رہا سوال طبیب کا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سلسلے میں احادیث صحاح موجود ہیں کہ صحابہ کرامؓ جب کسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتے تھے تو اکثروں کے پاس تشریف لے جاتے لیکن اسکا ثبوت ہر گز نہیں کہ زیارت قبور کے لیے لوگ باضابطہ سفر کریں۔ خاں صاحب نے آگے یہ کہا کہ آب و ہوا بدلنے کے لیے پیرانِ کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو سو اسکا جواب یہ ہے کہ وہاں میں بھی کہا گیا ہے کہ مطلقاً سفر کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن یہ بری چیز ہے کہ کسی غرض سے بھی زیارت قبور کے لیے سفر کریں ایک واقعہ ملاحظہ کر لیجئے کہ۔ حضرات بریلوی کا بانی مولوی احمد رضا خاں کا معمول یہ تھا کہ گرمیوں میں اکثر سفر کیا کرتے تھے، بیز جب بریلی وغیرہ میں گرمی پڑتی تو حضرت وہاں کشمیر تشریف لے جاتے محض اس بنیاد پر کہ حضرت گرمیوں میں قرآنی کی قصر و غیرہ ہوں بھی کسی پریشانی نہ ہو اس بنا پر کہا گیا ہے کہ حضرات گرمیوں میں قرآنی ہاف واجبات سنن معاف۔ حالانکہ باری تعالیٰ عالم الغیب ہیں ان کو معلوم ہے کہ سفر کون بندہ کیسا اور کس لیے سفر کرتا ہے اگر کسی نے سفر کیا محض اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں قصر کریں تو یقین کیجئے کہ ایسا شخص شریعت کا باغی ہے۔ اب غور کیجئے کہ حضرات بریلوی کے بانی کیسے تھے۔ جب حضرت اپنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں تو انہوں نے امت کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہوگا۔ توبہ توبہ۔ اللہ معاف کرے۔ بہر حال یہ ہے آب و ہوا بدلنے کے لیے پیرانِ کشمیر کا سفر۔ آگے مولوی صاحب نے کہا تھا کہ سوائے تین مسجدوں کے سفر ہی نہیں ہے نہ کہ زیارت قبور پر۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

جس امت کے بچے بچے بلکہ عورتیں ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کس جرأت سے اس کو کٹوا دیا۔ تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا کیسے ہوا

خلاف ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ حضرت عمرؓ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی اس غلطی سے بچانے کے لیے فاروق اعظمؓ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ (جاء الحق ص ۳۲۰)

اقول: خاں صاحب نے یہ کہا کہ حضرت عمرؓ نے اصل درخت کو نہیں کاٹا بلکہ وہ خود سے غائب ہو گیا تو اب میں خاں صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اس درخت کو غائب کرنے والا کون ہے؟ تو جواب یہی ملے گا کہ باری تعالیٰ جب اس درخت کو غائب یعنی کاٹنے والا باری تعالیٰ کی ذات ہے تو گویا کہ اللہ کو یہ زیارت پسند نہ تھی کہ کوئی مخلص مسلمان کو چھوڑ کر شجر و حجر و قبر کی زیارت کرے پس معلوم ہوا کہ زیارت گاہ بنانا حضرت عمرؓ کے فعل کے خلاف نہیں بلکہ باری تعالیٰ کے فعل کے خلاف ہے۔ (از حامی)

نیز فاروق اعظمؓ کا دوسرا درخت کٹوانا بھی اسی بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ اصلی درخت نہیں جیسا کہ خاں صاحب نے کہا ہے اگر خاں صاحب کا سوال کیا اگر فاروق اعظمؓ حضور ﷺ کے بال مبارک تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور ﷺ کے بال مبارک تبرکات شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں تو ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ (ایضاً ص ۳۲۰ تا ص ۳۲۱)

اقول: دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی بال مبارک تبرکات شریف اور قبر انور کی زیارت کے لیے ہی ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے فنا طبعی اس دنیا کے اندر بھی ایسی ہی ہے جیسا کہ دنیا سے انتقال ہوتا ہے تو ان کے اجساد مقدسہ سے فیوض و برکات کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو اس طرح کے ہونے کے اسباب خصوصی ان کے اجساد سے حضرات عارفین حضور ﷺ کے اسمائے حسنیٰ نے بطور تحفہ اور تبرک کے لیے ہیں [illegible] کے لیے [illegible] اور [illegible] جس کی مرضی ہے [illegible] ۔ پھر آگے خاں صاحب نے [illegible] کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ [illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ وقت کے لیے گئے تو اس کی جگہ ہم نے تھی ہوئی تھی
میں سے پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اسکو بھول گئے اور اسکو پا نہ سکے۔ (ہادی الحق ص ۳۳)

رد: اس کا جواب انظہر من الشمس ہے کہ جگہ کا تھی ہونا اور بھول جانا اس بات کی
علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی بندہ میرے حکم کے خلاف عمل کرے۔
فتفکروا یا اولی الالباب.

فتاوی علماء حق

تعیین تاریخ سے قبروں پر اجتماع کرنا بشان وشوکت شور وغل کے ساتھ عرس ہے
گناہ ہے۔ خواہ لغویات ہوں یا نہ ہوں اور جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تعیین کرے
معلوم نہیں ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس گناہ کبیرہ کے سبب خود
جماعت سے خارج نہ ہوگا۔ (از فتاوی رشیدیہ ص ۱۳۴)

عرس کے حکم کے سلسلے میں علماء کرام سے فتاوی لیا گیا پس علماء حق نے یوں فتوی
دیا۔ کہ قبر میں پتھر لگانا مکروہ ہے اور فقہاء نے صراحتاً منع لکھا ہے اور مولانا محمد اسمٰعیل
صاحب دہلوی مہاجر اپنے مسائل اربعین اور ماۃ مسائل میں اس کو منع لکھتے ہیں اور
اربعین کے یہ ہیں: "پختہ ساختن قبر وتعمیر نمودن گنبد وچہار دیواری وچبوترہ نزد قبر ہا
نیست، قبر کو پکا بنانا اور گنبد کی تعمیر کرنا اور قبر کے پاس چار دیواری اور چبوترہ بنانا جائز نہیں
اور عرس کے باب میں بھی جواب منع ہے اربعین میں مولانا ممدوح لکھتے ہیں کہ "مقرر
ساختن روز عرس جائز نیست الخ"۔ کہ عرس کے لیے دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے اور تفسیر
مظہری میں لکھا ہے کہ جو کچھ بہال اولیاء شہداء کی قبروں کے ساتھ کرتے ہیں وہ جائز نہیں
ہے جیسا کہ گنبد اور اس کے اطراف طواف کرنا اور چراغوں کا جلانا اور مسجدوں کو اس کی
اطراف میں بنانا اور ہر سال کے بعد اجتماع مثل عید کے اور اس کا نام عرس رکھنے وغیرہ
الخ۔ اور یہ خلوات کہ شیخ علیہ میں حاضر اور یہ امر فرماتا ہے اگرچہ بتاویل صحیح شرک
نہیں مگر شرک اور باعث فساد عقیدہ عوام ہے تو یہ امر بھی بدعت وضلالت اور گناہ
تعالیٰ نہیں بسبب انجام شرک کے لہٰذا یہ سب امور ممنوع وخلاف سنت ہے اگر مرتب

[illegible]

الجواب صحیح :بندہ کا جواب صحیح ہے [illegible]

[illegible]

(۱) فخر الدین حنفی عفی عنہ گنگوہی (۲) کفایت محمد (۳) امیر علی شاہ حنفی عفی عنہ (۴) حبیب الرحمن عفی عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (۵) محمد اسماعیل عفی عنہ مدرسہ عربی دیوبند (۶) عنایت الٰہی حنفی عفی عنہ (۷) مشتاق احمد حنفی عفی عنہ (۸) احمد علی حنفی عفی عنہ انبہٹہ ضلع سہارنپور۔ (۹) فضل الرحمن حنفی عفی عنہ دیوبند (۱۰) خلیل احمد حنفی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی دیوبند (۱۱) محمد مراد ثناء اللہ حنفی عفی عنہ مظفر نگر۔ (۱۲) محمد اسحاق نجیبوری عفا اللہ عنہ (۱۳) صدیق احمد مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (۱۴) محمد علی حنفی عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی (۱۵) عبدالرزاق۔ (۱۶) بندہ محمود حنفی عفی عنہ دیوبندی (۱۷) محمد عبدالرشید انصاری سہارنپور (۱۹) محمد یعقوب علی حنفی عفی عنہ (۲۰) غلام رسول حنفی عفی عنہ (۲۱) محمد یٰسین حنفی عفی عنہ (۲۲) حبیب الرحمن حنفی عفی عنہ (۲۳) محمد بشیر احمد حنفی عفی عنہ۔

نوٹ : عرس کے حکم اور اس کی حقیقت پر ان تمام علماء کے فتاویٰ ہیں۔ پس اس کو خود پڑھیں اور دیگر مضرات کو پڑھائیں۔

مُقدّمہ

کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

یہ بات تمام اہل ایمان کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ جب کوئی شخص انتقال کرے تو اس کو سنت کے مطابق غسل، کفن ودفن کا انتظام کرے نیز یہ بات بھی ثابت ہے کہ بطور تبرک کسی کے کفن میں کوئی کپڑا رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے لیے اپنا تہبند عطا فرمایا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ کسی بزرگ سے کوئی کپڑا لے کر اپنے کفن کے لیے اس کو رکھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں اس کے متعلق حدیث آتی ہے اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ وغیرہ سے آں حضرت ﷺ کے تبرکات کو اپنی قبروں میں رکھوانے کی وصیت کی اگر صحیح ثابت ہو تو تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے، بات صرف اتنی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانے میں بہت سارے اہل ایمان جان بحق ہوئے مگر ان لوگوں کا کفن بھی پختہ یا دواشت بھی اچھی تسبیح وتہلیل کے پابند اور فوت ہونے پر کافی غم زدہ الغرض ان میں کامل ہمدردی تھی اور فکر آخرت۔ مگر ان لوگوں میں سے کسی نے میت پر کفنی یا الفی نہیں لکھا پس اس مقدمہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے خان صاحب کے دلائل واشکالات کے جوابات ملحوظ کریں۔

پہلا باب

کفنی یا الفی لکھنے کا ثبوت اور اسکے جوابات

خاں صاحب نے لکھا کہ قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ وشجرہ عبدتا مہ رکھنا مردوں کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلہ اور یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا "اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی

وجه ابی بات بصیر" (جاء الحق ص ۳۳۱)

جواب: وسیلہ طلب کرنا کوئی ہندی چیز نہیں ہے بلکہ وسیلہ کے ذریعہ دعا فوراً قبول ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے وقف دار العلوم دیوبند میں چودہ شعبان کے موقع پر ختم بخاری میں دعا کی جاتی ہے اور وسیلہ کے طور پر اپنی دعا میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم و قرآن کریم کو مقرر ہمیشہ پیش کرتے ہیں نیز وسیلہ کا ثبوت خود قرآن کریم سے ہے جیسا کہ خاں صاحب نے ثابت پیش کی۔ لیکن اسکا ثبوت کہیں اور کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ میت پر انکی وغیرہ لکھا جائے ہیں خاں صاحب کو چاہئے کہ انکی وغیرہ لکھنے پر دلائل پیش کریں نہ کہ قبر میں تبرکات سے وسیلہ طلب کرنے پر خاں صاحب کی مذکورہ دونوں تبرکات رکھنے پر اور وسیلہ طلب کرنے پر بحث ہے نہ کہ انکی وغیرہ لکھنے پر۔

دوسری دلیل اور اس کے جوابات

مشکوۃ باب غسل المیت میں ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ جب ہم نے بنت رسول ﷺ کو غسل دیکر فارغ ہوئے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی ہم کو حضور ﷺ نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھدو اسکے بعد اسکے بعد لمعات میں ہے کہ یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور انکے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں اسی طرح اشعۃ اللمعات کی عبارت ہے۔ (جاء الحق ص ۳۳۲)

جواب: اس سے قبل مقدمہ کے اندر اختر بیان کر چکا ہے کہ بطور تبرک کے قبروں میں متبرک چیز رکھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت زینبؓ کی قبر میں حضور اکرم ﷺ اپنا تہبند رکھا تھا۔ بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ میت پر انکی وغیرہ لکھنا جائز ہے یا نہیں تو ہم اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے البتہ تبرک وغیرہ رکھنا جائز ہے نیز خاں صاحب نے ص ۳۳۲ پر یہ ذکر کیا کہ شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں "بر سینہ مردہ در زیر کفن یا بالائے کفن گفتہ اند و ہمیں طریق را فقہاء متاخرین اختیار کردہ" اس سے معلوم ہوا کہ کفن کے نیچے میت کے سینہ پر کسی لکھی ہوئی چیز کا رکھنا متاخرین فقہاء

کرامؒ کے نزدیک منع ہے ہاں اگر قبر کے سرہانے میں کوئی طاقچہ ہو اور اس میں رکھا جائے تو حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ یہ درست ہے لیکن اس سے مسئلہ زیر بحث حل نہیں ہوتے کیونکہ جھگڑا کفنی اور اٹفی لکھنے کا ہے۔ بہرحال خاں صاحبؒ نے ص ۳۲۲ تک تمہیدات کے مسئلے میں بحث کی ہے سو یہ بے جا ہے بایں معنیٰ کہ اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔

چند دلائل کے جوابات

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے خواہ وہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے امام ترمذی حکیم محمد ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ومن کتب هذا الدعاء و جعله بین صدر المیت و کفنه فی رقعة لم ینله عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرا جو شخص اس دعاء کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر دیکھے گا اسی طرح طاؤس تابعی سے بحوالہ ترمذی مذکور سے جو یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کی وصیت کے بموجب ان کے کفن میں کلمات لکھے گئے یعنی لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک له لا الٰہ الا الله له الملک وله الحمد لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (جاء الحق، ص ۳۲۳ تا ص ۳۲۴)

جواب: یہ تمام بے حقیقت اور بے اصل باتیں ہیں پہلے امام سیوطیؒ کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے کہ کسی روایت کا حکیم ترمذیؒ وغیرہ کی طرف منسوب کر دینا ہی اس کے ضعیف اور کمزور ہونے کے لیے بالکل کافی ہے بہرحال جب روایت میں کمزوری پائی گئی تو پھر اس سے استدلال کرنا جہالت پر مبنی ہے پھر آگے خاں صاحب نے وجیز امام کردری کتاب الاستحسان کے حوالہ سے یہ بیان کیا کہ امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کو بخش دے گا۔

پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا

گیا کسی نے خواب میں نہ دیکھا۔ پوچھا گیا کہ تدفین؟ اس نے کہا کہ بعد آدمی دفن کر کے خواب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو عذاب الٰہی سے بچ گیا۔ (جاء الحق ج ۲ ص ۳۴۲)

جواب: اولاً خاں صاحب نے امام طبرانی کی صراحت نقل کی ان کا قول عند الامت اگر امام ضعیف ہی نہیں بلکہ اضعف ہے (دیکھو اصول حدیث کی کتاب مثلاً نزہۃ النظر) اب رہی بات درمختار کی سو اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے اور فرشتوں کے جھگڑے سے بچنے کا یہ بہت ہی عمدہ نسخہ ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ طریقہ خیر القرون میں کسی کو کیوں نہ سوجھا؟ اور ان کو ایسا مبارک خواب کیوں نہ آیا؟ پھر یہ بھی قابل غور امر ہے کہ خواب سے دین کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں کیا جا سکتا چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث لکھتے ہیں اجماع اصل شرع است بر آنکہ ہیچ حکم از احکام شریعت بواقعات و مناجات اعیان ثابت نمے شود (قرۃ العین ص ۳۲۶) اہل شرع کا اس بات پر اجماع ہے کہ شریعت کے حکموں میں سے کوئی بھی حکم واقعات اور امتیوں کے خوابوں سے ثابت نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ جو کام آنحضرت ﷺ اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعین نے نہیں کیا باوجود یکہ اس کا سبب موجود تھا۔ آج بھی اس کے کرنے کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے اور نہ کسی صوفی کا کوئی قول و فعل اور خواب معتبر ہے امام الہند حضرت العلماء حضرت الاستاد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ محمود چراغ دہلویؒ، خلیفہ نظام الدین گفتہ است فعل مشائخ حجت نباشد۔ (البلاغ المبین ص ۵۵)۔

پھر آگے خاں صاحب نے یہ لکھا کہ فاروق اعظمؓ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا "حبس فی سبیل اللہ" باوجود یکہ گھوڑے کا نجاست میں آلودہ ہونے کا خطرہ بھی رہتا تھا۔ لہٰذا میت کے کفن پر بھی لکھنا درست ہے۔ (جاء الحق، ص ۳۴۴)

جواب: یہ تو قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ سرکاری زندہ گھوڑوں پر نمبر لگانے سے میت کے کفن پر لکھنے کا اثبات مشکل اور دور کی بات ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابن حجرؒ نے اسکو رد کیا ہے باقی ان کو شافعیؒ کہکر اغماض کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیا امام ابن حجرؒ شافعیؒ کو یہ مقام حاصل نہیں کہ وہ غلط قیاس کو باطل کریں؟ اگر یہ دلیل اور قیاس صحیح تھا تو

حضرت عمرؓ کے وقت اور بعد کو خیر القرون میں یہ قیاس لوگوں کو کیوں نہ سوجھا؟ کون سا نیا حادثہ اور مسئلہ درپیش ہوا ہے جس کے لیے یہ قیاس ایجاد کیا گیا ہے اسی طرح شیخ عبدالحق صاحبؒ کے والد حضرت سیف الدین صاحبؒ جو صوفی مشرب آدمی تھے ان کی وصیت سے استدلال بھی صحیح نہیں ہے خود شیخ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں سربت حجت نسبت دلیل از کتاب وسنت مے باید (اخبار الاخیار ص ۹۳)

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو حضرات پیشانی اور کفن پر لکھنے کی اجازت دیتے ہیں، ان میں بعض اسکی بھی تصریح کرتے ہیں کہ یہ روشنائی سے نہ لکھا جائے بلکہ محض انگلی سے لکھا جائے چنانچہ مفتی اور یار خاں صاحب شامیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں: ان مسا یکتب علی جبهت المیت بغیر مداد بالا صبع المسبحة میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر سیاہی کے لکھ دیا جائے۔ سیاہی وغیرہ سے لکھنے میں چونکہ بے ادبی کا احتمال ہے اس لیے علماء نے منع کیا ہے۔ خاں صاحب نے یہ کہا کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر میں جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہو اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟

جواب: قبر پر سبزی گاڑنے کا حکم حضور اکرم ﷺ نے دیا لیکن قبر کے اوپر لکھنے کا حکم نہ آپ نے دیا اور نہ صحابہ کرام اور نہ تابعین و تبع تابعین وغیرہ نے لہٰذا یہ بدعت ہے۔ اب رہا سوال کہ سبزی حضور ﷺ نے کیوں گاڑی تو اس کا جواب اور عمل بحث ماقبل میں گذر چکی ہے لہٰذا ملاحظہ کر لیجئے۔

دوسرا باب

کفنی لکھنے پر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات

کفنی الفی لکھنا بدعت ہے لہٰذا یہ عمل درست نہیں، اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اگر بدعت بھی ہو تو ہر بدعت حرام نہیں۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۲۶)

رد! اس کی تردید ماقبل میں ہو چکی ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ عمل امور دینیہ میں سے ہیں نیز اس کا رواج حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہ تھا اور نہ صحابہ کرامؓ و تابعین و تبع تابعینؒ کے زمانے میں لہٰذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے قال رسول اللہ ﷺ کل بدعت ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ پھر آگے کہا کہ ہر بدعت حرام نہیں ہے سو اس کا جواب بھی بحث بدعت میں اختر دے چکا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے اگر مردہ بے پڑھا ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں چونکہ حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کی زبان عربی ہو جاتی ہے۔ (جاء الحق ص ۳۲۶)

رد: یہ بات تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص کی زبان عربی ہو جاتی ہے لیکن اس کو بھی جاننا چاہئے کہ دنیاوی علوم اور اخروی علوم میں فرق ہے بایں طور کہ دنیاوی علوم کو اخروی والے حضرات نہیں پڑھ سکتے چونکہ جو کچھ الفی یا کفنی شکل میں لکھی جاتی ہے وہ محض علوم دنیوی ہے اور مرنے کے بعد مردہ کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ علوم اخروی ہے لہٰذا علوم اخرویہ کے ذریعہ علوم دنیویہ کو نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

علامہ شامیؒ نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیوں کہ میت پھولے پھٹے گی لہٰذا یہ ناجائز ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ رکھ دیا تو جائز ہے۔ (جاء الحق ص ۳۲۶)

رد: فقیر گزارش کرام! خاں صاحب کی عبارت میں تضاد ہے چونکہ ص ۳۴۱ پر یہ کہا کہ مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا منی یا کسی چیز سے عہدنامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا جائز ہے اب غور کیجئے کہ میت کے کفن یا پیشانی پر کلمہ طیبہ منی سے لکھا جائے گا تو کیا یہ کلمہ طیبہ کی بے حرمتی نہیں ہے؟

ثانیاً: اگر پیشاب کرنے کے برتن میں رکھا بھی جائے گا تو اس سے بھی بے حرمتی ہے بایں طور کہ جب مردہ پیشاب کرے گا تو اس کے کیڑے مکوڑے دیوار تک چلتے ہیں جس کی وجہ سے طاقچے پر رکھے ہوئے حرفوں پر بھی یہ کیڑے مکوڑے پہنچ جائیں گے اور ان سے کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوگی ہے۔

ثالثاً: جب خاں صاحب نے یہ کہا کہ ان حرفوں سے میت کی مغفرت ہو جاتی ہے تو پھر پیٹ کیوں کر پھٹتا ہے؟ جس سے معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا یہ عمل بے جا ہے۔ پھر خاں صاحب نے کہا میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں ہے بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں (جاء الحق، ص ۳۴۲)

رد: ہر اس میت کا پیٹ نہیں پھولتا پھٹتا جو کہ پاک باز عالم و حافظ ہوں تو گویا کہ ان کے قلب میں قرآن کریم مکمل ہے اس وجہ کر نہیں پھولتا پھٹتا۔ پس خاں صاحب کیوں ہر ایک میت کے ساتھ کفنی یا انگی والا مسئلہ رائج کرتے ہیں کیوں کہ یہ تخصیل حاصل ہے اور تخصیل حاصل باطل ہے لہٰذا آپ کا یہ کارنامہ باطل۔

اب رہا سوال کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے تہبند مبارک کو حضرت زینبؓ کی قبر میں کیوں رکھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آل محمد ﷺ کے خاندان سے متعلق تھی نیز صحابہ کرامؓ اور تابعین کے پیٹ وغیرہ نہیں پھٹتے۔ پھر خاں صاحب نے یہ سوال کیا کہ آب زمزم پیتے ہیں پھر وہ پیشاب کے راستے سے نکلتا ہے اسی طرح حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا حلال ہے حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں لہٰذا یہ تمام صورتیں غلط ہیں۔

رد: یہ جملہ شکلیں لا اکراہ فی الدین کے تحت جائز ہیں۔

ثالثا [illegible] ہے اگر یہ عمل قابل قبول ہوتا تو صحابہ کرام [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] ہوتا۔

چوتھی دلیل کا جواب اور اس کا رد

[illegible] اگر [illegible] ہے کہ [illegible] ہوگا [illegible] ہے [illegible] میت کو [illegible] ہوا [illegible] (جاء الحق ص ۳۲۸)

رد: اگر یہ عمل میت کو فائدہ پہنچاتا تو [illegible] کرتے لیکن آپ نے اس کو انجام نہیں دیا پتا چلا اگر یہ عمل فائدہ مند ہوتا تو پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

ثالثا: اگر یہ عمل قابل قبول ہوتا تو منکر نکیر سوال کرنے نہ آتے۔

رابعا: اگر یہ عمل قابل قبول ہوتا تو صحابہ کرام ضرور انجام دیتے۔

خامسا: اگر یہ عمل درست ہوتا تو تابعین تبع تابعین ضرور انجام دیتے۔ بہر حال معلوم ہوا کہ یہ عمل قابل تردید ہے۔

پانچویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے کچھ فائدہ نہ ہوا معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں ہوا ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں کیوں کہ عبداللہ بن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب لہذا لعاب بھی وہاں نہ پہنچا۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ (جاء الحق ص ۳۲۸)

وہ: ٹھیک ہے ہم تھوڑی دیر کے لیے مانتے ہیں کہ کفنی مومن کے لیے مفید ہے تو پھر آپ نے کافر کو کیوں دیا تانیاً کفنی دینے کے بعد پیٹ کیوں پھٹا جب کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ کفنی یا الفی سے مغفرت ہوتی ہے۔

ہم: آپ نے تبرک کے طور پر محبت کی وجہ سے دیا تھا اس سے الفی وغیرہ کا ثبوت نہ ہوگا۔

کفنی یا الفی لکھنا بدعت ہے

راقم الحروف اس بات کی وضاحت ماقبل میں بھی کر چکا ہے کہ قبر کے اندر تبرکات رکھنا کوئی برا عمل نہیں ہے کیوں کہ اسکا ثبوت احادیث سے ہے لیکن دفن کے وقت میت پر کفنی یا الفی لکھنا ناجائز ہے اور بدعتی چیز ہے۔ نیز اگر کوئی شخص اسکو دین کا جزو مان کر کرتا ہے تو اسکے سلسلے میں یہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکو نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے اور نہ احادیث سے اسی طرح اس کو نہ اجماع سے نسبت ہے اور نہ قیاس سے رہا۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سارے ادیان آئے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دین اور آخری شریعت لیکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب سابق تمام مذاہب کے لیے ناسخ قرار پایا۔

بہر حال آپ کا مذہب۔

آپ کا دین۔

آپ کا قول و فعل۔

آپ کی شریعت۔

آخری شریعت ہے اسکے بعد ایسا نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی دین، لیکن ایک فرقہ ایسا ہے کہ دین کے اندر نئی نئی چیزوں کو ایجاد کرتا ہے تو گویا کہ اس نے اس مذہب کو نامکمل سمجھا حالانکہ باری تعالیٰ نے اعلان کر دیا ہے کہ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" لیکن اس کے باوجود مولوی احمد رضا خان نے نئے نئے دین کو ایجاد کیا اور کہا کہ کفنی یا الفی لکھنا جائز ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ خان صاحب نے

نہ دین کو مکمل جانا۔

نہ شریعت کو مکمل جانا۔

نہ مذہب اسلام کو مکمل جانا۔

نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب کو مکمل جانا۔

بہر حال: احقر خاں صاحب کی غلط تاویلات کا مکمل جواب دے چکا ہے جس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ خان صاحب کا یہ عمل کہ کفنی یا الفی جائز ہے قطعاً درست نہیں۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

مقدمہ: قال اللہ تعالیٰ "واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفۃ ودون الجہر من القول" (پ ۹، اعراف ۲۳) اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم آواز میں۔ بہر حال حضرت حق جل مجدہ کو یاد کرنا اور ان کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا ایک اعلیٰ ترین نیکی اور قربت الی اللہ کا ذریعہ ہے مگر اسی طریقہ سے جس سے شریعت مطہرہ نے رہنمائی کی ہے اور باری تعالیٰ نے جس موقع پر جہر کے ساتھ ذکر کرنے کا حکم دیا مثلاً عرفہ کی فجر سے لیکر آخر ایام تشریق تک اور حج کے دنوں میں تلبیہ وغیرہ تو وہاں جہر کرنا سنت ہے۔ اور جہاں جہر کا حکم نہیں دیا وہاں آہستہ ذکر کرنا بہتر ہوگا اسی صورت میں شریعت کی مراد پوری ہوگی۔ اور یہی حکم ہے دعا کا اگرچہ حضرات صاحبین امام یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اور انکے علاوہ بعض مقامات میں امام ابن خزیمہ اور دیگر صوفیائے کرامؒ نے اکثر مقامات پر جہر سے ذکر کرنے کو صرف پسند کیا ہے لیکن نہ کرنے والوں کو نہ تو ملامت کی اور نہ نجدی وہابی کہا۔ مگر دلائل پر نگاہ ڈالنے سے یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اور دعاء آہستہ طریقہ سے بہتر ہے اور یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک ہے جب حضرات ائمہ اربعہ کا ایک مسئلہ پر اتفاق ہو جائے تو ہمیں امید ہیں واپس رکھنا چاہیں کہ حق ان کے ساتھ ہے اور پھر آج اگر صرف ذکر یا جہر کو پسند کیا جاتا اور دوسرے پہلو کے بارے میں سکوت اختیار کیا جاتا

تب بھی ایک بات ہوتی مگر ستم بالائے ستم بات یہ ہے کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو وہ نجدی وہابی وغیرہ کہہ کر اسے ملامت کی جاتی ہے اور مخل طعن بنایا جاتا ہے اور اس دور کے اکثر حضرات بریلوی یہی کہتے ہیں کہ ذکر بالجہر کرنے والا سنی ہے اور یوں نہ کرے وہ وہابی ہے۔ خیر اس موضوع پر ابھی کافی وشافی بحث ہوگی۔ ملاحظہ کریں۔

پہلا باب

ذکر بالجہر کے ثبوت اور اسکے جوابات

خاں صاحب نے کہا کہ ذکر بالجہر جائز ہے اور اس پر سب سے پہلی دلیل یہ دی کہ بقولہ تعالیٰ "فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا" اللہ تعالیٰ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ (تبیان الحق جلد ۱، ص ۳۲۹)

جواب: آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو جب افعال حج عمرہ، ذبح قربانی، سر منڈانے، طواف کعبہ، سعی صفا مروہ سے فراغت پالو تو زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانے میں اپنے باپ داداؤں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں ماحول یہ تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں تین دن قیام کرتے اور وہاں اپنے باپ داداؤں کا نام اور ان کے فضائل کا تذکرہ کرتے تو باری تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس سے روکا اور کہا کہ" فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا"۔ اب غور کیجئے کہ یہاں اباؤ اجداد کے تذکرہ سے روکا گیا ہے نہ کہ ذکر بالسر سے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ بھی کہا گیا کہ تم اپنے باپ دادوں سے زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ یعنی جس طرح تمہارے قلب اور جگر میں باپ داداؤں کا نام مستحکم ہے پس اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ (او اشد ذکرا) باری تعالیٰ کا نام مستحکم کرو۔ پس اس سے ذکر بالجہر پر استدلال کرنا جہالت پر مبنی ہے۔

جواب: اس آیت کے تحت صاحب جلالین نے فرمایا "فاذکروا اللہ بالتکبیر

والثناء کذکرکم اباء کم کما کنتم تذکرونھم عند فراغ حجکم بالمفاخر او اشد ذکرا من ذکرکم اباھم ونصب اشد علی الحال عن ذکرکم المنصوب بالذکر والاد لوتاخر عنه لکان صفته (جلالین شریف جلد ۱ ص ۳۰)

بہر حال مذکورہ عبارت اس بات سے خاموش ہے کہ ذکر بالجہر کیا جائے یا نہیں تو اب ایک عبارت حضرت علامہ ملا علی قاری کی پیش کرتے ہیں چونکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں (بلاوجہ) آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے (مرقات علی المشکوٰۃ جلد ۲ ص ۷۰) لیجئے آیت کریمہ اور جلال الدین سیوطیؒ کی تفسیر کا خلاصہ حضرت ملا علی قاری نے کر دیا۔

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے دوسری آیت پیش کی و اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو اگر بلند آواز سے تلاوت جائز ہے کہ ذکر بالجہر سنا جا سکتا ہے تو کیا ذکر خفی (جاء الحق ص ۳۲۹)

جواب: اس آیت کے تحت حضرت جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا عن الکلام لعلکم ترحمون نزلت فی ترک الکلام فی الخطبة وعبر عنها بالقرآن لاشتمالها علیه وقیل فی قراءة القرآن مطلقاً (جلالین شریف جلد ۱ ص ۱۳۷) اور اسی تفسیر کے تحت خازنی نے کہا۔ ای سواء کان فی الصلوٰة او الخطبة او غیرهما اخرج ابن ابی حاتم عن الحسن فی الایه اذا حبست الی القرآن فانصت والامر علیٰ هذا الندب عند الجمهور تحب الانصات عندها والاستماع لها وللوجوب عند الحنفیة فقالوا یجب الاستماع لقاری القرآن ولو خارج الصلوٰة وکذا فی الخلاصه وقال صاحب المدارک جمهور الصحابه علیٰ انه فی استماع الموتم وقیل فی استماع الخطبة وقیل فی هما وهو اصح (جلالین جلد ۱ ص ۱۳۷ حاشیہ ۹)

بہرحال اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کوئی قاری کسی مجمع وغیرہ میں کرے تو خاموش رہے یعنی یہ کہا گیا کہ جب قاری تلاوت کرے تو یا نبی سلام علیک کا نعرہ نہ لگائے۔ اسی طرح جب امام خطبہ دے تو تمام سامعین خاموش ہو کر سماعت کریں نہ کہ قیام شروع کر دیں۔ بہرحال اگر ذکر بالجہر یعنی آمین بالجہر یا یا نبی سلام علیک مراد لیں گے تو انصتو العلکم ترحمون کے خلاف ہوگا۔

نیز حضرت موسیٰ اشعریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: اذقرء فانصتوا۔ جب امام قرآت کرے تو خاموش رہو۔

تیسری دلیل کے جوابات

مشکوٰۃ "باب الذکر بعد الصلوٰۃ" میں ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوتہ یقول بصوتہ الا علیٰ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے عن ابن عباس قال کنت اعرف انقضاء صلوۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بالتکبیر۔ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا، یعنی عبداللہ ابن عباسؓ ابوبہ صغرسنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔ الخ۔ (ج۱ اتق ص:۳۳۰)

جواب: یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تکبیر ہمیشہ نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ ایام تشریق کے موقع پر اس طرح بلند آواز سے تکبیر پڑھا کرتے تھے دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیماً یہ پڑھا کرتے تھے تاکہ صحابہ کرامؓ کو یہ جملہ یاد ہو جائے۔ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ابی محذورہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اذان کے کلمات سکھلاتے تھے۔ بہرحال یہ تعلیم کے طور پر تھا نہ کہ ذکر بالجہر دائمی کے طور پر۔ ش۔

جواب :دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ لوگ ہمارے اس عمل کو دیکھ کر بعد الصلوٰۃ تسبیحات وتہلیلات میں مصروف رہیں۔یعنی عوام یہ نہ سمجھے کہ نماز کے بعد ذکر وغیرہ درست نہیں ہے۔

چوتھی دلیل کے جوابات

مسلم جلد :۱''باب الذکر بعد الصلوٰۃ''میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فرائض سے فارغ ہوکر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروج تھا۔(جاء الحق:ص:۳۳۰)

جواب : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ بعد الصلوۃ ذکر اللہ کیا کریں؛ کیوں کہ احادیث اس بات پر شاہد ہے کہ جب کوئی شخص بعد نماز فرض پابندی سے آیت الکرسی پڑھا کرے تو باری تعالی اس کو موت سے قبل ہی جنت کا مشاہدہ کروادیتا ہے۔تو یہ فضیلت ہے بعد نماز فرض کے ذکر کرنے کی۔لیکن اگر کسی نے بدعات کو ایجاد کیا اور یہ کہہ دیا کہ نماز کے بعد ذکر بالجہر (مثلاً یا نبی سلام علیک) ضروری ہے تو اس کا انجام اب کیا ہوگا وہ اللہ کو معلوم ہے۔

چند دلائل کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوۃ کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ ''جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔(جاء الحق:ص:۳۳۰)

جواب : قارئین کرام! ان ذکرنی فی نفسہ یعنی جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں۔اس سے بالکل یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ ذکر فی النفس اچھی عبادت ہے۔نیز آگے کی بھی عبارت سے یہی معلوم ہوا کہ لوگوں کو چاہیے کہ باری تعالی کا ذکر کثرت سے کریں اور بذریعہ تبلیغ جماعت

یا دیگر شکل کے ذریعہ باری تعالیٰ کو مجمع میں یاد کریں لیکن اس سے یہ بات قطعاً نہیں ثابت ہوتی کہ ذکر بالجہر ہمیشہ درست ہو۔ اور مقدمہ میں یہ کہا جا چکا ہے، کہ ذکر بالجہر کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے یہ کہا کہ "حضور ﷺ نماز کے بعد صحابہ کے ساتھ تسبیح وتہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے اسی طرح (تفسیر روح البیان) کے حوالہ سے یہ کہا گیا کہ ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ الخ۔ (جاء الحق ص: ۳۳۰ تا ۳۳۱)

جواب : پہلا جواب یہ ہے کہ جب تک اصول حدیث کے مطابق اس بات کا ثابت نہ ہو جائے اس سے استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: اگر یہ حدیث صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب بھی وہی ہوگا جو حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا حضرت امام شافعیؒ نے پیش کیا ہے کہ کسی وقت تعلیم کے لیے آپ نے ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد چھوڑ دیا۔ دوام اس پر ہرگز نہ ہوا تھا۔ اگر دوام ہوتا تو حضرات ائمہ کرام کبھی ذکر بالجہر کو غیر مستحب نہ کہتے یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آگے کہا گیا۔ کہ آیت و آتینا داؤد زبورا ایک روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن کی تو داؤدی آواز دی گئی۔ پس موسیٰ اشعریؓ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آواز صاحب قرآن کن رہے ہیں تو اور زور سے پڑھتا۔ (جاء الحق ص: ۳۳۱)

اس کا جواب اظہر من الشمس ہے کہ سنت کے مطابق تلاوت ہو رہی تھی۔ یہ نماز کے بعد کا نہیں تھا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ (لا ذکر بالجهر خلاف السنة عند الله. ولو فعل كذا فهو مستند ع عند رسول الله)

پھر آگے خاں صاحب نے ہمارا۔ شامی یہ نقل کیا کہ "متقدمین اور متاخرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ اس کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو"۔ (جاء الحق ص: ۳۳۲)

جواب: یہ کہ جب قرآن کریم اور حدیث شریف میں آہستہ ذکر کرنے کا حکم

تو اس کے خلاف کسی کا عمل کیا کس طرح حجت ہو سکتا ہے؟

جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ جہر سے ذکر کرنے کو خفیہ مستحب کہتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اس کو بدعت کہتے ہیں نہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مخالف ہے جب حضرات ائمہ اربعہ ذکر بالجہر کے خلاف اتفاق ہے تو ذکر بالجہر پر اتفاق کیسے ہوا؟

جواب: تیسرا جواب یہ کہ علماء متاخرین ذکر بالجہر کے مستحب ہونے پر ہرگز متفق نہیں ہیں ہر مسلک کے علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ حضرات صوفیا کرام بھی اس پر متفق نہیں ہیں۔

دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اسی طرح دیگر علماء کرام اور فقہاء و صوفیاء کرام کی کتابیں بغور ملاحظہ کیجئے۔

چند عقلی دلائل کے جوابات

خاں صاحب نے کہا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ثواب بقدر محنت ملتا ہے لہٰذا ذکر بالجہر میں محنت زیادہ ہے پس ثواب بھی زیادہ ملے گا"۔ (باد الحق ص ۳۳۳)

جواب: یہ بات تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ جو نیک کام میں زیادہ مشقت ہے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے مگر اس کام میں ثواب ہرگز نہیں جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کے خلاف ہو مثلاً: مزارات کے سامنے چیخ چیخ کر دعائیں مانگنا سینہ پر ضرب لگانا وغیرہ وغیرہ۔

ثانیاً: یہ کہ اگر کوئی شخص نیک کام کرتا ہے مگر پریشانی خود سے اٹھاتا ہے۔ حالانکہ شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی تو وہ پریشانی اور مشقت اٹھانا محض لغو ہے مشقت شریعت نے سفر میں قصر کی اجازت دی ہے مگر کوئی شخص سفر میں بھی قصر نہیں کرتا تو اس کو اس زیادتی نماز کا زیادہ ثواب ہرگز نہ ملے گا۔ جس طرح ذکر بالجہر کی اجازت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دی مگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے اس عمل کو ثواب زیادہ قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح خاں صاحب نے کہا کہ ذکر بالجہر سے لہٰذا لوگوں کو اذ

بالجہر کرنا چاہئے" اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین وتبع تابعین کے زمانے سے ہے۔ مگر ذکر بالجہر کا ثبوت نہیں۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ "ذکر خفی صرف ذاکر کے لیے مفید ہے مگر ذکر بالجہر ذاکر اور سامع دونوں کے لیے مفید ہے۔ (جاء الحق: ص ۳۳۴)

جواب: ذکر خفی میں ریاکاری نہیں ہے سو وہ عنداللہ مقبول ہے مگر ذکر بالجہر میں ریا ہے اور وہ عنداللہ مردود ہے۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ ذکر بالجہر سے شیطان بھاگتا ہے جیسے کہ اذان (ایضاً) ہر ذکر سے شیطان نہیں بھاگتا ہاں اس ذکر سے شیطان بھاگتا ہے کہ جس کی مشروعیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے سے رائج ہو؛ لیکن اس ذکر بالجہر جس کی مشروعیت مثلاً بعد نماز فلک بوس آواز سے یا نبی سلک علیکم پڑھنا سو ان تمام ذکر بالجہر سے شیطان بھاگنے کے بجائے خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو اختیار نہ کیا جائے پھر خاں صاحب نے کہا کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل اور سستی دور ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیند کسل تو دور ہوتی ہے مگر لوگ بہت جلد تھک جاتے ہیں پس یہ لا اکراہ فی الدین کے مدنظر درست نہیں ہے۔ نیز اس سے انسان کا دماغ فوراً آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور تکان کی وجہ سے غصہ آجاتا ہے۔ بہرحال ذکر بالجہر میں بسا اوقات ریاکاری کی پیوند کاری لگ جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات عبادات قبول نہیں ہوتی۔ ع

ذکر بالجہر سے ہوتی ہیں عیاریاں
جو نہ ثابت ہے آخر الزماں ﷺ

دوسرا باب

ذکر بالجہر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات

واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفة ودون الجهر من القول بالغدو والاصال رب کو اپنے کو دل میں یاد کر زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکالے

وشام۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی دل میں چاہئے بلند آواز سے منع ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرآت یا مقتدی التحیات وغیرہ دل میں پڑھے الخ۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۳۵)

خاں صاحب نے کہا کہ اس سے نماز کی حالت مراد ہے حالانکہ صاحب جلالین فرماتے ہیں: واذکر ربک ای سراً تضرعاً تذللاً وخفیہ خوفاً منہ وفوق السر دون الجھر من القول ای قصداً بینھما بالغدو والآصال اوائل النھار واواخرہ ۵ (جلالین شریف جلد ۱، ص: ۱۴۷) اور یاد کرو اپنے رب کو جی میں یعنی بالکل آہستہ گریہ وزاری اور تذلل کے ساتھ اور ڈر کر نیز خوف سر یعنی آہستہ ذکر کرنے سے بڑھا ہوا ہے نہ کہ جہراً یعنی بآواز بلند ذکر اللہ (غیر شرعی طور پر) نہ کر پھر آگے صاحب جلالینؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کرو صبح شام یعنی رات ودن کے شروع حصہ میں۔ قارئین کرام غور کریں کہ یہاں نماز کی کوئی قید نہیں بلکہ مطلقاً کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو مگر آہستہ۔

نیز صاحب جلالینؒ نے خیفۃ کی تشریح کی فوق السر سے یعنی خوفاً آہستہ سے بھی بڑھا ہوا ہے جسکا مطلب یہ ہوتا ہے بالکل آہستہ ذکر اللہ کرو جو کہ تمہارا پڑوسی بھی سن نہ سکے۔ نیز روح البیان نے بھی یہی کہا کہ جو شخص جہری نماز میں امامت کرنے والا بہت آواز سے قرآت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں (ایضاً ص ۳۳۵) قارئین کرام صاحب روح البیان نے ہمارے ہی حق میں فیصلہ کر دیا کہ جب نماز جیسی چیز کو زیادہ وسیع انداز میں نہیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر نماز کے علاوہ دیگر عبادات کو قطعاً بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے۔ اسی طریقے سے خاں صاحب نے جو بھی عبارت نقل کی ہے تمام عبارتیں ذکر بالسر پر دال ہیں۔ فتفکر وایا اولی الالباب۔

دوسری دلیل کا جواب اور اسکا رد

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین اپنے رب سے گڑ گڑا کر اور آہستہ دعا کرو بیشک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس

آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تا کہ اخلاص تام ہو (جاء الحق ص:۳۳۶)

رد: آخری آخری وقت میں خاں صاحب دعاء بالسر کے قائل ہو گئے ورنہ ان کی اکثر کتب کے اندر یہی لکھا ہے کہ دعاء بالجہر ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ دعاء بالسر افضل ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ دعاء کس کی قسم اور کس کا جزو ہے جواب یہی ملے گا کہ عبادت کی ایک قسم ہے جیسا کہ تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت فرمایا گیا وقیل المراد به حقیقة الدعاء وهو الصحیح لان الدعاء هو السوال والطلب وهو نوع من العبادة کیا گیا کہ اس سے مراد دعاء ہے اور یہ بھی صحیح ہے کیوں کہ دعاء سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے جب دعاء عبادت ہے اور عبادت سرا بھی بہتر ہے تو پھر درود شریف اسی طرح بعد نماز فجر دعاء بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا وغیرہ کیوں کر حلال ہو سکتا ہے۔ اسی طرح خاں صاحب نے تفسیر روح البیان اور تفسیر خازن وغیرہ کی عبارت پیش کی کہ اس آیت سے دعاء مراد ہے اور عبادات خفیہ کیوں کہ اس میں ریا ہے پس تمام عبارتیں ہمارے ہی عقیدے کی تائید کرتی ہیں۔

تیسری اور چوتھی دلیل کا جواب اور اسکا رد

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعاء قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے، اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بیکار ہے اس جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیالات کو باطل فرمایا گیا جو کہ ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے الخ۔ (جاء الحق، ص:۳۳۷)

رد: خاں صاحب نے تو یہ تسلیم کر ہی لیا کہ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہم سے دور ہے تو پھر خاں صاحب سے ہم پوچھتے ہیں کہ ذکر بالجہر آپ حضرات کیا سمجھ کر کرتے ہیں؟ تو جواب دیں گے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ

نزدیک ہے تو جب باری تعالیٰ آپ سے نزدیک ہیں اور پھر بھی ذکر بالجہر کرتے ہیں تو یہ **اولاً**: تحصیل حاصل ہے اور یہ باطل **ثانیاً**: کیا باری تعالیٰ آپ کی بات سننے پر العیاذ باللہ قادر نہیں؟ حالانکہ وہ سمیع و بصیر ہے۔ بہر حال خاں صاحب نے خود تفسیر روح البیان کے حوالے سے شان نزول بیان کیا کہ ایک بدوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ کہاں ہے پس یہ آیت نازل ہوئی لہٰذا اس سے حضرات بدیلوی کو بھی نصیحت حاصل کرنی چاہئے کہ وہ بھی بدوی جیسا عمل نہ کریں اور ذکر بالسر کریں۔ اسی طرح متفرق عبارتیں ہماری تائید میں عیاں ہے۔ ہماری چوتھی دلیل یہ تھی مشکوٰۃ کتاب الاسفار میں کہ باآواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو اور نہ غائب کو تم سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کا باعث ہے اسکے جواب کے تحت خاں صاحب نے یہ کہا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقع کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تا کہ کفار جنگ خیبر کی تیاری نہ کر سکیں۔ (جاء الحق ص ۳۳۸)

رد: ٹھیک ہے کہ خاں صاحب نے اس حدیث کو جہاد پر محمول کر لیا لیکن آیات مذکورہ کو کس پر محمول کریں گے۔ **ثانیاً**: تو ذکر اللہ اتنے زور سے تو نہیں کیا گیا تھا کہ دشمنان خیبر کو پتہ چل جاتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع فرمایا تھا؟ جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا۔

پانچویں دلیل کا جواب اور اسکا رد

ہدایہ: جلد ۱، فصل فی التکبیرات التشریق میں ہے "واخذ بقول ابن مسعود اخذاً بالاقل لان الجهر بالتكبير بدعة" امام ابوحنیفہؒ نے ابن مسعودؓ کا قول لیا کم کو لینے کے لیے کیوں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز کے بعد امام

صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے تکبیر تشریق کہنا چاہیے اور کبھی کبھی بہتر ہے اس لیے صرف دو دن تکبیر کہنا جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے، اسی ہدایہ میں اسی فضل تکبیرات التشریق میں ہے اور اس لیے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ (ایضاً ص ۳۳۹)

رد: اولاً: احقر ماقبل میں بیان کر چکا ہے کہ ذکر بالجہر کے قائل صرف صاحبین ہیں ورنہ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ذکر بالسر کے قائل ہیں پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ اس کو (تکبیر تشریق) بدعت یا خلاف سنت کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ (ایضاً ص ۳۳۹) حالانکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تکبیر تشریق واجب ہے عند الاحناف۔ اب رہا سوال کہ امام صاحبؒ نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرۂ تکبیر کی اجازت کیوں دی نیز آج کل بہت ایسا ہی ہوتا ہے کہ نعرہ تکبیر بآواز بلند کہا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نعرہ تکبیر سے مقصود ہے کفار و مشرکین پر اپنا رعب رکھنا اور اس کام کو انجام صحابہ کرام نے بھی دیا ہے لہٰذا یہ بدعت نہ ہوگی۔

چناں چہ شامیؒ کی عبارت ہے: التکبیر بالجهر فی غیر ایام التشریق لایسن الا بازاء العدو واللصوص۔

چند عقلی دلائل کے جوابات اور ان کی تردیدات

اولاً تو یہ ہے کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ اسکا جواب خانصاحب نے یہ دیا کے آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سنانے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیئے ہے جیسے کہ اذان (جاء الحق: ص ۳۳۰) اس کا جواب بھی ماقبل میں گذر چکا ہے کہ اذان اعلان کے لیے ہے لیکن عبادات اعلان کے لیے نہیں ہے لہٰذا اذان بالجہر ہوگی اور دیگر اذکار بالسر ہوں گے۔ نیز یہ عمل حضور ﷺ و صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے دور سے اب تک رائج ہے کہ اذان بالجہر ہوتی ہے لیکن دعاء و درود شریف وغیرہ بالسر۔

(۲) دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ حدیث سے ثابت نہیں ہے لہٰذا ناجائز ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ وہ انفراد دعاء میں اصل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے۔ (جاء الحق ص ۳۳۰) پھر آیت ادعوا ربکم کے تحت تفسیر خازن نے فرمایا والادب فی الدعاء ان یکون خفیۃ ای آگے خود باری تعالیٰ نے اعلان کردیا واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون الجھر (نیز اس پر خاں صاحب نے اشکال کیا ہے سو اس کا جواب گذر چکا۔) بہر حال یہ تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ دعاء بالسر کرنا چاہئے نہ بالجہر۔ (۳) تیسرے یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھول جاتے ہیں لہٰذا ناجائز ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ اعتراض دعوی کے مطابق نہیں کیوں کہ تم کہتے ہو کہ بالجہر بالکل منع ہے الخ۔ (جاء الحق ص ۳۳۰ تا ۳۳۱) اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ کہ ذکر بالجہر بالکل منع نہیں ہے بلکہ اگر ذکر بالجہر سنت کے مطابق ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں جیسے کہ اذان تکبیر تشریق وغیرہ سنت کے مطابق ہے تو جائز ہے اور اس کے علاوہ بعد نماز آواز سے درود پڑھنا درست نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے۔ دوسری بات یہ کہ نماز کے بعد درود پڑھنے سے یقیناً مصلین کو تکلیف ہوتی ہے بایں معنی کے مسجد عبادت گاہ ہے وہاں جماعت ختم ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک نماز ہوتی ہے جنکی جماعت چھوٹ جاتی ہے وہ پڑھتے رہتے ہیں پھر ان لوگوں کو اس درود کی آواز سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اب غور کیجئے کہ اس بدعت عمل سے فرائض کے اندر جب خلل واقع ہو رہا ہے تو کیا وہ بدعت عند اللہ قبول ہے۔

ہمارے دلائل حقہ

(۱) واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفۃ ودون الجھر۔ اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے اور بغیر سے آواز میں۔ نیز ان کی مکمل بحث گذر چکی ہے۔

(۲) ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین پکارو اپنے رب کو

عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے وہ محبت نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ۔
اس آیت کریمہ سے دعاء کے سلسلے میں بالکل مسئلہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ سب کی
باری تعالیٰ کو پکارو آہستہ کہ بآواز بلند اور درود وغیرہ بھی عبادت ہے لہٰذا اس کو بھی آہستہ
پڑھئے کہ زور سے۔

(۴) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الا
ان احتج الی التعلیم (فتح الباری: جلد ۲، ص ۲۵۶) کہ مختار بات صرف یہی ہے کہ امام
اور مقتدی دونوں ذکر آہستہ کریں۔ ہاں مگر تعلیم کی ضرورت محسوس ہو تو الگ بات ہے۔

(۵) ایھا الناس اربعوا علی انفسکم لیس تدعون اصم و لا غائبا وانکم
تدعون سمیعا قریبا وھو معکم۔ (بخاری جلد ۲، ص ۶۰۵۔ مسلم، جلد ۲، ص ۳۴۶)
اے لوگو اپنے جان پر نرمی کرو تم اس ذات کو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہے تم تو
سمیع اور قریب ذات کو پکار رہے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے

(۶) امام نووی لکھتے ہیں: ففیہ ندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع
حاجۃ الی رفعۃ (شرح مسلم: جلد ۲، ص ۳۴۶) کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی
ہے کہ آہستہ ذکر کرنا بہتر ہے جبکہ کوئی داعیہ رفع صوت کا پیش نہ آئے۔

(۷) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام ابن ظاہریؒ وغیرہ نے نمازوں کے بعد بلند آواز سے
ذکر کرنے کو مستحب کہا ہے لیکن وقال ابن بطالؒ المذاھب الاربعۃ علی عدم
استحبابہ (البدایہ والنہایہ: جلد ۱۰، ص ۲۷۰، مثلہ فی ہامش بخاری: جلد ۱، ص ۱۱۶) محدث ابن
بطال فرماتے ہیں کہ چاروں مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں۔

(۸) حدیث ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس المکتوب کے
تحت امام نوویؒ نے فرمایا و نقل ابن بطالؒ و آخرون اصحاب المذاھب
المتبوعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالذکر
والتکبیر وحمل الشافعیؒ ھذا الحدیث علی انہ جھر وقتا یسیرا حتی
یعلمھم صفۃ الذکر لا انہ جھروا دائما (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۷) امام ابن بطالؒ

وغیرہ علماء نے یہ بات نقل کی ہے کہ وہ ائمہ مذاہب جن کی لوگ اتباع کرتے ہیں (یعنی ائمہ اربعہ) اور اسی طرح دیگر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا مطلب امام شافعیؒ نے بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ تک لوگوں کو تعلیم دینے کی غرض سے ذکر بالجہر ہوتا رہا کہ انہوں نے اس پر دوام کیا قارئین کرام انصاف کے ساتھ اس عبارت پر نظر ڈالیں۔

(۹) علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں: ولا بی حنیفة رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قوله تعالی ادعو ربکم (کبیری ص ۵۶۲) حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے سے پکارو یہ بات کاملتحس ہوگئی کہ امام اعظم کے نزدیک ذکر بالجہر بدعت ہے۔

(۱۰) حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں: وقد نص علماءنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام (مرقات علی المشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷۰) امام نے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگر چہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے۔ دیکھئے انہوں نے حق اور باطل کا فیصلہ کر دیا۔

(۱۱) امام سراج الدین حنفیؒ اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بالدعاء بدعة (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۷۰، موضوعات کبیر ص ۱۷) کہ مستحب یہ ہے کہ دعاء آہستہ کی جاوے اور بلند آواز سے دعاء کرنا بدعت ہے۔

قارئین کرام! خاں صاحب وغیرہ تو ہم لوگوں کو نجدی وہابی کہہ کر نکل جاتے ہیں لیکن مذکورہ تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ علماء دیوبند کا عقیدہ قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء کے ساتھ ہے۔

بحث! اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا: مقدمہ

قال اللہ تعالیٰ: حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل

السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب ان تستقسموا بالازلام ذالکم فسق (پ ۶ مائدہ)

قارئین کرام اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی منفرد ذات ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتے، اور ان کے ہم سر اور ہم عصر کوئی ہے اور نہ اس کی کوئی مثال، نظیر، والا مثیل، لہ ولا ولد، لہ ولا مولود، لہ ولا کفوا احد کے بارئ تعالیٰ نے بانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیا ولا تشرک بالله شیئا ۔ کہ باری تعالیٰ کے ساتھ مت شریک کرو بھی۔ لیکن آج ایک فرقہ ایسا ہے کہ اکثر عقائد میں باری تعالیٰ کے ساتھ انبیاء کرام بزرگان دین کو شریک ٹھہراتے ہیں چنانچہ یہ بات تمام اہل علم کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ذبح صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر ہونا چاہئے لیکن خاں صاحب وغیرہ کا کہنا ہے کہ اگر ذبح کئے ہوئے جانور کی نسبت اولیاء صلحاء کی طرف کر دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً کہہ دیا جاتا ہے یہ بکرا یا گائے غوث پاک کے نام اعلیٰ حضرت کے نام وغیرہ وغیرہ، یہ عقیدہ ہے کہ قرآن وحدیث کے آئینے میں مردود اور قابل مذمت ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا قول وما اھل لغیر اللہ بہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ کسی کے نام پر نہ رکھا جائے کیوں کہ یہ نص کے خلاف ہے۔ نیز اس عمل کو نہ سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے اختیار کیا اور نہ صحابہ کرامؓ نے اختیار کیا اور نہ تابعین اور نہ تبع تابعینؒ نے اور نہ ائمہ کرام نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور نہ سلف صالحین نے حکم کیا لہٰذا یہ عمل عند الشریعۃ المطہرۃ بدعت وحرام ہے۔ اب اسی پر بحث ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے سب سے پہلے یہ کہا کہ بقولہ تعالیٰ ما اھل بہ لغیر اللہ وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا ہو۔ یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ الخ۔ (جاء الحق: جلد ۱، ص ۳۴۲)

جواب ما قال به غیر اللہ سے ذبح کیا جانور کھانا جس پر اللہ کے
اللہ نہ قل اس حوالہ پر لفظ الحلالکی قید غیر اللہ کا ذکر ہے کی
آیت کی الفرقہ لا یہ اللہ کے ذبیحہ و اللہ اللہ علیہ
بعد ما مطلق ذات (یعنی ذبح کرنے کے وقت) اس پر
اس بات پر متفق فیصلے کہ اگر ذبح کرتے وقت پکارے گا تو
اللہ کی رضا مندی کے لیے کرے گا تو نہیں فتوے اس کو غیر اللہ
تحت حرام قرار دیا ہے۔

ثانیاً یہ کہ مشرکین جاہلیت میں کفار مشرکین اپنے بتوں کے
کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے تو اللہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے ما اھل لغیر اللہ
لغیر اللہ فرمایا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اپنے ذبح کے وقت غیر اللہ
بہ کفر لہم باسم اللات والعزی عند ذبحہ جس پر اپنا ذبح کرتے تھے
اس اللہ کے نام کے علاوہ پر جیسے کہ کفار مکہ ذبح کے وقت کہتے تھے باسم اللات والعزی۔
قارئین کرام غور کریں کہ کیا کفار و مشرکین جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اور بعد اللہ کے
نام کے علاوہ دیگر نام سے اس جانور کو پکارا کرتے تھے یا نہیں۔ یقیناً وہ لوگ اللہ کے نام
کے علاوہ کی طرف اس جانور کو منسوب کیا کرتے تھے۔ تو اس کی حرمت ثابت ہوئی اب
یہی بات خاں صاحب کی ہے کہ وہ بھی جانوروں کی نسبت غوث پاک اہل حضرت وغیرہ
کی طرف کرتے ہیں حالانکہ یہ کھلم کھلا شرک ہے۔ اسی طرح خاں صاحب نے مختلف
کتب کے حوالے سے یہ کہا کہ یہاں پکارنے سے مراد ذبح کے وقت پکارنا ہے۔ تو
قارئین کرام غور کریں کہ جب ذبح کے وقت غیر خدا کے نام سے پکارنا حرام ہے اور اسکو
فریق مخالف بھی تسلیم کرتے ہیں تو ذبح کے بعد دوسرے کے نام پر کھانا اور اس گوشت کا
استعمال کرنا کیا حرام نہیں ہو سکتا؟ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح ذبح کے وقت غیر اللہ
کا نام لینا حرام ہے بعینہ اسی طرح غیر اللہ کے طرف نسبت کرنا حرام ہے کیوں کہ باری
تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تشرک باللہ شیاء کہ حضرت حق جل مجدہ کے ساتھ ذرہ برابر

بھی شریک نہ کرو تو پھر گوشت اور دیگر کام کی نسبت بعد الذبح غیر اللہ کی طرف کیسے کر سکتے ہیں معلوم ہوا کہ لا تشرک باللہ شیاء کے تحت یہ بھی حرام ہے۔

ثالثاً: خاں صاحب نے ہماری دلیل وما اھل لغیر اللہ کی تشریح کے تحت مختلف عبارات پیش کی ہیں لیکن انہوں نے ص: ۳۴۲ تا ۳۴۳، تک ایک بھی قرآنی آیت اپنے دعویٰ پر پیش نہیں کی بلکہ انہوں نے خود ہمارے ہی عقیدے کی تائید میں عبارات علماء پیش کی ہیں جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ ہمارا مدعا حق پر گامزن ہے اور انکا باطل عقیدہ ہوا منتشر ا ہے۔

رابعاً: باری تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا وما اھل بہ لغیر اللہ اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اب نذر مانے گئے جانور پر ذبح کے بعد غیر اللہ کا نام پکارا جائے یا بعد میں دونوں برابر ہے لہٰذا بعد الذبح یا قبل الذبح جانوروں کی نسبت کسی اور کی طرف اگر کی گئی تو وہ حرام ہے مثلاً خاں صاحب وغیرہ کہتے ہیں یہ غوث پاک کے نام پر بقرہ ہے یا علی حضرت کے نام پر کیوں کہ یہ بھی عمل وما اھل بہ لغیر اللہ کے ضمن میں آتا ہے۔

مزید بات یہ ہے کہ خاں صاحب نے یہ کہا کہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہ دیتے ہیں گیارہویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے۔

(جاء الحق ص ۳۴۱ تا ۳۴۲)

جواب غور کریں کہ جانور جس کی نیت سے پالا جائے گا تو اسی کا ہوگا یا اس کے علاوہ کا ہوگا؟ لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ خاں صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ذبح غیر اللہ کے نام پر ہو سکتا ہے (العیاذ باللہ)

نوٹ: خاں صاحب نے دوسرے باب کے شروع میں دلیل ما اھل بہ لغیر اللہ کے بعد نوٹ قائم کیا اور کہا کہ یہ اعتراض شاہ عبد العزیز قدس سرہ کا ہے وہ اس مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے (ایضاً ص ۳۴۲)

قارئین! دیکھ لیا آپ نے خود پسندی کو کہ ماقبل کے اندر حضرت شاہ صاحب کی

عبارت کے ذریعہ دلیل بیان کر رہے تھے لیکن یہاں آکر جب دیکھا کہ ان کی بات ہمارے خلاف جا رہی ہے تو حضرت شاہ صاحب کو بھی غلط ٹھہرا دیا۔

بہر حال اگر تم کہتے ہو کہ حضرت شاہ صاحب سے غلطی ہو گئی تو کیا شاہ صاحب دیوبندی تھے بالکل نہیں تو پھر ان کی بات کیوں قبول نہیں کرتے ہو؟۔ اب خاں صاحب نے تفسیرات احمدیہ کی عبارت زیر آیت پیش کی کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لیے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے الخ (ایضاً ص ۳۴۳) خاں صاحب نے شامی کے حوالے سے یہ کہا اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح جاننا چاہئے کہ حلت و حرمت کا دارومدار ذبح کے وقت نیت کا ہے (ایضاً ص ۳۴۳)

جواب یہ بات تو ہمیں بھی تسلیم ہے کہ جانور کے گوشت کی حلت و حرمت کا دارومدار ذبح کے وقت نیت کا ہے تو اگر کسی نے اس وقت بجائے اللہ کے اور کسی کا نام لے لیا تو اس کا گوشت کھانا حرام ہو ہی جائے گا لیکن اگر کسی نے قبل الذبح یا بعد الذبح اس جانور کی نسبت کسی اور کی طرف کی تو یہ بھی ناجائز ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے یہ اعلان کر دیا و للّٰہ مافی السموٰت و مافی الارض کہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ ہی کے لیے ہیں پھر دوسرے کی طرف نسبت کرنا ناجائز ہے یا جائز۔

پس معلوم ہوا کہ قبل الذبح یا بعد الذبح جانوروں کی نسبت اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں کی جا سکتی ہے۔ پھر آگے خاں صاحب نے عالمگیر کے حوالے سے یہ کہا کہ مسلمان مجوسی کی دو بکری جوان کے آتش کدہ کے لیے کافر کی ان بتوں کے لیے تھی ذبح کی وہ حلال ہے کیوں کہ اللہ کا نام لیا ہے (باطل حق ص ۳۴۳ تا ۳۴۴)

جواب اس چیز کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ غیر مسلم کے جانوروں کو اگر کوئی مسلم اللہ کا نام لیکر ذبح کرے تو جائز ہے کیوں کہ ایسی صورت میں جانور پالنے والا خود کافر ہے اسکو دین و دنیا سے کوئی خبر نہیں مگر حضرات بریلوی دین و دنیا سے خبردار ہیں پھر بھی اگر وہ مجوسی کافر کی طرح عمل کریں تو وہ قابل مذمت ہیں۔

ثانیاً و للّٰہ مافی السموٰت و مافی الارض کے مخاطب محمد حبیب کے پڑھنے

والا ہے نہ کہ کفار و مشرکین۔ لہٰذا اگر کوئی بریلوی قبل الذبح یا بعد الذبح ایسا عمل کرتا ہے تو وہ بدعت کا رواج دیتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

ثالثا: خاں صاحب کی مذکورہ صورت میں تو گوشت حلال ہے مگر ان پہ عمل حرام ہے۔ پس قارئین کرام اتنی بات پر غور کریں تو مکمل مسئلہ حل ہے۔ خیر الکلام ماقل و دل۔

دوسرا باب

اس مسئلہ کے متعلق اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

قارئین کرام! خاں صاحب نے عنوان قائم کیا ہے۔ اولیاء کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوابات۔ لاحول و لا قوت الا باللہ کہ خاں صاحب نے جانور کو اولیاء کا قرار دیا۔ تو پھر باری تعالیٰ کا کہاں رہا۔ بہرحال یہ عنوان کفریہ کلمات پر مبنی ہے کیوں کہ باری تعالیٰ کا اعلان ہے خلق کل شئی پھر آگے کہا وللہ ما فی السموت وما فی الارض میں دنیا کا جمیع ما کان و مایکون باری تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور تمام مخلوقات ان کی محتاج ہیں لیکن خاں صاحب کو پتہ نہیں کیا سوجھی؟ کہ انہوں نے مرغے بکرے گائے وغیرہ کے بارے میں جوش میں کہہ دیا کہ اولیاء اللہ کے جانور۔ لہٰذا عنوان ہی غلط ہے۔

پہلی دلیل کا جواب اور اس کی تردیدات

آیت ما اھل بہ لغیر اللہ میں کلمہ اھل اھلال سے مشتق ہے اور اھلال کے معنی لغت میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں لہٰذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح وہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا اگرچہ خدا کے نام پر ذبح پر ہو حرام ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کے اھلال کے دو معنی ہیں۔ (۱) معنی لغوی یعنی مطلقاً پکارنا (۲) معنی عرفی یعنی بوقت ذبح پکارنا لہٰذا خاں صاحب صلوۃ پر قیاس کرتے ہوئے عرفی کو مراد لیا ہے۔ اور کہا کہ یہاں معنی عرفی یعنی

بوقت ذبح پکارنا مراد ہے۔ (جاء الحق: ص ۳۴۴)

رد: دراصل اہل کے دو معنی ہیں (۱) معنی حقیقی جیسے کہ مطلقاً پکارنا (۲) معنی مجازی جیسے کہ بوقت ذبح پکارنا۔ اور قاعدہ کلیہ صاحب نور الانوار اور صاحب اصول الشاشی نے بحث حقیقت اور مجاز میں بیان کیا ہے کہ جب کسی لفظ کے دو معنی ہوں یعنی معنی حقیقی اور معنی مجازی تو سب سے پہلے حقیقی معنی پر عمل کیا جائے گا لیکن اگر حقیقی معذور ہو تو معنی مجازی پر عمل کیا جائے گا۔ جیسے کہ الصلوٰۃ اس کے معنی حقیقی ہے دعاء کے لیکن مجازی معنی ہیں نماز۔ تو یہاں پر حقیقی معنی پر عمل کرنا معذور تھا اس وجہ سے معنی مجازی پر عمل کیا گیا، لیکن اھل کے اندر معنی حقیقی پر عمل کرنا بغیر کسی تعذرات کے درست ہے لہذا اس کے معنی حقیقی مطلقاً پکارنا لیا جائے گا۔ اور اھل کے معنی حقیقی مراد لینے کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہؓ تابعین اور تبع تابعینؒ کے فرمان پر عمل ہو جائے گا۔ لیکن اگر معنی مجازی یا بقول خاں صاحب کے معنی عرفی مراد لیں تو بہت ساری خرابیاں لازم آئے گی مثلاً وللہ ما فی السموات وما فی الارض وغیرہ جیسی آیات کے خلاف لازم آئیگا پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ اگر یہاں اھلال کے معنی لغوی ہوں تو چند خرابیاں لازم ہوں گی۔ مفسرین کرام کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام کے اقوال ملاحظہ ہوں تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ عن مجاھد وما اھل قال ما ذبح لغیر اللہ الخ۔ (جاء الحق ص ۳۴۴ تا ص ۳۴۵)

جواب: خاں صاحب نے کہا تھا کہ اگر معنی لغوی مراد لیں گے تو چند خرابیاں لازم آئیں گی اور اس کی تائید میں درمنثور کی عبارت پیش کی حالانکہ یہ کم علمی پر مبنی ہے بایں معنی کہ اس عبارت کے اندر اھل کے معنی حقیقی اور معنی مجازی دونوں کا ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ پہلے تو یہ کہا ما ذبح لغیر اللہ کہ اللہ کے علاوہ کے نام پر ذبح کرنا پھر آگے معنی حقیقی کا تذکرہ آیا عن ابی العالیہ وما اھل یقول ما ذکر علیہ اسم غیر اللہ کہ اھلال وہ ہے کہ جس پر اللہ کے نام کا تذکرہ ہو۔ تو اب غور کیجئے کہ حضرات بریلوی قبل ذبح اور بعد الذبح منذر جانوروں پر غیر اللہ کا تذکرہ کرتے ہیں یا نہیں؟ پس معلوم

ہوا کہ خاں صاحب کا عمل درست نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمل غیر اللہ کے نام پر ہوتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے کہ واقعتاً یہ بندہ اب ہماری پیروی کر رہا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تتبعوا خطوات الشیطن پس اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑتا ہے تو گویا اس نے اس مذکورہ آیت کو ٹھکرایا۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ اھل کے لغوی معنی مراد ہوئے تو ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے سب حرام ہوگی مثلاً زید کا آم بکر کے باغ (جاء الحق: ص ۳۴۶) اس کا جواب یہ کہ وما اھل بہ لغیر اللہ میں جاندار شئی مراد ہے اور اس میں بھی جس کو ذبح کیا جاتا ہو۔ نیز "ما" کے اندر جاندار شئی مراد ہے نہ کہ غیر جاندار بہر حال اس کی مکمل بحث ہمارے دلائل کے اندر ملاحظہ کریں۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جائے مگر ذابح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا مگر اس قاعدہ سے حرام ہو گیا۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ ذبح کی چار قسمیں ہیں (۱) ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو (۲) ذبح چھری کی دھار کی آزمائش کے لیے ہو (۳) گوشت کھانے کے لیے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لیے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام (۴) غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا آخر کار خاں صاحب نے یہ کہا کہ ہمارا یہ عمل یعنی گیارہویں فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی قسم میں (جاء الحق ص ۳۴۸) اردو پہلی تردید یہ ہے کہ خاں صاحب نے اپنے اس عمل کو تیسری قسم میں داخل کیا ہے تو پھر شادی، ولیمہ و تجارت کی طرح ذبح کیوں نہیں کرتے ہیں یعنی ان مذکورہ صورتوں میں لوگ مزارات اور محفل میلاد تو نہیں کرتے ہیں بلکہ بغیر مزارات اور محفل میلاد کے لئے ہوئے جانور ذبح کر لیتے ہیں لیکن آپ گیارہویں اور فاتحہ کے موقع پر تو

بڑے بڑے مرغے بکرے خصی کر کے بنا سوار کر ذبح کرتے ہیں پھر آپ بعد الذبح اولیاء اللہ کو پکارتے ہیں یعنی کہتے ہیں یا رضا خاں یا فضل رحمان وغیرہ وغیرہ تو یہ آپ کا عمل شرک ہے لیکن شادی ولیمہ تجارت میں ایسا نہیں ہوتا ہے تو وہ جائز ہے

لہٰذا باری تعالیٰ کا قول ولا تتبعوا خطوات الشیطن کے تحت اس عمل کو چھوڑنا نہایت ہی ضروری ہے ورنہ گمراہی کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ دوسری تردید یہ ہے کہ اسی مذکورہ آیت کے آگے آیت ہے "وما ذبح علی النصب "اور حرام وہ جانور ہے جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے۔ قارئین! غور کریں کہ حضرات بریلوی نے مزارات اولیاء اللہ کو بت بنا رکھا ہے یا نہیں کہ ماقبل میں انہوں نے کہا کہ یا ولی اللہ کہنا جائز ہے اسی طرح کہا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے جیسا کہ احقر نے ماقبل میں مکمل بحث کی ہے۔

بہر حال جب یہ لوگ غیر اللہ (اس میں بھی مبتوں سے) مدد مانگتے ہیں حالانکہ وہ نہ زندوں کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ نقصان لہٰذا اب اگر اس سے کوئی مدد مانگے تو بت پرستی لازم آئے گی۔

نیز حضرات بریلوی ان سے مانگتے ہیں اور ان کے نام کی طرف قبل الذبح اور بعد الذبح جانوروں کو منسوب کرتے ہیں تو یہ عمل کیوں کرنا جائز نہ ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ خاں صاحب کا یہ عمل وما ذبح علی النصب کے تحت حرام ہے۔ نیز اسی آیت کے تحت جمل نے فرمایا جیسا کہ خود خاں صاحب نے بیان کیا کہ ای ما ذبح ما قصد بذبحه النصب الخ یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت (مزارات اولیاء اللہ وغیرہ) مقصود ہوں اور اگر چہ ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو۔

قارئین عظام! غور کریں کہ یہی حال خاں صاحب وغیرہ کا ہے یا نہیں کہ ذبح کے وقت اولیاء اللہ کا نام تو نہیں لیتے ہیں مگر قبل الذبح اور بعد الذبح نام لیتے ہیں۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

درمختار عالمگیری باب الذبح میں اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی گئی ہے کہ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العلماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو

ذکر اسم اللہ علیہ بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا اگرچہ اس پر اللہ کا بھی نام لیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح کرے گیارہویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضاء کے لیے ہے اور ذبیحہ اللہ سے ہو۔ اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اس کا مکمل جواب ہو چکا ہے جواب میں گذر چکا ہے۔ کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام ہے۔ بھینٹ کے معنی بیان کیے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہے۔ گوشت حلال ہے۔ (جاء الحق ص ۳۳۸)

۱۔ اس جواب کی مکمل تردید سوال ۲ کے جواب کی تردید کے تحت گذر چکی ہے۔

اب قارئین کرام غور کریں کہ خاں صاحب غیر اللہ کے نام کی طرف نسبت کے ہوئے ذبح کرتے ہیں سوال کے کیا معنی؟ پس یہی کہا جائے گا کہ ہمارے بزرگ اللہ ہی ہوئے ذبح کرتے ہیں سوال کے کیا معنی؟ پس یہی کہا جائے گا کہ ہمارے بزرگ اللہ ہی رہیں اور ہماری مدد کریں (جیسا کہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے) اور اگر یہ مقصود نہیں جانوروں کو ان کی طرف نسبت کیوں کرتے ہیں ان سے کیوں مانگتے ہیں گویا کہ یہی مقصد ہے جو ابھی گذرا کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو پس جس طرح بھینٹ کے جانوروں کو سوال میں حرام کہا ہے اسی طرح یہ مذکورہ شکل بھی حرام ہے۔ رہی بات تعظیم مہمان کے لیے ذبح کرنا تو یہ متفق علیہ بات ہے کہ یہ جائز ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔

گیارہویں دلیل کا جواب اور اس کا رد

گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے۔ کیوں کہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہوا۔ کتاب الصوم بحث نذر المیت میں ہے۔ والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا تکون للمخلوق اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ ہماری نذر اللہ کے لیے ہوتی ہے یہ نذر اللہ پاک کے لیے ہے اور اس کا مصرف یہ ہے

سے کچھ بھی شرک نہیں استعارے کہتے ہیں کہ یہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

۲۔ ٹھیک ہے ہم تھوڑی دیر کے لیے مانتے ہیں کہ آپ کی مراد نذر شرعی نہیں بلکہ نذر عرفی ہدیہ ہے تو ہدیہ و نذرانہ زندہ کو دیا جاتا ہے یا مردہ کو؟ یقیناً آپ کہیں گے کہ ہدیہ و نذرانہ زندہ کو دیا جاتا ہے نہ مردہ کو پھر آپ نذر کے جانوروں کی نسبت اولیاء اللہ کی طرف کیوں کرتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ نکلا ہے کہ آپ نذر شرعی پر گامزن ہیں اور حرام کے مرتکب ہیں۔ بہر حال احقر نے مکمل دلائل کے جوابات دیدیے اور مزید ان کے جملہ شکوک و شبہات کی تردید کی ہے۔ انشاء اللہ قارئین کے لیے بہت ہی مفید ہوگا۔

لیکن وہ فرقہ جو حق کو حق اور باطل کو باطل ہی تسلیم نہ کرے پھر وہ ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ کی مصداق ہے پس اللہ سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام امت کو ایک راستے پر لے آئے (آمین)

اب ہمارے مزید دلائل بیان کیے جا رہے ہیں غور کریں (۱) قولہ تعالیٰ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم (سورہ بقرہ پارہ ۲) آپ نے تحریر کیا ہے مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بے اختیار ہو گا نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ ہی بخشنے والا نہایت مہربان۔

قارئین کرام: وما اھل بہ لغیر اللہ سے واضح یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ذبح اللہ کے نام پر تو ذبح کرنا یا جانور کا پیسا حرام ہے کیوں کہ ایسی صورت میں شرک فی العبادت لازم آتی ہے جو کہ قرآن و حدیث کے آئینے میں حرام ہے نیز اس مسئلہ میں صاحب نے کافی اشکالات کیے ہیں اور احقر نے دلائل میں ان کے دندان شکن جوابات دیدیے ہیں: ملاحظہ کریں بحق احقر راجع الی نظر ہیں فیصلہ آپ پر ہے۔

(۲) اس آیت کے تحت بیضاوی کا حاشیہ ہے: فکل ما یذبح علیہ باسم اللہ محرم وان ذبح باسم اللہ تعالیٰ حیث اجمع العلماء لو ان مسلما

ذبح ذبیحة وقصد بذبحه التقرب الی غیر الله صار مرتداً وذبحته ذبیحة مرتد۔ ہر وہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام کر دیا گیا وہ حرام ہے، اگر چہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو اس لیے کہ علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لیے کوئی مسلمان ذبح کرے تو وہ مرتد ہو جاویگا اور اسکا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ کہلائے گا۔

قارئین کرام یہ قول کیا کسی نجدی وہابی کا ہے کہ جس نے خاں صاحب کے عقیدے کی تردید کرتے ہوئے حرام کیا اور مزید یہ بھی اسکام کو کرنے والوں کو مرتد (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ ایسے ایسے عقیدے سے امت مسلمہ کو محفوظ رکھے (آمین)۔

(۳) درمختار کتاب الذبائح جلد:۵، ص ۲۱۴ پر ہے ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العلماء یحرم لانه اهل به لغیر الله ولو ذکر اسم الله رقوله الشامی الخ کسی امیر یا بڑے کے آنے پر جانور ذبح کیا تو وہ حرام ہوگا، کیوں کہ وہ ما اهل به لغیر الله میں داخل ہے۔ اگر چہ بوقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا ہو اور شامی نے اس کی تائید کی ہے۔

(۴) قرطبیؒ نے فرمایا وجرت عادة العرب بالصياح باسم المقصود بالذبيحة وغلب ذالک فی استعما لهم حتّٰی عبر به عن نیته التی هی علة التحریم (تفسیر قرطبی، جلد:۲، ص:۲۰۷) عرب کی عادت تھی کہ جس کے لیے ذبح کرنا مقصود ہوتا تو ذبح کرنے کے وقت اس کا نام بلند آواز سے پکارتے اور یہ رواج اہل عرب میں عام تھا یہاں تک کہ اس آیت میں تقرب الی غیر اللہ کو جو کہ اصل نیت تحریم ہے اهل کے لفظ سے تعبیر کر دیا۔

(۵) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: اما ذبح لذالک الیوم فلا تاکلوا لکن کلوا من اشجارهم (تفسیر قرطبی: جلد:۲، ص:۲۰۷) جو جانور اس عید کے دن کے لیے ذبح کیا گیا ہو وہ نہ کھاؤ لیکن اس کے درخت کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔ الغرض اس میں نیت تو تقرب الی اللہ کی ہے مگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جائے تو بھی کیوں کر درست ہوگا۔

(۶) بقولہ تعالیٰ وما ذبح علی النصب اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے مزید اسکی بحث ماقبل میں گذر چکی ہے۔ کہ یہ آیت بالقرائن اس بات پر دال ہے کہ غیر اللہ کے نام پر اور بتوں کے نام پر مثلاً اولیاء اللہ کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے۔

(۷) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وخلق کل شیء کہ حضرت حق جل مجدہ نے ہر ایک کو چیز کو پیدا کیا تو پھر کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا یہ ناقص ایمان ہونے کی علامت ہے۔

(۸) وللہ مافی السموات ومافی الارض کہ آسمان وزمین کے اندر جو کچھ ہے تمام کا تمام باری تعالیٰ کے لیے ہے پھر دوسرے کی طرف بعد الذبح یا قبل الذبح جانوروں کی نسبت کیوں کر کر سکتے ہیں۔

(۹) بقولہ تعالیٰ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب واکثرھم لا یعقلون (پارہ ۷ سورہ مائدہ) نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی اور لیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان اور ان میں اکثروں کو عقل نہیں۔ پس اس کے مصداق حضرات بریلوی ہیں۔

مقدمہ

قارئین کرام! حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ، باری تعالیٰ نے جب دین کو اکمل طور پر پائے تکمیل تک پہنچادیا تو اب اگر کوئی شخص کسی نئی چیز کو ایجاد کرتا ہے تو وہ عند الشریعت المعتدلہ ضال ومضل ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کے آئینے میں گمراہ کن فرقہ ہے پس اسی طرح حضرات بریلوی نے کہا کہ تبرکات کا بوسہ جائز ہے حالانکہ یہ عمل صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لئے خاص تھا۔

خاں صاحب نے عنوان قائم کیا بحث بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا ص ۳۵۰ قارئین غور کیجئے کہ اگر کسی کا پاؤں وغیرہ چوما جائے تو کیا یہ شرک نہیں ہے یقیناً ہے۔ بایں معنیٰ کہ جب ہاتھ چومے گا تو رکوع لازم آئے گی اور جب پاؤں چومے گا تو سجدہ لازم آئے گی حالاں کہ یہ سب باتیں حرام ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے لا تشرک باللہ شیا۔

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت اور اسکے جوابات میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے قرآن کریم فرماتا ہے وادخلوا الباب سجدا و قولوا حطة یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۵۱)

جواب: اولا: بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو نہ کہ بیت المقدس کو بوسہ دیتے ہوئے ہو۔

ثانیا: بیت المقدس متبرک جگہ ہے اس وجہ سے سجدہ کرنے کے لیے کہا جیسے حجر

کے لیے مساجد پس یہاں مساجد کے اندر سجدہ کرنے کا حکم ہے نہ کہ ہاتھ پاؤں تبرکات کو بوسہ دینے کا حکم ہے۔

رابعاً: یہ بات تو ہمیں تسلیم ہے ہی کہ متبرک مقامات مثلاً خانہ کعبہ بیت المقدس وغیرہ کی تعظیم نہایت ہی ضروری ہے لیکن یہاں یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہاتھ پاؤں، تبرکات کو بوسہ لیا اور دیا جائے۔

دوسری دلیل کے جوابات

خاں صاحب نے مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے: حضرت زارع سے مروی ہے اور یہ وفد عبدالقیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے (مرقاۃ، ص ۳۵۱)

جواب: اسی حدیث کے تحت علامہ نووی نے لکھا ہے اذا اراد تقبیل ید غیرہ ان کان ذالک لزھدہ وصلاحہ او علمہ او شرفہ وصیانتہ ونحو ذالک من الامور الدینیۃ لم یکرہ بل یستحب وان کان لغناہ ودنیا وتروتہ وشوکتہ وجاھتہ عند اھل الدنیا ونحو ذالک فھو مکروہ شدیدۃ الکراھیۃ یقال لا یجوز فاشار الی انہ حرام (مشکوٰۃ شریف جلد نمبر ۲ باب المصافحۃ والمعانقۃ ص ۴۰۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

یعنی اگر کسی کا علم اور زہد کی وجہ سے بوسہ لیتا ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن اغنیاء شوکت وثروت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو حرام ہے اور اس دور کے اندر حضرات بریلوی نے تو قطعاً علم کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا ہے بلکہ اپنی مالداری اور شان وشوکت بڑھانے کے لیے کرتے ہیں لہٰذا حرام ہے۔ اس کے بعد خاں صاحب نے یہ کہا کہ حوالہ مشکوٰۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

جواب: بوسہ دینا لینا یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ ہے مگر حد سے تجاوز کرنا درست نہیں۔ بہر حال یہاں انسان کو بوسہ دیا گیا نہ کہ تبرکات کو۔

پھر خاں صاحب نے شفا شریف کی حدیث نقل کی کہ جس منبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا تھا اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (جاء الحق ص ۳۵۱) پہلی بات تو یہ کہ شفا کی یہ حدیث ضعیف ہے بایں معنیٰ کہ یہاں نہ تو راوی ذکر ہے اور نہ حوالہ ہے کہ شفاء نے کہاں سے اور کس جگہ سے نقل کیا۔

پھر آگے خاں صاحب نے شرح بخاری لابن حجر کے حوالے سے یہ پیش کیا کہ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے الخ (جاء الحق: ص ۳۵۲)

جواب: تبرکات کا بوسہ لینا یقیناً جائز ہے مگر سنت کے مطابق ہو اگر سنت کے خلاف مثلاً خاں صاحب وغیرہ تبرکات کو رسول اور نبی کا درجہ دیتے ہیں یہ غلط ہے۔ پھر خاں صاحب نے جلال الدین سیوطیؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ حجر اسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا یہ قول یہاں قطعاً درست نہیں کیوں کہ مذکورہ قول لا تشرک باللہ شیئاً کے خلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی روایت عند المحدثین معتبر نہیں کیوں کہ عام طور پر وہ ضعیف احادیث بیان کرتے ہیں۔ جب وہ ضعیف احادیث بیان کر سکتے ہیں۔ تو ان کا قول یہاں معتبر نہیں۔

پھر آگے خاں صاحب نے قرآن کریم نے کی آیت پیش کی وقال لھم نبیھم الآیۃ اس آیت کے تحت واقعہ بیان کیا گیا کہ تابوت ایک شمشان کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر تھیں ان کے مکانات شریفہ اسے مقامات شریعہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ کا عصا اور ان کا کپڑا اور آپ کے نعلین شریفین اور حضرت ہارون کا عصاء اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا بنی اسرائیل دشمن سے جب جنگ کرتے تو برکت کے لیے ان کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعاء کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعاء کرتے تھے بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا، ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ مذکورہ عقیدہ بنی اسرائیل کا تھا نہ کہ کسی اولیاء کا اور بنی

اسرائیل گمراہ کن فرقہ ہے پس ان کے عقیدہ سے استدلال کرنا جہالت پر مبنی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل جنگ شروع کیا کرتے تھے تو بزور طاقت وقوت فتح پاتے تھے نہ کہ ان مذکورہ تبرکات کی وجہ سے پس اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

چند دلائل کے جوابات

آگے خاں صاحب نے "فلما ذھبوا بہ" والی آیت پیش کی اور کہا کہ جب یعقوبؑ نے یوسف کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تا کہ محفوظ رہیں۔ (جاء الحق: ص ۳۵۲)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ "فلما ذھبوا بہ" کے تحت تفسیر جلالین خاموش ہے لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ نیز تفسیر ابن کثیر بھی اس معاملہ میں خاموش ہیں کہ حضرت یوسف کی روانگی کے وقت حضرت یوسف کو حضرت یعقوب نے کیا کیا عنایت کیا تھا۔

جواب: دوسرا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یعقوبؑ کو ابراہیم کی قمیص دی محض حفاظت کے لیے تو پھر ان کو کنویں میں کیوں ڈالا گیا۔ اسی طرح کنویں میں پتھر کیوں برسائے گئے؟ اسی طرح یوسف کو جیل کیوں لے جایا گیا۔ اسی طرح زلیخا نے آپ پر تہمت کیوں لگائی۔ بہر حال ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ تبرکات حفاظت کے معاملہ میں کام نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کی تعظیم کرنی چاہئے کیوں کہ حفاظت کرنے والی صرف حق جل مجدہ کی ذات ہے۔ واللہ حفیظ علیم۔

خاں صاحب نے آگے کہا کہ سارے پانی رب کے پیدا کیئے ہوئے ہیں مگر آب زمزم کی تعظیم اس لیے ہے کہ یہ حضرت اسماعیل کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام کو ابراہیم سے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا واتخذو من مقام ابراھیم مصلی سب کے سر ادھر جھکا دیئے۔ (جاء الحق)

مکہ معظمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوئی تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ (جاء الحق ص: ۳۵۳)

جواب۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسمٰعیل کے قدم سے پانی بہنا ابراہیم کے سلسلے میں واتخذو من مقام ابراھیم مصلی فرمانا اور بالآخر لا اقسم بھذا البلد فرمانا۔ پس یہ تمام چیزیں معجزات میں داخل ہیں اور معجزات سے استدلال کرنا غلط ہے کیوں کہ معجزات مومن کو قبول ہیں اور معجزات کا انکار کرنے والا کافر ہے مگر تبرکات کا انکار کرنے والا گنہگار ہے اور ان کے کم علمی ہونے کی علامت ہے نیز دونوں میں کافی تضاد ہے یعنی کہ تبرکات کا قبول کرنا کوئی ضروری نہیں مگر معجزات کا قبول کرنا فرض ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے مشکوۃ کے حوالے سے چند احادیث پیش کی ہیں: (۱) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف تھا اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت جبیرہؓ کے مکان پر تشریف فرماں ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا تو انہوں نے برکت کے لیے مشکیزے کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ (۳) ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئی اور کہا کہ ہمارے ملک میں یہودیوں کا خانہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں پانی لیکر اس میں کلی فرمائی اور فرمایا کہ اس میں بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو وہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو (جاء الحق، ص: ۳۵۳)

جوابات کی تفصیل

خاں صاحب نے سب سے پہلی حدیث یہ بیان کی کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کو دھو کر بیماروں کو پلایا کرتیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ جبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نیز ان کے جبہ کو ہاتھ لگانے والی حضرت نہ تب ہیں تو کیوں کر مریض کو نہ پلاتیں، ہاں اس جبہ میں گندگی ہے جو جبہ خاں صاحب وغیرہ کے ہوں) دوسری بات یہ ہے کہ یہ جبہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہ کہ اولیاء اللہ کا۔ لہٰذا اس سے خاں صاحب کا اپنے دعوی پر استدلال کرنا غلط ہے۔ دوسری

حدیث خاں صاحب نے یہ بیان کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کی وجہ سے حضرت حبیبہؓ نے اپنا مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھوایا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حبیبہ سے تو ہر قیمتی چیز لے سکتے ہیں آخر ان کا مال تھا پھر مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا تو کیا اس سے عام تبرکات کا بوسہ لینا ثابت ہو جائے گا ہرگز نہیں کیوں کے معاشرے میں بھی عام طور پر ہوتا ہے کہ بیوی شوہر کی کوئی یادداشت رکھتی ہیں تو کیا اس یادداشت کی وجہ سے عام تبرکات کا بوسہ لینا ثابت ہو جائے گا۔ تیسری حدیث خاں صاحب نے یہ بیان کی کہ یہ بات تمام اہل ایمان کو تسلیم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک میں باری تعالیٰ نے شفاء بخشی ہے۔ بیشک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخوشی کسی کو لعاب عنایت کیا ہو جیسا کہ ایک واقعہ مشہور و معروف ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی تو صدیق اکبرؓ و عمر فاروقؓ غار ثور میں چھپ گئے۔ تو وہاں بھی کفار کی ایک جماعت پہنچی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھبرا کر حضور سے فرما رہے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان لوگوں نے اپنے پیروں کے پاس جھانکا تو مجھے دیکھ لینگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا بالآخر آپؓ کو سانپ نے ڈس لیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کے زخم پر لعاب رکھا فوراً شفاء حاصل ہو گئی۔ بہر حال ایسے ایسے واقعات سے بوسہ تبرکات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح خالد ابن ولیدؓ اپنی ٹوپی شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک رکھتے تھے اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور سر مبارک پر ہوتی تھی (جہ مائق، ص ۳۵۳) یہ بھی عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اس دور کے اولیاء اللہ اور مریدین کے ساتھ۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو حضرت بلالؓ نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی تبرکات کی عظمت پر دال ہے نہ کہ بوسہ تبرکات پر۔

اقوال فقہاء سے استدلال اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے عالمگیری کتاب الکراہیہ کے حوالے سے یہ کہا کہ اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم اور عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

(جاء الحق، ص ۳۵۳ تا ص ۳۵۴)

جواب: عالمگیری کا یہ قول کہ عالم یا بادشاہ ہاتھ چومے تو کوئی حرج نہیں حالانکہ محشی مشکوۃ نے یہ بیان کیا بحوالہ امام نووی اذا اراد لتقبیل الغناء ولزوالہ وشوکتہ وجاھتہ عند اھل الدنیا ونحو ذالک فھو مکروہ شدیدۃ الکراھۃ ویقال لا یجوز فاشار الی انہ حرام.

(مشکوۃ جلد ۲ باب المصافحہ و المعانقہ ص ۴۰۲ حاشیہ ۱۱)

قارئین کرام! اس دور کے اندر کوئی بھی انسان خود خاں صاحب یا دیوبندی کی بادشاہ وغیرہ کے ہاتھ کو بوسہ محض اس وجہ کر لیگا کہ ہمیں مالداری ملے ہمیں مرغا ملے ہمیں مٹھائی ملے وغیرہ وغیرہ لہٰذا یہ وقار علم کے خلاف ہے ہاں اگر کسی نے آخرت سنوارنے کے لیے کسی اولیاء اللہ کے ساتھ ایسا کیا محض سنت کے مطابق تو کسی طرح جواز کی شکل نکل سکتی ہے۔

رہا سوال کہ ماں باپ کی قبریں چومنے میں کوئی حرج نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چومنے سے مراد اپنی محبت کا اظہار کرنا ہے اور محبت کا اظہار سنت کے مطابق ہو تو درست ہے وہ ہے صاحب قبر پر درود و سلام بھیجنا نہ کہ بوسہ لینا کیوں کہ ایسا عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لیکر آج تک کسی نے بھی نہیں کیا۔ لہٰذا یہ بدعت ہے۔

پھر خاں صاحب نے عالمگیری کے حوالے سے کہا کہ بوسہ کی بہت ساری قسمیں ہیں ان میں سے آخری قسم ہے وزاد بعضھم قبلۃ الدیانۃ وھی قبلۃ الحجر الاسود کہ بعض نے زیادہ کیا ہے دین داری کا بوسہ اور وہ حجر اسود کا چومنا ہے اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ سنگ اسود کے چومنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ ہمیں بھی تسلیم ہے

ثانیاً خود عالمگیری نے کہا وزاد بعضھم کہ بعض نے زیادہ کیا ہے تو اس سے خود یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قول غیر متعلق علیہ ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا غلط ہے۔

پھر آگے خاں صاحب نے کہا کہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدہ کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ (جاء الحق ص ۳۵۰)

پہلی بات تو یہ کہ حاکم نے اس حدیث کو کہاں اور کس جگہ نقل کیا ہے۔ اس کا کوئی پتہ نہیں نیز اس حدیث کو شامی نے حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ یہ قول الضعف ہے۔

دوسری بات یہ کہ حدیث یہاں مکمل بیان نہیں کی گئی ہے جس سے یہ پتہ نہ چل سکا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اجازت دی، کیا وہ حضور کا معتقد تھا یا نہیں ایسا یہ بات مجہول ہے اور مجہول احادیث سے استدلال کرنا غیر دانشمندی پر مبنی ہے۔

تمام دلائل کا نقلی جواب یہ ہے کہ **تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام لانہ یشتبہ عبادۃ الوثن** اور علماء و بڑے لوگوں کے سامنے زمین چومنا حرام ہے کیوں کہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ (درمختار کتاب الکراہیہ باب الاستبراء بحث مصافحہ) لیجئے درمختار کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا۔

پھر آگے خاں صاحب نے عالمگیری کے حوالے سے یہ کہا کہ ایک بوسہ دین داری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ اور کعبہ شریف کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اس کو شافعی لوگوں نے چومنے کو جائز فرمایا ہے کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا ہے کہ بدعت حسنہ ہے (جاء الحق ص ۳۵۴)

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ حجر اسود کے بوسہ کے سلسلے میں گفتگو ہو چکی ہے اور باقی چیزوں کو جو انہوں نے بیان کیا ہے سو یہ مختلف فیہ مسئلہ کو بیان کیا ہے اور مختلف فیہ مسئلہ سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات میں

فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیوں کہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہو گیا اسی طرح تعظیمی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جب کہ کسی کے پاؤں چومنے کے لیے اس کے قدم پر جھکا تو یہ رکوع تو گیا سجدہ ہو گیا لہٰذا یہ حرام ہے الخ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۵۵ تا ص ۳۵۶)

اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ سجدہ کی تعریف و مفہوم اس پر صادق نہیں آتی ہے کیوں کہ سجدہ کہتے ہیں زمین پر سات عضو یعنی دونوں پنجے یا دونوں گھٹنے یا دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی۔ پھر اس میں سجدہ کی نیت ہو تب سجدہ کہلائے گا۔ ورنہ نہیں۔ (جاء الحق، ص ۳۵۶)

رد: اس کی پہلی تردید یہ ہے کہ مذکورہ تمام عضو کا زمین پر ٹیکنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ اگر کوئی شخص سجدہ کی نیت سے پیشانی ٹیکتا ہے اور ناک نہیں تو پھر بھی سجدہ ہو جائے گا اسی طرح دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ کسی مجبوری کے تحت نہ ٹیک کر سجدہ کیا پھر بھی سجدہ ہو جائے گا۔

پس خاں صاحب کی شرطیں للسجود باطل ہیں پس اس کا جواب بھی صحیح نہیں دوسری تردید یہ ہے کہ ٹھیک ہے پاؤں چومنے والا کا سجدہ نہیں ہوا مگر دیکھنے والا یہی تصور کریگا فلاں آدمی فلاں پیر صاحب کو سجدہ کر رہا ہے اور عرف عام میں یہی مشہور ہے لہٰذا ایسا عمل کرنا حرام ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ غیر اللہ کے لیے جس طرح سجدہ حرام ہے اسی طرح رکوع بھی حرام ہے اور رکوع نام ہے جھکنے کا لہٰذا خاں صاحب کا یہ کہنا کہ جھک کر تعظیم کرنا درست ہے تو یہ واقع علم کے خلاف ہے۔

پھر خاں صاحب نے سجدہ کی دو قسمیں کی ہیں سجدہ عبادت سجدہ تحیہ سجدہ عبادت جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اسی دن سے حرام ہے مگر سجدہ تحیہ پہلے جائز تھی حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حرام ہو گیا۔ لہٰذا سجدہ تعظیمی حرام ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کسی بزرگ کے سامنے جھک کر سلام کہنا یا بوسہ دینا حرام ہے کیوں کہ یہ سب کی صورت مثل سجدہ کے لازم آتا ہے جو کہ رکوع کے قائم مقام ہے۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ جھک کر کسی بزرگ کی جوتی سیدھی کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ شرک نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کام کے لیے جھکنا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیوں اس کو منع کیا جائے تو لا اکراہ فی الدین والی آیت العیاذ باللہ لغو ہو جائے گی۔ ہاں تعظیم یا چومنے کے لیے جھکتے ہیں تو اس صورت میں آیت لاتشرک باللہ شیئا پر عمل نہیں ہو رہا ہے لہٰذا خاں صاحب کا عمل حرام ہوگا۔

پھر خاں صاحب نے یہ کہا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ اس کا جواب مکمل اور مفصل ماقبل میں گذر چکا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

احادیث میں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیکر فرمایا انی اعلم انک حجر لا تنفع وتضر ولو لا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ما قبلتک "اے حجر اسود میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں نہ چومتا اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظمؓ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آ گیا اس وجہ سے مجبوراً چوم لیا اور چونکہ تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چومنا ہی مناسب ہے اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ اسی حدیث کے تحت حضرت علیؓ کا قول ہے کہ اے عمرؓ یقیناً حجر اسود نفع ونقصان دیتا ہے الخ (جاء الحق ص ۳۵۷)

رد: مذکورہ صورت میں دونوں صحابہ کرام کا قول درست ہے بایں طور کہ جب کہا عمر فاروقؓ نے کہ نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً حجر اسود دنیا وآخرت میں نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آخرت میں باری

تعالیٰ اپنی شان کے مطابق روح ڈال کر ان سے گفتگو کرائے۔ تو یہ آخرت کی بات ہے نہ کہ دنیا کی پس اس شکل میں بھی حضرت عمر فاروقؓ کا قول برحق ہے کہ یقیناً حجرہ اسود نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے بہر حال جب مذکورہ صورت میں حضرت عمرؓ جیسے متبرک اور معزز چیز کو بوسہ دینے اور لینے سے اعتراض کیا مگر ایک نص کی وجہ سے بوسہ لیا تو پھر دیگر متبرک کا بوسہ کیوں کر لے سکتے ہیں اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ نیز ایسا کرنے سے لوگ کیوں اعتراض نہ کریں وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسی صورت میں کفار ومشرکین کی عبادت کے مشابہ ہے اور کفار ومشرکین اسی عمل پر طعنہ کرتے ہیں (جیسا کہ ہندوؤں کے اشکالات اور اس کے جوابات دیئے گئے ہیں احقر کی کتاب ''منکرین اسلام کو دندان شکن جوابات جلد ا میں) لہٰذا اس سے تبرکات کو بوسہ دینے سے اجتناب ہی کرنا بہتر ہے۔

نوٹ: تعجب ہے خاں صاحب کی ذہانت پر کہ انہوں نے حضرت علیؓ کا قول اور اولیاء اللہ کی تعظیم یاد رکھی مگر قرآن کی آیت لا تشرک باللہ شیئا کو مزار پر رکھ دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آیت: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی کے جوابات گذر چکے ہیں۔

تیسری دلیل کا جواب اور اس کا رد

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان کی عظمت کرنا منع ہے (اگر سنت کے مطابق ہو تو کوئی مضائقہ نہیں) ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ اس کا ثبوت کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہے اس لیے آیات قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا ان کے ثبوت کے لیے چار مسلمانوں کی شہادت درکار ہے اور دیگر معاملات کے لیے دو کی گواہی کافی ہے الخ (جاء الحق ص ۳۵۸)

رد: خاں صاحب نے کہا کہ تبرکات کے ثبوت کے لیے شہرت کافی ہے تو میرا کہنا یہ ہے کہ معاشرے میں شہرت عظیمہ ہے کہ تبرکات کا بوسہ لینا حرام ہے لہٰذا حرام ہوا۔ ثانیاً خاں صاحب نے تبرکات کو قیاس کیا ہے، زنا، شہادت، نکاح، نسب پر تو ان تمام چیزوں کا ثبوت نص سے ہے مگر تبرکات کے ثبوت پر کوئی نص نہیں، لہٰذا خاں صاحب کا قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر تبرکات واقعتاً حق ہوں تو یقیناً باری تعالیٰ نص نازل کرتے جیسا کہ سابق قوم کی یادگار میں لوگوں کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ۔کہ ہم نے قوم سابقین مثلاً عاد و ثمود کا کیا حال کیا کہ وہ ہماری نافرمانی کرتے تھے۔

چوتھی بات کا جواب اور اس کا رد

نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے پھر اس کی تعظیم جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باحیات پر تعظیم کی جاتی تھی) کیوں کرتے ہو؟ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے لہٰذا حکایت کی بھی تعظیم چاہئے (جاء الحق، ص ۳۶۰)

رد: قارئین کرام بعینہ یہ صورت کفار و مشرکین کی ہے کہ وہ حضرات بغیر کسی تحقیق کے بت پرستی (کے مثل عمل) شروع کر دیتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے ہیں کہ اس بت کی مٹی کہاں سے اور کیسے لائی گئی۔

بہر حال کفار و مشرکین کی مشابہت کو ترک کرنا نہایت ہی ضروری ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان من تشبہ بقوم فھو منھم کی زد میں آ کر اپنا ایمان برباد کر بیٹھیں گے۔

ہمارے دلائل

(۱) بقولہ تعالیٰ لا تشرک باللہ شیاء کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو ذرہ برابر

شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور شریک ٹھہرانا خواہ جس اعتبار سے ہو حرام ہے خواہ تبرکات کے بارہ
لینے کے اعتبار سے ہو یا اس کے علاوہ۔ ہر صورت میں حرام ہے۔

(۲) وتقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام لانه یشبه عبادة الوثن (درمختار کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء بحث مصافحہ) علماء اور بڑے بزرگ کے سامنے زمین چومنا حرام ہے کیوں کہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

(۳) الایماء فی الاسلام الی قرب الرکوع کالسجود فی المحیط اه یکره الانحناء للشیطان وغیره وظاهر کلامهم علی اطلاق السجود علی هذا التقبیل (شامی)

اسلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے یعنی مکروہ تحریمی۔

بحث عبدالنبی، عبدالرسول نام رکھنا

خاں صاحب نے کہا کہ عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ وغیرہ نام رکھنا جائز ہے اسی طرح اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن واحادیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۱)

جواب: ایک طرف خاں صاحب اس قسم کے نام کو جائز یعنی مکروہ تنزیہی کی حد میں رکھتے ہیں اور دوسری طرف اس کو قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت کرتے ہیں جب وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے تو وہ مکروہ تنزیہی کیسا؟

دوسرا جواب: یہ ہے کہ قرآن کی آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا سے یہ احتمال پیدا کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ "آپ فرمادیں اے میرے بندے" یہ سراسر باطل اور قرآن کریم کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی بشر کو یہ لائق نہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نبوت کتاب اور حکمت دی ہو۔

یقول للناس کونوا عبادا لی کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ (پارہ ۳ آل عمران رکوع ۸) الغرض یہ معنی کرنا کہ یا عبادی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم لوگوں کو اپنا بندہ فرمایا ہے ہیں۔ قرآن کریم کے مراد غلام ہے۔ باقی حضرت عمرؓ کا آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ فرمانا کہ کنت عبدہ و خادمہ سے ثابت ہوتا ہے۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۱)

حدیث اس سے خادم اور غلام مراد ہے کیوں کہ لقد کنت مع الرسول ﷺ فکنت عبدہ و خادمہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آپ کی زندگی میں تھا۔ ورنہ وفات اور تحت کی حاجت ہرگز نہ تھی۔ یوں فرماتے ہیں اب بھی آپ کا عبد اور بندہ ہوں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں چونکہ حضرت عمرؓ نے ہر طرح آپ ﷺ کی غلامی اور خدمت اختیار کی تھی اس لیے انہوں نے یہ فرمایا اس سے بندوں کا ترجمہ کرنا باطل ہے۔

پہلا باب

اس کے ثبوت اور جوابات میں

قرآن کریم فرماتا ہے وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم اور نکاح کردو بیوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا اس عبارت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس سے غلام ثابت ہوتا ہے۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۱)

جواب آیت مذکورہ کے سلسلے میں سب سے پہلے علامہ جلال الدین سیوطی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ وانکحوا الایامی منکم جمع ایم وھی من لیس لھا زوج بکر کانت او ثیبا ومن لیس لہ زوجۃ وھذا فی الاحرار والاحرائر والصلحین ای المومنین من عبادکم وامائکم و عبادکم جمع عبد

(جلالین شریف جلد ۲ ص ۲۶۸)

قارئین کرام! من عبادکم و امائکم کے سلسلے میں خود مفسرین عظام خاموش ہیں البتہ عباد کی تحقیق کی گئی کہ عباد جمع ہے عبد کی۔ بہر حال مفسرین عظام کے خاموش ہونے کا منشاء اور مطلب یہ ہے کہ یہ بات بالکل عکس علی نصف النہار ہے کہ انسان بندہ ہے تو صرف اللہ کا اس کے علاوہ کسی کا بھی نہیں اگر کوئی اس کا برعکس کرتا ہے تو وہ قابل عتاب۔ پھر خاں صاحب نے کہا کہ عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے؟ تو میرا کہنا ہے

ہے کہ آیت مذکورہ میں مخاطب حضور اکرم ﷺ ہیں آپ ﷺ پر قرآن کا نزول ہوا تو پھر عبادک کیوں نہ فرمایا گیا اور کم کے ساتھ مضاف کیوں ہوا۔ کیا انسان ایک دوسرے کا غلام ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہاں عبادکم کا ترجمہ ''ایسے لائق بندوں سے کریں گے'' تو بہت بڑی خرابیاں لازم آئیگی لہذا یہاں مفہوم یہ ہوگا کہ اے محمد عربی ﷺ آپ میرے بندوں اور اس کے ہمسروں کا نظام کریں۔

جواب: خاں صاحب کے ترجمہ اور مفہوم کے خلاف ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس (مرقات جلد ۹ ص ۱۰۶)

کہ عبد الحارث اور عبد النبی نام رکھنا جائز نہیں ہے اور لوگوں میں یہ جو نام رائج ہیں۔ تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

جواب ۳ لفظ عبد ایک مشترک لفظ ہے جس کے معنی عابد کے بھی آتے ہیں اور خادم وغلام کے بھی، جب اس کی اضافت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد خادم اور غلام ہوتے ہیں جیسے کہ خاں صاحب نے آیت پیش کی صالحین من عبادکم وامائکم لیکن نام اور تسمیہ کے موقع اور محل پر اس کے متبادر معنی یہی ہیں اس لیے ایسا نام ایہام شرک سے خالی نہیں۔

دوسری دلیل کے جوابات

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں (جاء الحق، ص ۳۶۱)

جواب: اس آیت کا مفہوم اظہر من الشمس ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا قل یا عبادی اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے محمد عربی ﷺ آپ فرمادیجئے میرے بندے سے، یہ نہیں کہا قل یا عبادک کہ آپ فرمادیجئے آپ اپنے بندے سے؟ بہر حال اس سے استدلال کرنا جہالت پر مبنی ہے۔

چند خلجان کا ازالہ

پھر خاں صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ عباد اللہ اور عباد الرسول کہہ سکتے ہیں نیز حضرت تھانوی نے قل یا عبادی کا ترجمہ کیا ہے آپ کہدو کہ میرے بندو، پھر آگے شاہ صاحبؒ کے حوالے سے یہ کہا کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں آپ کا بندہ اور خادم ہوں۔

(جاء الحق، ص ۳۶۱ تا ص ۳۶۲)

جواب: ایسے ایسے خلجان کا ازالہ ماقبل میں بھی کیا گیا ہے کہ عبد ایک مشترک لفظ ہے (۱) عابد کے معنی میں ہے (۲) غلام اور خادم کے معنی میں ہے تو جب اللہ کی طرف نسبت ہو تو عابد کے معنی ہوں گے اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہو تو غلام کے معنی ہوں گے۔ لیکن تسمیہ و نام کے موقع پر یہ لفظ عابد کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے لہٰذا عبد النبی وغیرہ نام رکھنا درست نہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

(۱) عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عبد النبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کرنے والا اور یہ معنی صریحی شرکیہ ہیں لہٰذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب: خاں صاحب یہ دیتے ہے کہ عبد کے معنی عابد بھی ہے اور خادم بھی جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاویگا تو عبد کے معنی عابد کے ہوں گے اور جب غیر اللہ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم اور غلام لہٰذا عبد النبی کے معنی ہوئے نبی ﷺ کا غلام (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۲ تا ص ۳۶۳)

(۲) مشکوۃ کتاب الادب میں ہے لا یقولن احد کم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ کل نسائکم اماء اللہ و لکن لیقل غلامی و جاریتی "تم میں کوئی نہ کہے عبدی تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے

غلامی و جاریتی اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی جانب کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا ممنوع ہے۔ اس کا جواب خاں صاحب نے یہ دیا کہ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولی ہے (جاء الحق)

رد: قارئین کرام! خاں صاحب کے مذکورہ دونوں جوابات بغور ملاحظہ کریں اور دونوں عبارتوں کو ملا کر نتیجہ نکالیں تو یہ نکلے گا کہ غیر اللہ کی طرف عبد کی نسبت کراہت تنزیہی سے خالی نہیں ہے۔ اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں کہ ایہام شرک سے خالی نہیں گو شرک کا فتوی نہ لگایا جائے۔ بقول مولانا عبدالحیؒ وغیرہ مگر فتوی نہ لگانے سے اس کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ایسے موہوم شرک نام سے بچنا روح اسلام کے عین مطابق ہے۔

اسی طرح خاں صاحب نے عالمگیری اور امام نوویؒ کی احادیث پیش کی کہ "نام علی یا رشید یا بدیع وغیرہ رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح قرب قیامت کی علامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ باندی اپنے رب کو جنے گی سو یہ حدیثیں ہماری مخالفت نہیں کرتی ہیں"۔

پھر خاں صاحب نے کہا کہ "دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں رب بندوں کو بھی فرمایا ہے" کما ربیانی صغیرا، ارجع الی ربک" اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے شرک نہ ہوگا۔ ہاں اگر اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ ہاں اس زمانے میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑھانے کے لیے یہ نام رکھے تو باعث ثواب ہے۔ (جاء الحق، ص ۳۶۴)

رد: خاں صاحب کو عجیب وغریب محکمہ ہاتھ آیا ہے کہ جو چیز فی نفسہ مکروہ تنزیہی بھی ہو مگر چوں کہ دیوبندیوں وہابیوں کو چڑھانا کار ثواب ہے لہذا یہ نام باوجود مکروہ تنزیہی ہونے کے کار ثواب ہے۔ سبحان اللہ۔

خاں صاحب کا اپنا کوئی مذہب نہیں۔ ان کا مذہب تو دیوبندیوں اور وہابیوں کی مخالفت کرنا ہے، اگر چہ دیوبندی اپنے دعوی پر خصوص دلائل بھی رکھتے ہوں اور خاں

صاحب کے یہاں کچھ بھی نہ ہو مگر مخالفت ضرور کرنی ہے اس سے معلوم ہوا کہ خاں صاحب کو خوف خدا فکر آخرت اور حق کی تلاش کا سرے سے خیال ہی نہیں بلکہ صرف دیوبندیوں کی مخالفت سے ثواب کے متلاشی ہیں۔ شوق سے کیجئے اگر ایک وقت آنے والا ہے جس میں دودھ اور پانی اور گھی اور کھوئی سب حقیقت بکھر سامنے آجائیگی۔

ہمارے دلائل

(۱) یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر طہ یٰسٓ ؟ قارئین ان تمام آیات میں غور کریں کہ باری تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو کبھی بھی محمد (ﷺ) کہہ کر نہیں پکارا۔ تو کیا ہم عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر سکتے ہیں؟ کیوں کہ یہ شان صرف باری تعالیٰ کی ہے اس کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔

(۲) امام ابن حجر مکی لکھتے ہیں: ویحرم ملک الاملاک لان ذالک لیس لغیر اللہ وکذا عبد النبی وعبد الکعبہ او الدار وعلیؑ او الحسن لابہام الشرک (شرح منہاج) کسی کا شہنشاہ نام رکھنا حرام ہے کیوں کہ یہ نام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اسی طرح عبدالنبی اور عبدالکعبہ اور عبدالدار اور عبدالعلی اور عبدالحسن نام بھی صحیح نہیں کیوں کہ ان میں ایہام شرک ہے۔

فوت لفظ علی چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے اور قرآن کریم میں العلی اور العظیم وغیرہ آیا ہے تو اگر کسی کی مراد حضرت نہ ہو بلکہ باری تعالیٰ ہو تو بلا کراہت عبدالعلی نام رکھنا جائز ہے۔

(۳) ملا علی قاری نے فرمایا واما الشہور من التسمیۃ بعبد النبی فظاہرہ الکفر الا ان اراد بالعبد المملوک (شرح فقہ اکبر ص ۲۳۸) عبدالنبی نام جو مشہور ہے بظاہر یہ کفر ہے مگر یہ کہ عبد سے مملوک مراد ہو تو پھر کفر نہ ہوگا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کفر نہیں تو جائز ہو گیا بلکہ یہ ہر حال ناجائز ہوگا۔

(۴) ملا علی قاری لکھتے ہیں ولا یجوز نحو عبد الحارث ولا عبد النبی ولا عبرۃ بما شاع فیما بین الناس (مرقات جلد ۶ ص ۱۰۱) کہ عبدالحارث اور عبدالنبی نام

رکھنا جائز نہیں ہے اور لوگوں میں نام یہ جو رائج ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں یعنی قرآن واحادیث واقوال فقہاء واکثر ثقین کے یہاں لغو ہے۔

(۵) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: ومنہا انہم کانوا یسمون ابنائہم عبد العزی وعبد شمس و نحو ذالک الی ان قال فہذہ اشیاء وقوالب للشرک نہی الشارع عنہا لکونہا قوالب لہ واللہ اعلم (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص ۹۳) شرک میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام عبد العزی اور عبد شمس وغیرہ رکھتے تھے (پھر فرمایا) کہ یہ نام شرک کے قالب اور اس کے سانچے ہیں اس لیے شارع نے ان ناموں سے منع کیا ہے۔

نوٹ: نسائی شریف میں اس کی تصریح ہے کہ عزی ایک عورت تھی جس کی لوگ پرستش کرتے تھے جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو حضرت خالد بن ولیدؓ نے قتل کر دیا تھا (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۴۵۲)

مسئلہ حیلہ واسقاط: مقدمہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ میت کے لیے صدقہ وخیرات کرنا اس کے ساتھ ایک بہت ہی عمدہ حسن سلوک اور ہمدردی ہے اور نصوص شریعہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور اہل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق بھی ہے: مگر ایصال ثواب کا طریقہ وہی معتبر ہوگا جو دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اگر کسی عاقل و بالغ کے ذمہ کچھ نمازیں باقی ہوں اور اس حالت میں اس کی وفات ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے۔ مگر اس میں صرف قیاس ہی نہیں بلکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عمرؓ کی روایتیں بھی موجود ہیں گو بظاہر موقوف ہیں مگر حکماً مرفوع ہیں عن ابن عباس قال لا یصل احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنہ (مشکل الآثار جلد ۳ ص ۱۳۱ سنن کبری جلد ۴ ص ۲۵۷ مع سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۲۶۳) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے۔ مگر ہاں اسکی طرف سے فدیہ دے دے علامہ ماردینی لکھتے ہیں کہ اس کی سند علی شرط الشیخین صحیح

ہے (الجوہر جلد ۲ ص ۲۵۷) اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ اسناد صحیح ہیں (الدرایہ ص ۱۷۱) و عن ابن عمرؓ قال لا یصلین احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن ان کنت فاعلا تصدقت عنه او هدیت عنه (ایضاً) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور لیکن اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو اس کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ اور فدیہ دے دو۔

بہر حال یہ بات تمام اہل ایمان کے نزدیک درست ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق میت کی طرف سے صدقہ خیرات اور فدیہ دیا جائے۔ اور جس چیز کا شریعت نے حکم نہیں کیا ہے اس پر قطعی طور سے عمل نہ کیا جائے۔ لیکن خاں صاحب وغیرہ کے یہاں افراط ہے، ہمارے یہاں نہ افراط ہے اور نہ تفریط بلکہ اعتدال کے ساتھ شریعت پر عمل کیا جاتا ہے۔

خاں صاحب نے یہ کہا کہ "اسقاط حقیقت میں میت کی ایک طرح کی مدد ہے وہابی: دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔" (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۵)

جواب: خاں صاحب ذرا اپنے گریبان میں لیں کہ وہابی دیوبندی بقول تمہارے دشمن ہوئے مگر آپ لوگوں نے اپنے پیٹ کو ایسا سر پر اٹھا لیا ہے کہ مردہ اور زندہ تمام ہی کے مال لوٹنے میں لگے ہیں۔ کبھی تیجہ اور کبھی ساتواں کی صورت میں اور کبھی گیارہویں اور چالیسویں کی شکل میں اور کبھی عرس و میلاد وغیرہ کے رنگ میں سادہ لوح مسلمانوں کو چوس لیا۔ اور نہ تو زندگی میں اور نہ بعد از زندگی کسی طرح انکا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک بہت سے مولوی اور پیر لوگوں کے اموال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکتے ہیں۔ ان کثیراً من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل الله۔ وہ سیدھا سادہ دین جو اللہ تعالیٰ کا دین جو محمد ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعینؒ کے ذریعہ ہم تک پہنچا تھا۔ اس پر خاں صاحب اور اس کی جماعت نے زراندازی کی بدعت کے

سیکڑوں صفحات لکھ دیئے ہیں اور صحیح ترین حسن کو اس دور میں اصلی شکل میں صرف اپنے اور بعد کی تحریر کرتے ہیں آپ سے خاں صاحب وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔

پہلا باب

مسئلہ استقاط کا ثبوت اور اس کے جوابات

خاں صاحب نے جاء الحق جلد ۱ ص ۳۶۴ تا ص ۳۷۱ تک بھی چھوڑی تحریر ہے کہیں حوالہ تک اصل دعوی پر ایک بھی دلیل نہیں دی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ مارے گھٹنا پھوٹے سر گنیں کا زور اسی کا سر۔ بہر حال احقر نے ماقبل میں بھی بیان کیا تھا کہ جب اور استقاط صحیح طریقے سے کیا جائے تو جائز ہے جیسے کہ کوئی شخص شادی کر کے اپنی دلہن کو گھر لاتا ہے تو اس کے ساتھ اگر شرعی برتاؤ کرتا ہے تو درست ہی نہیں بلکہ اس پر بارگاہ تعالیٰ اجر بھی دیتا ہے لیکن اگر اس کا استعمال غلط کیا تو قطعی طور پر جائز نہ ہوگا بلکہ یہ فعل حرام ہوگا پس یہی مثال حیلہ اور اسقاط کی ہے اگر شریعت کے مطابق کیا تو جائز ورنہ غلط۔ بہر حال جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اب اس کے ذمہ بسا اوقات روزے بھی ہوتے ہیں نماز بھی وغیرہ وغیرہ۔ تو اب ہر روزہ کا بدلہ نصف صاع گندم ہے صاع دو سو ستر تولہ کا ہوتا ہے۔

دو صد و ہفتاد تولہ مستقیم

صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوا اور نصف صاع پونے دو سیر کا۔ ہر آدمی کو اپنی نمازوں اور روزوں کا حساب کر کے حسب تشریح اولاد کو نصیحت کر دے، ملاحظہ کیجئے فتاویٰ جلد ۱ ص ۹۶ جامع الرموز جلد ۱ ص ۱۶۱ و نور الایضاح ص ۱۰۴ وغیرہ وغیرہ پس اگر بغیر وصیت کے وارثوں نے بطور تبرع فدیہ دیا تب بھی جائز ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ثواب پہنچے گا مگر وارثوں پر یہ فدیہ لازم نہ ہوگا اور ہر نماز کا بدلہ بھی نصف صاع ہوگا اور وتر کے لیے مستقل نصف صاع ہوگا۔ پانچ نمازوں کا اندازہ مع وتر ساڑھے دس سیر گندم ہوتا ہے اگر کسی شخص کے ذمہ نماز روزہ وغیرہ کے حقوق نہیں تو اس کے لیے فدیہ کی ضرورت نہ

نہیں اور اگر کوئی شخص مالدار ہے اور ترکہ سے اس کے وارثوں کی حق تلفی کے بغیر ثلث سے فدیہ دیا جا سکتا ہے تو دیا جائے گا اگر کوئی شخص فقیر اور غریب ہے اور اس کے ذمہ نمازیں اور روزے وغیرہ حقوق ہیں اور اس کے ثلث ترکہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا ہو سکے تو حضرات فقہاء کرام نے اس کے لیے یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ جتنی مقدار میں گندم یا اس کی رقم کا اس کا ترکہ متحمل ہے تو وہ گندم یا رقم میت کا وارث کسی فقیر کو دے دے پھر فقیر وارث میت کو ہبہ کر دے پھر وارث فقیر کو دے دے (کیوں کہ ہبہ کرنے کے بعد اب وہ اس کا مال ہو گیا جس کو چاہے ہبہ کر دے) حتی کے اتنی بار یہ معاملہ ہوتا رہے جتنی میں نمازوں اور روزوں کا اندازہ پورا ہو جائے یہی صورت فقہ حنفی کی متعدد کتابوں میں لکھی ہے (ملاحظہ کیجئے کبیری ص ۵۳۳ شامی جلد ۱ ص ۶۹۲) نور الایضاح ص ۱۰۴ وغیرہ) اور حضرات فقہائے احناف نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر یہ فدیہ نماز کا عوض بن سکا تو فبہا ورنہ صدقہ کا ثواب میت کو حاصل ہو گا ملاحظہ کیجئے نور الانوار ۱۴۳ اس ساری بحث کو پیش نظر رکھ کر ذیل کے امور بخوبی اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اولا: نمازوں اور روزوں کا صحیح حساب اور تخمینہ لگایا جائیگا محض رسمی طور پر فدیہ کا کوئی معنی نہیں۔ **ثانیا**: اپنے وارثوں کو اس کی وصیت کی جائیگی کہ میری طرف سے میرے ثلث ترکہ میں سے اتنا فدیہ دے دینا۔ **ثالثا**: جس کے ذمہ نماز اور روزہ وغیرہ نہیں ہیں اس کے لیے اس معہود فدیہ کا کوئی معنی نہیں ہے بایں طور کہ اس نے اپنی زندگی میں نماز اور روزہ کی پابندی کی ہے اور بہت سے خدا کے بندے آج بھی ایسے موجود ہیں۔ یا تا بالغ بچے اور مجنون اور پاگل وغیرہ ہیں ان کے لیے اس فدیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ تا مرگ مجنون رہے ہوں۔

رابعا: اگر کوئی فقیر ہے اور اس کا ترکہ روزوں اور نمازوں کی ادائیگی کا متحمل نہیں تو صرف اس کے لیے فقہائے کرام نے حیلہ تجویز کیا ہے۔ اور غنیوں اور سرمایہ داروں کے لیے یہ حیلہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

پس اسی جگہ ہم اہل سنت والجماعت اور حضرات بریلوی کا جھگڑا شروع ہو گیا کہ ہمارا کہنا ہے کہ حیلہ صرف محتاج فقیر غریب غرباء کے لیے ہے نہ کہ عام آدمی کے لیے خاں صاحب نے ص ۳۶۴ تا ص ۳۷۱ جو بھی علماء اسلام کی عبارات پیش کی ہیں تمام کا مفہوم یہی ہے کہ حیلہ صرف فقیر فقراء کے لیے ہے

لیکن خاں صاحب ہیں بہت چالاک کہ کہیں وہ بخل کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ نہ کہہ دے کہ حیلہ خاں صاحب کے لیے بھی ہے پس ایسے ایسے حیلوں کے سلسلے میں فرمان باری ہے یخدعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون ۔ اسی طریقے سے ایسے ایسے حیلہ اختیار کرنے والوں پر عذاب الٰہی بھی آتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کا نقشہ کھینچا کہ اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلیوں کا شکار کیا تھا جس سے ان پر عذاب الٰہی آیا تھا۔

خامسا: یہ فدیہ صرف حقوق اللہ مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ کی طرف سے ہو سکتا ہے حقوق العباد تو حقوق ادا کرنے کی صورت ہی میں ادا ہو سکتے ہیں ۔ اور جس، یا صاحب کا حق بطیب خاطر خود معاف کر دے جب آخری مرتبہ حیلہ کی صورت میں میت کے ذمہ جو نمازیں اور روزے تھے وہ ادا ہو گئے تو وہ گندم اور رقم اس فقیر کی ملک ہو گئی جس نے قبول کر لی، پھر اس سے واپس لیکر وارثوں کو اسی کی تقسیم کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے پہلے تو بامر مجبوری بشکل حیلہ فقیر سے واپس ہوتی رہی مگر اب کیا ضرورت پیش آئی ہے کہ اس فقیر سے واپس لے کر اس میت کے وارث خود تقسیم کریں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے العائد فی ھبتہ کا لکلب یعود فی قینہ او کما قال (بخاری جلد ا ص ۳۵۷ مسلم جلد ۲ ص ۳۶) جو شخص ہبہ کر کے پھر اس کو واپس لیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کتا قے کر کے خود چاٹ لیتا ہے ۔ صوبہ سرور اور دوسرے علاقوں میں یہ دستور ہے کہ حیلہ اسقاط کے لیے ایک خاص باکرامت کٹھری ہوتی ہے جس میں قرآن کریم کے علاوہ کچھ اور ریز گاری اور گز شریعت بھی شامل ہوتا ہے اور پھر اس کو ایک وائٹہ کے ایندھ گھمایا جاتا ہے اور ایک مخصوص دعا شروع کر کے کل حق من حقوق اللہ تعالیٰ بعضھا الذی

الخ وہ کٹھڑی اصحاب دائرہ کو دی جاتی ہے جس میں کفر بڑے بڑے خان نواب اور امیر ملا بھی شامل ہوتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں فلست بالطریقۃ المذکورۃ وھتک دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں حضرات فقہاء کرام کی عبارات میں نہ تو قرآن کریم کا کہیں ذکر ہے اور نہ گزشریعت خدا معلوم یہ حیلہ در حیلہ کا ثبوت کہاں سے نکل آیا ہے؟ اور اس کٹھڑی میں جو رقم ہوتی ہے وہ بھی محض اپنی عزت اور ناک کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے اس کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میت کی نمازوں اور روزوں کا حساب کیا ہے؟ اور کتنی بار چکر دینے سے وہ حساب بے باق ہو گیا ہے؟

آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ جس حیلہ اسقاط کا جواز حضرات فقہاء کرام سے ملتا ہے اور جن لوگوں کے لیے ملتا ہے اور جن حالات میں ملتا ہے وہ تقریباً تقریباً آج مفقود ہیں اور یہ دنیا کمانے کا ایک مذموم حیلہ بن کر رہ گیا ہے اور ہمشکل ایک دو فیصدی حیلے ایسے ہوتے ہوں گے جو حضرات فقہاء کرام کے بیان کردہ حیلہ کے عین مطابق ہوں گے۔

کچھ اور باتیں ملاحظہ کریں

بعض فقہاء نے تو غلطی سے ایسا غلو کیا کہ صاف لکھ دیا وان لم یملک شیئاً استقرض وارثہ (جامع الرموز جلد ۱ ص ۱۶۲) اگر مردہ کسی چیز کا مالک نہ ہو تو اس کا وارث قرض لیکر فدیہ ادا کرے۔ حضرات بریلوی نے کہا یعنی مولوی محمد صالح کہ اگر میت کی جائداد کچھ بھی نہ ہو تو وارث پر لازم ہے قرض لیکر ادا کرے (تحفہ حنفیہ ص ۸۹) استغفر اللہ پڑھنا چاہئے کیوں کہ یہ قول و فعل اور عقیدہ باری تعالیٰ کا فرمان لا یکلف نفساً الا وسعھا کے خلاف ہے۔

اب آگے لیجئے کہ امام قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں وعلیہ ان یوصی بالفدیۃ ویعسر ذالک من لذ ع مالہ عندنا وان لم یوص ویتبرع الورثۃ عنہ جازوا ولا یلزمھم من غیر الایصاء عندنا فحاصلہ للشافعی (خانیہ خانیہ جلد ۱ ص ۴۹) میت پر فدیہ کی وصیت لازم ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ وصیت مال سے ہی ہوگی اگر میت نے وصیت نہ کی اور وارثوں نے بطور تبرع کے اس کی طرف سے فدیہ ادا کر دیا تو جائز ہے

مگر ہمارے نزدیک بغیر وصیت کے وارثوں پر یہ لازم نہیں ہے۔ بخلاف امام شافعیؒ کے۔

جب میت کے اپنے ترکہ میں ثلث مال سے فدیہ بھی بغیر وصیت کے وارثوں پر لازم نہیں ہے۔ تو بصورت عدم ملک کے وارثوں کا قرض لیکر فدیہ ادا کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس غلط حیلہ اسقاط کے طریقہ نے بعض علاقوں کے بہت سے لوگوں کو بہت ہی پریشان کر رکھا ہے اور ملا محض اپنے چند سکوں کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے اور حکمتیں اور مصلحتیں اور فوائد و منافع تراش تراش کر سادہ لوح مسلمانوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔

شبہ کا ازالہ

خاں صاحب نے یہ کہا کہ "حیلہ اسقاط کے اندر مفلس کی قید مولوی رشید احمد گنگوہیؒ نے لگائی ہے" (جاء الحق ۳۷۱)

جواب: خاں صاحب خود اپنا لکھا فراموش کر گئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا شاید کوئی بڑا دین دار مال دار تو یہ کر سکے مگر غرباء سے ناممکن۔ ان کے لیے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم۔ (جاء الحق ۳۶۵)

اب خان صاحب ہی فرمائیں کہ آپ نے غرباء کی قید اپنے گھر سے کیوں لگائی ہے کیا صحیح ہے؟

ع

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر

دوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات اور ان کی تردیدات

حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے (یعنی غیر شرعی ہے) باری تعالیٰ فرماتا ہے یخدعون اللہ والذین آمنوا الخ۔

اس کا جواب خان صاحب یہ دیتے ہیں کہ حیلہ کو دھوکہ کہنا جہالت ہے حیلہ سے

مراد ضرورت شرعیہ پورا کرنے کی شرعی تدبیر۔ (جاء الحق، ۱/۳۷)

رد: لعنة اللّٰه علی الکاذبین خانصاحب نے یہ کہا کہ شرعی حیلہ مراد ہے۔ حالانکہ ان لوگوں نے حیلہ کو عام کر رکھا ہے کیوں کہ شریعت نے حیلہ کی اجازت صرف فقیر کے لیے دی ہے۔

(۲) نماز روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال سے ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

یہ یعنی دوسرا اعتراض ہم اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے بلکہ یہ خان صاحب کا بہتان ہے۔

(۳) اسی طرح تیسرا اعتراض کیا کہ حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیوں کہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے۔ (جاء الحق، ۱/۳۷)

اسی طرح ہمارا اعتراض یہ نہیں ہے بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ مسئلہ حیلہ و اسقاط کو عام نہ کیا جائے ورنہ ہندو لوگ اشکال کریں گے، **ثانیاً** بلوگ سستی کریں گے **رابعاً** اسلام کی اہمیت ختم ہو گی۔

(۴) کچھ بنی اسرائیل نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا جس سے ان پر عذاب الٰہی آیا تھا۔ اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا کہ حیلہ کا حرام ہونا بنی اسرائیل پر تھا لیکن امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے۔ (جاء الحق، ۱/۳۷)

رد: لیجیے اب خان صاحب **کونوا قردۃ خاسئین** کی زد میں آ گئے کیوں کہ باری تعالیٰ نے حیلہ صرف فقراء کے لیے جائز رکھا ہے مگر حضرات بریلوی نے عوام کا روپے پیسے ٹھگنے کی غرض سے حیلہ کو عام کر رکھا ہے اور یہ حیلہ حرام ہے لہٰذا جس طرح باری تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عذاب دیا اور تمام کو بندروں کی شکل میں ملوث کر دیا۔ تو خوف ہے کہ کہیں ایسے ایسے حیلے کی وجہ سے عذاب الٰہی نہ آ جائے اللہ تعالیٰ ایسے ایسے حیلے سے محفوظ رکھے۔

(۵) قرآن فرماتا ہے: وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو خود کمالے اور فدیہ اسقاط میں یہ کہ میت نماز نہ پڑھے اور اسکی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔ اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا ہے کہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں۔ (جاء الحق ۳۷۳)

ضروری ہدایت کا جواب

یعنی رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثاء اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں مگر دیوبندی اسکو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ (جاء الحق ۳۷۴)

جواب: اولاً: ناجائز کہنے کی علت یہ ہے کہ کہیں لوگ اس عمل کو ضروری نہ سمجھ لیں۔ **ثانیاً:** قرآن خوانی اپنے گھر میں بھی کر سکتے ہیں ثواب برابر ہی ملے گا۔ **ثالثاً** اس کا ثبوت نہ حضور اکرم ﷺ سے، نہ صحابہ کرام سے نہ تابعین، تبع تابعین سے۔

بحث، اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان: مقدمہ

خان صاحب نے کہا کہ اس بحث کو لکھنے کا ارادہ نہیں تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جائے الخ۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۷۶)

قارئین کرام! انگوٹھے چومنے کے سلسلے میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں ملتی، بلکہ تمام کی تمام حدیثیں جعلی اور بے سود ہیں۔ جب خود اس مسئلہ پر تمام حدیثیں جعلی ہیں تو پھر خان صاحب کے خواب کا کیا حشر ہوگا وہ خواب تو جعلی در جعلی ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ خان صاحب زیادہ حلوہ وغیرہ کھا کر سوئے ہوں اور ہضم نہ کر سکے تو کوئی بزرگ آئے اور کہے گئے کہ انگوٹھا چومو، حلوہ ہضم ہو جائے گا۔

بہر حال اس مسئلے پر خان صاحب نے جو بھی حدیثیں پیش کیں اور کریں گے،

تمام حدیثیں موضوع ہوں گی، بایں معنیٰ کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں الاحادیث التی رویت فی تقبیل الاصابع وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی اللہ علیہ وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات (تمییز المقال للشیخ علی بحوالہ: عمادالدین ۱۲۳) وہ حدیثیں جن میں مؤذن کے کلمہ شہادت میں آنحضرت ﷺ کا نام سنتے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آتا ہے وہ سب کی سب موضوع اور جعلی حدیثیں ہیں۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت اور اسکے جوابات

خان صاحب نے انگوٹھے چومنے پر دلیل پیش کی بحوالہ مسعود روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال من سمع اسمی فی الاذان ووضع ابهامیه علی عینیه فانا طالبه فی صفوف القیمة وقائده الی الجنة، حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو اسکو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اسکو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے پھر آگے خان صاحب نے روح البیان کے حوالے سے یہ کہا کہ محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں۔ (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۷۶ تا ۳۷۷)

جواب: حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں:

والحق ان تقبیل الطرفین عند سماع الاسم النبوی فی الاقامة وغیرها کلما ذکر اسمه علیه الصلوة والسلام بما لم یرو فیه خبر ولا اثر و من قال به فهو المفتری الاکبر فهو بدعة شنیعة سیئة لا اصل لها فی کتب الشریعة ومن ادعیٰ فعلیه البیان (سعایہ جلد ۱ ص ۴۶ (انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک) سچی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقامت یا اس کے علاوہ دوسرے موقع پر سنتے وقت انگلیوں کے چومنے کے سلسلے میں نہ کوئی حدیث رسول (صحیح

طریقہ پر) وارد ہے اور نہ کسی صحابی کا قول یا فعل (صحیح طریقہ پر) مروی ہے لہٰذا جو شخص اس عمل کا قائل ہے وہ بہت بڑا بہتان گڑھنے والا ہے اس لیے یہ عمل بدترین قسم کی بدعت سیئہ ہے جس کی شرعی کتابوں میں کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے۔ رہی بات خان صاحب کا حدیث پیش کرنا بحوالہ صلوٰۃ مسعود تو یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ اضعف ہے مزید انکی تائید خود خان صاحب کی عبارت بحوالہ روح البیان ہوگئی۔ کہ انگوٹھے چومنے کی حدیث ضعیف ہیں۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ انگوٹھے نہ چومنے والے کو نجدی وہابی کہا جارہا ہے

اگر علماء دیوبند کو نجدی وہابی کہتے ہو تو کیا؟

مولانا عبدالحیؒ وہابی تھے؟

کیا علامہ ابن حجرؒ وہابی تھے؟

کیا علامہ سخاوی وہابی تھے؟

کیا علامہ روح البیان وہابی تھے؟

کیا صحابہ کرام وغیرہ العیاذ باللہ وہابی تھے؟

بہرحال تمام اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ فیصلہ ہے کہ انگوٹھے چومنے کا ثبوت کسی معتبر کتاب سے نہیں ہے۔

دوسری دلیل کا جواب

آگے خان صاحب نے شامی کے حوالے سے یہ کہا یستحب ان یقال عند سماع **الاولیٰ** من الشہادۃ صلی اللہ علیک یارسول اللہ عند الثانیہ منہا قرت عینی بک یارسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین اذان کی پہلی شہادت پر کہنا مستحب ہے آخر میں فرمایا تمامہ فی الحواشی البحر الرملی الخ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر اپنے انگوٹھے کے ناخن اپنے آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر تو حضور علیہ السلام اسکو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں اسی طرح کہ

العباد میں ہے اور اسی کے مثل فتاوی صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں اشهد ان محمدا رسول الله سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔ (جاء الحق ۳۲۷)

جواب لیکن خان صاحب اسکے بعد عبارت ہڑپ کر گئے حالانکہ وتمامہ فی حواشی البحر للرملی کے بعد شامی لکھتے ہیں عن المقاصد الحسنة و ذکر ذالک الجراحی و اطال ثم قال ولم یصح فی الموضوع کل هذا منی و نقل بعضهم ان القهستانی کتب علی هامش نسخته ان هذا مختص بالاذان و اما فی الاقامة فلم یحد بعد الاستقصاء التام والتتبع (شامی جلد اول ۲۶۷) یہ بات بحر الرائق کے حاشیہ پر علامہ طحطاوی کی مقاصد حسنہ سے نقل کی گئی ہے اسکو علامہ جراحی نے ذکر کیا ہے اور طویل گفتگو فرمائی ہے اسکے بعد کہا ہے کہ ان میں سے کوئی بات صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے بلکہ بعض لوگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ قہستانی نے اپنی کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہ بات صرف اذان ہی کے ساتھ خاص ہے اقامت میں اسکے لیے تلاش وجستجو کے باوجود کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔ علامہ ابن عابد شامی کی اس تحریر سے یہ باتیں بالکل آشکارا ہو جاتی ہیں (**اولا**) شامی کے نزدیک علامہ جراحی کا ان باتوں کے متعلق یہ فرمانا کہ حدیث مرفوع سے کچھ بھی ثابت نہیں "سو فیصد صحیح اور درست ہے ورنہ شامی علامہ جراحی کی تنقید نقل کرنے کے بعد خاموشی اختیار نہ کرتے بلکہ اسکی تردید فرماتے (**ثانیا**) مقاصد حسنہ یا حاشیہ رملی وغیرہ میں جو روایت اس سلسلے کی لکھی گئی ہے وہ نہ تو حقیقت میں حدیث ہے اور نہ ہی قابل اعتبار کوئی چیز ہے۔ (**ثالثا**) علامہ شامی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگوٹھا چومنے کا مسئلہ سب سے پہلے کنز العباد اور فتاوی صوفیہ میں لکھا گیا ہے، اس کے بعد قہستانی نے اسکو بحوالہ کنز العباد وجامع الرموز میں لکھا ہے پھر بعد کی تمام کتابوں میں انہیں سے اخذ کیا گیا ہے۔ (**رابعا**) شامی اس جگہ یہ بات بھی بتانا چاہتے ہیں کہ قہستانی جو انگوٹھا چومنے کے قائل اور بڑے سرگرم حمایتی

ہیں ایک غیر صحیح روایت کا سہارا بھی لے سکتے ہیں لیکن اذان کے علاوہ دوسرے مواقع مثلاً اقامت وغیرہ میں اس عمل کے وہ بھی قائل نہیں۔ اسی لیے قبستانی کو بھی صاف لکھنا پڑا کہ بڑی حجت اور کاوش کی مگر اقامت میں اس کے لیے کوئی ثبوت فراہم نہ ہو سکا۔ انگوٹھے چومنے کی روایتوں کے غلط ہونے کے متعلق شامی کی اس قدر واضح تصریح کے بعد بھی شامی کے حوالے سے انگوٹھا چومنے کا ثبوت پیش کرنے کی زحمت اٹھانا خان صاحب کی جہالت یا خیانت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

جواب ۲ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ اپنی ایک دوسری کتاب "المنافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" میں فرماتے ہیں کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ چونکہ ضعیف موضوع روایات پر مشتمل کتابیں ہیں لہٰذا فقہا، محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہے"

(بحوالہ اصلاح المسلمین جلد ۱ ص ۲۵)

تیسری دلیل کا جواب

"مقاصد حسنہ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ" میں امام سخاوی نے فرمایا ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیقؓ الخ دیلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیقؓ سے روایت کی کہ ان کی سرکار نے جب مؤذن کا قول اشہد ان محمداً رسول اللہ سنا تو یہ بھی فرمایا اور اپنے کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما، اور آنکھوں سے لگایا۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیار کی طرح کرے اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی یہ حدیث پایہ صحت تک نہ پہنچی۔ (جاء الحق ۳۷۸)

جواب: قارئین کرام اس دلیل کا جواب خود عبارت مذکورہ کے آخری لفظ نے دے دیا چنانچہ کہا گیا لم یصح اب لم یصح کی دو صورت ہیں (۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ عبارت کا جو مفہوم ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی انگلیوں کا بوسہ لیا سو یہ عمل صحیح نہیں تو (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ امام سخاوی نے جو روایت کیا کہ یہ حدیث موضوع ہے قابل استدلال نہیں ہو سکتی لیکن دوسری صورت اولیٰ ہے۔

چوتھی دلیل کا جواب

مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہیکہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشہد ان محمد رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد ابن عبد اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور آنکھوں سے لگائے الخ (جاء الحق ۳۷۸)

جواب: پہلا جواب تو گزر چکا اس سلسلے کی تمام احادیث موضوع ہیں لہذا قابل استدلال نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحب مقاصد حسنہ نے خود فرمایا: ولا یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئی (المقاصد حسنہ ۳۸۵) حدیث مرفوع کے ذریعہ ان باتوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ بہر حال اس کا جواب خود صاحب مقاصد حسنہ نے دے دیا۔

جواب ۲: دوسرا جواب ملا علی قاریؒ نے دیا ہے واردہ الشیخ اجمل فی کتابہ موجبات الرحمۃ سندفیہ مجاھل مع انقطاعہ عن الخضر علیہ السلام شیخ اجمل رواد نے یہی روایت اپنی کتاب موجبات الرحمۃ میں حضرت سے ذکر کی ہے لیکن اس کی سند انقطاع کے علاوہ بہت مجہول لوگوں میں سے ہے۔ (الموضوعات الکبیر مطبوعہ کراچی ۱۰۸)

پانچویں دلیل کا جواب

شرح نقایہ کے حوالے سے یہ کہا واعلم انہ یستحب ان یقال عندہ الخ جاننا چاہئے کہ مستحب یہ ہیکہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ کو سن کر یہ کہے کہ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسرا کلمہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں فرماتے ہیں کہ اذان میں حضورؐ کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور انکو آنکھوں سے لگانا جائز ہے (جاء الحق ۳۷۹)

جواب: قارئین کرام خان صاحب نے شرح نقایہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور شرح نقایہ نے جلالین سے اخذ کیا اور جلالین نے جامع الرموز سے اخذ کیا اور جامع الرموز نے کنز العباد سے یہ بات نقل کی چنانچہ جلالین کے حاشیہ میں یہ بات موجود ہے (حاشیہ جلالین شریف ۳۵۷)

اولاً یہ عبارت ماقبل کے جواب سے کمزور در کمزور ہے **ثانیاً** اس کے اندر اتنا کافی لمبی چوڑی ہیں، نیز جلالین جیسے آدمی نے بھی اس عبارت کو قبول نہیں کیا یعنی ایسے ایسے مسائل کو ٹھکراتے ہوئے کہا الاحادیث التی رویت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه صلی الله علیه وسلم عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات (تیسیر المقال للسیوطی بحوالہ عماد الدین ۱۲۳) وہ حدیثیں جن میں مؤذن سے کلمہ شہادت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنتے وقت انگلیاں چومنے اور آنکھوں پر رکھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب موضوع اور جعلی ہیں۔ بہرحال جب اس سلسلے کی احادیث جعلی ہوں گی تو اقوال علماء وفقہاء تو ۴۲۰ نمبر کے ہوں گے۔

کانٹے کی بات

خان صاحب نے درحقیقت عبارات متعدد کتب سے پیش نہیں کی بلکہ اصل حوالہ صرف ایک ہے اس لیے کہ حوالہ کی تمام کتابوں کا ماخذ کنز العباد اور فتاوی صوفیہ کے بعد جامع الرموز ہی ہے جسکے مصنف قہستانی ہیں اور قہستانی کے حوالے سے یہ مسئلہ شامی طحطاوی اور حاشیہ جلالین میں نقل کیا گیا۔

بہرحال خان صاحب نے عوام کو مرعوب کرنے کیلئے ایسی ناپاک سازش کی ہے۔

چند دلائل کے جوابات

(۱) خان صاحب نے مذہب المالکی کے حوالے سے یہ کہا کہ پھر انگوٹھے چومے اور آنکھوں سے لگائے تو کبھی نہ اندھا ہوا اور نہ کبھی انکھیں دکھیں۔

(۲) مفسر نور الدین کے حوالے سے کہا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کی نور الدین صاحب سے ملاقات نصیب ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ لوگ عند الاذان سب

انگشت چوم رہے ہیں اور آپ نے پوچھا کیں وہ لوگ کہنے لگے کہ میں پہلے انگوٹھا چومنا چھوڑ دیا تو آنکھوں میں درد ہونے لگا۔ (جاء الحق ۳۸۰، ۳۸۱)

جواب: ان تمام خلجان کے جوابات ماقبل میں گزر گئے ہیں۔ مگر مزید کے طور پر بیان کر رہا ہوں کہ یہ قول شیخ نورالدین کا نہیں ہے بلکہ شیخ نورالدین کے معاملے کی بات ہے کہ لوگوں کو آپ نے دیکھا کہ انگشت چوم رہے ہیں تو تعجب سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو انہوں نے حیلہ بیان کیا، سو یہ بھی حیلہ مردود ہے بایں معنی کہ اس پر تمام علماء اسلام کا متفقہ کلام ہے کہ اس معاملے کی تمام احادیث ضعیف اور موضوع ہیں۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات اور انکی تردیدات

(۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا گیا لا یصح فی المرفوع من کل هذا شیئی ان میں کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا کل ما یروی فی هذا فلا یصح رفعه الخ اس مسئلے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامیؒ نے اس بحث اذان میں اس جگہ فرمایا لم یصح من المرفوع من هذا شیئی ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا ہے پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے' اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا ہے کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چناں چہ ملا علی قاریؒ موضوعات کبیر میں اس عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے لہٰذا عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ (جاء الحق ۳۸۴)

رد: مگر یہ ملا علی قاریؒ کا وہم ہے اس لئے کہ اگر واقعی یہ روایت حضرت ابوبکر صدیقؓ تک موقوف بھی صحیح ہو پھر بھی حجت تھی مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو روایت منقول ہے وہ مرفوع ہے سرے سے صحیح ہی نہیں ہے۔ یہ کو مرفوع صحیح نہیں۔

پھر یہ کہنا کہ مرفوع صحیح نہیں ہے موقوف صحیح ہے اور عمل کے لیے کافی ہے کیسے صحیح ہوا؟ باقی جن حضرات نے یہ کہا لا یصح رفعہ یا لایصح فی المرفوع تو وہ ابن صالح وغیرہ بعض شیوخ کی موقوف روایات کے پیش نظر ہے وہ اگر بالفرض صحیح بھی ہوں تب بھی موقوف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہیں خصوصا جبکہ ابن صالح وغیرہ صحابی بھی نہیں ہیں ملا علی قاریؒ کا وہم کوئی نئی چیز نہیں امام عبدالستار ابن مبارک نے خوب کہا ہے ومن ذا سلم من الوھم (لسان المیزان جلد ا ص ۱۷) وہم سے کون بچ سکتا ہے الا من عصمہ اللہ تعالیٰ۔ پھر خان صاحب نے یہ کہا کہ صحیح سے ضعیف ہونا لازم نہیں کیوں کہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن بھی ہو تو بھی کافی ہے۔ (جاء الحق)

لیکن خان صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی محدث جب مطلق لا یصح کہتا ہے تو اسکا مطلب اسکے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے اگر حدیث حسن ہوتی ہے تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا نہیں لیس بصحیح بل حسن وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں مطلق لا یصح سے حسن سمجھنا قلت فہم کا نتیجہ ہے پھر خان صاحب نے یہ کہا کہ اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے۔ (ایضا ۳۸۲)

رد: یہ قاعدہ اس حدیث کے سلسلے میں ہے کہ جن پر لم یصح کی قید نہ ہو لیکن انگشت بوسی پر لم یصح کی قید ملحوظ ہے نیز روح البیان نے بھی ایسی ایسی حدیثوں کی دھجیاں اڑائی ہیں۔ لہذا آپ کا قاعدہ صرف بریلوی شریف تک محدود ہے۔

پھر آگے خان صاحب نے یہ کہا کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ (جاء الحق، ۳۸۳)

یہ بھی خان صاحب کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ یہ کہہ دینا کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی

حدیث غیر مشروط طور پر حجت ہوتی ہے قطعاً غلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ وغیرہ تو ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں لا یعمل بہ مطلقاً (القول البدیع ۱۹۵) مطلقاً اس پر عمل صحیح نہیں ہے اور جو عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں چنانچہ امام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ لکھتے ہیں:

العمل بالحدیث الضعیف مقید بالشروط (امام بہذ ۲ ص ۱۷۱) ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔ (علی ہذا القیاس)

دوسری بات کا جواب اور اسکا رد

حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام کے انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا تو تم کون سا نور دیکھ رہے ہو چومنے کی وجہ وہاں یہ نہیں اس کا جواب خان صاحب نے دیا کہ صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان تم کیوں دوڑتے ہو آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ دوران حج کنکریاں کیوں مارتے ہو اب کون سا شیطان دھوکہ دے رہا ہے؟ اور طواف و رمل کرتے ہو؟

رد: اولاً بات یہ ہے کہ سعی بین الصفا والمروہ اور کنکریاں مارنے کا ثبوت اور طواف و رمل وغیرہ کا ثبوت حدیث مشہور و صحیح و حسن ہی نہیں بلکہ خبر متواتر اور قرآن سے عیاں ہیں اس لیے اس کو اب انجام دے رہے ہیں **ثانیاً**: یہ ہے کہ اس عمل پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور ائمہ کرام و سلف صالحین بزرگان دین و اولیاء اللہ گامزن رہے ہیں۔ لیکن انگشت بوسی پر کوئی قوی حجت نہیں ہے اور نہ اسکو کسی نے کھل کر اختیار کیا ہے۔

تیسری بات کا جواب اور اسکا رد

کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہئے اسکا جواب خان صاحب یہ دیتے ہیں روایت میں ناخن کا ثبوت ہے اس لیے

اسکو چومتے ہیں۔(جاء الحق،۳۸۴،۳۸۵)

رد : خان صاحب نے سوال مذکور کے جواب میں یہ کہا کہ روایت میں ناخن کا ثبوت ہے؟

قارئین کرام ۔روایات جعلی اور موضوع کے ذریعہ خان صاحب نے اپنے دعوئی کو ثابت کیا تھا سو اسکی دھجیاں اڑ گئیں۔ بہر حال اس بات پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک آدمی بہت ہی شریر تھا شرارت کی وجہ سے لوگ اس کی خوب پٹائی کرتے تھے۔ تو کسی نے ایک دن پوچھا کہ بھائی تم کیسے رہتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ بھائی کیا بتاؤں میں صبح طریقے سے پورے دن میں ایک دو مرتبہ مار کھالیتا ہوں اور مجھے نیند آجاتی ہے۔ بس اسی طرح خان صاحب اور ان کے عقیدے کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں پھر بھی سر اٹھاتا ہے اور فضلاء دیوبندان کے سروں کو کچلتے ہیں۔

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیبہ یا نعت خوانی کا ثبوت اور اسکے جوابات میں

قارئین کرام! خان صاحب نے کہا کہ جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح وتہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۸۵) لیکن ہم اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جب میت کو قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو اس دوران آہستہ آہستہ تسبیح پڑھنا درست ہے اور بآواز بلند خواہ تسبیح وتہلیل ہو یا کلمہ ہو یا نعت خوانی یہ جائز نہیں ہے نیز جنازے کو قبرستان لے جاتے وقت نعت خوانی خواہ بالجہر ہو یا بالسر جائز نہیں ہے۔

خان صاحب نے اپنے دعوے پر مختلف آیات پیش کی ہیں مگر ان تمام آیات سے ذکر بالسر کا ثبوت عیاں ہو رہا ہے نہ کہ بالجہر۔ نیز ان تمام آیات سے نعت خوانی کا ثبوت قطعی طور پر نہیں ملتا۔ مثلاً خان صاحب نے سب سے پہلی دلیل بیان کی الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔ (جاء الحق ۳۸۵)

جواب: قارئین کرام! اس عبارت سے ہمہ وقت ذکر اللہ کرنے کی ترغیب ہے نیز اسکے اندر نہ جنازے کی نماز کا ذکر ہے اور نہ بلند آواز سے ذکر یا نعت خوانی کا تذکرہ تبصرہ ہے بلکہ مطلقاً ذکر اللہ کرنے کی ترغیب ہے لہٰذا اب انسان کو چاہئے کہ سنت کے مطابق ذکر کرے مثلاً نماز مغرب عشاء فجر میں بالجہر تلاوت کرے اور ظہر عصر میں بالسر اسی طرح جنازے کی نماز کے آگے آگے نہ حضور اکرم ﷺ نے اور نہ صحابہ کرامؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ نے بالجہر ذکر اللہ کیا اور نہ نعت خوانی کی ہے لہٰذا بالسر ذکر اللہ کرتے ہوئے قبرستان کی طرف چلیں۔ جیسا کہ اس آیت کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے ای یذکرونہ دائماً علی حالۃ کلھا قائمین و قاعدین و مضطجعین فان الانسان لا یخلوا عن ھذہ الھیئات غالباً جیسا کہ خان صاحب نے خود بیان کیا کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیوں کہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔ (قارئین کرام! اس میں بھی ذکر بالجہر یا نعت خوانی کا تذکرہ نہیں ہے) اسی طرح تفسیر ابوالسعود میں مذکور وتفسیر بیانی کی گئی ہے۔

پھر آگے خان صاحب نے ردالمحتار کے حوالے سے یہ کہا:

ولکن قد اعتاد والنّاس کثرۃ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورفعھم اصواتھم الخ (ایضاً)

جواب: قارئین کرام! جیسا کہ احقر ماقبل میں بھی بیان کر چکا ہے کہ ذکر بالجہر کوئی محبوب چیز نہیں ہے بلکہ ہر وہ ذکر محبوب ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے اختیار کیا ہے بہر حال خان صاحب نے ابھی جو ردالمحتار کی عبارت پیش کی ہے سو اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر لوگ کثرت سے درود شریف بھیجتے ہیں مگر ان میں سے آواز بلند بھی ہوتی ہے۔ تو اس کے قائل ہم بھی ہیں مگر اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ جب میت کو قبرستان کی طرف لے جایا جائے تو ذکر بالجہر یا نعت خوانی ہو بلکہ ان باتوں سے منع بھی کیا گیا ہے کہ اس سے بیماریاں عیاں ہوتی ہیں۔ بہر حال ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ سنت کے مطابق ذکر اللہ کرنا چاہئے اور ذکر اللہ کرنے میں نہ

افراط ہو نہ تفریط کیوں کہ باری تعالیٰ نے فرمایا: لا یحب المعتدین ۔ پھر آگے ذکر کی فضیلت کے سلسلے میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یاد رکھنا کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں اس آیت کی تفسیر کے تحت روح البیان نے ارشاد فرمایا: فالمؤمنون یستانسون بالقرآن الخ پس قرآن سے اور ذکر سے مسلمان انس لیتے ہیں اور اسکو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اسی طرح ذکر اللہ کے سلسلے میں حضرت انس سے روایت اکثروا فی الحدیقۃ قول لا الہ الا اللہ اسی طرح مشکوۃ کی روایت ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں۔ ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جب کہ کسی قوم کو ذکر اللہ کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں۔

پھر آگے مشکوۃ ہی کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں گزرو تو کچھ کھا لیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔ نیز ذکر اللہ سے شیطان کا منہ کالا ہوتا ہے۔

بہر حال اذکر اللہ کی فضیلت پر کافی آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ شاہد ہیں لیکن ابھی جتنی آیات اور احادیث پیش کی گئیں اس کو خان صاحب نے بھی ص ۳۸۷ پر نقل کیا ہے۔ عرض یہ کرنا ہے کہ ان آیات اور روایات سے صرف فضائل ذکر عیان ہوتا ہے لیکن اس سے یہ بات قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتی کہ جنازے کے آگے باآواز بلند ذکر اللہ کیا جائے یا نعت خوانی۔ آگے خان صاحب دلیل پیش کرتے ہیں حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی علیہ الرحمہ اس مسئلے کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بناء پر پھر فرماتے ہیں لکن بعض المشائخ جوزوا الذکر الجہری ورفع الصوت بالتعظیم الخ یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند

آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا الخ (ایضاً ۳۸۸)

جواب: قارئین کرام، اولاً تو اس عبارت کا جواب اس عبارت سے دو سطر قبل ہی دے دیا گیا کہ فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ بہر حال جب یہ بات موجود ہے تو اب اس عبارت سے استدلال کرنا غلط ہوگا کیوں کہ یہ ذکر بالجہر اگر تحریمی نہ ہوگا تو یقیناً مکروہ تنزیہی ہوگا۔ دوسری بات ہے کہ یہ قول لکن بعض المشائخ صاحب حذیفہ کا نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی اور کا ہے جیسا کہ لفظ بعض سے یہ بات عیاں ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ والذکر بالجہر کی سے مراد یہ نہیں ہے کہ جنازے کے آگے آگے یا پیچھے پیچھے نعت خوانی ہو یا آواز بلند ذکر ہو بلکہ الجہر سے مراد یہ ہے کہ اتنی زور سے ذکر کرے کہ اس کا نفس سن لے اور میت کے کانوں تک آواز پہنچے پس یہی ذکر بالجہر سے مراد ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات اور ان کی تردیدات میں

(۱) جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازۃ میں ہے وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لہم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن فان اراد ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ کذا فی فتاوی قاضی خان۔ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں، فتاوی قاضی خان اسی باب حمل الجنازہ میں ہے ویکرہ للمتبعین الصوت خلف الجنازۃ وفی منزل المیت رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وقولہم کل حی یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے، درمختار جلد نمبر ۱ کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر او قراءۃ

جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرات کرنا مکروہ ہے۔ اسکے ماتحت شامی میں ہے فلت واذا کان ھذا فی الدعاء فما ظنک بالغناء الحادث فی ھذا الزمان جب کہ دعاء میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔ ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا ہے۔

قال قیس ابن عبادۃ کان اصحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرھون رفع الصوت عندثلث عند القتال و فی الجنازۃ و فی الذکر یعنی صحابہ کرام جہاد جنازہ ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (جاء الحق جلد ۱ ص ۳۹۰) اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا کہ "انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اسکا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر ہے۔ (ایضاً ص ۳۹۰ تا ۳۹۱)

رد: قارئین کرام! واقعی باری تعالیٰ نے کیا ہی خوب اعلان کر دیا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یعنی حق بات خود بخود عیاں ہو جاتی ہے چنانچہ ہمارے مذکورہ جملہ دلائل کا جواب یہ دیا کہ ذکر بالجہر سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اور آگے یہ کہا کہ ذکر بالجہر کا نہ کرنا اولیٰ ہے۔ خان صاحب اس بات کے مقر ہو ہی گئے کہ ذکر بالجہر کا نہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ تو گویا خان صاحب نے ہمارے دعویٰ کو قبول کر لیا۔ لہٰذا ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ اس کا (ذکر بالجہر کا) کرنا ناجائز ہے۔ نیز یہ حکم یعنی ذکر بالجہر عند الجنازۃ کرنے کی ممانعت ہر زمانے میں ہے۔ آگے خان صاحب نے کہا کہ فقہاء کرام کے اقوال سے مراد مطلقاً بولنا منع ہے (ایضاً ۳۹۱) اسکا رد بلیغ خود عالمگیری کی عبارت گزری ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ اور اس کے ماقبل کی عبارت ہے ویکرہ لھم رفع الصوت تو ان تمام عبارات سے تو یہ ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر ناجائز ہے پس مطلقاً بات بولنے کا کیا کہنا ہے۔

جب کسی آدمی کے دل و دماغ میں لغو باتیں اور فحش کلامی منقش ہو جاتی ہیں تو اب انکا علاج خواہ ڈاکٹر سے کرائیں یا ان پر لاٹھیاں برسائیں وہ سیدھے نہیں ہو سکتے، بس یہی حال حضرات بریلوی کا ہے کہ ان کے دل و دماغ میں بدعات و خرافات و فسادات مستحکم ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ دکھلا دے۔

بہر حال خان صاحب نے لطیفہ کا عنوان ایک قائم کر کے یہ لوگ یعنی علماء دیوبند جنازے کے لیے جاتے وقت تو ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں مگر اس وقت ہنسی مذاق اور مسئلہ و مسائل کی بات کرتے ہیں۔ (جاء الحق ۳۹۴)

جواب: لعنة الله على الكاذبين، جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ یعنی خاں صاحب نے سفید جھوٹ اور بہتان کا الزام ہم لوگوں پر دیا کہ یہ لوگ اس وقت گفتگو ہنسی مذاق اور مسئلہ و مسائل کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ باتیں قطعی طور پر نہیں ہیں البتہ اگر وہاں کچھ مسئلے کی بات پیش آتی ہے تو گھر لوٹنے کے بعد اسکا جواب دیا جاتا ہے —نوٹ الازمی جب سے دنیا کا وجود ہوا ہے اس دن سے لیکر آج تک کسی محبوبین الٰہی نے نہ مزارات پر پھول چڑھائے نہ چادریں چڑھائیں نہ محفل میلاد کیا نہ قیام میلاد کیا نہ کسی کا نام عبد النبی یا عبد الرسول رکھا' نہ قبر پر اذان دی' نہ عند الاذان انگشت بوسی کی' نہ بزرگان دین کا باضابطہ قدم و ہاتھ چوما' نہ تعظیم تبرکات میں غلو کر کے بوسہ کا رواج دیا' نہ کھانے سامنے رکھ کر فاتحہ کا اہتمام کیا نہ مزارات پر گنبد بنایا' نہ بدعات کا ایجاد کیا' نہ استغاثہ و حیلہ کو عام کیا نہ غیر اللہ سے مدد مانگی نہ حضور اکرم ﷺ کو عالم الغیب مانا' نہ آپ کو حاضر و ناظر مانا' نہ مختار کل مانا۔ نہ آپ کو نور مانا۔ حتیٰ کہ کسی نے بھی جنازے کے آگے آگے نہ ذکر بالجہر کیا اور نہ نعت خوانی کی۔ مگر ان تمام بدعات و خرافات کے موجد اعلیٰ حضرت ہیں اور اس کے ترجمان مولوی یار خان صاحب ہیں جنہوں نے جاء الحق لکھی' سو اس کے آج پر خچے اڑ گئے۔

خان صاحب نے نوٹ ضروری کا عنوان قائم کر کے۔ کہا کہ شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اسکا جواب خان صاحب نے دیا کہ

جو احکام کسی علت کی بنا پر ہوں وہ علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے غیرہ وغیرہ اجرت لینا حرام تھی اب جائز ہے۔

رد! اسکی تردید یہ ہیکہ ہم خان صاحب سے تفتیش کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے پیچھے ذکر بالجہر اور نعت خوانی کی علت کیا ہے؟ **ثانیاً** خان صاحب نے قیاس کیا ہے نماز اور تعلیم قرآن پر حالانکہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے بایں طور کہ نماز اور جنازے کے آگے آگے ذکر بالجہر کا ثبوت کہیں سے نہیں ہے جیسا کہ احقر مکمل اوپر بیان کر چکا ہے۔

(۲) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیوں کہ وہ چیختے جاتے ہیں الخ، اس کا جواب خان صاحب نے یہ دیا کہ کفار بتوں کا نام لیتے ہیں اور ہم اللہ کا نام لیتے ہیں۔ (ایضاً)

رد: مشابہت اس معنی کر کے نہیں کہ آپ اللہ کا ذکر کرتے ہیں بلکہ مشابہت اس معنیٰ کر کے ہے کہ جس طرح ان کو "رام رام ست ہے، سب کا یہی گت ہے،، کہیں سے نہیں مگر لغو عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح جنازے کے آگے آگے ذکر کرنے کے سلسلے میں کوئی ثبوت نہیں ہے پس دونوں حضرات کا عمل برابر ہو گیا لہٰذا خان صاحب کو چاہئے کہ حضور اکرمؐ کے قول **من تشبہ بقوم فھو منھم** کی لعنت سے پرہیز کریں۔

(۳) راستہ میں کلمہ طیبہ (جنازے کے آگے آگے) آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیوں کہ عام طور پر راستے وغیرہ میں گندگی ہوتی ہے (بالخصوص بریلوی شریف کے دیہاتوں میں) لہٰذا یہ منع ہے۔ اس کا جواب خان صاحب دیتے ہیں کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لیے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے۔ (ایضاً ۳۹۷)

رد: جب جنازے کو قبرستان کی طرف لے جایا جاتا ہے تو راستے میں کہیں کتے کی نجاست رہتی ہے تو کہیں سور کی اور کہیں بلی کی وغیرہ وغیرہ لہٰذا جنازے کو لے جاتے وقت لوگوں کو چاہئے کہ آہستہ آہستہ ذکر کریں اور نعت خوانی وغیرہ سے پرہیز کریں کیوں کہ اس میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

(۴) جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں کیوں کہ ان کو موت یاد آجاتی ہے جسکی وجہ سے بیمار ہو جاتے ہیں لہٰذا بلا ضرورت بھی یہ منع ہونا چاہئے اس کا جواب خان صاحب نے قرآن کی آیت الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سے دیا ہے (ایضاً ۳۹۷)

رد: اس کا جواب مکمل گزر چکا ہے کہ اس سے ذکر بالسنہ مراد ہے نہ کہ ذکر بالبدعۃ۔

خاتمہ کتاب

اللہ کا فضل ہے کہ خان صاحب کے جملہ عقائد فاسدہ کے جوابات دے دیئے گئے، اب خان صاحب اس عنوان کے تحت ہم اہل سنت والجماعت پر سفید بہتان لگا کرتے ہیں، نیز اپنی غلط فہمی کی بنیاد پر علماء دیوبند کی عبارتوں کو نہ سمجھ پائے ہیں۔ لہٰذا اب نمبر وار ان کی تردید ہو رہی ہے ملاحظہ کریں۔

پہلی غلط فہمی اور اسکا ازالہ

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے براہین قاطعہ (جاء الحق ۳۹۸)

جواب: واضح ہو کہ امکان کذب کے جو معنی آپ نے سمجھا ہے وہ بالاتفاق مردود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوع کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلاف ہے نص صحیح و من اصدق من اللہ حدیثاً وانّ اللہ لا یخلف المیعاد وغیرھما آیات کے چوں کہ وہ ذات باری ان باتوں سے مبرہ ومنزہ ہیں جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے وہ دراصل کذب نہیں بلکہ صورت کذب ہے الحاصل امکان کذب سے مراد قول کذب قدرت باری تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اسکے خلاف پر قادر ہے اگر چہ وقوع اسکا نہ ہو' امکان کو وقوع لازم نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شئی ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کا استحالہ لاحق ہوا ہو۔ چنانچہ اصل عقل پر مخفی نہیں۔ پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام وصوفیا کرام وعلماء وعظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے جو شبہات آپ نے وقوع کذب پر متفرع کئے تھے وہ

مندفع ہو گئے کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں یہ مسئلہ دقیق ہے عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں اسکی حقیقت کے ادراک سے اکثر انبیاء زمان قاصر ہیں آیات واحادیث کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے الخ (فتاوی رشیدیہ جلد ا ص ۱۲۰ از عبارات اکابر)

دوسری غلط فہمی اور اسکا ازالہ

اللہ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے علم غیب دریافت کرلے کسی ولی، نبی، جن، فرشتہ اور بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی۔ (ایضاً ص ۳۹۸)

جواب: ان اللہ علی کل شیئ قدیر. یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ حضرت حق جل مجدہ ہر چیز پر قادر ہیں، اور اس چیز پر بھی قادر ہیں کہ جب چاہے کسی مخلوق کے ان کے دل کی بات دریافت کرلے۔ چنانچہ خداوند قدوس نے خلقت بنی آدم سے قبل فرشتوں سے اپنی مشیت کے مطابق جائزہ لیا تھا بقولہ تعالیٰ: واذقال ربک للملئکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ. قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون.

خاں صاحب نے ہمارے اکابر کی عبارت کا مطلب یہ بیان کیا کہ "اگر وہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے" پہلی بات تو یہ ہے کہ چاہنے سے مراد اظہار خیال ہے یعنی باری تعالیٰ کو اس چیز کا علم ہے پھر بھی مخلوق کی زبان سے اس چیز کی ادائیگی کروانا چاہتے ہیں جیسا کہ ماقبل کی عبارت اس بات پر دال ہے۔

تیسری غلط فہمی اور اسکا ازالہ

خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے (ایضاً ص

جواب: لعنۃ اللہ علی الکاذبین.

ناظرین کرام! جھوٹ بولنے والوں پر باری تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے اور حضور اکرم کا فرمان ہے الصدق ینجی والکذب یھلک سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک و برباد کرتا ہے۔ بہر حال خان صاحب نے جو عبارت پیش کی ہے

عبارت ہم اہل سنت والجماعت کی نہیں ہے۔ بلکہ خان صاحب نے ایک بہتان تراشی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کریگا۔

چوتھی غلط فہمی کا ازالہ

خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی جب بندے اچھے برے کام کر لیتے ہیں تب اسکو معلوم ہوتا ہے (ایضاً ص ۳۹۹)

جواب: اللہ تعالیٰ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم ہے چنانچہ ارشاد باری ہے ان اللہ یعلم مالا تعلمون۔

بہر حال خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر ہوتی ہے لیکن ان میں سے برے کاموں کو مخفی رکھنا چاہتا ہے، اور اگر بندہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ مخفی برے کام ظاہر ہو جاتے ہیں اور اگر نیک کام کرتا ہے تو اس کو نامہ اعمال میں محفوظ کروالیتا ہے۔

اکابر دیوبند کی عبارت مذکورہ کا یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ جب بندہ برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس وقت تک باری تعالیٰ نظر پوشی کرتے ہیں لیکن جب برے کام کر گذرتا ہے تو باری تعالیٰ گرفت فرماتے ہیں، لیکن نیک کام کے ارادے ہی کے وقت سے ثواب مرتب ہونے لگتے ہیں۔

پانچویں غلط فہمی کا ازالہ

خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہٰذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آوے گا (تحذیر الناس از جا ما الحق ص ۳۹۹)

جواب: خاں صاحب کی حضرت نانوتوی کے حوالہ سے پیش کردہ عبارت میں درمیانی حصہ اس عبارت کا ملخص ہے اور یہ عبارت صفحہ ۲۴ کی ہے حضرت مولانا نانوتوی مسئلہ ختم نبوت پر نہایت دقیق اور منطقانہ بحث کرتے ہوئے شروع کتاب صفحہ ۳ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تا کہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ

کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ انبیاء سابق کے بعد اور آپ میں آخری نبی ہیں مگر اس فہم کی روشنی ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے الخ۔

خاں صاحب نے حضرت مولانا نانوتویؒ کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے آخری حصہ میں غور فرمایئے کہ خاں صاحب نے کس طرح شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا ہے کہ ایک فقرہ تحذیر الناس کے صفحہ ۳ سطر ۱۲ کا لیا اور دوسرا صفحہ ۲۴ کا اور تیسرا صفحہ ۲ کا اور اپنی اڑائی ہوئی طبع سے مجبور ہو کر ایک خاص ترتیب دی اور پھر اس سے بزعم خویش ایک کفریہ مضمون تیار کیا اور کفر کا فتویٰ مرتب کر کے علماء حرمین شریفین سے اس کی تصدیق حاصل کی اور عامۃ المسلمین کو یہ باور کرانے کی سعی کی ہے کہ یہ عبارت اسی طرح مرتب اور مربوط ہے۔ اگر عبارت سے مطلب اخذ کرنے کا یہی طریق ہے تو پھر خدا ہی خیر کرے قرآن کریم ہی سے استدلال کرنے والا معاذ اللہ بجائے ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم کے یوں کہہ سکتے ہیں ان الابرار لفی جحیم کیوں کہ جب مختلف صفحات سے عبارتیں ملا کر مطلب لیا جا سکتا ہے تو ایک ہی سورت کی دو آیتوں میں یہ تقدیم و تاخیر اور قطع برید اس قاعدہ کے لحاظ سے کیوں درست نہیں اس سے بڑھ کر بد دیانتی اور دجل و تلبیس اور کیا ہو سکتی ہے؟

لیکن خان صاحب کو اس سے کیا لینا ان کی بلا سے ایسے کرشمے اور کرتب تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے خان صاحب دنیا سے جا چکے اور ان کے کٹر حواری اور غالی معتقدین سے جو لکیر کے فقیر ہیں اصلاح کی کوئی توقع نہیں ہاں منصف مزاج قارئین کرام! اس صحیح بات کو بآسانی اخذ کر سکتے ہیں اور ہمارے لکھنے کا اصل مقصد بھی عامۃ المسلمین کی اصلاح ہے۔

چھٹی غلط فہمی کا ازالہ

اعمال میں بظاہر امتی نبی کے برابر ہو جائیں گے بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر الناس) (ایضاً ص ۳۹۹) بہترین جواب یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی بعض عبارتیں!

تنبیہ الحق والصواب ۔ ۔ ۔

ہے کسی کا سات گنا کسی کا اس سے بھی زیادہ ایسے ہی اصحاب عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیوں کہ اصحاب اعمال کی فضیلت بوجہ اعمال ہے۔ جتنا ان میں تفاوت ہوگا اتنا ہی ان میں امتیاز ہوگا۔ (آب حیات ص ۱۸۲)

ساتویں غلط فہمی کا ازالہ

حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے (یکروزی) (جاء الحق ۴۰۰)

جواب: یقیناً حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر بمقتضائے بشریت ازل ہی سے رہا ہے اور رہے گا اور ہے، چنانچہ حضور اکرم بشر تھے۔ (قل انما انا بشر مثلکم یوحی) اور ہم بھی بشر ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد تھی اور ہماری بھی اولاد ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ وہ رسول رحمۃ للعالمین تھے اور ہم میں یہ چیز مفقود ہے۔

آٹھویں غلط فہمی کا ازالہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہنا جائز ہے کیوں کہ آپ بھی انسان ہیں برابر قاطعہ (جاء الحق ص ۴۰۰)

جواب: مناسب یہ ہے کہ تقویۃ الایمان کے حوالے سے جواب دیا جائے تا کہ مخالف کا اشکال ختم ہو جائے۔ مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النساء میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہؓ نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار میں بیٹھتے تھے کہ ایک اونٹ پھر اس نے سجدہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سو ان کے اصحاب کہنے لگے اے پیغمبر خدا ﷺ تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور اور درخت سو ہم کو ضرور چاہئے کہ تم کو سجدہ کریں سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی اصل الفاظ حدیث یہ ہیں۔

اعبد ربکم واکرموا اخاکم یعنی انسان آپس میں بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی جیسی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اسی کو چاہئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء، انبیاء، امام زادہ، پیر، شہید، یعنی جتنے اللہ کے مقرب سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑائی

دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہئے نہ کہ خدا کی سی۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۰۱ و ص ۱۰۲)

پھر آگے ارشاد باری ہے: انما المومنون اخوۃ کہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رشتہ اپنے لیے طلب فرمایا تو سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا انما انا اخوک کہ میں تو آپ کا بھائی ہوں پھر یہ رشتہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا انت اخی فی دین اللہ و کتابہ تم اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی کتاب کے رو سے میرے بھائی ہو یعنی یہ رشتہ میرے لیے حلال ہے اس کے بعد رشتہ ہو گیا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۷۶۰)

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا ود ت انا قد رایتنا اخواننا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیتے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۲۷)

نویں غلط فہمی اور اس کا ازالہ

شیطان اور ملک الموت کا علم حضورؐ سے زیادہ ہے براہین قاطعہ (جاء الحق ص ۴۰۰)

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم بجائے ادھوری عبارت پیش کرنے اور نامکمل عبارت پر نگاہ ڈالنے کے، پوری اور مکمل عبارت کو اور جس کے جواب میں یہ عبارت لکھی گئی ہے اس کو ایک نظر بخوبی دیکھ لیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مولوی عبدالسمیع صاحب ساکن رام پور ضلع سہارنپور نے بدعات کی تائید و ترویج اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کو بدعات کے مسائل کی میگزین کہنا چاہیے کہ جس کا نام انہوں نے انوار الساطعہ در بیان مولود و فاتحہ رکھا ہے۔ اس کتاب کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے کتاب لکھی جس کا نام البراہین القاطعہ تجویز کیا گیا۔ مولوی عبدالسمیع صاحب محفل میلاد میں آنحضرت ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اقوال عقیدہ اہل سنت والجماعت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور اسی

حقیقت سے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور اسی حقیقت سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے دوسرے میں نہیں ہوتی اور خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ یوجد ولا یوجد فی غیرہ اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہو جانا تو کچھ خاص مخصوص خدا کے ساتھ نہیں، تفسیر معالم التنزیل اور رسالہ برزخ جلال الدین سیوطیؒ اور شرح مواہب علامہ زرقانیؒ میں ہے کہ ملک الموت قابض ہے جمیع ارواح جن وانس وبہائم اور جمیع مخلوقات کا اور اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے اور ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے فیقبض من ھھنا وھھنا۔ یعنی ادھر سے لے لیتا ہے جان کو اور ادھر سے اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر، کیڑے مکوڑے اور چرند پرند، درند اور آدمی مرتے ہیں ہر جگہ ملک الموت موجود ہو جاتا ہے۔ اور مشکوٰۃ میں ہے کہ ملک الموت وقت موت کے سرہانے ہوتا ہے مومن کے بھی اور کافر کے بھی یہ حدیث طویل ہے، اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتی میں نقل کیا ہے ایک حدیث کو طبرانی اور ابن مندہ سے اس میں یہ بھی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ ایسا کوئی گھر نہیں نیک یا بد آدمیوں کا جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو، رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر نہیں پہچانتے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے۔ بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا بعد اس کے لکھا ہے واقدرہ علی ذلک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذلک یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا انتہی کلامہ اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سمجھئے کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادی دنیا کی

اگر سیر کرے جہاں جاوے گا چاند کو موجود پاوے گا اور سورج کو بھی پاوے گا پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود، تمہارے قاعدہ سے چاہیے وہ کافر ہو جاوے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالاں کہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر خالص مسلمان ہے پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ موجود ہو کر وہ چوتھے آسمان پر روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمین یا زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جاوے کیا محال اور بعید ہے، علامہ زرقانی نے ابوالطیب کا شعر شرح مواہب لدنیہ کی فصل زیارت قبر شریف میں نقل کیا ہے۔

كالشمس في وسط السماء ونورها
يغشى البلاد مشارقا ومغاربا
كالبدر من حيث التفت رايته
يهدى الى عينيك نورا ثاقبا

یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک اور جس طرح چاند جہاں سے تو اس کو دیکھے اسی جگہ سے تیری آنکھوں میں نور بخشے گا انتہی کلامہ۔

پس فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کے دیکھنے کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے کھول رکھی ہے اس کے ذریعہ سے بینا آدمی دیکھ کر کہہ دیتا ہے چاند ہر جگہ موجود ہے اندھا اور نادان یوں کہے گا کہ چاند کہیں نہیں پس اسی طرح روح کا دیکھنا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت پر اگر وہ آنکھ باطنی کھول دے اور پردہ اٹھا دے ہر جگہ انسان جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے۔ امام شعرانی نے میزان میں لکھا قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ ابی العباس المرسی وغیرھما انھم کانوا یفوزون لو احتجبت رؤیۃ رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ما اعددنا انفسنا من جملۃ المسلمین۔

دیکھئے ابوالحسنؒ شاذلی وغیرہ اولیاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک پل جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھپ جاویں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔

اب دیکھئے یہ اولیاء اللہ ان مفتی صاحبان صافی عقیدت کے نزدیک کس فتویٰ اور کس حکم میں داخل ہوں گے اور ہونا روح انبیاء علیہم السلام کا علیین میں ساتویں آسمان پر جو ہم نے بیان کیا یہ تفسیر عزیزی بیان علیین میں دیکھو لیکن باوجود ہونے علیین میں آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی اتصال قوی ہے ہر زائر کو جانتے ہیں کون زیارت کو آیا، سب کو سلام کا جواب دیتے ہیں، قبر میں جسم مبارک زندہ ہے۔ زرقانیؒ نے لکھا ہے ان نبینا بالرفیق الاعلی وبدنہ فی قبرہ یرد السلام علی من یسلم علیہ. اس مقام کی تحقیق زیادہ اس سے مقام اثبات مولود شریف میں بیان کریں گے۔ اب فکر کرنا چاہیے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی اور تماشا یہ ہے کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جانا ہے کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیے یہ سب محدث اور فقہاء بباعث اعتقاد حضور ہر جگہ ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ مشرک ٹھہریں معاذ اللہ. ع

بریں عقل دانش بباید گریست

اہل حق پر واضح ہو کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ہر محفل میں روح مبارک آتی ہے، ہاں دعویٰ ہے کہ اگر کسی کا یہ اعتقاد ہو وہ مشرک نہیں انتہیٰ۔

دسویں غلط فہمی کا ازالہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بچوں یا پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر حفظ الایمان۔ (جاء الحق، ص ۴۰۰)

جواب: حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کی عبارت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کی کیا تخصیص ہے ایسا یعنی

اس قدر اور اتنا علم غیب کہ جس کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہو اور اطلاق لفظ عالم الغیب کے لیے جتنے اور جس قدر کی ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم تو یہ زید، عمر، بکر، بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کو بھی حاصل ہے تو چاہئے کہ معاذ اللہ تعالیٰ سب کو عالم غیب کہا جائے کیوں کہ خان صاحب کے نزدیک کسی کے عالم الغیب کہنے کے لیے محض اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو غیب کی کسی نہ کسی بات کا علم ہو اور ان چیزوں کو بھی بعض مغیبات کا علم ضرور ہے اور نہ صحیح تو کم از کم ذات باری تعالیٰ ہی کا علم ہے۔ اور وہ بھی منجملہ مغیبات سے ہے۔

بہر حال حضرت نانوتوی کا معاذ اللہ ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں جیسا کہ علم غیب آنحضورؐ کو حاصل ہے ویسا ہی ان چیزوں کو حاصل ہے اور نہ یہ کہ العیاذ باللہ جناب رسول اللہؐ کے مساوی اور برابر ہر صبی، و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے جیسا کہ خاں صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے رسول اللہ کی اور چنیں چناں ہیں۔

گیارہویں غلط فہمی کا ازالہ

حضور ﷺ کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا براہین قاطعہ (جاء الحق، ص ۴۰۹)

جواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی بلفظہ اصل عبارت پیش کر دیں اس کے بعد پھر اس کی تشریح کر دیں چنانچہ خاں صاحب کے ہم عقیدہ مولوی عبد السمیع بریلوی نے اپنی کتاب الانوار الساطع میں مدرسہ دیوبند کے بعض علماء پر علمی سطح سے نیچے اتر کر بلا وجہ اور بے تحقیق تنقید کی تھی چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ اس جواب پر دہلی کے تین صاحبوں کی مہر ہے۔ الٰہی بخش۔ حفیظ اللہ شریف حسین۔ یہ صاحب دہلی میں غیر مقلد ہیں سب ان کو جانتے ہیں ان کا یہ جواب لکھنا کچھ تعجب نہ تھا لیکن اصحاب دیوبند بھی اس فتوے میں ان کے تابع ہو گئے مدرسہ دیوبند کے طلبہ اور مدرسین کی پانچ مہریں چند دستخط ہیں ایسے ایسے مفتی کہ ان میں سے ایک صاحب کی عبارت یہ ہے ہذا مسئلہ جواب صحیح حسن عفی اللہ عنہ۔

سبحان اللہ عبارت ان مفتی صاحب کی دیکھنے کے قابل ہے اور فصاحت و بلاغت

کے تذکروں میں لکھنے کے لائق ہے لفظ ہذا کی تذکیر و تعریف مسئلہ کی تانیث و تنکیر صحیحہ کی تانیث پھر مسئلہ بمعنی سوا مبتدا اور جواب صحیحہ اسکی خبر سوال کی خبر جواب کیا کیا تماشے ہو رہے ہیں الخ: (الانوار الساطع مع البرہین القاطعہ ص ۲۶)

اب اس کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری صاحب براہین قاطعہ تحریر فرماتے ہیں کہ باقوال حسن علی نام کا کوئی مدرس دیوبند (مدرسہ) میں نہیں ابتداء ابناء مدرسہ سے آج تک کی کیفیات موجود ہیں دیکھ لو۔ مؤلف کو اگر دیوبند کے مدرسے پر طعن کرنا مقصود ہے تو اس طرح طعن کرنا کہ جس کا کچھ ٹھکانہ نہ ہو شرم کی بات ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بعض الظن اثم پھر خواہ مخواہ حسن علی کو دیوبند کا مدرس یا طالب علم قرار دے کر محض اپنی طرف سے یہ لکھنا کس قدر خلاف امر حق تعالیٰ کے ہے اور جو توہین مدرسہ کی غرض مؤلف صحیح ہے تو ایسے واہی مطاعن سے کچھ نہیں ہوتا اور مدرسہ کا جو کچھ علم ہے اگر کچھ فہم خداداد مؤلف کو ہے تو آوے دیکھے، اس فقیر کے گمان میں یہ آتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی عظمت حق تعالیٰ کی بارگاہ پاک میں بہت ہے صدہا عالم یہاں سے پڑھ کر گئے اور خلق کثیر کو ظلمات وضلالت سے نکالا۔ یہی سبب ہے کہ جب ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آ گئی آپ تو عربی ہیں؟ فرمایا جب سے علمائے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہے ہم کو یہ زبان آ گئی۔ سبحان اللہ اس سے مرتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا پس جس کا رتبہ عند اللہ زیادہ ہوگا شیطان عدو مبین اس کی تخریب وتوہین میں زیادہ سرگرم ہوگا۔ پس مؤلف حالانکہ مدرسہ دیوبند سے اسکو کوئی گزند نہیں پہنچا' اور اسکی دنیا میں مدرسہ نے خلل نہیں ڈالا اللہ اس کے بدعات کے ظلمات کا کاشف ہے لہٰذا مؤلف کو اس مدرسہ دیوبند سے عناد ہے اور مدرسہ کو اپنا دشمن جانتا ہے مگر جس کا حامی حق تعالیٰ ہو اسکا کوئی کیا کر سکتا ہے؟ (البراہین القاطعہ ص ۱۲۶ از عبارات اکابر)

بارہویں غلط فہمی کا ازالہ

ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے بے مقدار سے بھی ذلیل ہے۔

تقویۃ الایمان (جاء الحق ص ۴۵)

جواب: حضرت شاہ شہید مظلوم نے سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیحین کی ایک عبارت نقل کی ہے (پس عربی عبارت نقل کرکے اسکا ترجمہ یوں کیا ہے) بخاری و مسلم نے ذکر کیا کہ ابن مسعودؓ نے نقل کیا کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا گناہ بہت بڑا ہے اللہ کے نزدیک فرمایا یہ کہ پکارے تو کسی کو اللہ کی طرح غیر اگر اور حالانکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا اس حدیث پاک کو نقل کرکے حضرت شاہ صاحبؒ نے فائدہ لکھا ہے۔

(**فائدہ**) یعنی جیسے کہ اللہ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور سب کام اسکے اختیارات میں ہے سو ہر مشکل کے وقت یہی سمجھ کر اسکو پکارتے ہیں سو کسی اور کو اسی طرح کا سمجھ کر پکارنا نہ چاہئے یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور تو یہ بات خود نماز ہے کہ کسی کو کچھ حاجت برلانے کی طاقت ہووے یا ہر جگہ حاضر و ناظر ہو دوسرے یہ کہ ہمارا رب خالق اللہ ہے اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو چاہئے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اس سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو ذکر کیا ہے (تقویۃ الایمان) اس ساری عبارت میں کہیں حضرت شاہ صاحب نے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی طور پر نہ تو ذکر کیا ہے اور نہ نام لیا ہے وہ تو عمومی الفاظ استعمال کرتے ہیں سو کسی اور کو اس طرح سمجھ کر پکارنا اور کسی سے ہم کو کیا کام۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تیرہویں غلط فہمی کا ازالہ

نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔ (صراط مستقیم مؤلفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی) جاء الحق ص ۴۰۔

جواب قارئین کرام پہلے چند باتوں کو ملحوظ رکھیں۔

(۱) یہ کتاب صراط مستقیم حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کی نہیں ہے بلکہ یہ کتاب

حضرت سید احمد شہیدؒ کی ہے جیسا کہ صراط مستقیم کے سرورق پر الفاظ موجود ہیں "الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب فضائل الکتاب حاوی ملفوظات حضرت شاہ سید احمد شہید صاحب بریلوی موسوم بہ "صراط مستقیم" جمع کردہ عالم نبیل عارف جلیل مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید" یہ کتاب حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی نہیں بلکہ سید احمد شہیدؒ کی ہے۔

(۲) صراط مستقیم میں حضرت سید شہیدؒ کے سارے ملفوظات حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ کے جمع کردہ نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ خاص اوراق مجاہد جلیل حضرت مولانا عبدالحی صاحب داماد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے جمع کردہ بھی ہیں۔

بہر حال پہلی بات تو خان صاحب نے کذب بیانی کی کہ اس کتاب کی نسبت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی طرف کی۔ اور **ثانیاً** اگر اس عبارت کی وجہ سے حضرت شہید پر کوئی کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں تو۔ العیاذ باللہ حضرت مولانا عبدالحیؒ پر اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ پر بھی ایسے ایسے فتوے عائد ہو نگے۔ بہر حال پیش کردہ عبارت کا مزید جواب یہ ہے کہ اس افادہ اور عبارت میں اصل مقصود یہ ہے کہ نماز کو صحیح معنی میں نماز بنایا جائے اس میں قصداً اور ارادۃً صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اجلال ہی مقصود نظر ہو اور اس انداز سے نماز کو ادا کرے کہ نفس اور شیطان کے تمام حربوں کو بے کار کر کے اپنی باطنی نگاہ اور دھیان صرف رب العزت کی طرف رکھے اور اس طریقے سے نماز پڑھے کہ گویا وہ آنکھوں کے ساتھ پروردگار کو دیکھ رہا ہے اور اس تصوفانہ عبارت میں گویا اس صحیح حدیث شریف کا ملخص اور مفہوم ادا کیا گیا ہے جس میں آیا ہے کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے بصورت ایک اعرابی سائل کے آنحضرتؐ سے چند سوالات کئے تھے جن کے آپ نے جوابات مرحمت فرمائے ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپؐ مجھے اخلاص کے بارے میں خبر دیں تو آپؐ نے فرمایا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے الخ (بخاری جلد ۱ ص ۱۲ مسلم جلد ۱ ص ۲۹ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۱)

چودھویں غلط فہمی کا ازالہ

میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پل صراط پر لے

گئے اور دیکھا کہ حضور علیہ السلام گزرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور کو گزرنے سے روکا۔ (براہین الحیران مصنف مولوی حسین علی شاگرد گنگوہی (ایضاً ص ۴۰۱)

جواب: نبوت کے کسی عقیدے کو ثابت کرنا قطعی طور پر درست نہیں نہ خواب سے استدلال کرنا (باب عقائد میں) حماقت پہنی ہے جیسا کہ انبیاء و رسل کے خواب برحق ہیں لیکن دیگر حضرات کے خواب بھی کبھی برحق ہوتے ہیں اور کبھی غلط بھی خواب ظاہراً بھیانک ہوتے ہیں لیکن اس کی تعبیر بہت اچھی، کبھی ظاہراً اچھے ہوتے ہیں لیکن تعبیر خوفناک، بہرحال عبارت مذکورہ کی تعبیر ایسی کرے روز حشر مولوی حسین احمد کو پل صراط پر حضور ﷺ سے ملاقات ہوگی اور حضور ﷺ مسلک دیوبند پر چلنے والوں کو ہاتھ پکڑ کر جنت تک پہنچائیں گے۔

پندرہویں غلط فہمی کا ازالہ

مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگرد سے نکاح کیا اس نکاح سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہؓ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آئے گی کیونکہ حضرت عائشہؓ کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا تو آپ کی عمر سات سال تھی وہی نسبت یہاں ہے الخ۔ (رسالہ الامداد، جلد ۱۰، ۱۰)

جواب: ماقبل میں بھی میں نے یہ عرض کیا تھا کہ خواب علی حالہ بھی ہوتا ہے اور برعکس بھی، بہرحال حضرت تھانویؒ نے جو تعبیر دی ہے اس میں امہات المومنین رضی اللہ عنہا کی قطعی طور پر توہین نہیں ہے۔

جیسا کہ ایک مرتبہ نکاح سے قبل حضرت علیؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ کے گوشت کا ٹکڑا میری گود میں ہے، اس کی تعبیر معبر نے یہ دی کہ فاطمہ آپ کی زوجیت میں آنے والی ہے۔

رفیقوں سے رقیبہ اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں
گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

خاں صاحب کی جہالت

خان صاحب نے لکھا کہ مولوی اشرف علی تھانویؒ کے ایک مرید نے خواب دیکھا کہ میں اس طرح کلمہ پڑھ رہا ہوں لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پھر درود شریف پڑھا تو یوں نکلا" اللھم صلی علی سیّدنا و نبیّنا و مولانا اشرف علی" اس کی تعبیر حضرت تھانویؒ نے یہ دی کہ (یعنی اس خواب کی تعبیر بتلائی کہ) اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تو رجوع کرتے ہو وہ بعونہٖ تعالیٰ متبع سنت ہے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ خواب کی ایک صورت ہوتی ہے اور اس میں پنہاں ایک حقیقت ہوتی ہے جس کو تعبیر کہتے ہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر خواب بڑا خوشنما اور مژدہ افزا معلوم ہوتا ہے لیکن اسکی حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بادی النظر میں خواب وحشت انگیز دکھائی دیتا ہے مگر اس کے باطنی پہلو اور تعبیر بہت ہی خوش کن اور خوش آئند ہوتی ہے اور تعبیر سامنے آجانے کے بعد خواب دیکھنے والے کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی پس اس لیے کہنا کہ العیاذ باللہ حضرت تھانویؒ نے نبوت کا دعویٰ کیا یہ نہایت ہی حماقت پر مبنی ہے اولاً اس لیے کہ یہ خواب مرید نے دیکھا اور اس کی تعبیر اتباع سنت سے کی گئی **ثانیاً** یہ نیند کی بات ہے نہ کہ بیداری کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خواب نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے اور نیند کی حالت میں جو کلمات زبان سے سرزد ہوتے ہیں شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

بالفرض اگر کسی سے بحالت نیند کلمات کفریہ سرزد ہوں تو اس پر کفر ارتداد کا کوئی فتویٰ نہیں لگ سکتا کیوں کہ وہ شرعاً مرفوع القلم ہے اور نیند کی حالت میں ایسے کلمات صادر ہونے کی وجہ سے مجرم نہیں ہوگا چناں چہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتّٰی یستیقظ وعن المبتلی حتّٰی یبراء وعن الصبی حتّٰی یکبر (الجامع الصغیر جلد۲ ص ۲۴) تین شخص مرفوع القلم یعنی شرعی قانون کی زد سے محفوظ ہیں سونے والا جب تک کہ بیدار نہ ہو اور جنون میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کو افاقہ ہو اور بچہ جب تک کہ بڑا یعنی بالغ نہ ہو جائے۔ پھر آگے خاں صاحب تذکرۃ الرشید وغیرہ کی عبارت پیش کی ہے یہ بھی غلط ہے۔ ❁❁❁

مفتی محمد نسیم رحمانی کے قلم سے

نمبر شمار	اسمائے کتب	فن	زبان	ضخامت
۱-	منکرین اسلام کو دندان شکن جوابات	اسلامیات	اردو	چار جلدیں
۲-	اختلاف الناس اور صراط مستقیم	مناظرہ	اردو	۶۹۰
۳-	بصیرت افروز تقریریں	خطابت	اردو / ہندی / انگلش	۱۵۲
۴-	سات دن کی دلچسپ تقریریں	خطابت	اردو / ہندی / انگلش	۱۴۰
۵-	نجم تاباں کا غروب	سوانح	اردو	۳۵۲
۶-	علماء ہند کی لاکار	خطابت	اردو	۲۴۰
۷-	ہدایت افروز تقریریں	خطابت	اردو / انگلش	۱۴۸
	انفع المسلم شرح اردو مسلم جلد اول	احادیث	اردو	
۸-	انفع المسلم شرح اردو مسلم جلد ثانی	احادیث	اردو	۳۸۴
۹-	ادلة قاطعة على ختم النبوة	ختم نبوت عربی	عربی	۹۶
۱۰-	تبیان الحق بجواب جاء الحق	مناظرہ	اردو / ہندی	۵۴۰
۱۱-	اسلامی انسائیکلو پیڈیا	اسلامیات	اردو	۳ جلدیں
۱۲-	تقاریر رحمانی	خطابت	اردو	
۱۳-	گلہائے عقیدت	سوانح	اردو منظوم	۱۹۶
۱۴-	تاریخ صفہ	تاریخ	اردو	۱۹۶
۱۵-	تصانیف حجۃ الاسلام	متعدد فنون	اردو / فارسی	۹ جلدیں
۱۶-	کشکول رحمانی	دعائیں	اردو / عربی	۱۹۶

محمد نسیم رحمانی بانی و مدیر المعہد العالی الاسلامی دہلی
Mufti Mohammad Nasim Rahmani
Al Mahadul Aali Al Islami 764-Pcket-4 Sec A/6 Narela Delhi 40
Phon & Fax 011-27782371 Mob-9910025652
Email-muftirahmani26@yahoo.com